www.KitaboSunnat.com
فقہ
کتاب و سنت
قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہی احکام و مسائل

اللباب
"مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ"
اللہ جس سے بھلائی کرنا چاہے، اُسے دین کا فہم عطا کر دیتا ہے
فِقہ
کتاب و سُنّت
www.KitaboSunnat.com
قرآن و حدیث کی روشنی میں فقہی احکام و مسائل
تالیف: محمد صبحی بن حسن حلاق
ترجمہ: مولانا عمر فاروق سعیدی
نظرِ ثانی: مفتی عبد الولی خان
دار السلام
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalam.com

• الریاض۔ العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 01 • سویلم فون: 2860422 01

• مندوب الریاض: موبائل: 0503459695 • قصیم (بریدہ): فون / فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156

• مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948 • مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0504296740

• جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 • الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551

• ینبع البحر فون / فیکس: 3908027 04 • خمیس مشیط فون / فیکس: 2207055 07

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ ہوسٹن: 7220419 713 001 • نیویارک: 6255925 718 001

لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ

فون: 37232400-37240024-37324034 42 0092 فیکس: 37354072 موبائل: 0322-8484569

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

• غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 37120054 فیکس: 37320703 موبائل: 0321-4439150

• مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن فون: 37846714 موبائل: 0321-4156390

• Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 35692610 موبائل: 0321-4212174

اسلام آباد F-8 مرکز، فون / فیکس: 2281513 موبائل: 0321-5370378

کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی

فون: 34393936 فیکس: 34393937 موبائل: 0321-2441843

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

حلاق، محمد صبحي بن حسن

اللباب في فقه السنة والكتاب - الاردية / محمد صبحي بن حسن حلاق - الرياض، ١٤٣١ هـ

صفحات: ٧١٢ مقاس: ٢٤×١٧

ردمك: ٠-٧٢-٥٠٠-٩٩٦٠-٩٧٨

١ - الفقه الاسلامي أ. العنوان ديوي ٢٥٠ ١٤٣١/٨٥٨

رقم الإيداع: ١٤٣١/٨٥٨ ردمك: ٠-٧٢-٥٠٠-٩٩٦٠-٩٧٨

مضامین

مضامین	صفحہ نمبر

باب 2

نماز کے احکام و مسائل

باب 3

روزوں کے احکام ومسائل

باب 4

زکاۃ کے احکام ومسائل

باب 5

حج کے احکام ومسائل

مضامین	صفحہ نمبر
عشاء کی نمازیں جمع تاخیر سے پڑھنا	435
○ مزدلفہ میں رات گزارنا، فجر کی نماز پڑھنا اور سورج نکلنے سے پہلے روانگی	435
○ مشعر الحرام کے پاس وقوف اور اللہ کا ذکر	435
○ جمرۂ عقبہ کو کنکریاں سورج نکلنے کے بعد ماری جائیں	436
○ بوڑھے اور کمزور لوگ آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے جا سکتے ہیں	436
○ سر کے بال مونڈنا یا تراشنا	437
○ خواتین کو سر منڈانے کا حکم نہیں، وہ تھوڑے سے بال کتر لیں	437
○ جو شخص جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار چکے اس کے لیے بیوی کے سوا ہر چیز حلال ہو جاتی ہے	437
○ جو شخص رمیِ جمرہ سے پہلے سر منڈوا لے، قربانی کر لے یا طواف افاضہ کر لے تو اس کا کوئی حرج نہیں	438
○ ایام تشریق کی راتیں منیٰ میں گزارنا	438
○ روزانہ تینوں جمرات کو کنکریاں مارے	439
○ قربانی کے دن خطبہ مستحب ہے	439
○ ایام تشریق کے درمیانی دن بھی خطبہ مستحب ہے	440
○ حاجی قربانی والے دن طوافِ افاضہ کرے	440
○ حاجی طوافِ وداع کرے	440
○ حاجی کو اپنے ساتھ تبرک کے طور پر آبِ زمزم لے جانا چاہیے	441
○ حُرمِ مدینہ کے شکار اور درختوں کا حکم بھی حرم مکہ کا سا ہے	441
○ جو شخص حرمِ مدینہ میں درخت کاٹے یا ان کے پتے جھاڑے اس کا سامان چھین لیا جائے	442
* حج میں رواج پانے والی بدعات	442
○ سفر حج اور احرام کی بدعات	442
* طواف کی بدعات	443
* کعبہ کے متعلق بدعات	444
* زمزم کے متعلق بدعات	444
* سعی کی بدعات	444
* عرفہ کی بدعات	445
* مزدلفہ کی بدعات	446
* احرام کھولنے کے موقع کی بدعتیں	447
* رمیِ جمرات کی بدعتیں	448
* سب سے افضل ہدی (قربانی حرم)	448
○ اونٹ / اونٹنی	448
○ گائے	449
○ بھیڑ بکری	449
○ ہدی میں گائے اور اونٹ کی قربانی سات افراد کی طرف سے کافی ہے	449
○ ہدی پیش کرنے والے کے لیے اپنے قربان کردہ جانور کا گوشت کھانا سنت ہے	449
○ ہدی کے جانور پر سوار ہونا جائز ہے	449
○ بیت اللہ کی جانب بھیجی جانے والی ہدی کے	

مضامین	صفحہ نمبر

باب 6

نکاح کے احکام ومسائل

باب 7

خرید و فروخت کے احکام و مسائل

باب 8

قسموں کے احکام و مسائل

باب 9

نذروں کے احکام ومسائل

باب 10

کھانے پینے کے متعلقہ احکام ومسائل

باب 16

قصاص کے احکام ومسائل

باب 17

دیت کے احکام ومسائل

مضامین	صفحہ نمبر

باب 18

قضا کے احکام ومسائل

مضامین	صفحہ نمبر

باب 19

جہاد کے احکام و مسائل

عرض ناشر

''اَللُّبَابُ فِي فِقْهِ السُّنَّةِ وَالْكِتَاب'' کے زیرِ عنوان یہ کتاب یمن کے ایک جید اور معروف عالم دین فضیلة الشیخ محمد صبحی بن حسن حلاق ﷾ کی صحیح احادیث کی روشنی میں فقہی احکام و مسائل پر مشتمل ایک نہایت مستند تالیف ہے جو عالمِ عرب میں بہت مقبول و معروف ہے۔ شیخ الحدیث مولانا عمر فاروق بن عبدالعزیز السعیدی ﷾ نے اِس اہم کتاب کا بہت آسان اُردو میں خوبصورت ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب میں ایک سچے مومن کے لیے قرآن وسنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کے تمام طریقے بڑی وضاحت سے پیش کیے گئے ہیں۔ کتاب کا مدعا یہ ہے کہ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کرے۔ ایسی مسنون زندگی کی پہلی شرط ظاہری اور باطنی پاکیزگی کا حصول ہے۔

فاضل مؤلف نے اس کتاب کا آغاز ہی کتاب الطهارة کے عنوان سے کیا ہے۔ اس کے دس ابواب ہیں۔ سب سے پہلے انھوں نے باطنی پاکیزگی پر زور دیا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ جب تک انسان کفر، شرک اور بدعت کی نجاست سے چھٹکارا نہیں پائے گا، اس کا باطن پاک نہیں ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی پہلی شرط طہارت و پاکیزگی ہے۔ انھوں نے غسل، وضو اور تیمم کے طریقے تفصیل سے بتائے ہیں اور آگاہ کر دیا ہے کہ ناپاکی زائل کرنے کی اصل چیز پانی ہے۔ پانی کس قسم کا ہونا چاہیے؟ کون سا پانی ایسا ہے جو طہارت کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا؟ وہ کون کون سی حالتیں ہیں جن میں غسل اور وضو لازم آتا ہے؟ کھانے پینے کی کون سی چیزیں پاک اور حلال ہیں۔ اور کون سی ناپاک اور حرام ہیں؟ جن خواتین پر مخصوص ایام طاری ہوں، جو زچگی کی حالت میں ہوں یا زچگی سے فراغت پا چکی ہوں ان کے بارے میں شریعت کے کیا احکام ہیں؟ اور انھیں اپنی طہارت و نظافت کے لیے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟ یہ تمام باتیں اور ضمناً دیگر بہت سے متعلقہ موضوعات اس باب میں بہ تمام و کمال آ گئے ہیں۔ ہر مسلمان عورت اور مرد اس باب کے مطالعے سے کامل طہارت کے طریقے آسانی سے سیکھ سکتا ہے۔

اس کے بعد فاضل مؤلف نے نماز، زکاۃ اور حج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کے تعامل

کے بارے میں اس قدر جامع تشریحات کی ہیں جو عام آدمی کو بڑی بڑی تصنیفات سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا پورا نقشہ ایک ایک جز سمیت اتنی صراحت سے پیش کیا ہے کہ اوسط درجے کا تعلیم یافتہ قاری بھی اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ فاضل مؤلف نے ان اوقات کی خاص طور پر نشاندہی کی ہے جن میں نماز پڑھنا منع ہے۔ ضمناً یہ بھی بتا دیا ہے کہ جن اوقات میں نماز پڑھنا منع ہے، انھی اوقات میں کسی میت کی تدفین کی بھی ممانعت ہے۔ نماز کے باب میں اصل ضرورت تعلق مع اللہ اور اخلاص نیت کی ہے۔ جو شخص بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی نماز کو پیش نظر رکھ کر نماز پڑھے گا وہ اس کا بابرکت ثمرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ زکاۃ کے باب میں مؤلف نے دیہاتی بھائیوں کے لیے بڑا مفید کام کیا ہے۔ انھوں نے اہم آگہی بخش چارٹ اور جدول بنائے ہیں۔ ان میں مویشیوں کی زکاۃ ادا کرنے کا نصاب درج کر دیا ہے۔ ان چارٹوں کی روشنی میں ہمارے زمیندار بھائی بہت آسانی سے زکاۃ کے بنیادی فریضے سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

نکاح پاکیزہ معاشرے کی اساس ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو ایسی عورتوں سے شادی کی تلقین فرمائی ہے جو سچی حق پرست اور دیندار ہوں۔ نوجوانوں سے درخواست ہے کہ شادی ضرور کیجیے مگر شادی کے تین نقطے اڑا دیجیے، یعنی شادی سادی کیجیے۔ تیل، مہندی، مایوں، آتش بازی، بھاری جہیز، بَری، بارات، گانے باجے اور ڈھول ڈھمکے کے قریب بھی نہ پھٹکیے، یہ رسمیں ہمارے معاشرے میں ہندوؤں کے زیر اثر رواج پا گئیں۔ لوگ ''ناک'' رکھنے کے لیے بھاری سود پر قرضے لیتے ہیں اور یہ رسمیں ادا کرتے ہیں۔ اس بدرسمی کی وجہ سے ہمارے ہاں بے شمار لوگ مالی بوجھ تلے پچک گئے اور خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے۔ بے شمار غریب بچیوں کے بال سفید ہو گئے۔ ان کے رشتے محض اس لیے نہ ہو سکے کہ ان کے مفلوک الحال والدین بھاری جہیز دینے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ یہ الم انگیز صورتحال ہنوز جاری ہے۔ ان سب ظالمانہ رسوم کے خاتمے اور صحیح دینی تعلیمات کے مطابق شادی بیاہ کے لیے اس کتاب کے باب النکاح سے رہنمائی حاصل کیجیے۔

اسلام نے سود کو قطعی حرام قرار دیا ہے۔ مگر ہمارے ہاں سارا نظام معیشت سود کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی خوفناک جسارت ہے۔ سود کی وجہ سے ہمارے معاشرے پر اللہ کی لعنت بارش کی بوندوں کی طرح برس رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ امیر بھی پریشان ہیں اور غریب بھی دکھی ہیں۔ کسی کو کسی کل چین نہیں۔ ہمارے تجارتی نظام پر ورلڈ بنک کی پالیسیوں کا غلبہ ہے۔ ملاوٹ، جعل سازی، ہیرا پھیری، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری اور دو نمبر گول مال نے ہماری تجارتی منڈیوں کو کباڑے کا بازار بنا دیا ہے۔ الا ماشاء اللہ! آٹے میں نمک کے برابر دیانتدار تاجروں کو مستثنیٰ کر دیجیے اور باقی کاروباری بھائیوں کو دیکھیے، آپ انھیں تجارتی

لین دین کے اسلامی اصولوں سے کورا پائیں گے۔ تاجر بھائی اس کتاب میں تجارت کے دینی احکام غور سے ملاحظہ فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

خواتین ہمارے معاشرے کا نہایت محترم مگر مظلوم طبقہ ہیں۔ ملال یہ ہے کہ وہ والدین کے گھر سے سسرال کی چوکھٹ تک ناانصافی کے سائے میں سفر کرتی ہیں۔ اکثر والدین اپنی بچیوں کے لیے وراثت کا حصہ مختص نہیں کرتے۔ کوئی بچی دبے لفظوں میں اپنا حصہ مانگ بھی لے تو جواب یہ ملتا ہے کہ ہم نے تمھاری شادی پر جو پیسہ لگایا ہے بس وہی تمھارا وراثتی حصہ تھا جو تمھیں مل چکا...... رہے سسرال والے تو ان کی غالب اکثریت بہو کے حقوق گول کر جاتی ہے۔ یہ صریحاً ظلم ہے۔ اور ظالم کے ساتھ اللہ کی مدد نہیں ہے۔ اس کتاب میں محترم خواتین کے وراثتی حقوق کی مفصل وضاحت کی گئی ہے۔ اسے بغور پڑھیے اور خواتین کو ان کا حصہ دے کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کیجیے۔

علم اٹل سچائیوں کی جستجو اور ذوقِ آگہی (Self Communication) کا نام ہے۔ سائنس کے علوم اور ٹیکنالوجی کے طلسماتی کمالات نے آج کے انسان کو مادی آسائشیں تو دے دی ہیں مگر بصیرت نہیں دی۔ یہ صرف قرآن وسنت ہی کی تعلیمات کا معجزہ ہے کہ وہ انسان کو بہبود ہی نہیں بصیرت بھی عطا کرتی ہیں۔ اس کتاب کی ہر سطر بصیرت کے نور سے چمک رہی ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کسے کہتے ہیں، تہذیب نفس کے صحیح آداب کیا ہیں، فرد کے سدھار اور سماج کی فلاح کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ فی الجملہ یہ کتاب اسلامی فقہ کا نہایت اہم جامع ومانع مرقع ہے۔ اس پر قرآن وسنت کے استناد کی مہر لگی ہوئی ہے اس لیے یہ ہر طبقے کے احباب کی زیادہ سے زیادہ توجہ کی مستحق ہے۔ ہائی اسکولوں کے اساتذہ کرام، کالج اور یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان اور طلبائے عزیز، عدالتوں کے جج اور وکیل، سول اداروں کے حکام، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے صحافی، فوج اور پولیس کے سپاہی اور جرنیل، منڈیوں کے چھوٹے بڑے تاجر، زمیندار، ہاری، پٹواری، پنساری اور بیوپاری غرضیکہ سوسائٹی کے ہر مرد اور عورت کو اس کتاب کا مطالعہ احترام اور التزام سے کرنا چاہیے اور اپنے اپنے دائرۂ عمل میں اللہ کے احکام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے پیارے پیارے طریقے رائج کرنے چاہئیں۔ اس مقصد کے لیے یہ کتاب بہترین Guide Book ہے۔

ممتاز عالم دین مولانا مفتی عبدالولی خان نے اس کتاب پر نظر ثانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ انھوں نے پورے مسودے کو خوب جانچا اور پرکھا ہے۔ وہ فاضل مؤلف کے بیان کردہ مآخذ تک گئے۔ تمام مضامین ومفاہیم کی صحت کا جائزہ لیا۔ انھوں نے جہاں جہاں ضرورت محسوس کی ہے لفظی اور معنوی اغلاط کی تصحیح فرمائی ہے۔ ان کے ترامیم وتوضیحات

کے آثارِ کمال آپ کو جا بجا نظر آئیں گے۔ شعبہ فقہ و متفرقات کے انچارج حافظ محمد ندیم اور ان کے رفقاء مولانا مشتاق احمد، مولانا عبداللہ ناصر، پروفیسر منیر احمد رسولپوری، مولانا عبدالرحمٰن اور ڈیزائننگ سیکشن کے اسد علی، ہارون الرشید اور کمپوزنگ سیکشن کے محمد رمضان شاؔد، عبدالواسع اور وسیم کیلانی نے اس کتاب کی تکمیل کے لیے جو محنت کی ہے وہ یقیناً قابلِ تحسین ہے۔

ع...... اللہ کرے ذوقِ ہنر اور زیادہ!

خادم کتاب وسنت
عبدالمالک مجاہد
منیجنگ ڈائریکٹر دارالسلام، الریاض، لاہور

دسمبر 2009ء

حرف اوّل

زندگی کیا ہے؟ اور کس لیے عطا کی گئی ہے؟ ہم نے ان سوالات پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔ ہمارے سر مدتوں سے محرابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ہمیں اپنے فرائضِ حیات کا سرے سے کوئی احساس ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں مکافاتِ عمل نے گھیر لیا ہے اور طرح طرح کی پریشانیاں اور مصیبتیں ہمارا مقدر بن گئی ہیں۔

زندگی کی حقیقت اور اس کے بالیدہ مقاصد کے بارے میں ہمارے دین قیم نے 1400 برس پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا اور یہ حقیقت اچھی طرح روشن کر دی تھی کہ زندگی کا دِیا اس لیے بخشا گیا ہے کہ ہم خود بھی منور ہو جائیں اور دوسروں کو بھی درخشاں کر دیں، یعنی ہم خود بھی اچھے انسان بنیں اور دوسروں کو بھی آگاہی، اچھائی، بھلائی، خیر خواہی اور پارسائی کی راہ دکھا کر اچھا انسان بنانے کی جدوجہد کریں اور انھیں رب العزت کی بندگی اور سماج کی خدمت پر مامور کر دیں۔

کتنے مبارک، کس قدر معزز اور محبوب ہیں وہ لوگ جو زندگی کا اصل مقصد سمجھ کر اپنی متاعِ علم و عمل سے ابنائے آدم کی زندگی میں علم و عمل کی مشعلیں روشن کرتے ہیں اور اللہ رب العزت کی رضا کا تاج پہن لیتے ہیں۔ اس مبارک سلسلے کے جلیل القدر علماء میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، شیخ ابن باز، شیخ عثیمین اور عظیم محدث شیخ البانی ﷭ ہیں اور انھی عظیم اصحاب علم کی کتب سے استفادہ کرنے والوں میں صنعاء (یمن) کے عالم دین محمد صبحی بن حسن حلاق ﷾ ہیں، آپ ایک ایسے عالم دین ہیں جو لوگوں کو قرآن و سنت کے علوم سے مالا مال کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ زیر نظر کتاب "اللباب في فقه السنة والكتاب" ان کی ایسی ہی ایک سعیِ جمیل کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب مخزنِ علوم ہے جو ایمان کو جلا بخش کر ذوقِ عمل بیدار کرنے کی تاثیر سے لبریز ہے۔

مقدمۂ کتاب اور فہرست مضامین پر ایک نظر ڈالتے ہی اس کتاب کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ درس و تدریس اور تبلیغ و دعوت میں مصروف حضرات و خواتین اور علوم شرعیہ کے طلبہ کے لیے یہ کتاب انتہائی مفید ہے۔ فقہ اسلامی کے جملہ موضوعات، ان کے صحیح ترین دلائل، مختلف آراء و فتاویٰ میں سے راجح کا انتخاب اور ان کے حوالہ جات کا

اہتمام اس کتاب کی امتیازی خوبی ہے۔اس کی زبردست افادیت کے پیش نظر دارالسلام نے اسے سلیس اردو میں پیش کرکے خوانندگان محترم تک پہنچانے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں اس گرانمایہ کتاب کا اردو میں ترجمہ کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی جسے میں نے بساط بھر بطریق احسن پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور یہ کتاب نہ صرف طلبہ، مبلغین اور مدرسین کے لیے بلکہ عام مسلمانوں کے لیے بھی نفع بخش ثابت ہو اور ان کے قدموں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کردے۔

عمر فاروق بن عبدالعزیز السعیدی السّلفی
شیخ الحدیث: جامعہ مراۃ القرآن والحدیث، واربرٹن (ننکانہ)
(سابق مدیر التعلیم وعمید کلیۃ الحدیث الشریف، جامعہ ابی بکر الاسلامیہ، کراچی)

مقدمۂ مؤلف

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اسی کی حمد کرتے، اسی سے مدد چاہتے اور معافی مانگتے ہیں۔ ہم اپنے شرور نفس اور اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾

”اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔“ [1]

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴾

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو اور رشتے توڑنے سے ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔“ [2]

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔ وہ تمھارے عمل درست کر دے گا اور تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، تو یقیناً اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔“ [3]

اما بعد:

---

[1] آل عمرٰن 3:102۔ [2] النسآء 4:1۔ [3] الأحزاب 33:70، 71۔

بلاشبہ سب سے بڑی صداقت اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت، محمد ﷺ کی سیرت ہے۔ سب سے برے کام وہی ہیں جو دین میں نئے ایجاد کردہ ہیں، دین میں ہر نئی بات بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں جھونکنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ﴾

"پھر ان کے ہر فرقے میں سے ایک گروہ دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے کیوں نہیں نکلتا۔" [1]

حُمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَّاللهُ يُعْطِي، وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى أَمْرِ اللهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ»

"اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے، میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں جبکہ عطا کرنے والا اللہ ہی ہے اور یہ امت اللہ کے امر (دین) پر قائم رہے گی، اس کے مخالف اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے حتی کہ اللہ کا فیصلہ آ جائے۔" [2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ»

"جس شخص سے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرمالے، اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔" [3]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾

---

[1] التوبة 9:122.

فقہ: (باعتبار لغت) حاضر معلوم علم کے ذریعے سے نامعلوم غائب علم تک پہنچنا، فقہ کہلاتا ہے، بنابریں علم کے مقابلے میں فقہ اخص، یعنی زیادہ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا﴾ "چنانچہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ کوئی بات ہو، یہ اسے سمجھنے کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔" (النسآء 4:78) اور اصطلاحًا فقہ سے مراد "احکام شریعت" کا علم ہے۔ عربی میں: فَقُهَ الرَّجُلُ فَقَاهَةً جب آدمی فقیہ بن جائے۔ فَقِهَ/فَقِهَهٗ فہم کے معنی میں، یعنی جب وہ کوئی بات سمجھ جائے۔ تَفَقَّهَ: جب وہ اس کے درپے ہو اور اس میں ماہر ہو جائے۔ اسی معنی میں یہ آیت کریمہ: ﴿لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ﴾ (التوبة 9:122) ہے۔ (مفردات ألفاظ القرآن للراغب الأصفهاني، ص: 643,642)

[2] صحيح البخاري، العلم، باب من يرد الله به خيرًا يُفَقِّهْهُ في الدين، حديث: 71، وصحيح مسلم، الزكاة، باب النهي عن المسألة، حديث: 1037. [3] [صحيح] جامع الترمذي، العلم، باب إذا أراد الله بعبد خيرًا فقهه في الدين، حديث: 2645، ومسند أحمد: 1/306.

''اللہ ان لوگوں کو درجات کے لحاظ سے بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا۔''[1]
یعنی اللہ تعالیٰ صاحب علم مومن کو بے علم مومن پر دنیا میں فوقیت اور سر بلندی عطا فرماتا ہے، اسے بڑی اچھی شہرت سے نوازتا ہے اور وہ آخرت میں بہت زیادہ ثواب پائے گا جو اس کے لیے جنت میں بلندیِ درجات کا باعث ہوگا۔[2]

عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نافع بن عبدالحارث رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مقام عُسفان میں ملے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مکہ کا گورنر مقرر کیا ہوا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: آپ اہل وادی کا عامل کسے بنا کر آئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ابن ابزیٰ کو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون ابن ابزیٰ؟ کہا کہ ہمارے موالی (آزاد کردہ غلاموں) میں سے ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم نے ان پر اپنا نائب ایک غلام کو بنا دیا ہے؟ جناب نافع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: وہ قرآن کریم کا قاری (اور عالم) اور علم وراثت کا ماہر ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر یہی بات ہے تو سن لو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا ، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے کچھ قوموں کو سر بلندی دیتا ہے اور اسی کے ذریعے سے کچھ دوسروں کو نیچا کر دیتا ہے۔''[3]

اور اہل علم اللہ عزوجل کی توحید کے گواہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے (اس کا اعتراف کرتے ہوئے) فرمایا:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ﴾

''اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی (گواہی دی ہے) درآں حالیکہ وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔''[4]

اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی گواہی کو اپنی اور فرشتوں کی گواہی کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔ اس میں اہل علم کی بڑی قدر افزائی، شرف اور فضیلت ہے۔ اہل علم وہ لوگ ہیں جو ہر زمان و مکان میں قائد اور سردار رہے ہیں۔ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور اس کی طرف پھیرنے والے ہیں، اللہ کی نافرمانی اور مخالفت کے سنگین نتائج سے خبردار کرنے والے اور بلاخوف و خطر اعلان حق کرنے والے ہیں۔

[1] المجادلة 58:11. [2] زاد المسير في علم التفسير، المجادلة 58:11. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه......، حديث: 817. عُسفان، مکہ مکرمہ اور جُحفة مکہ کے درمیان ایک منزل اور گھاٹ کا نام ہے۔ اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں شدید سیلاب آتے تھے۔ (معجم البلدان: ع،س،ف) [4] آل عمرٰن 3:18.

قارون کے مال اور جاہ و جلال سے مرعوب ہوکر جب لوگ آزمائش میں پڑ گئے اور تمنا کرنے لگے کہ کاش! انھیں بھی قارون کی طرح مال و دولت حاصل ہوتو علماء نے انھیں سمجھایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾

”اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا، انھوں نے کہا: افسوس تم پر! اس شخص کے لیے اللہ کا ثواب بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے۔“ [1]

لٰہذا جو شخص دنیا اور آخرت میں فلاح کا آرزومند ہے تو اسے چاہیے کہ اخلاص نیت سے علم اور دین میں رسوخ حاصل کرے۔ نبی ﷺ نے اس بارے میں نیت کی خرابی سے بہت ڈرایا ہے۔

* سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِّمَّا يُبْتَغٰى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ، لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» يَعْنِي: رِيحَهَا.

”جس نے کوئی ایسا علم حاصل کیا جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے، مگر اس کی غرض یہ رہی کہ اس کے ذریعے سے دنیا کا مال واسباب کما لے تو ایسا آدمی قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔“ [2]

* سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار ان فتنوں کا ذکر کیا جو آخر زمانے میں ہوں گے تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: اے علی! یہ فتنے کب واقع ہوں گے؟ انھوں نے جواب دیا:

«إِذَا تُفُقِّهَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ، وَتُعُلِّمَ الْعِلْمُ لِغَيْرِ الْعَمَلِ، وَالْتُمِسَتِ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ»

”جب فقاہت حاصل کی جائے گی مگر دین کے لیے نہیں، علم حاصل کیا جائے گا مگر عمل کے لیے نہیں اور آخرت والے اعمال کے ذریعے سے دنیا طلب کی جائے گی۔“ [3]

* سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوا بِهِ الْعُلَمَاءَ، وَلَا لِتُمَارُوا بِهِ السُّفَهَاءَ، وَلَا تَخَيَّرُوا بِهِ الْمَجَالِسَ. فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ، فَالنَّارُ النَّارُ»

---

[1] القصص 80:28. [2] [صحيح] سنن أبي داود، العلم، باب في طلب العلم لغير الله، حديث: 3664، وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، حديث: 252. [3] [أثر صحيح] المصنف لعبدالرزاق: 360/11، حديث: 20743، والمستدرك للحاكم: 451/4، حديث: 8392، وصحيح الترغيب و الترهيب، حديث: 107.

''علم اس غرض سے نہ حاصل کرو کہ اس کے ذریعے سے دوسرے علماء پر فخر کرو، یا بیوقوف لوگوں کے ساتھ جھگڑے کرو، یا اس کے ذریعے سے مجالس میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی کوشش کرو، جس نے ایسا کیا تو (اس کے لیے) آگ ہے آگ!'' [1]

* ایک اور حدیث میں ان تین آدمیوں کے لیے بڑی سخت وعید آئی ہے، جن کے اعمال ریاکاری نے خراب کر دیے اور انھیں مخلص لوگوں کی صف سے نکال کر جھوٹے نمائشی لوگوں کی فہرست میں شامل کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔ (اَللّٰھُمَّ! أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ)

«رَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ، فَأُتِيَ بِهِ، فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا. قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ. قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ، وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ، فَقَدْ قِيلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهِ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ»

ان میں سے ایک ''وہ آدمی ہوگا جس نے خود علم حاصل کیا، دوسروں کو سکھایا اور قرآن بھی پڑھتا رہا، چنانچہ اسے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد کرائے گا، وہ ان کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا: تو نے ان کے بدلے میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا، اوروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لیے قرآن پڑھا۔ اللہ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے اس غرض سے علم حاصل کیا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے، تو نے قرآن اس لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے، چنانچہ وہ کہہ دیا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں پھینک دیا جائے گا۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قیامت کے ہولناک مناظر میں سے ایک نہایت خوفناک منظر بیان فرمایا ہے جس کا تعلق ایسے لوگوں سے ہے جن کا عمل ان کے علم کے منافی اور خلاف ہے۔

* جناب ابووائل سے روایت ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے:

«يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ، فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فِي النَّارِ، فَيَدُورُ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ، فَيَجْتَمِعُ أَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُولُونَ: يَا فُلَانُ! مَا شَأْنُكَ؟ أَلَيْسَ

[1] [صحيح] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب الانتفاع بالعلم والعمل به، حديث: 254، وصحيح ابن حبان (الإحسان): 147/1، حديث: 77، والمستدرك للحاكم: 86/1، حديث: 292، و صحيح الترغيب و الترهيب، حديث: 105,104.

[2] صحيح مسلم الإمارة، باب من قاتل للرياء والسمعة......، حديث: 1905.

كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالَ: كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيهِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ»

''ایک آدمی کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیا جائے گا تو آگ میں اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی اور وہ ان کے گرد اس طرح چکر کاٹے گا جیسے گدھا اپنی چکی کے اردگرد گھومتا ہے۔ جہنمی لوگ اس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے: اے فلاں شخص! کیا بات ہے؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہ دیا کرتا تھا اور برائی سے نہ روکا کرتا تھا؟ وہ کہے گا: میں تمھیں تو نیکی کی تلقین کرتا تھا مگر خود نہیں کرتا تھا، تمھیں برائی سے روکتا تھا مگر خود برائی کا ارتکاب کرتا تھا۔'' [1]

* جناب لقمان بن عامر سے مروی ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: مجھے اپنے رب سے اس بات کا ڈر ہے کہ وہ مجھے قیامت کے دن مخلوقات کے سامنے بلائے اور کہے: اے عویمر! (یہ ان کا نام ہے) میں کہوں گا: میں حاضر ہوں اے میرے رب! اور اللہ تعالیٰ پوچھے گا: تو نے اپنے علم پر کیا عمل کیا ہے؟ [2]

کسی صاحب نے خوب کہا ہے:

اِعْمَلْ بِعِلْمِكَ تَغْنَمْ أَيُّهَا الرَّجُلُ
لَا يَنْفَعُ الْعِلْمُ إِنْ لَّمْ يَحْسُنِ الْعَمَلُ

''اے جواں مرد! اپنے علم کے مطابق عمل کر فائدے میں رہے گا، اگر عمل اچھا نہ ہوا تو علم کا کیا فائدہ؟''

وَالْعِلْمُ زَيْنٌ وَتَقْوَى اللهِ زِينَتُهُ
وَالْمُتَّقُونَ لَهُمْ فِي عِلْمِهِمْ شُغُلُ

''علم ایک حسن ہے اور اللہ کا تقویٰ اس کی زینت ہے اور متقی لوگ اپنے علم ہی میں مشغول رہتے ہیں۔''

وَحُجَّةُ اللهِ يَاذَا الْعِلْمِ بَالِغَةٌ
لَا الْمَكْرُ يَنْفَعُ فِيهَا وَلَا الْحِيَلُ

''اے صاحب علم! اللہ کی حجت بڑی مضبوط ہے، اس کے مقابلے میں کسی قسم کا کوئی مکر یا حیلہ نہیں چلے گا۔''

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حديث: 3267، وصحيح مسلم، الزهد، باب عقوبة من يأمر بالمعروف ولا يفعله، حديث: 2989. [2] [أثر صحيح] شعب الإيمان للبيهقي: 299/2، حديث: 1852، وسنن الدارمي: 71/1، حديث: 269.

تَعَلَّمِ الْعِلْمَ وَاعْمَلْ مَا اسْتَطَعْتَ بِهِ
لَا يُلْهِيَنَّكَ عَنْهُ اللَّهْوُ وَالْجَدَلُ

''علم حاصل کرو اور جس قدر ہو سکے اس پر عمل کرو، تجھے مقدس کام سے کوئی اور مشغلہ یا لڑائی جھگڑا ہر گز غافل نہ کردے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے تمام اوامرونواہی میں آپ کی کامل اتباع کو تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ﴾

''اور اللہ کا رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے منع کرے تو اسے چھوڑ دو۔''

یعنی مالِ فے (وغیرہ) میں سے تمھیں جو کچھ اللہ کے رسول ﷺ عنایت فرمائیں، اسے حلال سمجھتے ہوئے لے لو اور جس کے لینے سے منع کر دیں اس سے باز رہو۔ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ ﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو'' [1] یعنی مالِ فے (وغیرہ) کے معاملے میں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی سخت سزا دینے والا ہے'' یعنی اگر تم نے وہ عمل کرلیا جس سے تمھیں رسول اللہ ﷺ نے منع کیا۔

سیاق کے اعتبار سے آیت کے یہ اصلی معنی ہیں مگر یہ اپنے معنی اور مفہوم میں عام ہے، یعنی ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ پیش فرمائیں اسے تسلیم کرو اور لے لو، خواہ امر ہو یا نہی، قول ہو یا فعل۔ قرآنی آیات میں سبب نزول اگرچہ خاص ہوتا ہے مگر اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے۔

الغرض یہ آیت کریمہ صریح نص ہے کہ ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس لائے ہیں اور آپ نے ہم تک پہنچائی ہے، خواہ وہ احکام ہوں یا کچھ اور، کتاب اللہ میں مذکور ہوں یا سنت میں، جب اس کی نسبت نبی ﷺ کی طرف صحیح ثابت ہو جائے تو اسے قبول کرنا فرض و لازم ہے۔ اسی طرح جن چیزوں سے آپ نے منع فرمایا ہے، ان سے اور ان تمام غلط کاموں سے جن کا بیان کتاب و سنت میں آ گیا ہے، باز رہنا فرض ہے۔ [2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: ''لعنت کی ہے اللہ نے جسم گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر، (چہرے سے) بال نوچنے والیوں اور نچوانے والیوں پر اور حسن کی خاطر اپنے دانتوں کو کھرچنے والیوں پر، جو اللہ کی خلقت کو تبدیل کرتی ہیں۔'' یہ بات بنو اسد کی ایک عورت نے سنی جس کا نام ام یعقوب تھا۔ یہ خاتون قرآن پڑھا کرتی تھی۔ وہ ان کے پاس آئی اور کہنے لگی: یہ کیا حدیث ہے جو میں نے آپ کے حوالے سے سنی ہے

[1] الحشر 7:59. [2] الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، الحشر 7:59.

کہ آپ نے جسم گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر، (چہرے سے) بال نوچنے والیوں اور نچوانے والیوں پر اور حسن کی خاطر اپنے دانتوں کو کھرچنے والیوں پر لعنت کی ہے، جو اللہ کی خلقت کو تبدیل کرتی ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، حالانکہ یہ بات اللہ کی کتاب میں ہے۔ وہ عورت کہنے لگی: میں نے سارا قرآن پڑھا ہے، مجھے تو اس میں یہ بات کہیں نہیں ملی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اگر تو نے قرآن کریم پڑھا ہوتا تو یقیناً یہ بات پا لیتی، اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾

”اور اللہ کا رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے منع کرے تو اسے چھوڑ دو۔“ [1]

پھر وہ عورت کہنے لگی: ان ممنوعہ باتوں میں سے کچھ چیزیں تو تمھاری بیوی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ انھوں نے کہا: جاؤ اور دیکھ لو، چنانچہ وہ عبداللہ کی بیوی کے ہاں گئی مگر کوئی ایسی چیز نہ پا سکی جس کی ممانعت کی گئی تھی، پھر وہ عبداللہ کے پاس لوٹ آئی اور کہنے لگی: میں نے آپ کی اہلیہ میں کوئی ممنوعہ چیز نہیں دیکھی تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس میں کوئی ایسی ممنوعہ بات ہوتی تو ہم اس سے باہمی تعلقات نہ رکھتے (بلکہ اسے طلاق دے دیتے)۔“ [2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ﴾

”پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔“ [3]

یعنی اے مومنو! اگر تمھارا کسی دینی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ کی طرف لوٹاؤ، یعنی کتاب اللہ سے اللہ کا حکم معلوم کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر ان سے اس کا حکم معلوم کرو، اگر وہ وفات پا جائیں تو ان کی سنت میں تلاش کرو۔

* سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَافْعَلُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ، وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ»

[1] الحشر 7:59. [2] صحیح مسلم، اللباس والزینة، باب تحریم فعل الوصلة والمستوصلة......، حدیث: 2125. [3] النسآء 4:59.

''میں نے تمھیں جس چیز سے روکا ہے اس سے باز رہو اور جس کا حکم دیا ہے اس پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرو۔ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہو گئے کہ وہ سوالات بہت اٹھاتے تھے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرتے تھے۔'' [1]

* ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُولُ: لَا نَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللهِ اتَّبَعْنَاهُ»

''میں تم میں سے کسی کو ہرگز ایسا نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہو، اس کے پاس میرے احکام میں سے کوئی بات پہنچے جس کا میں نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا ہو تو وہ کہنے لگے: ہمیں نہیں معلوم، ہم تو کتاب اللہ (قرآن) میں جو پائیں گے اسی کی اتباع کریں گے۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

''لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس (بات) سے ڈریں کہ انھیں کوئی آزمائش آپڑے یا انھیں دردناک عذاب آلے۔'' [3]

* ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتٰى قَوْمًا فَقَالَ: يَا قَوْمِ! إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ، فَالنَّجَاءَ. فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهِ فَأَدْلَجُوا فَانْطَلَقُوا عَلٰى مَهْلِهِمْ فَنَجَوْا، وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِي فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهِ، وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ»

''میری اور اس چیز کی مثال جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے، اس آدمی کی طرح ہے جو ایک قوم کے پاس

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب توقيره ﷺ وترك إكثار سؤاله......، حديث: 1337 بعد الحديث: 2357. [2] [صحيح] سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، حديث: 4605، وجامع الترمذي، العلم، باب مانهي عنه أن يقال عند حديث رسول الله ﷺ، حديث: 2663، وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب تعظيم حديث رسول الله ﷺ......، حديث: 13، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 7172. [3] النور 24:63.

آیا اور کہا: اے میری قوم! میں نے ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، میں تمھیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں، لہٰذا تم جلدی سے نکل بھاگو! تو اس کی قوم میں سے ایک طبقے نے اس کی بات مان لی اور وہ شروع رات ہی نکل گئے، اطمینان سے چلتے رہے اور نجات پا گئے، اور ان میں سے ایک گروہ نے اسے جھوٹا سمجھا، وہ اپنی جگہوں پر اڑے رہے، صبح کو لشکر نے حملہ کر کے انھیں ہلاک اور نیست و نابود کر ڈالا۔ یہی مثال ہے اس کی جس نے میری اطاعت کی اور جو میں لایا ہوں اس کی پیروی کی اور اس فرد کی جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لے کر آیا ہوں اسے جھٹلایا۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار نبی ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ﳱ ﴾

''اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' [2]

* ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَنْ يَّأْبٰى؟ قَالَ: «مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبٰى»

''میری ساری امت جنت میں داخل ہو جائے گی مگر جس نے انکار کر دیا۔'' صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کون ہے جو انکار کرے گا؟ فرمایا: ''جو میری اطاعت کرے گا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو وہی انکار کرتا ہے۔'' [3]

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ نبی ﷺ جس چیز کی دعوت دیں اسے قبول کر لیا جائے، چنانچہ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کی بات) کو قبول کرو جب وہ تمھیں اس (امر) کے لیے بلائے جو تمھیں زندگی بخشتا ہے۔'' [4]

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے یہ بات کسی طرح جائز نہیں رکھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کسی بھی حکم یا امر کی خلاف ورزی کریں، فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللهﷺ، حديث: 7283، وصحيح مسلم، الفضائل، باب شفقتهﷺ على أمته......، حديث: 2283. [2] آل عمرٰن 3:132. [3] صحيح البخاري، الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللهﷺ، حديث: 7280. [4] الأنفال 8:24.

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۞ ﴾

''اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں کوئی اختیار (باقی) رہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں جا پڑا۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے اختلاف کے مواقع پر رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے روگردانی کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے، فرمایا:

﴿ وَإِذَا دُعُوْٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۞ وَإِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوْٓا إِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۞ أَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوْٓا أَمْ يَخَافُوْنَ أَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۚ بَلْ أُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ ﴾

''اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے تو اچانک ان میں سے ایک فریق منہ موڑ لیتا ہے اور اگر ان کے لیے حق (فائدہ) ہو تو وہ اس کی طرف فرمانبردار ہو کر چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے یا وہ شک میں پڑے ہیں یا انھیں اس بات کا خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کریں گے؟ (نہیں) بلکہ وہ لوگ خود ہی ظالم ہیں۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر ان لوگوں کے ایمان کی نفی کی ہے جو رسول اللہ ﷺ کو اپنے تمام تنازعات میں حاکم تسلیم نہ کریں، چنانچہ فرمایا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞ ﴾

''(اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ آپ کو اپنے باہمی جھگڑوں میں حاکم نہ مان لیں، پھر (صرف اتنا ہی نہیں بلکہ) یہ اپنے دلوں میں اس فیصلے کے بارے میں کوئی کھٹک بھی محسوس نہ کریں جو آپ نے کیا ہے اور اسے خوشی خوشی تسلیم کر لیں۔'' [3]

الغرض سنت نبویہ، قرآن کریم کے مجمل ارشادات کی وضاحت، مشکل مقامات کی تفسیر اور عام کی تخصیص کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[1] الأحزاب 36:33. [2] النور 24:48-50. [3] النسآء 4:65.

﴿ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ ﴾

’’اور ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا اور شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔‘‘ [1]

رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہی آپ کا بیان اور آپ کی تفسیرِ قرآن ہیں۔ مزید برآں یہ بات تو ثابت ہے کہ ان احادیث کو قبول کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ہم سب پر فرض ہے۔

ہم پر لازم ہے کہ اس بات کو یقینی طور پر جان لیں کہ ہم تبھی راہ مستقیم پر قائم رہ سکیں گے اور باطل کی گھاٹیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے سے بچ جائیں گے جب ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو نہایت مضبوطی سے تھام لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللهِ فِيهِ الْهُدٰى وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ» فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: «وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي»

’’اے لوگو! میں بھی ایک انسان ہوں، عنقریب میرے پاس اللہ کا پیامبر (ملک الموت) آنے والا ہے تو میں اس کا پیام قبول کرلوں گا، میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: [2] ان میں سے پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے، اس میں ہدایت اور نور ہے، لہٰذا تم اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔‘‘ (راوی حدیث زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:) آپ نے کتاب اللہ کے متعلق بہت شوق دلایا اور اس کی ترغیب دی، پھر (تین مرتبہ) فرمایا:

’’اور میرے اہل بیت! [3] میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔‘‘ [4]

[1] النحل 16:44. [2] آپ نے کتاب اللہ اور اہل بیت کو ثقلین (دو بھاری چیزوں) سے موسوم فرمایا، کیونکہ ان کا قبول کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا بھاری کام ہے یا ان کی شان اور عظمت کی تفخیم مراد ہے۔ (النهاية لابن الأثير: ث ق ل). [3] کیونکہ اہل بیت نے نبی ﷺ کی سنت کے علاوہ کسی اور چیز پر کبھی عمل نہیں کیا، لہٰذا ان کی طرف نسبت یا تو ان کے عمل کی وجہ سے ہے یا ان کے اختیار واستنباط کی بنا پر ہے اور اسی وجہ سے اس حدیث میں قرآن کے مقابلے میں اہل بیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ [4] صحیح مسلم، فضائل ◄◄

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا : كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ ﷺ»

''اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے (وہ چیز ہے:) اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔''[1]

لہٰذا جس نے کتاب وسنت کی خلاف ورزی کی، وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا اور بہت بڑے خسارے سے دوچار ہوا اور جس نے کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام لیا، اس نے ایک مستحکم کنڈا پکڑ لیا اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر سے بہرہ ور ہوا۔[2]

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین نے معروف طریقے اختیار کیے ہیں جنھیں روبہ عمل لانا کتاب اللہ کی تصدیق، اللہ کی اطاعت اور اللہ کے دین کی تقویت ہے۔ کسی کو ان میں تغیر وتبدل کا ہرگز کوئی حق نہیں بلکہ جو ان کی مخالفت کرے، اس کی رائے کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ جس نے ان کی پیروی کی وہی ہدایت یافتہ ہے، جس نے ان کے ذریعے سے مدد حاصل کی وہی منصور ومظفر ہے اور جس نے ان کی مخالفت کی اور مومنوں کی راہ چھوڑ کے غیروں کی راہ اختیار کی تو اللہ اسے ادھر ہی موڑ دے گا جدھر اس نے منہ کیا ہے اور اسے جہنم میں داخل کرے گا جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔''[3]

امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے: ''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص پر رسول اللہ ﷺ کی سنت واضح ہو جائے تو اس کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ کسی بھی انسان کے قول کی خاطر سنت ترک کر دے۔''[4]

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے مقابلے میں کسی کا قول قابل اعتبار نہیں۔''[5]

الغرض جب حصول علم کی اس قدر ترغیب آئی ہے اور طلبہ اور اس علم کے محتاج دیگر لوگوں کو تحصیل علم کے لیے

◄◄ الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، حديث:2408. حدیث الثقلین کی شرح کے سلسلے میں مولانا محمد نافع کی تصنیف لطیف انتہائی دلنشین کتاب ہے جو اسی نام سے شائع ہوئی ہے۔(مترجم) [1] [صحيح] المستدرك للحاكم:93/1، وسلسلة الأحاديث الصحيحة:4/355-361. [2] دیکھیے: الشفاء بتعريف حقوق المصطفى للقاضي عياض:2/542-554و559-562، والفقيه و المتفقه للخطيب البغدادي:1/274,275. [3] الشفاء بتعريف حقوق المصطفى: 2/555. [4] إعلام الموقعين لابن القيم رحمہ اللہ:2/250. [5] إعلام الموقعين لابن القيم رحمہ اللہ:2/250.

محنت اور جدوجہد کرنے اور نہایت صدق و اخلاص سے اس پر عمل پیرا ہونے پر ابھارا گیا تو اپنے رب سے ثواب کے شائقین اس کام پر ٹوٹ پڑے، اللہ سے ڈرنے والوں نے علوم دین میں بڑی مہارت اور بصیرت حاصل کی اور اپنے اوقات کا سارا سرمایہ اسی پر لگا دیا بلکہ وہ گھروں سے نکل پڑے حتی کہ ان کے قدم پھٹ پھٹ گئے اور انھوں نے طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں۔ بالآخران کی یہ عظیم محنتیں، پختہ عزائم اور تخلیقی صلاحیت کی حامل عقول بڑے حیرت انگیز انداز میں ثمر بار ہوئیں۔ اسلامی علوم عالیہ کے مکتبوں میں علوم وفنون کی گوناگوں عظیم اور دلکش کتابیں نظر آنے لگیں اور ان کی اس قدر بہتات ہوئی کہ ان سے شرق وغرب کی وسعتیں بھر گئیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ان مقربین کی محنت قبول فرمائے، آخرت میں انھیں اعلیٰ مقامات سے نوازے اور اس میں سے ایک وافر حصہ ہمیں بھی نصیب کر دے۔ ہماری، ہمارے والدین، مشائخ، محسنین اور جمیع مسلمان مرد وخواتین کی مغفرت فرمائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ دعائیں سننے والا، بڑا صاحب جود وکرم ہے۔

میں ناچیز فقیرِ رحمتِ رب العالمین نے بھی اس جماعت کے ڈولوں کے ساتھ اپنا ڈول ڈال دیا ہے، باوجودیکہ میں نہایت عاجز اور ضعیف ہوں، فرصت بھی میسر نہیں ہے۔ میں کسی سند، شہادت یا لقب کی طلب نہیں رکھتا بلکہ اصل طلب اس ثواب کی ہے جو اللہ نے اپنے ان بندوں کے لیے مقدر فرمایا ہے جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتے ہیں اور ڈر ہے اس عذاب شدید کا جو علم چھپانے والوں کے لیے تیار ہے۔ اسی طرح اس دین کی خدمت مقصود ہے جس کے باعث اللہ نے ہمیں عزت بخشی ہے۔ میں تو دعوت الی اللہ کے مبارک عمل میں حصے دار بننا چاہتا ہوں، اس فضیلت کی چاہت ہے جو اعلائے کلمۃ الحق میں رکھی گئی ہے اور جہالت اور جنود باطلہ کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ باطل کا کلمہ مٹ جائے اور اللہ اور اس کے رسول کی بات سمجھنے کا دریچہ کھل جائے، تمام مسلمان کتاب وسنت پر اکٹھے ہو جائیں اور باہمی اختلافات اور مذہبی فرقہ بندیوں کی جڑ کٹ جائے۔

چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے ان کی فقہ آسان صورت میں ان تک پہنچے، عبارت واضح اور انداز بیان آسان ہو، کوئی پیچیدگی نہ ہو، فنی اصطلاحات سے حتی الامکان گریز ہو، ایسے فرضی مسائل جو کبھی ظہور ہی میں نہیں آئے، ان سے بچا جائے۔ غرضیکہ ہر وہ چیز جو ایک مسلمان کو فقہ اسلامی میں درکار ہو سکتی ہے، پیش کر دی جائے۔ انھی مقاصد کے پیش نظر میں نے اپنی یہ کتاب ترتیب دی ہے اور اس کا نام «اَللُّبَابُ فِي فِقْهِ السُّنَّةِ وَالْكِتَابِ» تجویز کیا ہے۔ اس کے موضوعات کی ترتیب درج ذیل ہے:

① طہارت کے احکام و مسائل ② نماز کے احکام و مسائل۔ ③ روزوں کے احکام و مسائل
④ زکاۃ کے احکام و مسائل ⑤ حج کے احکام و مسائل ⑥ نکاح کے احکام و مسائل
⑦ خرید و فروخت کے احکام و مسائل ⑧ قسموں کے احکام و مسائل ⑨ نذر کے احکام و مسائل
⑩ کھانے کے احکام و مسائل ⑪ طب کے احکام و مسائل ⑫ لباس کے احکام و مسائل
⑬ وصیت کے احکام و مسائل ⑭ وراثت کے احکام و مسائل ⑮ حدود کے احکام و مسائل
⑯ قصاص کے احکام و مسائل ⑰ دیت کے احکام و مسائل ⑱ قضا کے احکام و مسائل
⑲ جہاد کے احکام و مسائل

یہ کتاب فقہ اسلامی کے تقریباً سبھی موضوعات پر مشتمل ہے۔ ہر مسئلہ نہایت آسان اسلوب اور دلائل کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے تاکہ کم تعلیم یافتہ قاری کو بھی اسے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ مسائل کی توضیح و بیان کے لیے میں نے صحیح دلیل پر اعتماد کیا ہے۔ میں نے کسی جماعت کے لیے کسی جماعت کے خلاف تعصب نہیں کیا اور فرقہ وارانہ تقلید سے دور رہا ہوں۔ جس کے پاس جو متاعِ حق ہے، میں اسی کا مؤید اور موافق ہوں۔ اگر کوئی حق سے دور ہے تو میں اس کے خلاف ہوں، خواہ وہ کوئی گروہ ہو یا کسی کی تحریر۔ میں علو وقدرت کے مالک اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مجھے اسی پر زندہ رکھے، اسی پر مجھے موت آئے اور اسی پر اللہ جل وعلا سے ملاقات ہو۔

حق ہمیشہ دلائل و براہین کے ساتھ یوں نمایاں ہو جاتا ہے جیسے چاند نکل آنے پر مہینے کی پہچان ہوتی ہے۔ معرفت احکام کے لیے دلیل و برہان وہی حیثیت رکھتی ہے جو کسی خیمے کے لیے اس کی چوب رکھتی ہے۔ حق کا طلب گار اللہ کا مہمان ہے۔ دلیل قاطع اللہ رب العزت کی تلوار کی حیثیت رکھتی ہے اور علم ہمیشہ اسی کے ذریعے سے ظاہر ہوا ہے۔ اس لیے کسی کے لیے روا نہیں کہ دلیل جان لینے کے بعد حق کے خلاف چلے، کسی کی اطاعت محض اس لیے لازم نہیں آتی کہ وہ عالم یا امام ہے بلکہ لوگوں پر واجب ہے کہ حق ہی کو قبول کریں، خواہ کسی سے ملے اور باطل کو رد کر دیں، چاہے وہ کہیں سے آئے کیونکہ اللہ عزوجل نے فرما دیا ہے: ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ○﴾

”حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں، پھر تم کدھر پھیرے جا رہے ہو؟“ [1]

میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے لیکن مجھے اس کا اعتراف واحساس ہے کہ علماء کو ایک اونچا مقام و مرتبہ حاصل ہے، ان سے دوستی و موالات اور ان کے بارے میں حسن ظن ضروری ہے کیونکہ اگر کسی امام یا عالم سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ کسی بد نیتی یا بد طینتی کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ ہم پر ان کا احترام لازم ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے دین کے

[1] یونس 32:10.

امین، محافظ اور مجتہد ہیں۔ یہ حضرات دو نہیں تو کم از کم ایک اجر سے یقیناً محروم نہیں ہیں اور ان کے لیے مغفرت کا وعدہ ہے۔

لیکن ان کے ان مقامات و مراتب سے یہ لازم نہیں آتا کہ نصوص شریعت کو بے قیمت بنا دیا جائے اور ان علماء میں سے کسی کے قول کو نصوص شریعت پر مقدم کیا جائے، اس شبہے کی وجہ سے کہ وہ آپ سے زیادہ عالم تھے، بلکہ آپ پر لازم ہے کہ آپ ان کے اقوال کو ہمیشہ قرآن و سنت کی روشنی میں جانچیں، ان کے ساتھ ان کا موازنہ کریں۔ جو کچھ قرآن و سنت کے موافق ہو اسے لے لیں اور جو منافی ہو اسے چھوڑ دیں۔ امام ابن عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ کا درج ذیل بیان کس قدر شاندار ہے جو انھوں نے اپنی کتاب جامع بیان العلم و فضلہ میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

محترم بھائی! اصول اور متون کے حفظ کا اہتمام رکھیے اور جان لیجیے کہ جس شخص نے سنن اور قرآن میں احکام منصوصہ کے یاد رکھنے کا اہتمام کیا اور ساتھ ہی فقہائے امت کے اقوال بھی پیش نظر رکھے اور ان سے اپنے اجتہاد میں مدد لی، ان کے افکار کو اپنے فکر و تدبر کی کنجی گردانا، مجمل نصوص کے معانی کی تعیین میں ان کے اقوال کو تفسیر و توضیح کا درجہ دیا اور کسی کی ایسی تقلید نہیں کی جیسا کہ احادیث رسول اللہ ﷺ کا حق ہے اور سنت مقدسہ کی حفاظت یا اجتہاد میں علمائے حق کے طریقے سے باہر قدم نہیں رکھا، بحث و نظر میں ان کی اقتدا کی اور وہ نکات و افادات جو انھوں نے مرحمت فرمائے ہیں، ان میں ان کا شکر گزار رہا، ان کی اکثر آراء اور اقوال جو صحیح اور درست ہیں ان میں ان کا معترف اور ثنا خواں رہا، اس کے ساتھ ساتھ ہی خطا اور بھول چوک سے انھیں ماورا نہ سمجھا جیسا کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو اس سے بری اور معصوم نہ کہتے تھے تو ایسا آدمی ہی سلف صالحین کا طریقہ اختیار کرنے والا، بڑے نصیبے والا، صاحب رشد، نبی علیہ السلام کی سنت کا پیرو اور سیرت صحابہ پر چلنے والا ہے۔ اور جس شخص نے اپنے آپ کو اس انداز فکر اور نظر سے دور کر لیا اور مذکورہ امور سے دور رہا، سنن رسول کا اپنی رائے سے مقابلہ کرنے والا بنا اور چاہا کہ سنن کو اپنی فکر و نظر کی طرف لوٹائے تو ایسا آدمی خود گمراہ ہوا اور دوسروں کے لیے بھی گمراہی کا سبب بنا۔ مزید برآں جس شخص کو ان ساری باتوں کی کچھ خبر ہی نہ ہو اور علم کے بغیر فتوے دینے لگے تو وہ اپنے اندھے پن اور گمراہی میں سب سے فائق ہے۔[1]

تالیف کتاب میں میرا طریقِ کار مندرجہ ذیل نکات سے عیاں ہوتا ہے:

* تحدید مصادر اور کتاب کے تمام ابواب کے لیے متعلقہ مواد، بحمد اللہ کافی ہے، جمع کرنا، تحدید مصادر کے حوالے سے کتب کی تعیین کرنا، مثلاً: کتب تفسیر، بالخصوص تفاسیرِ آیاتِ احکام، کتب حدیث، بالخصوص وہ کتابیں جن میں فقہ الحدیث کا اہتمام ہے، فقہی مکاتب فکر کی کتب، بالخصوص الفقہ المقارن (تقابلی مطالعے کی کتب فقہ) اور ان میں بھی

[1] جامع بیان العلم وفضلہ، رقم :2236.

وہ جن میں دلائل کی وضاحت اور مخالفین کی رائے کا رد اور بحث کا اہتمام ہوتا ہے۔

* دلائل کی تحقیق وتنقید، نصوص واقوال کی ترجیح اور قول راجح کی مزید تائید کا اہتمام کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تلفیق [1] نہیں ہے بلکہ یہ دلیل کی پیروی ہے جہاں سے بھی وہ ملی میں نے اس کی اتباع کی اور واضح حق کی پیروی کی۔

* تخریج احادیث اور صحت وضعف کے لحاظ سے ہر ایک کے مرتبے کی نشاندہی کی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ بطور دلیل احادیث میں سے میں نے صحیح یا حسن احادیث ہی پر اعتماد کیا ہے اور ضعیف کو رد کر دیا ہے حتی کہ فضائل اعمال میں بھی اسے قبول نہیں کیا۔ صحابی کی مرسل کو قبول کیا ہے۔ خبر واحد کو عملِ اہل مدینہ پر ترجیح دی ہے۔ خبر واحد کو میں نے معتبر جانا ہے، چاہے وہ قیاس یا معروف اصولوں کے مطابق نہ ہو۔ مزید برآں جہاں کہیں دیگر آثار کا ذکر ہوا ہے ان کا درجۂ صحت وضعف بھی بیان کر دیا ہے۔

* اجماعِ امت کو قابل احترام سمجھا ہے، بشرطیکہ وہ یقینی ہو اور اس کے بارے میں کسی طرح کا اختلاف ثابت نہ ہوا ہو۔

* میں نے قیاس صحیح سے بھی کام لیا ہے، بشرطیکہ اصل اور فرع میں کوئی جامع علت واضح موجود ہو اور کوئی ظاہری یا خفی فرق نہ پایا جاتا ہو یا کوئی اور معارض نہ ہو۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لفظ ''قیاس'' ایک مجمل لفظ ہے اس میں صحیح اور فاسد دونوں طرح کے قیاس شامل ہوتے ہیں اور قیاس صحیح وہی ہے جس کے ساتھ شریعت وارد ہوئی ہے۔'' [2]

اور ان کے شاگرد رشید امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام بالاتفاق قیاس کے قائل ہیں اور یہ شریعت کے اصولوں میں سے ایک ہے، اس سے کوئی فقیہ بے پروا نہیں ہو سکتا۔'' [3]

* الفاظ حدیث، اَعلام (نام)، اَلقاب، اَماکن یا دیگر ضروری اور مشکل کلمات کے ضبط اور اعراب کا اہتمام کیا ہے، بالخصوص اس موقع پر جبکہ کوئی کلمہ قاری کے لیے مشتبہ ہو۔

* جدید فقہی مسائل شرعی اصول وقواعد اور فقہاء کے اسالیب کی روشنی میں بیان کیے ہیں۔

ان سب گزارشات کے باوجود میں کسی سہو وخطا سے مبرا اور اپنے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ عصمت تو

---

[1] کسی عمل کو اس انداز میں کرنا کہ اس میں کئی مذاہب کو جمع کیا گیا ہو جبکہ کسی مذہب میں بھی وہ عمل الگ اور مستقل طور پر درست نہ ہو، تلفیق کہلاتا ہے۔ معجم لغة الفقهاء، ص: 144. [2] مجموع الفتاوى، رسالة في القياس: 504/20. [3] إعلام الموقعين: 132/1.

ان کے لیے ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے خاص کیا ہے، یعنی انبیاء و رسل۔ میری گزارش بس اتنی ہی ہے کہ میں نے اس کتاب کی پیش کش میں صحیح معلومات اور ٹھوس دلائل کی فراہمی میں کسی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ رب ذوالجلال کے فضل سے میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب میرے اور عام مسلمانوں کے لیے اس دنیا میں نہایت مفید اور آخرت میں باعث اجر ثابت ہوگی۔ اگر میں اپنے اس مقصد میں کامیاب رہا ہوں تو یہ بہت عمدہ بات اور اللہ عزوجل کا فضل واحسان ہے۔ اگر نتیجہ اس سے مختلف ہے تو میرے لیے یہی کافی ہے کہ میں نے ایک خیر کا ارادہ کیا اور اس کے لیے امکان بھر کوشش بھی کی، یقیناً اعمال کا اعتبار نیتوں ہی پر موقوف ہے۔

اے ہمارے پروردگار! ہمارے تمام اعمال صالح بنا دے اور یہ خاص تیرے ہی لیے ہوں، ان پر شرک کی پرچھائیں بھی نہ پڑے۔ آمین!

محمد صبحی بن حسن حلاق

صنعاء 29 شوال، 1420ھ جمعۃ المبارک

4 فروری 2000ء

1

طہارت کے احکام ومسائل

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا
وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ
اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ

(المائدة 6:5)

طہارت

طہارۃ کا لغوی معنی نظافت، صفائی اور پاکیزگی ہے۔ اور اَلطَّھُور (طاء پر فتحہ کے ساتھ) پانی کو بھی کہتے ہیں۔ ثعلب کہتے ہیں: اَلطَّھُور ایسی چیز جو خود بھی پاک ہو اور دوسرے کو بھی پاک کرنے والی ہو اور کہا جاتا ہے: «فُلَانٌ طَاھِرُ الثِّیَابِ» یعنی فلاں شخص پاکیزہ کپڑوں والا ہے۔ یہ جملہ اس وقت بولا جائے گا جب کپڑوں پر کوئی میل اور دھبہ نہ ہو۔

اہل تفسیر کا کہنا ہے کہ ''طہارت'' کا اطلاق قرآن کریم میں تیرہ معانی پر ہوا ہے:[1]

1. خون حیض کا بند ہو جانا: جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ ''اور ان سے ہم بستری نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔''[2]

2. غسل کرنا: جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ ﴾ ''پھر جب وہ خوب پاک ہو جائیں (غسل کر لیں) تو ان کے پاس جاؤ۔''[3]

اور سورۂ مائدہ میں ہے:

﴿ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ﴾ ''اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو۔''[4]

3. پانی سے استنجا کرنا: جیسا کہ سورۂ توبہ میں ہے: ﴿ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ﴾

''اس میں ایسے لوگ ہیں جو (اس بات کو) پسند کرتے ہیں کہ وہ خوب پاک صاف ہوں۔''[5]

یہ اہل قباء کا تذکرہ ہے جن کا معمول تھا کہ وہ استنجا کرتے وقت پانی استعمال کرتے تھے۔

4. عدمِ طہارت کی تمام کیفیات اور نجاستوں سے پاکیزگی حاصل کرنا: فرمایا:

﴿ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ ﴾

---

[1] علامہ راغب اصفہانی ''المفردات'' میں لکھتے ہیں: طہارت کی دو قسمیں ہیں: طہارتِ جسم اور طہارتِ نفس۔ اور اکثر آیات انھی دو مفہوم میں استعمال ہوئی ہیں۔ (مفردات ألفاظ القرآن، ط. ہ. ر، ص:525) [2] البقرۃ 222:2. [3] البقرۃ 222:2. [4] المآئدۃ 6:5. [5] التوبۃ 108:9.

''اور آسمان سے تم پر بارش برسا رہا تھا تاکہ تمھیں اس کے ذریعے سے پاک کر دے۔'' [1]

5 ہر قسم کی گندگیوں اور مستقذرات سے پاک صاف ہونا: فرمایا:

﴿ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ﴾ ''اور ان کے لیے وہاں نہایت پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔'' [2]

6 لواطت سے بچنا: فرمایا:

﴿ أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴾

''آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو کیونکہ یہ لوگ تو بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔'' [3]

7 گناہوں سے پاک ہونا یا کرنا: فرمایا: ﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا ﴾

''(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔'' [4]

نیز فرمایا: ﴿ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ ﴾

''پس اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ پیش کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔'' [5]

8 بتوں سے پاکیزگی: فرمایا: ﴿ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ ﴾

''(ہم نے حکم دیا ابراہیم اور اسمٰعیل کو) کہ تم دونوں میرا گھر پاک کرو طواف کرنے والوں کے لیے۔'' [6]

نیز فرمایا: ﴿ وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴾

''اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع، سجدے کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک رکھ۔'' [7]

9 شرک سے پاکیزگی: فرمایا: ﴿ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴾ ''جو بلند وبالا اور پاکیزہ ہیں۔'' [8]

﴿ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴾ ''(اللہ کی طرف سے ایک رسول) جو پاکیزہ صحیفے پڑھے۔'' [9]

یعنی ان صحیفوں میں شرک کی ہرگز کوئی آلودگی نہیں۔

10 طہارت بمعنی حلال: فرمایا: ﴿ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ﴾

''یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح کرلو) یہ تمھارے لیے پاکیزہ تر ہیں۔'' [10]

یعنی خوب حلال ہیں۔

11 شک وشبہے سے دل کی پاکیزگی: فرمایا:

---

[1] الأنفال 11:8. [2] البقرة 25:2. [3] النمل 56:27. [4] التوبة 103:9. [5] المجادلة 12:58. [6] البقرة 125:2. [7] الحج 26:22. [8] عبس 14:80. [9] البينة 2:98. [10] هود 78:11.

﴿ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ﴾ ”تمھارے لیے بہت سلجھا ہوا اور زیادہ پاکیزہ طریقہ یہی ہے۔“[1]

نیز فرمایا: ﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ ”یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔“[2]

12 کپڑے کی تقصیر، یعنی زیادہ لمبا نہ رکھنا: فرمایا: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ ”اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔“[3] اس لیے کہ کپڑے کی تقصیر اس کی تطہیر ہے۔

13 بدکاری سے تحفظ اور پاکیزگی: فرمایا:

﴿يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ﴾ ”اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور پاکیزہ بنایا ہے۔“[4]

میں نے اس کتاب کا آغاز مسائل طہارت سے اس لیے کیا ہے کہ طہارت نماز کی بنیادی شرطوں میں سے ہے اور نماز شہادتین کے بعد اسلام کا اہم ترین تاکیدی رکن ہے اور شرط ہمیشہ اپنے مشروط سے پہلے ہوا کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ»

”نماز کی چابی طہارت ہے اور ”الله أكبر“ کہنا اس کی تحریم (نماز سے غیر متعلق کاموں کو حرام قرار دینے والی) اور (السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر) سلام پھیرنا اس کی تحلیل (دنیاوی معاملات کو حلال قرار دینے والی چیز) ہے۔“[5]

پانی کی اقسام

ماءِ مطلق (سادہ پانی)

وہ پانی جو کسی نسبت، یعنی اضافت لازمہ سے خالی ہو۔[6] امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ چیز

[1] البقرة 2:232. [2] الأحزاب 33:53. [3] المدثر 74:4. [4] آل عمران 3:42 دیکھیے: ونزهة الأعين النواظر في علم الوجوه والنظائر لابن الجوزي، ص: 419-422. [5] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب فرض الوضوء، حديث: 61، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء أن مفتاح الصلاة الطهور، حديث: 3، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب مفتاح الصلاة الطهور، حديث: 275، ومسند أحمد: 123/1، و إرواء الغليل: 8/2. وہ فرماتے ہیں: یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے، اس کے کئی شواہد ہیں جن کی بنا پر یہ درجۂ صحت تک جا پہنچتی ہے۔ اس حدیث کے شواہد کے لیے ملاحظہ ہو: نصب الراية للزيلعي: 307/1، 308. [6] مثلاً: مَاءُ الْبِطِّيخِ (تربوز کا پانی) میں ماء کی اضافت الْبِطِّيخِ کی طرف لازم ہے اور اس کے بغیر تربوز کے پانی کو پانی نہیں کہا جاتا، جبکہ مَاءُ »

جس کی تعریف میں ''پانی'' کہنا ہی کافی ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سادہ پانی وہ ہے جو اپنے قدرتی اور پیدائشی وصف پر باقی ہو۔[1] ماء مطلق (سادہ پانی) کی صورتیں درج ذیل ہیں:

بارش، برف یا اولوں کا پانی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهِ﴾

''اور آسمان سے تم پر بارش برساتا ہے تاکہ تمھیں اس کے ذریعے سے پاک کر دے۔''[2]

اور سورۂ فرقان میں ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا﴾ ''اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا۔''[3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب تکبیر کہہ لیتے تو قراءت شروع کرنے سے پہلے ذرا خاموش رہتے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! تکبیر اور قراءت کے درمیان آپ خاموش رہتے ہیں، اس دوران میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

«أَقُولُ: اَللّٰهُمَّ! بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ! نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ»

''میں کہتا ہوں: اے اللہ! میرے اور میری غلطیوں کے درمیان فاصلہ کر دے جیسا کہ تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ کر رکھا ہے۔ اے اللہ! مجھے میری غلطیوں اور گناہوں سے یوں صاف کر دے جیسے سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔''[4]

سمندر، دریا اور نہر کا پانی: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی لے جاتے ہیں، اگر ہم اس پانی سے وضو کرنے لگیں تو پیاسے رہ جائیں، کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیا کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ» ''اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے۔''[5]

»» البِئر (کنویں کا پانی) مَاءُ الْبَحْرِ (سمندر کا پانی) وغیرہ اضافت لازمہ نہیں بلکہ اضافت کے بغیر بھی اسے ماء کہتے ہیں۔ (عبدالولی)

[1] المجموع: 125/1، والمغني: 16/1. [2] الأنفال 11:8. [3] الفرقان 25:48. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب مايقول بعد التكبير، حديث: 744، و صحيح مسلم، المساجد، باب مايقال بين تكبيرة الإحرام والقراءة، حديث: 598.

[5] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 83، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في »»

اور قرآن مجید کی واضح نص ہے: ﴿ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا ﴾ ”اگر پانی نہ ملے تو تیمّم کر لیا کرو۔“ [1]

لہٰذا سمندر کا پانی بھی پانیوں میں سے ایک پانی ہے، اس لیے اس کی موجودگی میں تیمّم کرنا جائز نہیں۔ [2]

زمزم کا پانی: علی رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے حج کے بیان سے متعلق روایت میں ہے: ”آپ نے (دس ذوالحجہ کو) طواف افاضہ کیا اور زمزم کے پانی کا ایک ڈول طلب فرمایا، اس سے آپ نے پیا اور وضو کیا، پھر فرمایا: ”اے بنی عبدالمطلب! پانی نکالو (اور حاجیوں کی خدمت میں پیش کرو) اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اس خدمت میں مغلوب کر دیے جاؤ گے تو میں بھی نکالتا۔“ [3]

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہو کہ لوگ زمزم کے کنویں سے پانی نکالنے کو اعمال حج میں سے سمجھنے لگیں گے اور تم پر اس قدر بھیڑ لگا لیں گے کہ وہ تم پر غالب آ جائیں گے اور تمھیں پانی پلانے سے پیچھے دھکیل دیں گے تو میں بھی تمھارے ساتھ پانی نکالتا (اور پلاتا) کیونکہ اس میں بڑی فضیلت ہے۔ [4]

کنویں کا پانی: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم بضاعہ کے کنویں سے وضو کر لیا کریں جبکہ اس میں حیض کے چیتھڑے، کتوں کا گوشت اور گندگی ڈال دی (پڑ) جاتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَّا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ» ”بلاشبہ پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔“ [5]

یاقوت حموی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ”بضاعہ“ کی ”باء“ پر پیش ہے جبکہ کچھ نے اسے زیر سے بھی پڑھا ہے، مگر اکثر پیش ہی سے پڑھتے ہیں۔ بضاعہ مدینہ میں بنی ساعدہ کا محلّہ تھا اور اس کا کنواں مشہور ہے۔ [6]

ابن اثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ مدینہ منورہ کا ایک مشہور کنواں ہے۔ [7]

امام ابو داود رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے قتیبۃ بن سعید کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں نے اس کنویں کے نگران سے اس کی گہرائی کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ جب پانی زیادہ ہوتا ہے تو زیر ناف تک آتا ہے۔ میں نے کہا: اور جب کم ہوتا ہے تب؟ جواب ملا: ران تک۔

» ماء البحر أنه طهور، حديث: 69، وقال: حديث حسن صحيح، وسنن النسائي، الطهارة، باب في ماء البحر، حديث: 59، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 386، ومسند أحمد: 361/2. [1] النسآء 4:43.
[2] المغني لابن قدامة: 16/1. [3] [حسن] مسند أحمد: 76/1. [4] فتح الرباني: 203/1. [5] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب ما جاء في بئر بضاعة، حديث: 66، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء أن الماء لاينجسه شيء، حديث: 66 وقال حديث حسن. [6] معجم البلدان: 442/1. [7] النهاية، ب. ض. ع: 133/1.

امام ابوداود کہتے ہیں کہ میں نے اپنی چادر سے اس کنویں کو ماپا تو اس کا عرض چھ ہاتھ پایا۔ جس شخص نے میرے لیے اس باغ کا دروازہ کھولا اور مجھے وہاں لے گیا، میں نے اس سے پوچھا: کیا اس کی اصل تعمیر میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ امام صاحب کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ اس کے پانی کا رنگ بدلا ہوا تھا۔[1]

وہ پانی جس کی رنگت بدل گئی ہو: لمبی مدت تک رُکے رہنے یا مقامی اثر کی وجہ سے، یا کائی اور درختوں کے پتوں، یا دوسری عام پاک چیزوں کے باعث پانی کا رنگ بدل گیا ہو تو باتفاق علماء یہ بھی ماء مطلق (عام سادہ پانی) ہے۔

اور اس معاملے میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ پانی جسے بلا کسی قید ''پانی'' کہا جا سکتا ہے، اس سے طہارت حاصل کرنا صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا﴾ ''پھر تم پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرلو۔''[2]

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ماءِ آجِن یعنی کسی چیز کی ملاوٹ کے بغیر محض رُکے رہنے سے جس پانی کا رنگ، بو یا ذائقہ بدل گیا ہو، اکثر علمائے کرام کے نزدیک وہ اپنی اصل پر باقی ہے، یعنی وہ ماء مطلق ہی ہے۔[3]

ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ تمام علماء جن کے اقوال ہمیں معلوم ہیں، ان کا اجماع ہے کہ ماءِ آجِن، یعنی رنگت یا مزہ بدلا ہوا پانی اگر کسی نجاست کی وجہ سے نہ بدلا ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ ابن سیرین رحمہ اللہ اسے مکروہ (ناپسند) قرار دیتے ہیں مگر جمہور کا قول ہی اولیٰ ہے۔[4]

ابن رشد لکھتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ وہ چیزیں جو پانی سے عام طور پر الگ نہیں ہوتیں اور ان سے پانی بدل جایا کرتا ہے، ان سے پانی کی صفت طہارت وتطہیر (بذات خود پاک ہونے اور دوسرے کو پاک کرنے کی خاصیت) ضائع نہیں ہوتی۔ صرف ابن سیرین رحمہ اللہ کا ماءِ آجِن کے متعلق ایک قول ہے جو جمہور کے مقابلے میں شاذ ہے مگر اس پانی پر ماء مطلق (سادہ پانی) کا اطلاق ہونا ان کے خلاف حجت قائم کرتا ہے۔[5]

---

[1] سنن أبي داود، الطهارة، باب ما جاء في بئر بضاعة، بعد الحديث: 67. شیخ البانی رحمہ اللہ نے مفصل صحیح ابوداود میں مذکورہ حدیث کے تحت لکھا ہے کہ جب میں 1368ھ میں حج کے لیے مکہ مکرمہ اور پھر اس کے بعد مسجد نبوی کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ گیا تو بروز بدھ 25 محرم 1369ھ میں بئر بضاعہ دیکھنے گیا تو یہ کنواں ابھی تک مسجد نبوی کے شمال میں واقع باغ میں موجود ہے اور اب اس پر پانی کی آٹو میٹک موٹر لگائی گئی ہے۔ کنویں کی گہرائی پانی کی سطح تک 13 ہاتھ ہے اور پانی کی سطح سے کنویں کے منہ (سطح زمین) تک 17 ہاتھ ہے، یعنی کنویں کی کل گہرائی 30 ہاتھ ہے، جبکہ کنویں کے منہ کی وسعت چھ ہاتھ ہے جیسا کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے سے اب پانی زیادہ ہے۔ مفصل سنن أبي داود ، الطهارة؛ حديث: 60. مسجد نبوی کی توسیع کے بعد یہ باغ بھی مسجد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ (عبدالولی) [2] المآئدة 5:6. [3] المغني: 23/1. [4] الإجماع، ص: 23. [5] بداية المجتهد: 17/1.

ماء مستعمل

استعمال شدہ پانی جو کسی وضو کرنے والے یا نہانے والے کے اعضاء سے گرتا ہے، اسے ماء مستعمل کہتے ہیں۔ ایسا استعمال شدہ پانی بذات خود پاک ہوتا ہے جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ میں بیمار تھا تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے جبکہ مجھے کوئی ہوش نہ تھا، آپ نے وضو فرمایا اور وضو کے پانی میں سے مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا۔ [1]

اور ابو جُحَیْفَة رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ دوپہر کو ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کو وضو کے لیے پانی دیا گیا، آپ نے وضو فرمایا تو لوگ آپ کے وضو کا بقیہ پانی لے کر اپنے جسموں پر ملنے لگے۔ [2]

بعض لوگوں کا جو یہ قول ہے کہ یہ محض رسول اللہ ﷺ ہی کی خصوصیت تھی تو یہ قول قابل قبول نہیں کیونکہ اصل یہ ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کی امت کا حکم ایک ہی ہے الا یہ کہ کوئی دلیل ہو جس سے آپ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہو اور یہاں کوئی دلیل موجود نہیں۔ مزید برآں کسی چیز کا نجس ہونا ایک شرعی حکم ہے جو دلیل کا محتاج ہے تو یہاں بھی پانی کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ [3]

وہ پانی جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو

اگر پانی میں زعفران، صابن، آٹا یا اس کے علاوہ دوسری پاک چیزیں مل جائیں جو بالعموم اس سے علیحدہ ہی ہوتی ہیں تو ایسا پانی پاک ہوتا ہے جب تک کہ اس پر ''پانی'' کا اطلاق ہوتا رہے۔ اگر وہ ''پانی'' کے نام سے خارج ہو جائے اور اسے ''ماء مطلق'' (عام پانی) نہ کہا جا سکے (پانی کی طبیعت، یعنی رقت و سیلان اس میں نہ رہے) تو اس حالت میں وہ بذات خود تو پاک ہو گا مگر دوسرے کو پاک کرنے والا نہ ہو گا۔

* ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب زینب رضی اللہ عنہا دختر رسول ﷺ کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا:

«اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا، وَاجْعَلْنَ فِي الْخَامِسَةِ كَافُورًا - أَوْ شَيْئًا مِّنْ كَافُورٍ- فَإِذَا غَسَلْتُنَّهَا فَأَعْلِمْنَنِي»

''اسے غسل دو، طاق عدد میں، تین بار یا پانچ بار اور پانچویں بار (پانی میں) کافور ملا دینا، جب تم اسے غسل دے چکو تو مجھے بتانا۔''

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب صب النبيﷺ وضوءه على المغمى عليه، حديث: 194. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب استعمال فضل وَضوء الناس، حديث: 187. [3] نيل الأوطار: 31/1.

کہتی ہیں کہ پھر ہم نے آپ کو بتایا تو آپ نے ہمیں اپنی نیچے کی چادر عنایت فرمائی اور فرمایا:

«أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ» ”اسے اس کے جسم پر لپیٹ دو۔“ [1]

یعنی یہ کپڑا اس کے جسم پر اسی طرح لپیٹ دو کہ وہ اس کے جسم کے ساتھ لگا ہوا ہو۔

* اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک لگن سے غسل کیا جس میں آٹے کا اثر تھا۔ [2]

اور ان دونوں حدیثوں میں بیان ہے کہ پانی میں کافور اور آٹے کا اثر تھا مگر وہ اس حد تک غالب نہ تھا کہ اسے مطلق پانی ہونے کی صفت سے خارج کر دیتا، یعنی وہ پانی اپنی طبیعت (رقت وسیلان) پر باقی تھا تو اس طرح کے پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ [3]

ایسا پانی جس میں کوئی نجاست پڑ گئی ہو

پانی تھوڑا ہو یا زیادہ، جب اس میں کوئی نجاست پڑ جائے اور اس کا ذائقہ، رنگ یا بو بدل جائے تو وہ پلید ہوتا ہے اور اس سے پاکیزگی (طہارت) حاصل کرنا جائز نہیں۔ اس کی دلیل اجماع ہے۔

امام ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ، جب اس میں نجاست پڑ جائے اور اس کا ذائقہ، رنگ، یا بو بدل جائے تو جب تک وہ ایسا رہے، پلید ہوتا ہے۔ [4]

ابن رشد کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ ایسا پانی جو نجاست کی وجہ سے اپنے ذائقے، رنگ یا بو میں سے کوئی ایک یا ایک سے زائد وصف بدل لے تو اس سے وضو یا طہارت جائز نہیں ہے۔ [5]

پانی کم ہو یا زیادہ، جب اس میں کوئی نجاست پڑ جائے اور اس کا رنگ، ذائقہ یا بو تبدیل نہ ہو تو وہ پاک ہوتا ہے اور پاک کرنے والا بھی۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

* حدیثِ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جو کنویں کے پانی کے بیان میں گزر چکی ہے۔
* حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب غسل الميت ووضوئه بالماء والسدر، حديث: 1253، وصحيح مسلم، الجنائز، باب في غسل الميت، حديث: 939. [2] [حسن] سنن النسائي، الطهارة، باب ذكر الاغتسال في القصعة التي يعجن فيها، حديث: 241، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الرجل والمرأة يغتسلان من إناء واحد، حديث: 378، وصححه الشيخ الألباني في تحقيق المشكاة: 151/1. [3] بداية المجتهد و نهاية المقتصد: 19/1. [4] الإجماع لابن المنذر، ص: 23، والمغني لابن قدامة: 38/1، والمجموع: 110/1. [5] بداية المجتهد: 17/1.

«إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ» ”جب پانی دو قلے ہو تو وہ پلیدی کو نہیں اٹھاتا۔“ [1]

اور ابن ماجہ کے الفاظ ہیں:

«لَمْ يُنَجِّسْهُ شَيْءٌ» ”اسے (دو قلے پانی کو) کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔“ [2]

* شارع نے مطلق پانی سے نجاست کی نفی فرمائی ہے جیسا کہ گزشتہ حدیثِ ابوسعید رضی اللہ عنہ اور اس کے شواہد میں گزرا ہے، اور مقید پانی، یعنی دو قُلَّہ مقدار پانی سے بھی اس کی نفی فرمائی ہے جیسا کہ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہما میں آیا ہے۔ اور یہ نفی ایسے الفاظ میں ہے جو عموم کے عام ترین الفاظ ہیں۔ پہلی حدیث میں فرمایا: ”پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔“ اور دوسری میں ہے: ”اسے کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔“

معلوم ہوا کہ زمین پر ملنے والا ہر پانی پاک ہوتا ہے، سوائے اس کے جس کے بارے میں صراحت آ گئی ہے کہ فلاں پانی نجس ہے جس سے اس عام کی تخصیص ہو جائے اور یہ تصریح بھی ہو کہ پانی اس چیز سے نجس ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں یہ (رنگ، بو، یا ذائقہ تبدیل ہونے کا) اضافہ ہے جس پر اجماع ہے اور یہ حدیث میں استثنا کے ساتھ مذکور ہے، چنانچہ یہ اضافہ ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے عموم کے لیے مخصص متصل ہوا اور حدیث ابن عمر کے بیان میں مخصص منفصل اور اصول فقہ میں یہی قول راجح ہے کہ عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حدیثِ قُلَّتَيْن اور دوسری احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان میں یوں کہا جائے گا کہ قُلَّتَيْن سے کم پانی اگر ناپاک ہو جائے گا تو اس کا بدیہی نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ اس پانی کی بو، رنگ یا ذائقہ تبدیل ہو جائے۔ یہی بات اس کے ناپاک ہونے کی موجب ہو گی۔ اگر اس میں کوئی گندگی جا پڑی اور پانی کے اوصاف سے کوئی وصف تبدیل نہ ہوا تو اس سے نجاست لازم نہیں آئے گی۔ [3]

پانی کے بارے میں چند ضمنی باتیں

1. ابھی جس اجماع کا ذکر ہوا کہ ”پانی تھوڑا ہو یا زیادہ، نجاست پڑ جانے سے اگر اس کا ذائقہ، رنگ یا بو بدل جائے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔“ یہ اس ضعیف اضافے پر واقع ہے جو بصورتِ استثنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب ماينجس الماء، حديث: 63، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء أن الماء لا ينجسه شيء، حديث: 67، وسنن النسائي، الطهارة، باب التوقيت في الماء، حديث: 52. [2] سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب مقدار الماء الذي لا ينجس، حديث: 517، وسنن الدار قطني: 1/13-23، حديث: 1-26. [3] دیکھیے الدراري المضية: 1/75,76.

«إِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ، إِلَّا مَا غَلَبَ عَلٰى رِيحِهِ وَطَعْمِهِ وَلَوْنِهِ»

''پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے مگر وہ جو اس کی بو، ذائقہ اور رنگ پر غالب آ جائے۔'' [1]

2 قُلَّتَيْن سے کیا مراد ہے؟ ابن ترکمانی فرماتے ہیں: قُلَّتَيْن کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔ اس کی تعیین میں پانچ مشکیں، چار مشکیں، چونسٹھ رطل، بتیس رطل، دو گھڑے (عام)، دو بڑے گھڑے اور دو مٹکے وغیرہ کے اقوال آئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ''قلتین'' کی مقدار مجہول اور اس پر عمل مشکل ہے۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: قلتین کی مقدار پر کوئی اتفاق نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ از راہ احتیاط پانچ حجازی مشکیں کہتے ہیں۔ [3]

اور ان قُلَّتَيْن کو جو قِلالِ هَجَر (بستی ہَجَر کے مٹکوں) کے ساتھ خاص کیا گیا ہے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ بات کسی مرفوع حدیث میں نہیں آئی، سوائے مغیرہ بن سقلاب کی سند سے مروی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے جس میں ہے کہ ''جب پانی هَجَر کے دو مٹکوں کے برابر ہو تو اسے کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔'' یہ روایت اس اضافے کے ساتھ ضعیف ہے۔ [4]

3 ماء کثیر (زیادہ پانی) کی مقدار کی تعیین کسی قابل اعتماد شرعی دلیل پر قائم نہیں ہے۔

* امام بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعض اصحابِ رائے نے ماء کثیر، جو پلید نہیں ہوتا ہے، کی مقدار دس ہاتھ X دس ہاتھ بیان کی ہے اور یہ تحدید کسی شرعی اصل سے ثابت نہیں۔ [5]

ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فَلَهُ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا عَطَنًا لِمَاشِيَتِهِ»

[1] [ضعيف] سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الحياض، حديث: 521، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 259/1، والمعجم الكبير للطبراني، حديث: 7503، وسنن الدارقطني: 28/1. میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس استثنا کے ساتھ ضعیف ہے، البتہ پہلا حصہ: ''پانی پاک ہے اسے کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔'' یہ صحیح ہے اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے جو گذشتہ بحث: ''کنویں کا پانی'' کے ضمن میں ذکر ہوئی ہے۔ [2] الجوهر النقي على السنن الكبرٰى: 265/1. [3] فتح الباري: 342/1، قبل الحديث: 235. [4] [ضعيف] الكامل لابن عدي: 83,82/8. ابن عدی کہتے ہیں کہ مغیرہ کی اکثر روایات کی متابعت نہیں کی گئی۔ التلخيص الحبير: 21-18/1 میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: مغیرہ منکر الحدیث ہے۔ پھر اس کے بعد کہتے ہیں: یہ حدیث اس اضافے کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ [5] شرح السنة للبغوي: 59/2.

’’جو شخص کنواں کھودے، اس کے لیے چالیس ہاتھ جگہ اس کے جانوروں کے بیٹھنے کے لیے ہے۔‘‘ [1]

مگر اس میں ماء کثیر کی تحدید کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ دس ہاتھ X دس ہاتھ ہو کیونکہ اس میں تو یہ ہے کہ کنویں کی حد ہر جانب سے چالیس چالیس ہاتھ ہونی چاہیے۔ [2]

امام بغوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بعض نے اس کی مقدار یہ کہی ہے کہ ایک بڑا حوض ہو اور اس کے ایک جانب حرکت دی جائے تو دوسری جانب اس حرکت کا اثر نہ پہنچے لیکن یہ انتہائی جہالت کی بات ہے کیونکہ حرکت دینے والوں کی حرکت قوت وضعف کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔ [3]

امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: پانی کے قلیل وکثیر ہونے کے بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں، مگر علمی اعتبار سے کوئی بھی مستند نہیں ہے، اس لیے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔ [4]

(4) کھڑے پانی میں پیشاب کرنا مکروہ ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِي لَا يَجْرِي، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ»

’’تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں، جو چلتا نہ ہو، ہرگز پیشاب نہ کرے، پھر وہ اسی میں نہائے گا۔‘‘ [5]

یہ بخاری کے لفظ ہیں جبکہ ترمذی میں ہے: «ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ» ’’پھر وہ اس سے وضو کرے گا۔‘‘ [6] اور سوائے ابن ماجہ کے باقی کے الفاظ ہیں: «ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ» ’’پھر وہ اس سے نہائے گا۔‘‘ [7]

اس حدیث میں اس بات سے ممانعت ہے کہ کھڑے پانی میں پیشاب کیا جائے، پھر اسی سے غسل کیا جائے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس میں پیشاب پڑنے سے پانی پلید ہو جائے گا، خواہ اس کا کوئی وصف نہ بدلے۔ پانی کو پلید کہنا شرعی دلیل کا متقاضی ہے اور ہمارے پاس اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے، البتہ حدیث کی رو سے یہ حکم برقرار ہے کہ پیشاب کرنے والے کو اس سے غسل یا وضو کرنا منع ہے، البتہ وہ باقی فوائد حاصل کر سکتا ہے اور جس نے پیشاب نہ کیا ہو، اس کے لیے غسل یا وضو کرنا مباح ہے۔ [8]

---

[1] [حسن] سنن ابن ماجه، الرهون، باب حريم البئر، حديث: 2486، وسنن الدارمي: 217/2، حديث: 2626. [2] فتح باب العناية بشرح كتاب النُّقاية لملاعلي قاري: 109/1. [3] شرح السنة للبغوي: 60/2. [4] نيل الأوطار: 42/1. [5] صحيح البخاري، الوضوء، باب البول في الماء الدائم، حديث: 239، ومسند أحمد: 346/2. [6] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في كراهية البول في الماء الراكد، حديث: 68. [7] صحيح مسلم، الطهارة، باب النهي عن البول في الماء الرَّاكد، حديث: 282، وسنن أبي داود، الطهارة، باب البول في الماء الراكد، حديث: 70، وسنن النسائي، الطهارة، باب الماء الدائم، حديث: 58، وسنن ابن ماجه، الطهارة، باب النهي عن البول في الماء الرَّاكد، حديث: 244. [8] إحكام الأحكام: 21/1، والمجموع: 116/1، وطرح التثريب: 33/2. سنن أبي داود میں حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يَبُولَنَّ »

5 نیند سے بیدار ہونے والے کو اس بات کی ممانعت ہے کہ وہ اپنا ہاتھ دھوئے بغیر کسی برتن میں ڈالے اور یہ نہی تنزیہی ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِّنْ نَّوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ»

''جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے تو اپنا ہاتھ (پانی کے) برتن میں نہ ڈالے جب تک کہ اسے تین بار نہ دھولے کیونکہ بلاشبہ اسے خبر نہیں ہوتی کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔'' [1]

اس حدیث میں یہ تلقین ہے کہ نیند سے جاگنے والا اپنا ہاتھ دھوئے بغیر پانی کے برتن میں نہ ڈالے اور یہ نہی تنزیہی ہے، نیز اس میں کوئی فرق نہیں کہ یہ نیند رات کی ہو یا دن کی۔ جمہور کے نزدیک ہاتھ دھونے کا حکم استحبابًا ہے اور اس کے لیے (وجوب سے) قرینۂ صارفہ یہ ہے کہ اس کا سبب ایسا بتایا گیا ہے جو محض شک پیدا کرتا ہے اور اگر کوئی جاگنے والا اپنا ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال دے اور ہاتھ پر کوئی نجاست معلوم نہ ہو تو یہ عمل مکروہ (ناپسندیدہ) ہے۔ نیز اکثر اہل علم کے بقول اس سے پانی خراب نہیں ہوگا۔ [2]

6 میاں بیوی کے لیے ایک ہی برتن سے وضو یا غسل کرنے کا جواز، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے، جو ہم دونوں کے درمیان ہوتا تھا، غسل کرلیا کرتے تھے، آپ (برتن سے پانی لینے میں) مجھ سے جلدی فرمالیتے حتی کہ میں کہتی: میرے لیے چھوڑیے، میرے لیے بھی چھوڑیے۔ فرماتی ہیں کہ ہم دونوں جنبی ہوتے تھے۔ [3]

« أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلُ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ» ''تم میں سے کوئی ایک بھی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں غسل جنابت ہی کرے۔'' سنن أبي داود، حديث:70. ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کھڑے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے، اسی طرح اس میں غسل خصوصاً غسلِ جنابت کرنا بھی منع ہے اور یہ منع عام ہے، جس نے اس میں پیشاب کیا ہے اور جس نے نہیں کیا، سب کو شامل ہے۔(عبدالولی) [1] صحيح البخاري، الوضوء، باب الاستجمار وترًا، حديث:162، وصحيح مسلم، الطهارة، باب كراهة غمس المتوضئ وغيره يده المشكوك، حديث:278 واللفظ له، ومسند أحمد:403/2، 465، 471. [2] شرح السنة للبغوي: 408/1، وشرح الزرقاني على الموطأ:76/1. مؤلف کا یہ کہنا کہ یہ نہی تنزیہی ہے، بلا دلیل ہے، صحیح یہی ہے کہ یہ نہی برائے تحریم ہے، البتہ کیا اس سے پانی پلید ہوتا ہے؟ تو اس کی کوئی دلیل نہیں، لہٰذا بغیر دھوئے ہاتھ برتن میں داخل کرنا حرام ہے، لیکن اگر کسی نے داخل کرلیا تو صرف اس کی وجہ سے پانی پلید نہیں ہوتا۔ دیکھیے تحفة الأحوذي:101/1، و تهذيب السنن لابن القيم شرح سنن أبي داود:73/1.(عبدالولی) [3] صحيح البخاري، الغسل، باب هل يُدخل الجنب يده في الإناء......؟ حديث:261، وصحيح مسلم، الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة......، حديث:321.

انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کی کوئی بیوی دونوں ایک ہی برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے۔ (راویان حدیث) مسلم اور وہب نے شعبہ سے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ جنابت سے ہوتے تھے۔[1]

7 مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو یا غسل کرنا جائز ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

«كَانَ يَغْتَسِلُ بِفَضْلِ مَيْمُونَةَ»

''نبی ﷺ میمونہ رضی اللہ عنہا کے بچے ہوئے پانی سے غسل فرما لیا کرتے تھے۔''[2]

اور سنن کی روایت ہے کہ نبی ﷺ کی کسی بیوی نے ایک لگن میں سے غسل کیا، پھر آپ بھی غسل کے لیے تشریف لائے تو انھوں نے بتایا کہ میں جنابت سے تھی تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ» ''پانی تو جنبی نہیں ہوتا۔''[3]

اور جو حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع کیا ہے تو یہ صحیح حدیث ہے۔''[4] مگر یہ نہی تنزیہ پر محمول ہے اور اس کا قرینہ وہ بہت سی احادیث ہیں جن میں اسے جائز کہا گیا ہے۔[5] ان میں سے ایک یہی مذکورہ بالا حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے۔

8 بے وضو یا ناپاک ہونے کی صورت میں طہارت صرف پانی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے یا مٹی (سطح زمین) سے، اس کے علاوہ دیگر مائع چیزوں، نبیذ وغیرہ سے طہارت نہیں ہوتی، سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾

''پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک سطح زمین سے تیمم کر لو۔''[6]

یہ نص ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹی اور سطح زمین بروئے کار لائی جائے۔ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ طَهُورُ الْمُسْلِمِ وَإِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ فَإِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ»

---

[1] صحيح البخاري، الغسل، باب هل يُدخل الجنب يده في الإناء......؟ حديث: 264. [2] صحيح مسلم، الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة......، حديث: 323. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الماء لا يجنب، حديث: 68، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في رخصة في ذلك، حديث: 65، وسنن النسائي، المياه، حديث: 326، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الرخصة بفضل وضوء المرأة، حديث: 370. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب النهي عن ذلك، حديث: 82، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في كراهية فضل طهور المرأة، حديث: 64، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب النهي عن ذلك، حديث: 373، ومسند أحمد: 66/5. [5] دیکھیے فتح الباري: 300/1. [6] المآئدة 6:5.

”پاک سطح زمین مسلمان کے لیے طہارت کا ذریعہ ہے، خواہ اسے دس سال تک پانی نہ ملے اور جب وہ پانی پالے تو وہ اسے اپنے جسم پر ڈالے، یہی اس کے لیے بہترین (عمل) ہے۔“ [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دوران سفر پانی دستیاب نہیں ہوتا تھا، تاہم ان کے پاس دوسرے مائعات تیل وغیرہ موجود ہوتے تھے لیکن ان میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انھوں نے پانی کے علاوہ کسی اور سیّال چیز سے وضو کیا ہو۔ واضح رہے کہ مائعات کو پانی پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ پانی ایک لطیف سیّال مادہ ہے اور وہ کئی چیزوں سے مرکب نہیں جبکہ دوسری مائعات ایسی نہیں ہوتیں۔ [2]

وہ حضرات جو نبیذ وغیرہ سے طہارت کو جائز کہتے ہیں، ان کے دلائل ضعیف اور ناقابل حجت ہیں۔ [3]

نجاستوں کے بارے میں احکام

نجاست سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے طبع سلیم مستقذر (گندا) سمجھتی اور اس سے نفرت کرتی ہے اور لوگ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو اسے دھوتے ہیں، مثلاً: پیشاب اور پاخانہ وغیرہ۔ [4]

* یہ بات شریعت مطہرہ کے کلیات و جزئیات کی رو سے معلوم و معروف ہے کہ ہر چیز بنیادی طور پر پاک اور طاہر ہے۔ اگر کسی چیز کے ناپاک ہونے کا حکم لگایا جائے تو بندوں کو ایک نئے حکم کا پابند ہونا پڑتا ہے، حالانکہ اصل براءتِ ذمہ ہے، خاص طور پر ان امور میں جو بکثرت وقوع پذیر ہوتے ہیں، اس لیے جن چیزوں کے نجس اور ناپاک ہونے کے بارے میں کوئی دلیل نہ ہو، انھیں کوئی شخص اپنی رائے یا غلط استدلال سے نجس اور پلید قرار نہیں دے سکتا۔ [5]

نجاستوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

آدمی کا پیشاب: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک بدوی آیا اور مسجد کی ایک جانب پیشاب کرنے لگا۔ لوگوں نے اسے ڈانٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں منع فرما دیا، جب وہ پیشاب کر چکا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب الجنب يتيمم، حديث:333,332، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في التيمم للجنب إذا لم يجد الماء، حديث: 124، واللفظ له وقال: حديث حسن صحيح، وسنن النسائي، الطهارة، باب الصلوات بتيمم واحد، حديث:323، ومسند أحمد:147,146/5، و إرواء الغليل: 181/1، حديث: 153. [2] المجموع شرح المهذب: 139/1. [3] ان احادیث کی تخریج ہماری تالیف «إرشاد الأمة إلى فقه الكتاب والسنة» جزء الطهارة میں ملاحظہ کریں۔ [4] الروضة الندية لشرح الدرر البهية لنواب محمد صديق حسن خان: 32/1. [5] الروضة الندية: 34/1.

پانی کے ایک ڈول کا حکم دیا جو اس پر بہا دیا گیا۔[1]

انسان کا پاخانہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا وَطِىءَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذٰى فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُورٌ»

''جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے سے پاخانے (اور گندگی) کو روندے تو مٹی اسے پاک کر دیتی ہے۔''[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا وَطِىءَ الْأَذٰى بِخُفَّيْهِ فَطَهُورُهُمَا التُّرَابُ»

''جب تم میں سے کوئی اپنے موزوں سے نجاست (پاخانہ) روندتا ہے تو انھیں مٹی پاک کرنے والی ہوتی ہے۔''[3]

مذی: یعنی وہ پانی جو انسان کا اپنی اہلیہ سے بوس و کنار کرتے ہوئے نکل آتا ہے اور یہ کیفیت مرد اور عورت دونوں کو لاحق ہو جاتی ہے۔[4]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے مذی بہت زیادہ آتی تھی اور اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنے میں حیا مانع ہوتی تھی کیونکہ آپ کی صاحبزادی میرے عقد میں تھی، اس لیے میں نے یہ بات مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے کہی، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ» ''اپنا ذکر (شرمگاہ) دھو لے اور وضو کر لے۔''[5]

ودی: وہ لیس دار پانی جو پیشاب کے بعد نکل آتا ہے۔ یہ نجس ہے، اس کی دلیل اجماع ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب يُهَرِيق الماء على البول، حديث: 221، وصحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات......، حديث: 284، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في البول يصيب الأرض، حديث: 147. [2] [صحيح لغيره] سنن أبي داود، الطهارة، باب الأذى يصيب النعل، حديث: 385، وشرح السنة: 93/2، حديث: 300، والمستدرك للحاكم: 166/1، حديث: 590، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 430/2. [3] [صحيح لغيره] سنن أبي داود، الطهارة، باب الأذى يصيب النعل، حديث: 386، وصحيح ابن خزيمة: 148/1، حديث: 292، والمستدرك للحاكم: 166/1، حديث: 591، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 430/2، وصحيح ابن حبان (موارد): 388/1، حديث: 249. [4] **مذی:** وہ سفید پتلا لیس دار پانی جو شہوت کے وقت بغیر شہوت و زور کے نکلتا ہے، اس کے بعد سستی بھی واقع نہیں ہوتی، بسا اوقات اس کے نکلنے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ شرح صحيح مسلم للنووي، الحيض، باب المذي، حديث: 303. (عبدالولی) [5] صحيح البخاري، الوضوء، باب من لم يرالوضوء إلا من المخرجين......، حديث: 178، وصحيح مسلم، الحيض، باب المذي، حديث: 303 واللفظ له.

فرماتے ہیں: امت کا اجماع ہے کہ مذی اور ودی نجس ہے۔ [1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: منی نکلنے پر غسل فرض ہے اور مذی اور ودی کے ظہور پر وضو لازم ہے کہ آدمی اپنا ذکر (شرمگاہ) دھو لے اور وضو کر لے۔ [2] یہ اثر حسن الاسناد ہے۔

کتے کا لعاب: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُرِقْهُ، ثُمَّ لْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَارٍ»

''جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں جو کچھ ہے اسے گرا دے اور پھر اسے سات بار دھوئے۔'' [3]

حیض کا خون: دختر ابوبکر اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا:

«إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ، ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيهِ»

''جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اسے انگلیوں کی پوروں سے مل کر خوب دھوئے اور پانی سے کھنگالے، پھر اس میں نماز پڑھ لے۔'' [4]

جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کی لید اور گوبر وغیرہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے آئے تو مجھ سے فرمایا: ''تین ڈھیلے لے آؤ۔'' مجھے دو ڈھیلے مل گئے، تیسرا ڈھونڈا مگر نہ ملا تو میں ایک لینڈ (گدھے کی لید) لے آیا۔ آپ نے ڈھیلے لے لیے اور لینڈ پھینک دیا اور فرمایا:

«هٰذَا رِكْسٌ» ''یہ پلید ہے۔'' [5]

---

[1] المجموع: 571/2. [2] السنن الكبرى للبيهقي: 115/1. [3] صحيح مسلم، الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب، حديث: 279، وسنن النسائي، باب سؤر الكلب، حديث: 336 واللفظ له. [4] صحيح البخاري، الحيض، باب غسل دم الحيض، حديث: 307، وصحيح مسلم، الطهارة، باب نجاسة الدم وكيفية غسله، حديث: 291، وسنن أبي داود، الطهارة، باب المرأة تغسل ثوبها الذي تلبسه في حيضها، حديث: 361، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في غسل دم الحيض من الثوب، حديث: 138، وسنن النسائي، الطهارة، باب دم الحيض يصيب الثوب، حديث: 294، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب في ما جاء في دم الحيض يصيب الثوب، حديث: 629. [5] صحيح البخاري، الوضوء، باب لا يستنجى بروث، حديث: 156، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الاستنجاء بالحجرين، حديث: 17، وسنن النسائي، الطهارة، باب الرخصة في الاستطابة بحجرين، حديث: 42، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الاستنجاء بالحجارة والنهي عن الروث والرمة، حديث: 314، وصحيح ابن خزيمة: 39/1، حديث: 70.

لفظ «رِکْسٌ» میں ''راء'' کے نیچے زیر اور ''کاف'' ساکن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ «رِجْسٌ» کی ایک لغت (تلفظ) ہے۔ ابن ماجہ اور ابن خزیمہ کی روایت میں «رِجْسٌ» ہی آیا ہے جس کے معنی نجس اور پلید کے ہیں۔ بقول علامہ خطابی وغیرہ ''رِکس'' سے مراد رَجیع، یعنی گوبر ہے جو حالتِ طہارت سے حالتِ نجاست میں بدل گیا۔ مگر راجح یہ ہے کہ کہا جائے جو حالت طعام سے (بعد از ہضم) گوبر بن گیا ہے۔[1]

مردار: یعنی وہ جانور جو اپنی موت مر گیا ہو اور شرعی طور پر اسے ذبح نہ کیا گیا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ» ''جب مردار کا چمڑا رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔''[2]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مردار کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اور اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ مردار نجس ہے۔

إھاب مطلق کھال کو کہتے ہیں یا اس چمڑے کو جو رنگا نہ گیا ہو۔[3]

امام ابوداود رحمہ اللہ نے نضر بن شُمَیل سے نقل کیا ہے کہ رنگ دیے جانے سے پہلے چمڑے کو إھاب کہتے ہیں اور اس کے بعد اسے إھاب نہیں بلکہ شَنٌّ اور قِرْبَةٌ کہتے ہیں۔[4]

صاحبِ صحاح کہتے ہیں: إھاب اس چمڑے کو کہتے ہیں جسے رنگا نہ گیا ہو۔[5]

* یاد رہے کہ زندہ جانور کا اگر کوئی حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مردار ہوتا ہے۔ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس دور میں یہاں کے کچھ لوگ دنبوں کی چکیاں یا اونٹوں کے کوہان کاٹ لیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا: «مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ»

''زندہ جانور کے بدن سے جو حصہ کاٹ لیا گیا ہو وہ مردار ہے۔''[6]

مردار کی نجاست کے عموم سے مندرجہ ذیل مستثنیٰ ہیں

مسلمان آدمی موت سے نجس نہیں ہوتا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے راستے میں ملے جبکہ میں

[1] فتح الباري:1/258. [2] صحيح مسلم، الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، حديث: 366، وجامع الترمذي، اللباس، باب ماجاء في جلود الميتة إذا دبغت، حديث: 1728، وسنن ابن ماجه، اللباس، باب لبس جلود الميته إذا دبغت، حديث: 3609، ومسند أحمد: 1/219. [3] القاموس، ص: 77. [4] سنن أبي داود، اللباس، باب من روى أن لا يستنفع بإهاب الميتة، بعد الحديث: 4128. [5] الصحاح: 1/76 (ا.ه.ب). [6] [حسن] جامع الترمذي، الصيد، باب ماجاء ما قطع من الحي فهوميت، حديث: 1480، وسنن أبي داود، الصيد، باب إذا قطع من الصيد قطعة، حديث: 2858، ومسند أحمد: 5/218، والمستدرك للحاكم: 4/239، حديث: 7597.

جنابت سے تھا، چنانچہ میں وہاں سے کھسک گیا اور غسل کر کے آیا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے پوچھا: ''ابو ہریرہ! تم کہاں تھے؟'' میں نے عرض کیا کہ میں جنابت سے تھا تو میں نے بلا طہارت آپ کے پاس بیٹھنا مناسب نہ جانا۔ آپ نے فرمایا:

«سُبْحَانَ اللهِ! إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ» ''سبحان اللہ! مسلمان پلید نہیں ہوتا۔'' [1]

اسی سے استدلال ہے کہ موت آنے سے صفت ایمان معدوم نہیں ہوتی، لہٰذا جب ایمان باقی ہے تو مرنے والا آدمی نجس نہیں ہے۔ [2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُنَجِّسُوا مَوْتَاكُمْ، فَإِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَّلَا مَيِّتًا»

''اپنے مردوں کو نجس نہ سمجھا کرو، بلاشبہ مسلمان زندہ ہو یا مردہ نجس نہیں ہوتا ہے۔'' [3]

* ایک دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

«لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِي غُسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ إِذَا غَسَّلْتُمُوهُ، فَإِنَّ مَيِّتَكُمْ لَيْسَ بِنَجَسٍ، فَحَسْبُكُمْ أَنْ تَغْسِلُوا أَيْدِيَكُمْ»

''جب تم میت کو غسل دو تو تم پر غسل واجب نہیں ہے کیونکہ تمھاری میت نجس نہیں ہوتی۔ تم اپنے ہاتھ دھولو تو یہی کافی ہے۔'' [4]

مسلمان کے بال یا دیگر اجزاء، جو اس کے جسم سے علیحدہ ہوں، نجس نہیں ہوتے:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے حج میں) جب جمرۂ عقبہ کی رمی اور قربانی کر لی اور اپنے بال منڈوانے

---

[1] صحيح البخاري، الغسل، باب عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس، حديث:283 و 285، و صحيح مسلم، الحيض، باب الدليل على أن المسلم لا ينجس، حديث: 371، و مسندأحمد: 235/2 و 382 و 471. [2] فتح الباري: 127/3.

[3] المصنف لابن أبي شيبة:469/2 موقوفاً واللفظ له، وسنن الدارقطني:70/2، حديث: 1793 مرفوعًا. یہ روایت اگرچہ موقوف اور مرفوع دونوں طرح مروی ہے لیکن اس کا موقوف ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ مستدرک اور سنن دارقطنی میں مروی مرفوع حدیث کے راوی ابن ابی شیبہ ہیں لیکن وہ اپنی کتاب میں اسے موقوف نقل کرتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ اسے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں کسی بعد والے راوی کا عمل دخل ہے، نیز عکرمہ رحمہ اللہ نے بھی اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے باختلاف الفاظ موقوفاً نقل کیا ہے جیسا کہ متن میں اس اثر کے بعد موجود ہے۔ شاید اسی وجہ سے امام بیہقی اور ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے موقوف ہونے کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ (السنن الكبرٰى للبيهقي:306/1، وتغليق التعليق:461/2) [4] [أثر صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي:306/1.

لگے تو آپ نے بال مونڈنے والے کی طرف اپنی دائیں جانب کی تو اس نے آپ کے بال مونڈے تو آپ نے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ بال انھیں دے دیے، پھر آپ نے اس کی جانب اپنا بایاں رُخ کیا اور فرمایا: ''مونڈو''۔ اس نے بال مونڈ دیے تو آپ نے وہ بھی ابو طلحہ کو دے دیے اور فرمایا:

«اِقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ» ''انھیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔'' [1]

مردار مچھلی اور ٹڈی: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُحِلَّ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ»

''ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ دو مردار: مچھلی اور ٹڈی اور دو خون: جگر اور تلی ہیں۔'' [2]

وہ جانور جن میں بہنے والا خون نہیں ہوتا: ان کا مردار بھی طاہر ہوتا ہے، جیسے شہد کی مکھی، چیونٹی، سنڈی، مکھی اور بچھو وغیرہ۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ، فَإِنَّ فِي إِحْدٰى جَنَاحَيْهِ شِفَاءً وَفِي الْآخَرِ دَاءً»

''جب تم میں سے کسی آدمی کے برتن میں مکھی پڑ جائے تو اسے چاہیے کہ پوری مکھی ڈبو دے، پھر نکال پھینکے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہوتی ہے۔'' [3]

علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مطعومات اور مشروبات، جیسے انجیر، سیب، سبزی، پنیر اور سرکہ وغیرہ میں جو کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں تو ان کے مرنے سے وہ چیز نجس نہیں ہوتی۔ [4]

مردار کے طاہر اجزاء: یعنی ہڈیاں، سینگ، ناخن، کھر، بال، پر، اون اور اس کا دودھ طاہر ہے۔ [5]

---

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، حديث: 171، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان أن السنة يوم النحر أن يرمي ثم ينحر ثم يحلق......، حديث: 1305. واللفظ له. [2] [صحيح] سنن ابن ماجه، الصيد، باب صيد الحيتان والجراد، حديث: 3218، ومسند أحمد: 97/2 واللفظ له، وسنن الدار قطني: 272,271/4، حديث: 4687، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 254/1 و 257 نیز دیکھیے، السلسلة الصحيحة: 111/3، حديث: 1118. [3] صحيح البخاري، الطب، باب إذا وقع الذباب في الإناء، حديث: 5782، وسنن أبي داود، الأطعمة، باب في الذباب يقع في الطعام، حديث: 3844، ومسند أحمد: 230,229/2. [4] دیکھیے شرح السنة للبغوي: 261,260/11. [5] یہاں مؤلف نے إِنْفَحَة کے طاہر ہونے کا »

ان سب چیزوں میں اصل طہارت ہے۔ ان کے نجس ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ مردار کی ہڈیوں، مثلاً: ہاتھی دانت وغیرہ، کے بارے میں کہتے ہیں: میں نے علمائے سلف کو دیکھا ہے، وہ ہاتھی دانت کی کنگھیاں استعمال کیا کرتے تھے اور ہاتھی کے دانت ہی سے بنے ہوئے برتنوں میں تیل وغیرہ رکھتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ [1]

حماد رحمہ اللہ کہتے ہیں: مردار کے پروں میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ [2]

ابن سیرین رحمہ اللہ اور ابراہیم رحمہ اللہ کا قول ہے: ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں۔ [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابن سیرین رحمہ اللہ کے قول پر لکھتے ہیں: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (ابن سیرین) اسے پاک سمجھتے تھے کیونکہ وہ کسی ناپاک یا ایسی نجس چیز، جسے پاک نہ کیا جا سکتا ہو، کی تجارت کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جیسا کہ زیتون کے بارے میں ان کے ایک مشہور واقعے سے استدلال کیا گیا ہے۔ [4]

حرام جانور کو ذبح کر دیا جائے تب بھی اس کا گوشت نجس ہوتا ہے: سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس دن خیبر فتح ہوا اس شام لوگوں نے بہت زیادہ آگ جلائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

«مَا هٰذِهِ النِّيرَانُ؟ عَلٰى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ؟» قَالُوا: عَلٰى لَحْمٍ، قَالَ: «عَلٰى أَيِّ لَحْمٍ؟» قَالُوا: عَلٰى لَحْمِ حُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَهْرِيقُوهَا وَاكْسِرُوهَا» فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُولَ اللهِ! أَوْ نُهْرِيقُهَا وَنَغْسِلُهَا؟ فَقَالَ: «أَوْ ذَاكَ»

”یہ کیسی آگ ہے اور تم کس چیز کے لیے اسے جلا رہے ہو؟“ حاضرین نے کہا: گوشت کے لیے۔ آپ نے پوچھا: ”کون سے گوشت کے لیے؟“ انھوں نے کہا: پالتو گدھوں کے گوشت کے لیے۔ آپ نے

» بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے بارے میں اہل لغت نے لکھا ہے: هُوَ شَيْءٌ يُسْتَخْرَجُ مِنْ بَطْنِهِ أَصْفَرُ يُعْصَرُ فِي صُوفَةٍ مُبْتَلَّةٍ فِي اللَّبَنِ فَيَغْلُظُ كَالْجُبْنِ ”یہ ایک زردی چیز (غِطا) ہوتی ہے جو بکری یا گائے کے دودھ پیتے بچے کے پیٹ سے نکالی جاتی ہے، پھر اسے اون کے تر کپڑے میں نچوڑ کر دودھ میں ڈال دیتے ہیں جس سے دودھ پنیر کی طرح گاڑھا ہو جاتا ہے۔“ (المصباح المنير للفيّومي، مادة: نفح) انگلش میں اسے Rennet stomach کہتے ہیں۔ بکری، گائے کا دودھ پیتا بچہ مر جائے تو اس کی یہ چیز پاک تو ہوتی ہے لیکن حلال نہیں۔ دودھ گاڑھا کر کے پنیر بنانے کے لیے اسے ذبح کر کے پیٹ سے یہ چیز نکالی جاتی ہے اور اس صورت میں حلال ہوتی ہے، اس طرح مردار کا دودھ پاک تو ہے لیکن حلال نہیں۔ (عبدالولی) [1] صحيح البخاري، الوضوء، باب: 67. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب: 67، والمصنف لعبدالرزاق: 1/67. [3] صحيح البخاري، الوضوء، باب: 67، والمصنف لعبدالرزاق: 1/68.

[4] فتح الباري: 1/343، نیز دیکھیے: مجموع فتاوٰی شيخ الإسلام ابن تيمية: 21/96-104.

فرمایا: ”انھیں (برتنوں کو) انڈیل دو اور انھیں توڑ دو۔“ ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! کیا (یہ ممکن ہے کہ) اسے انڈیل دیں اور برتنوں کو دھولیں؟ آپ نے فرمایا: ”چلو یوں ہی سہی۔“ [1]

ایک روایت کے لفظ ہیں: آپ نے فرمایا: «اِغْسِلُوا» ”دھولو۔“ [2]

اور انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ خیبر کے دن ہم نے گدھوں کا گوشت حاصل کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک منادی نے اعلان کیا:

«إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ فَإِنَّهَا رِجْسٌ»

”بے شک اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو گھریلو گدھوں کے گوشت کی ممانعت کرتے ہیں، بلاشبہ یہ پلید ہے۔“ [3]

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حرام جانوروں کا گوشت پلید ہوتا ہے، چاہے انھیں ذبح کر لیا جائے کیونکہ پہلے حکم دیا کہ برتنوں کو توڑ ڈالو مگر پھر کہا گیا کہ چلو دھولو، پھر فرمایا کہ یہ ناپاک ہے۔ بہر حال یہ دونوں حدیثیں پالتو گدھوں کے بارے میں نص ہیں اور بقیہ جانور، جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا، اسی پر قیاس کیے جاتے ہیں۔ ان میں علت مشترکہ ”ان کے گوشت کا نہ کھایا جانا“ ہے۔

گندگی سے پاک ہونے کا طریقہ

نجاست عین ہو یا اس کا اثر، اسے صرف پانی ہی سے زائل کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ دیگر مائعات، یعنی سرکہ یا عرق گلاب وغیرہ اس کے لیے کار آمد نہیں ہو سکتے کیونکہ تطہیر (پاک کرنے) کے لیے اصل چیز پانی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری شے شارع کی اجازت کے بغیر اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، جیسے کہ چمڑے کو پاک صاف کرنے کے لیے اسے رنگا جاتا ہے یا جوتے کا تلوا اگر پاک کرنا ہو تو اسے مٹی سے رگڑا جاتا ہے وغیرہ۔

دودھ پیتے بچے کا پیشاب کپڑے پر پڑ جائے تو اس کی طہارت: جناب ابو سمح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، جب آپ غسل کرنے کا ارادہ فرماتے تو مجھ سے ارشاد فرماتے کہ میری طرف پیٹھ کر

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4196، وصحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة خيبر، حديث: 1802، ومسند أحمد: 48/4. [2] صحيح البخاري، المظالم، باب هل تكسر الدّنان التي فيها الخمر......، حديث: 2477. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4199،4198 و 5528 واللفظ له، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب تحريم أكل لحم الحمر، حديث: 1940، ومسند أحمد: 115/3.

لو۔ میں آپ کی طرف پیٹھ پھیر لیتا اور اس طرح آپ کے لیے پردے کا اہتمام کرتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کو آپ کی خدمت میں لایا گیا تو اس نے آپ کے سینے پر پیشاب کر دیا، میں اسے دھونے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ»

"لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جاتے ہیں۔" [1]

زمین کو پاک کرنا: جس زمین پر نجاست پڑ جائے اسے پاک کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس پر پانی بہایا جائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی مسجد کی ایک جانب کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا، لوگوں نے اسے ڈانٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ڈانٹنے کی ممانعت فرمائی۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو آپ نے پانی کا ایک ڈول لانے کا حکم دیا جو اس پر بہا دیا گیا۔ [2]

اور دوسری یہ کہ وہ جگہ دھوپ یا ہوا سے خشک ہو جائے اور نجاست کا اثر جاتا رہے۔ اس کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، جبکہ میں غیر شادی شدہ تھا، مسجد میں سویا کرتا تھا۔ کتے مسجد میں آتے جاتے پیشاب کر دیا کرتے تھے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس پر پانی نہیں بہاتے تھے۔ [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابوداود نے سنن میں اس سے استدلال کیا ہے کہ زمین، نجاست کے خشک ہونے کے بعد پاک ہو جاتی ہے اور حدیث کے الفاظ کہ "وہ اس پر پانی نہیں بہاتے تھے۔" اس امر کی دلیل ہیں کہ اگر نجاست کے خشک ہونے سے زمین پاک نہ ہوئی ہوتی تو وہ اسے اس حال میں نہ چھوڑتے۔ اس استدلال میں جو کمزوری ہے، وہ مخفی نہیں ہے۔ [4]

علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ ابن حجر رحمہ اللہ کی بات پر تعاقب میں کہتے ہیں: میرے نزدیک اس استدلال میں کوئی ابہام نہیں بلکہ یہ عین واضح ہے ......۔ [5]

اور علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ امام ابوداود رحمہ اللہ کا یہ استدلال کہ خشک ہو جانے پر زمین پاک

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب بول الصبي يصيب الثوب، حديث: 376، وسنن النسائي، الطهارة، باب بول الجارية، حديث: 305، وسنن ابن ماجه، الطهارة، ما جاء في بول الصبي الذي لم يطعم، حديث: 526. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب صب الماء على البول في المسجد و باب: يهريق الماء على البول، حديث: 221,220,219، وصحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات......، حديث: 284. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب في طهور الأرض إذا يبست، حديث: 382، وصحيح البخاري، الوضوء، باب إذا شرب الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبعًا، حديث: 174 معلّقًا. [4] فتح الباري: 279/1. [5] عون المعبود: 31/2.

ہو جاتی ہے، بالکل صحیح ہے، میرے نزدیک اس میں کوئی کمزوری نہیں......۔" [1]

کپڑے کو خونِ حیض لگ جائے تو اس کی طہارت: اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اگر کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیسے پاک کرے؟ آپ نے فرمایا:

«تَحُتُّهُ، ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ، ثُمَّ تَنْضِحُهُ، ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ»

"اسے کھرچ لے، پھر چٹکیوں سے مل کر پانی سے دھوئے، پھر اس پر پانی ڈالے، پھر اس میں نماز پڑھ لے۔" [2]

اگر اسے کھرچنے اور دھونے کے بعد داغ باقی رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ خولہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اگر خون کا اثر نہ جائے؟ تو آپ نے فرمایا:

«يَكْفِيكِ الْمَاءُ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ»

"پانی (سے دھودینا) کافی ہے، اس کا داغ تجھے کوئی نقصان نہیں دے گا۔" [3]

زمین پر گھسٹتے دامن کی پاکیزگی: حُمیدہ کہتی ہیں کہ میں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں اپنا دامن لمبا رکھتی ہوں اور کسی وقت گندی جگہ سے بھی گزرتی ہوں؟ تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ» "اسے بعد والی جگہ پاک کر دے گی۔" [4]

یہ حدیث اپنے شواہد کی روشنی میں حسن درجے کی ہے۔

جس کپڑے پر مذی لگ جائے، اس پر پانی چھڑک دینا کافی ہے: جناب سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں مذی کی کثرت کی وجہ سے بڑی مشقت میں رہتا تھا اور اس وجہ سے بہت زیادہ غسل کرتا تھا، چنانچہ میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّمَا يُجْزِئُكَ مِنْ ذٰلِكَ الْوُضُوءُ». قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! فَكَيْفَ بِمَا يُصِيبُ ثَوْبِي مِنْهُ؟ قَالَ: «يَكْفِيكَ بِأَنْ تَأْخُذَ كَفًّا مِّنْ مَّاءٍ فَتَنْضَحَ بِهَا مِنْ ثَوْبِكَ حَيْثُ تُرَى

[1] تحفة الأحوذي: 139/1. [2] صحيح البخاري، الحيض، باب غسل دم الحيض، حديث: 307، و صحيح مسلم، الطهارة، باب نجاسة الدم وكيفية غسله، حديث: 291 واللفظ له. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب المرأة تغسل ثوبها الذي تلبسه في حيضها، حديث: 365، ومسند أحمد: 364/2و380، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 408/2 بإسناد صحيح. [4] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب الأذى يصيب الذيل، حديث: 383، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من الموطئ، حديث: 143.

أَنَّهُ أَصَابَهُ»

”تمھیں اس کی وجہ سے (پاکیزگی کے لیے) وضو ہی کافی ہے۔“ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اور وہ جو میرے کپڑے کو لگ جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تمھیں یہی کافی ہے کہ پانی کا ایک چلو لو اور جہاں سمجھو کہ لگی ہے، اس جگہ پر چھڑک دو۔“ [1]

جوتے کے تلوے زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جاتے ہیں: ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا»

”جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو جوتا (الٹا کر کے) دیکھ لے، اگر اس میں کوئی نجاست پائے تو اسے زمین سے رگڑ دے، پھر ان میں نماز پڑھ لے۔“ [2]

اس برتن کی پاکیزگی کا طریقہ جس میں کتا منہ مار جائے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«طُهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ، إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ، أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ، أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ»

”تمھارے برتن کی پاکیزگی، جب کتا اس میں منہ مار جائے، یہ ہے کہ وہ (شخص) اسے سات بار دھو لے، پہلی بار مٹی سے دھونا چاہیے۔“ [3]

حلال مردار جانور کا چمڑا پاک کرنے کا طریقہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ فرماتے تھے:

«إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ» ”چمڑہ جب رنگ دیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔“ [4]

[1] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب في المذي، حديث:210، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في المذي يصيب الثوب، حديث: 115، وسنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب الوضوء من المذي، حديث:506. [2] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب الصلاة في النعل، حديث: 650، ومسند أحمد: 92/3 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب، حديث: 279. [4] صحيح مسلم، الطهارة، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، حديث: 366.

پاکی اور ناپاکی کے سلسلے میں چند دیگر احکام

آدمی کی قے پاک ہے: فی الحقیقت تمام اشیاء اصلاً پاک ہیں اور اسے اس اصل سے کسی صحیح قابل حجت دلیل ہی سے بدلا جا سکتا ہے، جبکہ اس کے برخلاف اس سے راجح یا کم از کم اس کے مساوی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ اگر کسی چیز کے ناپاک ہونے کی دلیل مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ ہمیں یہیں رک جانا چاہیے (کہ یہ پاک ہے) اور اس کی نجاست کے مدعی سے ہم کہیں گے کہ آپ کے اس دعوے سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس چیز کا ازالہ کرنا واجب ٹھہرایا ہے جسے آپ نجس سمجھتے ہیں اور اس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح نہیں ہو سکتی تو اس کی دلیل پیش کیجیے، اگر وہ یہ کہے کہ اس کے بارے میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میں کنویں پر کھڑا تھا اور ڈول سے اپنی چھاگل میں پانی بھر رہا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا:

«يَاعَمَّارُ! مَا تَصْنَعُ؟» "عمار! کیا کر رہے ہو؟"

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں اپنا کپڑا دھو رہا ہوں کیونکہ اسے بلغم لگ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«يَاعَمَّارُ! إِنَّمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ مِنْ خَمْسٍ: مِنَ الْغَائِطِ، وَالْبَوْلِ، وَالْقَيْءِ، وَالدَّمِ، وَالْمَنِيِّ. يَاعَمَّارُ! مَا نُخَامَتُكَ، وَدُمُوعُ عَيْنَيْكَ، وَالْمَاءُ الَّذِي فِي رِكْوَتِكَ إِلَّا سَوَاءٌ»

"اے عمار! کپڑا پانچ چیزوں کی وجہ سے دھویا جاتا ہے: پاخانہ، پیشاب، قے، خون اور منی سے آلودہ ہونے پر (دھویا جاتا ہے)۔ اے عمار! تیرا بلغم، آنکھوں کے آنسو اور تیری اس چھاگل کا پانی سب برابر ہیں۔"[1]

ہم کہتے ہیں: یہ روایت بے اصل اور باطل ہے، کسی صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں ہے، اس لیے یہ لائق حجت ہے نہ لائقِ عمل درجے کو پہنچتی ہے، لہٰذا ایسی روایت سے ایسا کوئی حکم کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے جو بالعموم پیش آتا رہتا ہو! یہ روایت تو کسی پر کوئی ادنیٰ حکم ثابت کرنے کے لائق بھی نہیں ہے۔

اگر وہ کہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ہم کہیں گے: بھلا یہ بھی آیا کہ وضو صرف نجس ہی سے ٹوٹتا ہے؟ اگر کہے: ہاں، تو تمھیں اس کی کوئی دلیل نہیں ملے گی۔

[1] سنن الدارقطني: 127/1، حديث: 452، ومسند أبي يعلى: 186,185/3، حديث: 1611، ومسند البزار: 234/4.

اگر کہو کہ بعض اہل فروع نے کہا ہے کہ وضو کا ناقض ہونا نجس ہونے کی فرع ہے۔تو ہم کہیں گے: کیا ان حضرات کا یہ قول اللہ کی مخلوق پر حجت اور دلیل ہے؟

اگر وہ کہیں: ہاں، تو ہم کہہ سکتے ہیں: تم نے ایک ایسی بات کہی ہے جو اہل اسلام میں سے کسی نے نہیں کہی۔ اگر کہے کہ نہیں، تو ہم کہیں گے کہ پھر آپ ایسی چیز سے کس طرح حجت اور دلیل لے سکتے ہیں جس سے کسی نے کسی پر حجت نہیں لی؟

اگر کہیں: قے کے نجس ہونے پر اتفاق ہے۔تو ہم کہیں گے: یہ دعویٰ صحیح نہیں، ابن حزم رحمہ اللہ [1] نے اس کی تردید کی ہے، انھوں نے مسلمان کی قے پاک ہونے کی صراحت کی ہے۔ نیز علامہ شوکانی [2] اور نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ [3] دونوں نے قے کو نجاستوں میں شمار نہیں کیا بلکہ آدمی کی قے کے مطلقاً طاہر ہونے سے اتفاق کیا ہے۔ [4]

آدمی کی منی کی حیثیت: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: ...... میں دیکھتی ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو کھرچتی ہوں، پھر آپ اس میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ [5]

دوسری حدیث میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ...... میں دیکھتی ہوں کہ میں اسے جبکہ وہ خشک ہو چکی ہوتی، اپنے ناخنوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے کھرچ ڈالتی۔ [6]

منی کی نجاست اور طہارت کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء اسے طاہر کہتے ہیں جبکہ دیگر اسے نجس کہتے ہیں۔امام شوکانی اور عبدالرحمٰن مبارکپوری وغیرہ کے نزدیک منی نجس ہے۔ [7]

مسلمان کا خون پاک ہے: جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ ذات الرقاع میں نکلے، تو ایک صحابی نے کسی مشرک کی عورت کو قتل کر دیا۔ اس (مشرک) نے قسم کھائی کہ میں اصحاب محمد میں خونریزی کیے بغیر نہیں رہوں گا، چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نشانات پر چلتا آیا۔ آپ نے ایک منزل پر

[1] المحلّى: 183/1. [2] الدرر البهية في المسائل الفقهية، و شرحه الدراري المضية. [3] الروضة الندية :1/32-42.
[4] دیکھیے: ہماری تالیف: إرشاد الأمة إلى فقه الكتاب والسنة، جزء الطهارة. [5] صحيح مسلم، الطهارة، باب حكم المني، حديث: 288، وكذلك فى سنن أبي داود، الطهارة، باب المني يصيب الثوب، حديث: 372، و جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء فى المني يصيب الثوب، حديث: 116. [6] صحيح مسلم، الطهارة، باب حكم المني، حديث:290.
[7] تحفة الأحوذي: 317/1 ونيل الأوطار: 70/1 وانظر أيضًا السنن الكبرى للبيهقي: 416/2، برواية محارب بن دثار، والمحلّى لابن حزم:1/125-128، وفتح الباري:433/1.

پڑاؤ کیا تو فرمایا: ''ہماری پہریداری کون کرے گا؟'' مہاجرین اور انصار میں سے ایک ایک آدمی تیار ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا: «كُونَا بِفَمِ الشِّعْبِ» ''اس گھاٹی کے دہانے پر (کھڑے) ہو جاؤ۔''

وہ دونوں گھاٹی کے دہانے کی طرف نکل گئے۔ مہاجر لیٹ گیا اور انصاری کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اسی دوران وہ مشرک بھی آ گیا، اس نے ایک شخص کو کھڑے دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ ان لوگوں کا پہریدار ہے۔ اس نے تیر مارا جو صحابی کو لگ گیا۔ صحابی نے اسے اپنے جسم سے نکال دیا۔ اس مشرک نے اس صحابی کو پے درپے تین تیر مارے، پھر اس انصاری صحابی نے رکوع اور سجدہ کیا، پھر (نماز سے فارغ ہوکر) اپنے مہاجر ساتھی کو جگایا۔ جب مشرک نے دیکھا کہ یہ لوگ چوکنے ہو گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا۔ جب مہاجر نے انصاری کو خون میں لت پت دیکھا تو کہا: سبحان اللہ! تم نے مجھے پہلے ہی تیر پر کیوں نہ جگا دیا؟ اس نے کہا: میں (فلاں) سورت پڑھ رہا تھا، مجھے اچھا نہ لگا کہ میں اسے چھوڑ دوں۔[1]

* یہ واضح ہے کہ نبی ﷺ اس صورت حال سے مطلع ہوئے لیکن آپ نے اس کے خون بہنے کی حالت میں نماز پڑھتے رہنے پر کوئی اعتراض فرمایا نہ آپ سے یہ بات نقل ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ اس کی نماز باطل ہو گئی۔ اگر خون ناقض وضو ہوتا تو آپ اسے یا اس کے ساتھیوں کو یقیناً مطلع فرما دیتے۔ مزید برآں اگر خون نجس ہوتا تو آپ اسے یا اس کے ساتھیوں پر ضرور واضح فرما دیتے جبکہ بوقت ضرورت ضروری مسئلہ بیان نہ کرنا اور تاخیر کرنا جائز نہیں۔

* صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معرکوں میں جایا کرتے تھے، ان کے جسم اور کپڑے خون آلود ہو جاتے تھے مگر کسی سے منقول نہیں ہے کہ وہ اس کے باعث وضو کرتے تھے بلکہ شدید زخمی حالت میں زخموں کے ساتھ ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔

* جناب ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس رات عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا اور وہ زخمی ہو گئے تو وہ (مسور رضی اللہ عنہ) نمازِ فجر پڑھ کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، جب انھیں نماز کے لیے بیدار کرنے کی غرض سے کہا گیا کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے تو انھوں نے کہا: ہاں ہاں! جس نے نماز چھوڑ دی، اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے شدید زخمی حالت میں بہتے خون کے باوجود نماز پڑھی۔[2]

صحیح بخاری میں ایک اور اثر بھی منقول ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا ایک مہاسہ بھینچ دیا جس سے خون نکل آیا تو آپ نے وضو نہیں کیا۔[3]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء من الدم، حديث: 198، ومسند أحمد: 3/344، 359. [2] الموطأ للإمام مالك: 1/13، وشرح السنة للبغوي: 2/157، حديث: 330 بإسناد صحيح. [3] صحيح البخاري، الوضوء، باب: 34.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسے ابن ابوشیبہ نے صحیح سند کے ساتھ موصولاً بیان کیا ہے اور یہ جملہ مزید کہا ہے: ''پھر انھوں نے نماز پڑھی'' اور وضو نہیں کیا۔ [1]

صحیح بخاری میں ایک اور اثر نقل کیا گیا ہے کہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے خون تھوکا اور اپنی نماز بھی جاری رکھی۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسے سفیان ثوری نے اپنی جامع میں عطاء بن سائب سے موصول ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کو اسی طرح کرتے دیکھا تھا اور سفیان نے عطاء سے اختلاط سے پہلے سنا ہے، لہٰذا اس کی سند صحیح ہے۔ [3]

بہتا ہوا خون پاک ہے: حیض کے خون کے علاوہ اور کسی خون کے نجس ہونے کی کوئی صحیح دلیل سنت سے ثابت نہیں اور قرآن کریم میں جو ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر جو اسے کھائے، حرام ہو مگر یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت، کیونکہ وہ ناپاک ہے۔'' [4]

یہ آیت کریمہ ان چیزوں کے طاہر اور نجس ہونے کے بارے میں نہیں بلکہ حلال اور حرام کے بیان کے سلسلے میں ہے۔

جناب محمد بن سیرین، یحییٰ الجزار سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور ان کے پیٹ پر، اونٹنی ذبح کرنے کی وجہ سے گوبر اور خون لگا ہوا تھا مگر انھوں نے وضو نہیں کیا۔ [5] اس کی سند صحیح ہے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم گوشت کھاتے تھے جبکہ خون کی لکیریں ہنڈیا پر لگی ہوتی تھیں۔ [6] حافظ ابن کثیر نے اس ارشاد کو صحیح غریب کہا ہے۔ [7]

مختصر یہ ہے کہ جو حضرات خون کو نجس کہتے ہیں ان کے پاس سوائے اس کے کہ یہ نص قرآن سے حرام ہے اور کوئی دلیل نہیں ہے اور انھوں نے حرام ہونے سے نجس ہونے کو لازم سمجھ لیا ہے جیسا کہ شراب (خمر) کے بارے میں کیا ہے۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے)۔

[1] فتح الباري: 280/1. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب: 34. [3] فتح الباري: 382/1. [4] الأنعام 145:6. [5] المعجم الكبير للطبراني: 248/9، حديث: 9219. [6] تفسير الطبري، الانعام 145:6. [7] تفسير ابن كثير، الأنعام 145:6.

یہ بڑی واضح بات ہے کہ کسی چیز کے حرام ہونے سے اس کا نجس ہونا لازمی نہیں۔ اس کے برعکس کوئی چیز نجس ہو تو وہ لازماً حرام ہو گی جیسا کہ امام صنعانی اور شوکانی ﷮ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

نسوانی رطوبت پاک ہے: ام المؤمنین عائشہ ؓ کہتی ہیں: چاہیے کہ عورت اپنے پاس ایک کپڑا رکھے، جب اس کا شوہر فارغ ہو تو وہ اسے دے تاکہ وہ اس سے اپنی اذیٰ (گندگی) صاف کر لے اور عورت بھی صاف کر لے، پھر وہ اپنے اپنے کپڑوں میں نماز پڑھ لیں۔ [1]

جناب قاسم بن محمد ﷫ سے مروی ہے کہ ایک شخص کے متعلق عائشہ ؓ سے پوچھا گیا کہ وہ اپنی اہلیہ سے یک جائی کے لیے آتا ہے اور کپڑے پہن لیتا ہے، اسے ان کپڑوں میں پسینہ بھی آتا ہے، تو کیا یہ نجس ہے؟ انھوں نے کہا: عورت اپنے پاس ایک کپڑا رکھا کرتی تھی جب ایسی صورت ہوتی تو مرد اس کے ساتھ اپنے بدن سے اذیٰ (گندگی) کو صاف کر لیتا اور پسینہ آنے کو ناپاک کرنے والی چیز نہیں سمجھتا تھا۔ [2]

شراب حرام ہے اور منشیات کے نجس ہونے کی کوئی قابل حجت دلیل نہیں: جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا تعلق ہے:

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾

"بے شک شراب، جوا، آستانے اور فال نکالنے کے تیر سراسر گندے شیطانی کام ہیں، لہٰذا ان سے بچو۔" [3]

تو اس میں میں "رجس" سے حقیقی نجس اور پلید مراد نہیں ہے بلکہ ان کی معنوی پلیدی مراد ہے کیونکہ لفظ "رجس" شراب کے لیے خبر ہے اور ان کے لیے بھی جن کا اس پر عطف ہے، یعنی جوئے، آستانے اور فال نکالنے کے تیروں کے لیے، جبکہ جوئے، آستانے اور ازلام کو قطعی طور پر حسّی اور عینی نجس نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ﴾ "چنانچہ تم بتوں کی گندگی سے بچو۔" [4]

تو یہاں بتوں کی معنوی گندگی مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی بت کو ہاتھ لگا دے تو وہ پلید ہو جائے

[1] صحيح ابن خزيمة: 142/1، حديث: 280. [2] صحيح ابن خزيمة: 142/2، حديث: 279. مؤلف ﷾ نے عائشہ ؓ کے ان دو آثار سے رطوبتِ فرج کی طہارت پر استدلال کیا ہے، حالانکہ یہ استدلال واضح نہیں، رطوبتِ فرج پاک ہے اور اس کی دلیل براءت اصلیہ ہے، یعنی اس کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں جبکہ امام ابن خزیمہ نے مذکورہ آثار عائشہ ؓ سے استدلال کر کے لکھا ہے کہ جنبی کا پسینہ پاک ہے۔ اور یہی حق ہے۔ (عبدالولی) [3] المآئدة 5:90. [4] الحج 22:30.

گا۔ مزید برآں اس کی تفسیر سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس ''رجس'' سے مراد معنوی نجاست ہے کہ یہ (شراب وغیرہ) شیطانی کام ہیں، یہ دلوں میں دشمنی اور بغض ڈالتے ہیں، اللہ کی یاد اور نماز سے روکتے ہیں۔ [1]

صاحب سبل السلام کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ چیزیں اپنی اصل ماہیت کے اعتبار سے پاک ہیں۔ ان کے حرام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نجس بھی ہیں۔ حشیش حرام ہے مگر یہ طاہر ہے۔ ہاں! نجاست سے حرمت لازم آتی ہے، چنانچہ ہر نجس حرام ہے جبکہ ہر حرام نجس نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے نجس ہونے کا حکم اسے ہر حال میں چھونے سے روکنے کے لیے ہے، لہٰذا کسی چیز کے عین (ذات) کی نجاست کا حکم، اس کے حرام ہونے کا حکم ہے، بخلاف کسی چیز کے حرام ہونے کے حکم کے، مثلاً: مردوں کے لیے سونا اور ریشم پہننا حرام ہے مگر یہ دونوں چیزیں بالاجماع پاک ہیں۔ [2]

شراب کا بھی یہی معاملہ ہے، یعنی شراب حرام ہے مگر نجس نہیں۔ اگر یہ فی نفسہ نجس بھی ہے تو لازم ہے کہ اس کی کوئی اور خارجی دلیل ہو اور وہ نہیں ہے۔ [3]

مشرک کی نجاست معنوی ہے: سورۂ توبہ کی آیت کریمہ:

﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ﴾ ''بلاشبہ مشرک تو ہیں ہی پلید۔'' [4]

میں ان کے نجس ہونے کی وضاحت ہے۔ مگر دوسرے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی نجاست عینی اور حِسّی نہیں بلکہ معنوی ہے کیونکہ مشرک ذاتی طور پر نجس نہیں ہوتا بلکہ بلحاظِ عقیدہ نجس ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ برا جانا جاتا ہے۔ [5]

خنزیر کا گوشت کھانا حرام ہے مگر اس جانور کے نجس ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں: خنزیر کے نجس ہونے

---

[1] تفسیر الطبري، الحج 30:22. [2] سبل السلام، الطهارة، باب النهي عن أكل لحوم الحمر الأهلية: 202,201/1.

[3] ملاحظہ ہو: إرشاد الأمة، جزء الطهارة. مؤلف کا یہ کہنا کہ خنزیر اور شراب نجس نہیں، محل نظر ہے، صحیح بات یہ ہے کہ خنزیر کا گوشت اور شراب حرام ہونے کے ساتھ ساتھ نجس بھی ہیں، اس کی دلیل ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام ابوداود نے روایت کیا ہے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: «إِنَّا نُجَاوِرُ أَهْلَ الْكِتَابِ وَهُمْ يَطْبُخُونَ فِي قُدُورِهِمُ الْخِنْزِيرَ وَيَشْرَبُونَ فِي آنِيَتِهِمُ الْخَمْرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَهَا فَكُلُوا فِيهَا وَاشْرَبُوا، وَإِنْ لَمْ تَجِدُوا غَيْرَهَا فَارْحَضُوهَا بِالْمَاءِ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا» ''ہم اہل کتاب کے پڑوسی ہیں اور وہ لوگ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تمھیں ان کے علاوہ برتن ملیں تو ان میں کھاؤ پیو اور اگر نہ ملیں تو ان ہی کو دھو ڈالو اور کھاؤ پیو۔'' سنن أبي داود، الأطعمة، باب استعمال آنية أهل الكتاب، حديث: 3839. (عبدالولی) [4] التوبة 28:9. [5] فتح القدير، التوبة 28:9، وفتح الباري: 390/1.

کی کوئی صحیح دلیل وارد نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُل لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر، جو اسے کھائے، حرام ہو مگر یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت، کیونکہ وہ ناپاک ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ''رجس'' سے مراد حرام ہے جیسا کہ آیت کریمہ کے سیاق سے واضح ہے۔ فی الجملہ یہاں کھانے کے سلسلے میں حرام چیزوں کا ذکر ہے، ان کے عین نجس ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب اور گوبر پاک ہے: انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قبیلہ عُکل و عُرینہ کے کچھ لوگ آئے، انھیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صدقے کے اونٹوں کے چرواہے سے ملنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ باہر چلے جاؤ اور اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیو۔[2]

* اس حدیث میں دلیل ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب پاک ہے۔ اونٹوں کے بارے میں یہ حدیث نص ہے اور باقی حلال جانوروں کا مسئلہ قیاس سے ثابت ہے۔[3]

* جناب مالک بن حارث سلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ہمیں کوفہ کے دارالبرید میں نماز پڑھائی۔ اس جگہ دارالخلافہ سے آنے والے نمائندے ٹھہرا کرتے تھے۔ ان دنوں (عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں) ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ کے امیر تھے۔ دارالبُرید شہر کے ایک طرف تھا، اس کے پہلو میں کھلی جگہ بھی تھی اور جہاں یہ لوگ ٹھہرتے تھے وہاں جانوروں کی لید اور گوبر وغیرہ بھی ہوتا تھا جبکہ دروازے کے قریب کھلی صاف زمین تھی۔ ساتھیوں نے کہا کہ اگر آپ نماز دروازے کے قریب پڑھیں تو بہتر ہے۔ انھوں نے کہا: یہاں اور وہاں سب برابر ہے۔[4]

* اسے سفیان ثوری نے بھی اپنی جامع میں اعمش کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ہمیں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ

---

[1] الأنعام 145:6. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب أبوال الإبل والدواب......، حديث: 233، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب حكم المحاربين والمرتدين، حديث: 1671. [3] اس کے علاوہ براءت اصلیہ سے بھی ان جانوروں کے گوبر اور پیشاب کا پاک ہونا ثابت ہے۔ (عبدالولی) [4] فتح الباري: 336/1 یہ اثر صحیح ہے۔

نے ایسی جگہ نماز پڑھائی جہاں گوبر پڑا ہوا تھا۔[1] یہ الفاظ یہی ثابت کرتے ہیں کہ درمیان میں کچھ بھی حائل نہ تھا۔

* عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایسی حالت میں بھی نماز پڑھ لیتے تھے جبکہ ان کے پاؤں پر گوبر لگا ہوتا تھا۔ یہ اثر صحیح ہے۔

* جناب عبید بن عمیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرے پاس ایک چھوٹی سی بھیڑ تھی جو میری جائے نماز میں مینگنیاں کر دیتی تھی۔ یہ اثر صحیح ہے۔

* جناب ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ منصور نے ان سے پوچھا کہ آدمی کے موزے، جوتے یا پاؤں کو گوبر لگ جائے، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ انھوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ یہ اثر صحیح ہے۔

* جناب حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ بکریوں کے پیشاب کا کوئی حرج نہیں۔ یہ اثر صحیح ہے۔

* جناب محمد بن علی بن حسین اور نافع رحمہما اللہ مولی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ جس آدمی کے عمامے کو اونٹ کا پیشاب لگ جائے، وہ کیا کرے؟ تو ان دونوں نے کہا: اسے دھونے کی ضرورت نہیں۔ یہ اثر صحیح ہے۔[2]

جَلّالَہ (نجاست کھانے والے جانور) کا حکم: اس کے پیشاب اور گوبر کے نجس ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، البتہ اس کا گوشت کھانے، دودھ پینے یا اس پر سواری کی کراہت آئی ہے۔ اور وہ بھی بچاؤ کے طور پر اور نظافت کے پیش نظر ہے۔

جَلّالَہ: اونٹ، گائے، بکری، مرغی یا بطخ وغیرہ میں سے جو جانور اس قدر نجاست کھاتا ہو کہ اس سے اس کی بو آنے لگے، اسے جَلّالَہ کہتے ہیں۔ اگر انھیں چند دن نجاست سے دور رکھا جائے اور پاک صاف گھاس وغیرہ دی جائے اور ان کا گوشت صاف ہو جائے تو پھر ایسا جانور جَلّالَہ نہیں کہلائے گا اور اس کا گوشت اور دودھ وغیرہ بھی حلال ٹھہرے گا کیونکہ نہی کی علت دور ہوگئی اور جو تبدیلی آئی تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔

اگر یہ جانور گھاس پھونس کھائیں، انھیں غلہ بھی کھلایا جائے اور ساتھ ہی کسی وقت کوئی نجاست بھی کھالیں تو اس صورت میں انھیں ''جَلّالَہ'' قرار دیا جا سکتا ہے نہ ان کا کھانا مکروہ ہوگا۔[3]

* اور ایسے جَلّالَہ جانور کو چالیس دنوں تک بند رکھنے والی بات ضعیف ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ اونٹ کا گوشت کھانے اور جلالہ اونٹنی کا

[1] المصنف لعبدالرزاق: 410/1، حدیث: 1606. [2] سب آثار صحیح ہیں، دیکھیے: المحلّٰی: 171,170/1. [3] معالم السنن للخطابي: 226/4، وتحفة الأحوذي: 447/5.

دودھ پینے سے منع فرمایا ہے، اس پر عام چیزیں ہی لادی جائیں، اس پر سواری نہ کی جائے حتیٰ کہ چالیس رات تک اسے گھاس کھلائی جائے۔''[1]

* البتہ مرغی کو تین دن تک بند رکھنے کا جو ذکر آیا ہے، وہ صحیح ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ مرغی کو تین دن تک روکے رکھتے تھے۔[2] اس کی سند صحیح ہے۔ شیخ البانی نے فرمایا: یہ اثر صحیح ہے۔[3]

* جلّالہ کا گوشت کھانے، دودھ پینے اور اس پر سواری کی کراہت صحیح سند سے ثابت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔[4]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جلّالہ کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔[5] یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

جھوٹا اور پسینہ

جھوٹے کا بیان

مسلمان کا جھوٹا پاک ہے: خواہ وہ جنابت سے ہو یا حیض ونفاس سے۔ جھوٹے سے مراد یہاں وہ چیز ہے جو کھانے پینے کے بعد برتن میں باقی بچ جائے۔

* انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ پیش کیا گیا جس میں پانی ملا ہوا تھا، اس موقع پر آپ کی دائیں جانب ایک بدوی بیٹھا تھا اور بائیں جانب ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس دودھ میں سے کچھ پیا، پھر اس بدوی کو دے دیا اور فرمایا: «اَلْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ» ''دایاں اور پھر دایاں۔''[6]

* ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] [ضعيف] سنن الدارقطني: 283/4 والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 333/9. [2] مصنف ابن أبي شيبة: 147/5، حديث: 24598. [3] الإرواء، حديث: 2505. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الأطعمة، باب النهي عن أكل الجلالة وألبانها، حديث: 3786، وسنن النسائي، الضحايا، باب النهي عن أكل لحوم الجلالة، حديث: 4453، وجامع الترمذي، الأطعمة، باب ما جاء في أكل لحوم الجلالة وألبانها، حديث: 1825. [5] [صحيح] سنن أبي داود، الأطعمة، باب النهي عن أكل الجلالة وألبانها، حديث: 3785، و جامع الترمذي، الأطعمة، باب ما جاء في أكل لحوم الجلالة وألبانها، حديث: 1824. [6] صحيح البخاري، الأشربة، باب: الأيمن فالأيمن في الشرب، حديث: 5619، وصحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب إدارة الماء واللبن ونحوهما على يمين المبتدئ، حديث: 2029.

«سُبْحَانَ اللّٰهِ! إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ» ''سبحان اللہ! مومن پلید نہیں ہوتا۔'' [1]

* ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: میں (کوئی چیز) پیتی جبکہ میں ایام سے ہوتی، پھر میں اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتی تو آپ اپنے لب اسی جگہ رکھتے جہاں میں نے اپنے ہونٹ رکھے ہوتے تھے۔ میں کسی ہڈی سے گوشت نوچتی جبکہ میں ایام سے ہوتی تھی اور بقیہ ہڈی نبی ﷺ کو دے دیتی تو آپ اپنا دہن مبارک اسی جگہ رکھتے تھے جہاں میں نے منہ رکھا ہوتا تھا۔ [2]

کافر آدمی کا جھوٹا بھی پاک ہے: خواہ وہ جنابت سے ہو یا حیض اور نفاس سے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ﴾

''اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور تمھارے لیے پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جبکہ تم انھیں ان کے مہر دے دو، نیز انھیں نکاح کی قید میں لانے والے ہو، نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والے۔'' [3]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا کھانا اور ان کے ساتھ مل کر کھانا حلال فرمایا ہے۔ اس میں لازماً آدمی کا جھوٹا بھی ہوتا ہے جس طرح اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا ہے اور نکاح کا لازمی نتیجہ انتہائی حد تک اختلاط ہے۔ اس میں ایک دوسرے کے جھوٹے کھانے اور پسینے سے بچنا ممکن نہیں، یعنی مومن کا بدن، لباس اور بستر عورت کے پسینے سے آلودہ ہونا یقینی ہے اور ان تمام باتوں کے باوجود مومن پر غسل لازم نہیں آتا۔ اہل کتاب بیوی کے بارے میں غسل کی شرائط ٹھیک وہی ہیں جو مسلمان بیوی کے سلسلے میں ہیں (غسل اہل کتاب بیوی سے صحبت کے بعد ہی لازم آئے گا۔)

* عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرکہ عورت کے مشکیزے سے پینے کے لیے پانی لیا تھا، اور اپنے ایک صحابی سے فرمایا تھا کہ اس پانی سے غسل جنابت کرلو۔ [4]

[1] صحيح البخاري، الغسل، باب عرق الجنب وأن المسلم لاينجس، حديث: 283و285. [2] صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حديث: 300، ومسند أحمد: 192/6. [3] المآئدة 5:5. [4] صحيح البخاري، التيمم، باب الصعيد الطيب وضوء المسلم يكفيه عن الماء، حديث: 344، و صحيح مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها، حديث: 682.

* عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے سے پانی لے کر وضو کیا تھا۔ [1] یہ اثر صحیح ہے اور امام نووی نے المجموع میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [2]

* اسی طرح مشرکین کا مسلمانوں کے برتنوں میں کھانا کھانے کا معاملہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے مشرک وفود آیا کرتے تھے۔ آپ انھیں مسجد ہی میں مسلمانوں کے برتنوں میں کھانا کھلاتے تھے۔ یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ آپ نے ان برتنوں کو اس لیے دھونے کا حکم دیا ہو کہ ان میں مشرکوں نے کھایا ہے۔ سلف صالحین سے ایسی کوئی بات منقول نہیں ہے کہ وہ کافروں کی رطوبت سے بچتے تھے بلکہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک مشرک ثُمامہ بن اُثال کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا تھا۔ [3]

الغرض اس آیت کریمہ اور دیگر احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ کافر آدمی (جسمانی لحاظ سے) پاک ہوتا ہے اور اس کا جھوٹا بھی، خواہ وہ جنبی ہو اور یہی معاملہ کافر عورت کا بھی ہے، چاہے وہ حالت حیض و نفاس میں ہو۔

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا جھوٹا پاک ہے: جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا جھوٹا پاک ہوتا ہے کیونکہ ان کا لعاب ان کے پاک گوشت ہی سے بنتا ہے، چنانچہ اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان کے گوشت کا ہے۔

امام ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کا جھوٹا پاک ہے، اس کا جھوٹا پانی پینا یا اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ [4]

علامہ ابن رشد کہتے ہیں: مسلمانوں کے جھوٹے اور حلال چوپائے مویشی کے جھوٹے کے پاک ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، البتہ ان کے علاوہ دیگر (انسانوں اور حیوانوں) کے معاملے میں اختلاف ہے۔ [5]

* عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں خطبہ ارشاد فرمایا جبکہ اس موقع پر آپ اپنی اونٹنی پر تھے اور اس کا لعاب میرے کندھے پر گر رہا تھا۔ [6]

---

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 32/1. [2] المجموع: 319/1. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد بني حنيفة و حديث ثُمامة بن أثال، حديث: 4372، وصحيح مسلم، الجهاد، باب ربط الأسير وحبسه وجواز المنّ عليه، حديث: 1764. بعد میں یہ شخص اسلام لے آئے رضی اللہ عنہ [4] الإجماع، ص: 24. [5] بداية المجتهد: 20/1. [6] [صحيح لغيره] مسند أحمد: 187،186/4 و239،238، وجامع الترمذي، الوصايا، باب ما جاء لاوصية لوارث، حديث: 2121.

ان جانوروں کا جھوٹا جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا

بلی کا جھوٹا پاک ہے: کبشہ بنت کعب رضی اللہ عنہا، جو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی زوجہ تھیں، بیان کرتی ہیں کہ (ان کے خسر) ابوقتادہ رضی اللہ عنہ میرے ہاں آئے تو میں نے ان کے وضو کے لیے پانی انڈیلا۔ اچانک ایک بلی آئی اور وضو کا پانی پینے لگی تو انھوں نے بلی کے لیے برتن اور ٹیڑھا کر دیا حتی کہ اس نے پوری طرح پانی پی لیا، پھر انھوں نے مجھے دیکھا کہ میں انھیں حیرانی سے دیکھ رہی ہوں تو وہ مجھ سے فرمانے لگے: اے بھتیجی! کیا تم تعجب کر رہی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ»

''یہ بلی نجس نہیں ہے، یہ تم پر گھومنے پھرنے والے جانوروں میں سے ہے۔'' [1]

کتے کا جھوٹا نجس اور ناپاک ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

«إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُرِقْهُ، ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَارٍ»

''جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے گرا دے اور برتن کو سات بار دھوئے۔'' [2]

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کتا جس چیز میں منہ ڈال جائے وہ اگرچہ سیال طعام ہو، اسے کھانا حرام ہے، کیونکہ کھانا پھینک دینا درحقیقت اسے ضائع کرنا ہے۔ اگر یہ پاک ہوتا تو اسے گرانے کا حکم نہ دیا جاتا، جب کہ مال ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہمارا اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ جس چیز میں کتا منہ مار جائے، وہ ناپاک ہو جاتی ہے اور کتوں میں کوئی تخصیص نہیں، چاہے کتا اس قسم کا ہو جسے رکھنے کی شریعت نے اجازت دی ہے، یعنی شکاری یا محافظ کتا، یا کوئی عام دیہی یا شہری کتا ہو، سب کتوں کے لیے حکم عام ہے۔ [3]

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں ان لوگوں کے قول کی تردید اور ابطال ہے جو سمجھتے ہیں کہ پانی پاک ہے اور برتن دھونے کا حکم محض تعبدی ہے کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاک پانی، جو نجس نہیں ہے، گرا دینے کا حکم

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب سؤر الهرة، حديث: 75، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في سؤر الهرة، حديث: 92، ومسند أحمد: 5/303-309 واللفظ له. [2] صحيح مسلم، الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب، حديث: 279.
[3] صحيح مسلم مع شرح النووي: 3/237.

صادر فرمائیں۔[1] اور اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ ''پس وہ جس شکار کو تمھارے لیے پکڑ رکھیں، اس میں سے کھاؤ۔''[2]

میں دلیل ہے کہ (شکاری) کتے کا لعاب پاک ہے کیونکہ حکم عام ہے اور اس میں اس چیز کو دھونے کا حکم نہیں دیا جسے اس کا لعاب لگا ہو۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس آیت کریمہ میں لعاب لگی جگہ کو دھونے کا حکم نہ دینا اس بات کی دلیل نہیں کہ کتے کا لعاب پاک ہے کیونکہ امکان ہے کہ ان دوسرے عمومی دلائل پر اکتفا کر لیا گیا ہو جو کسی نجس کو پاک کرنے کے وجوب میں آئے ہیں (اور اسے بھی انھی میں شامل کر لیا گیا ہو) کیونکہ کتنے ہی احکام ایسے ہیں جن میں شارع کسی حکم کی تخصیص اور تصریح کرتے ہیں اور اس کے متعلقہ دیگر احکام کو اپنے اپنے محل میں بیان کر دیا جاتا ہے۔[3]

پسینے کا بیان

انسان کا پسینہ پاک ہے: چاہے مسلمان کا ہو یا کافر کا، جنبی کا ہو یا حیض ونفاس والی خاتون کا۔ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور پوچھا: ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا کچھ خون لگ جاتا ہے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا:

«تَحُتُّهُ، ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ، ثُمَّ تَنْضِحُهُ، ثُمَّ تُصَلِّي فِيهِ»

''اسے کھرچ ڈالے، پھر پانی لگا کر اپنی انگلیوں سے ملے، پھر پانی میں خوب کھنگالے، پھر اس میں نماز پڑھ لے۔''[4]

اس حدیث سے یہ دلیل اجاگر ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کپڑے سے خون حیض کو دھونے کا حکم ارشاد فرمایا ہے، سارے کپڑے کو دھونے کا حکم نہیں دیا، اس میں شک نہیں کہ کپڑے میں عورت کا پسینہ بھی لگا ہوتا ہے۔[5]

علامہ ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ جنبی کا پسینہ پاک ہوتا ہے، اسی طرح حائضہ کا پسینہ بھی پاک ہوتا ہے۔[6]

گزشتہ بحث میں جھوٹے کے بیان میں صحیح دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ آدمی کا جھوٹا، چاہے وہ مسلمان ہو یا

[1] صحیح ابن خزیمۃ: 51/1 في ترجمۃ الباب. [2] المآئدۃ 4:5. [3] الروض النضیر للسیاغي: 1/247-249. [4] صحیح البخاري، الوضوء، باب غسل الدم، حدیث: 227، وصحیح مسلم، الطھارۃ، باب نجاسۃ الدم وکیفیۃ غسلہ، حدیث: 291 واللفظ لہ، ومسند أحمد: 6/353,345. [5] دیکھیے: السنن الکبرٰی للبیھقي: 1/186. [6] الإجماع، ص: 26.

کافر، جنبی ہو یا حیض ونفاس والی عورت، پاک ہوتا ہے، لہٰذا اس کا پسینہ بھی پاک ہے۔

سواری کے جانور کا پسینہ پاک ہے: انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ احسان کرنے والے، سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے بڑھ کر بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ نے کوئی آواز سنی تو وہ دہشت زدہ ہو گئے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سو (اسی دوران) لوگوں سے نبی ﷺ ملے جبکہ آپ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھے جس پر کوئی جھول وغیرہ نہیں تھی۔ آپ اپنی تلوار حمائل کیے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے:

«لَمْ تُرَاعُوا، لَمْ تُرَاعُوا» ”گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں۔“

پھر آپ نے فرمایا: «وَجَدْنَاهُ بَحْرًا» ”اس (گھوڑے) کو تو ہم نے سمندر پایا ہے۔“ [1]

* جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن دحداح رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا، پھر ایک گھوڑا لایا گیا جس پر جھول نہیں تھی۔ ایک آدمی نے اسے پکڑا اور آپ اس پر سوار ہو گئے تو وہ تَوَقُّص کی چال سے دوڑنے لگا (اچھل اچھل کر چھوٹے چھوٹے قدم بھرنے لگا) اور ہم اس کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگے۔ قوم میں سے ایک آدمی نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«كَمْ مِّنْ عِذْقٍ مُّعَلَّقٍ - أَوْ مُدَلًّى - فِي الْجَنَّةِ لِابْنِ الدَّحْدَاحِ» [2]

”ابن دحداح کے لیے جنت میں کھجوروں کے بے شمار خوشے آویزاں ہیں۔“

ضروری وضاحت: لفظ ”مشرک“ اہل کتاب کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں شرکِ مطلق کا تذکرہ آیا ہے، اس میں اہل کتاب شامل نہیں ہوتے، ان کا ذکر شرکِ مقیّد کے تحت کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ﴾

”اہل کتاب کے بعض کافر اور مشرکین (کفر سے) رکنے والے نہ تھے۔“ [3]

اس آیت میں مشرکین کو اہل کتاب سے علیحدہ ایک مستقل قسم قرار دیا گیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصّٰبِئِينَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابی (بے دین) اور نصاریٰ اور مجوسی اور وہ لوگ

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الحمائل و تعليق السيف بالعنق، حديث: 2908 و صحيح مسلم، الفضائل، باب شجاعته ﷺ، حديث: 2307. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب ركوب المصلي على الجنازة إذا انصرف، حديث: 965. [3] البينة 1:98.

جنھوں نے (اللہ کے ساتھ) شرک کیا۔"[1]

یہاں بھی مشرکوں کو دوسروں سے علیحدہ ایک مستقل قسم قرار دیا گیا ہے۔البتہ شرکِ مقیّد میں اہل کتاب کا شمار ساتھ ہوا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

"انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی)، حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود (اللہ) کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ کرتے ہیں۔"[2]

یہاں انھیں مشرک کہا گیا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کا اصل دین، جو اللہ نے اپنی کتابوں میں نازل کیا یا رسولوں کو دے کر ان کی طرف مبعوث فرمایا، اس میں شرک نہیں ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾

"اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔"[3]

اور فرمایا: ﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ ﴾

"اور ہم نے جو اپنے رسول آپ سے پہلے بھیجے تھے ان سے پوچھیے، کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود مقرر کیے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟"[4]

اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾

"اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔"[5]

لیکن ان لوگوں نے اصل دین کو بدل ڈالا اور اس میں شرک کی ایسی ملاوٹ کی جس کی اللہ عزوجل نے کوئی دلیل نہیں اتاری تھی تو ان کا شرک ان کی اپنی ہی ایجاد ہے، باعتبار اصلِ دین اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔[6]

مسلمان کے جھوٹے کے بارے میں بعض بے اصل روایات: مسلمان کا جھوٹا کھانے پینے کے سلسلے میں بعض بے بنیاد وضعی روایات راہ پا گئی ہیں، ان سے خبردار رہنا چاہیے۔ ایسی چند روایات درج ذیل ہیں:

[1] الحج 22:17. [2] التوبة 9:31. [3] الأنبياء 21:25. [4] الزخرف 43:45. [5] النحل 16:36. [6] دقائق التفسير لابن تيمية رحمه الله: 3/14.

* ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مِنَ التَّوَاضُعِ أَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ مِنْ سُؤْرِ أَخِيهِ وَمَنْ شَرِبَ مِنْ سُؤْرِ أَخِيهِ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ رُفِعَتْ لَهُ سَبْعُونَ دَرَجَةً، وَمُحِيَتْ عَنْهُ سَبْعُونَ خَطِيئَةً، وَكُتِبَ لَهُ سَبْعُونَ حَسَنَةً»

''یہ بھی تواضع سے ہے کہ آدمی اپنے بھائی کا جھوٹا پی لے۔ جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے اپنے بھائی کا جھوٹا پی لیا، اس کے ستر درجے بلند کیے جائیں گے، ستر غلطیاں مٹائی جائیں گی اور ستر نیکیاں لکھی جائیں گی۔'' [1]

* فرمان نبوی ہے: «سُؤْرُ الْمُؤْمِنِ شِفَاءٌ» ''مومن کا جھوٹا شفا ہے۔'' یہ بے اصل روایت ہے۔ [2]

* فرمان نبوی ہے: «رِيقُ الْمُؤْمِنِ شِفَاءٌ» ''مومن کا لعاب شفا ہے۔'' یہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ [3]

برتنوں کے متعلق مسائل

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا حرام ہے: حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

«لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ، وَلَا الدِّيبَاجَ، وَلَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا، فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ»

''حریر و دیباج (ریشم) کا لباس مت پہنو اور سونے چاندی کے برتنوں میں پیو نہ ان کی پلیٹوں میں کھاؤ، بلاشبہ یہ ان (کفار) کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں۔'' [4]

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«الَّذِي يَشْرَبُ فِي آنِيَةِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ»

''جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ انڈیلتا ہے۔'' [5]

---

[1] [موضوع] الموضوعات لابن الجوزي: 40/3، وسلسلة الأحاديث الضعيفة: 177/1، حديث: 79. [2] سلسلة الأحاديث الضعيفة: 177/1، حديث: 78، وكشف الخفاء للعجلوني: 555/1، حديث: 1500، والمصنوع لِمُلّا علي القاري، ص: 106. [3] كشف الخفاء للعجلوني: 525/1، حديث: 1405، والمصنوع لمُلّا علي القاري، ص: 106. [4] صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل في إناء مفضض، حديث: 5426، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة......، حديث: 2067، ومسند أحمد: 385/5. [5] صحيح البخاري، الأشربة، باب آنية الفضة، حديث: 5634،

کسی برتن کو چاندی کے تار سے جوڑ لگانا جائز ہے: انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ٹوٹ گیا تو آپ نے اسی ٹوٹی ہوئی جگہ میں چاندی کا ایک تار لگا لیا۔[1]

تانبے اور پیتل کے برتن استعمال کرنا جائز ہے: عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، تو ہم نے آپ کو تانبے کے ایک بڑے پیالے میں پانی پیش کیا تو آپ نے اس سے وضو فرمایا......[2]

برتنوں کو ڈھانپ کر رکھنا چاہیے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک انصاری صحابی ابوحمید رضی اللہ عنہ مقامِ نقیع سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ کا برتن لے کے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَّا خَمَّرْتَهُ وَلَوْ أَنْ تَعْرِضَ عَلَيْهِ عُودًا!»

''تو نے اسے ڈھانپ کیوں نہ لیا، چاہے کوئی چھڑی ہی اس کے اوپر رکھ لیتا (جس سے تو اسے ڈھانپ لیتا)!''[3]

کافروں کے برتن استعمال کرنے کا مسئلہ: ابوثعلبہ خُشنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم اہل کتاب کے علاقے میں رہتے ہیں اور ان کے برتنوں میں کھا لیتے ہیں...... تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ جو تم نے بتایا کہ تم اہل کتاب کی ایک قوم کے علاقے میں رہتے ہو اور ان کے برتنوں میں کھا لیتے ہو تو اگر تمھیں ان کے علاوہ برتن مل جاتے ہیں تو ان کے برتنوں میں مت کھاؤ اور اگر تم اور برتن نہ پاؤ۔ (اور تمھیں انھی میں کھانا پڑ جائے) تو انھیں دھو لو اور پھر ان میں کھا لو۔''[4]

* امام بغوی رحمہ اللہ شرح السنہ میں کہتے ہیں: کفار کے برتن اسُ وقت دھونا ضروری ہیں جب ان کی نجاست کا یقین ہو۔[5]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ جب ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے جاتے تھے تو

»» وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم استعمال أواني الذهب والفضة......، حديث: 2065 واللفظ له ، ومسند أحمد: 306,304/6. [1] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ما ذكر من...... قدحه و خاتمه، حديث: 3109، ومسند أحمد: 39/3و155. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب الغسل والوضوء في المخضب......، حديث: 197، وسنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء في آنية الصفر، حديث: 100، وسنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب الوضوء بالصفر، حديث: 471. [3] صحيح البخاري، الأشربة، باب شرب اللبن......، حديث: 5606، وصحيح مسلم، الأشربة، باب في شرب النبيذ وتخمير الإناء، حديث: 2011. [4] صحيح البخاري، الصيد والذبائح، باب صيد القوس، حديث: 5478، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة، حديث: 1930 واللفظ له. [5] شرح السنة للبغوي: 200/11. یہی بات حق ہے، یعنی ««

ہمیں مشرکوں کے جو برتن اور مشکیزے وغیرہ ملتے تھے، ہم انھیں زیر استعمال لے آتے تھے اور اس میں عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ [1]

ابو ثعلبہ خُشَنی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوسی لوگوں کی ہنڈیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: «أَنْقُوهَا غَسْلًا، وَاطْبُخُوا فِيهَا، وَنَهٰى عَنْ كُلِّ سَبُعٍ ذِي نَابٍ»

”انھیں دھو کر صاف کر لیا کرو، پھر ان میں پکا لیا کرو۔ اور آپ نے ہر نیش دار (کچلیوں والے) درندے (کے کھانے) سے منع فرمایا۔“ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجوسیوں کے برتنوں کا حکم اہل کتاب کے برتنوں سے مختلف نہیں ہے۔ اس لیے کہ علت اگر ان کے ذبیحے کا حلال ہونا ہے، جیسا کہ اہل کتاب کا تو پھر کوئی اشکال نہیں اور اگر ان کا ذبیحہ حلال نہیں تو پھر وہ برتن جن میں وہ اپنے ذبیحے پکاتے اور انڈیلتے ہیں تو مردار پڑنے سے وہ ناپاک ہو جاتے ہیں۔ پس اہل کتاب بھی ایسے ہی ہیں کہ یہ لوگ نجاست سے دور رہنے کو دین کا حصہ نہیں سمجھتے بلکہ ان برتنوں میں خنزیر پکاتے ہیں، اور شراب بھی رکھتے ہیں۔ [3]

رات کو پیشاب کے لیے برتن رکھنا جائز ہے: اُمیمہ بنت رُقَیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت لکڑی کے ایک پیالے میں پیشاب کر لیا کرتے تھے جو آپ کی چارپائی کے نیچے رکھا ہوتا تھا۔ [4]

قضائے حاجت کے مسائل

جو شخص بیت الخلا جانے لگے تو وہ یہ دعا پڑھے:

«بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ»

» کفار جب اپنے برتن خنزیر، شراب اور دیگر نجس چیزوں کے لیے استعمال کرتے ہوں تو پھر ان کا دھونا لازم اور ضروری ہے۔ (عبدالولی)

[1] [صحيح] سنن أبي‌داود، الأطعمة، باب في استعمال آنية أهل الكتاب، حديث: 3838، ومسند أحمد: 379/3 و إرواء الغليل: 76/1. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الأطعمة، باب ما جاء في الأكل في آنية الكفار، حديث: 1796 وصحيح سنن الترمذي، حديث: 1796. [3] فتح الباري: 623/9، نیز ملاحظہ ہو، ”جھوٹا اور پسینہ“ کے تحت ”کافر آدمی کا جھوٹا بھی پاک ہے، خواہ وہ جنابت سے ہو یا حیض اور نفاس سے۔“ [4] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الرجل يبول بالليل في الإناء ثم يضعه عنده، حديث: 24، وسنن النسائي، الطهارة، باب البول في الإناء، حديث: 32.

''اللہ کے نام سے (داخل ہوتا ہوں۔) اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں اور خبیث جنّیوں سے۔''

سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَتْرُ مَا بَيْنَ أَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِي آدَمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ أَنْ يَقُولَ: بِسْمِ اللّٰهِ»

''جنوں کی نگاہوں اور بنی آدم کی شرمگاہوں کے مابین پردہ یہ ہے کہ جب کوئی بیت الخلا جانا چاہے تو یوں کہہ لے: بسم اللہ (میں اللہ کے نام سے داخل ہوتا ہوں۔)'' [1]

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلا میں جانے کا ارادہ کرتے تو کہتے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ»

''اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں خبیث جنّوں اور خبیث جنّیوں سے۔'' [2]

مستحب یہ ہے کہ جب بیت الخلا سے نکلے تو یوں کہے: «غُفْرَانَكَ» ''(اے اللہ!) میں تیری مغفرت چاہتا ہوں۔''

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلا سے باہر آتے تو کہتے:

«غُفْرَانَكَ» (اے اللہ!) ''میں تیری مغفرت چاہتا ہوں۔'' [3]

جب آدمی کسی کھلی جگہ پر ہو تو مستحب یہ ہے کہ دور چلا جائے حتی کہ اوجھل ہو جائے: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے جاتے تو دور چلے جاتے تھے۔'' [4]

مستحب یہ ہے کہ آدمی جب تک زمین کے قریب نہ ہو جائے، کپڑا نہ اٹھائے: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے، اپنا

[1] [صحيح لغيره] جامع الترمذي، الجمعة، باب ما ذكر من التسمية عند دخول الخلاء، حديث:606، وسنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب ما يقول الرجل إذا دخل الخلاء، حديث:297 وانظر أيضًا إرواء الغليل:87/1. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب ما يقول عند الخلاء، حديث:142، وصحيح مسلم، الحيض، باب ما يقول إذا أراد دخول الخلاء، حديث:375، ومسند أحمد:99/3. [3] سنن أبي داود، الطهارة، باب مايقول الرجل إذا خرج من الخلاء، حديث:30، وجامع الترمذي، الطهارة، باب مايقول إذا خرج من الخلاء، حديث:7. [4] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب التخلي عند قضاء الحاجة، حديث:1، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء: أن النبيﷺكان إذا أراد الحاجة أبعد في المذهب، حديث:20، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب التباعد للبراز في الفضاء، حديث:331.

کپڑا نہیں اٹھاتے تھے۔“ [1]

قضائے حاجت کے وقت قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا: صحرا یا کسی اور کھلی فضا میں قضائے حاجت کے لیے قبلہ رخ بیٹھنا یا پیٹھ کرنا حرام ہے، البتہ گھروں (یا تعمیر شدہ طہارت خانوں) میں رخصت ہے۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا، وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا»

”قضائے حاجت کے وقت تم قبلے کی طرف منہ کرو نہ پیٹھ بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کیا کرو۔“

ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم شام پہنچے تو ہم نے بیت الخلا دیکھے جو قبلہ رخ بنے ہوئے تھے۔ ہم ان میں گھوم کر بیٹھتے تھے اور اللہ سے استغفار کرتے تھے۔ [2]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے شرمگاہیں یا پیٹھ قبلہ رخ کر کے رفع حاجت کی ممانعت فرمائی، پھر میں نے ایک مرتبہ آپ ﷺ کو، آپ کی وفات سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ قبلے کی طرف منہ کر کے پیشاب کر رہے تھے۔ [3]

ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث، جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے منسوخ ہے مگر معاملہ یہ نہیں ہے، بلکہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث ایسے فرد کے بارے میں ہے جو کسی صحرا یا ویرانے میں ہو جبکہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق تعمیر شدہ عمارات سے ہے۔ [4]

لوگوں کے راستے یا سائے میں رفعِ حاجت حرام ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ» ”لعنت کے دو کاموں سے بچو۔“

---

[1] [صحيح لغيره] سنن أبي‌داود، الطهارة، باب كيف التكشف عند الحاجة، حديث: 14، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الاستتار عند الحاجة، حديث: 14. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب قبلة أهل المدينة و أهل الشام والمشرق، حديث: 394، وصحيح مسلم، الطهارة، باب الاستطابة، حديث: 264. [3] [حسن] مسند أحمد: 360/3، و سنن أبي‌داود، الطهارة، باب الرخصة في ذلك، حديث: 13، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء من الرخصة في ذلك، حديث: 9، وسنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب الرخصة في ذلك في الكنيف......، حديث: 325. [4] إخبار أهل الرسوخ في الفقه والتحديث بمقدار المنسوخ من الحديث، بتحقيق المؤلف، ص: 34. اصل بات یہ ہے کہ قضائے حاجت کے دوران میں قبلے کی طرف منہ اور پشت نہ کرنا مستحب ہے، خواہ انسان صحرا میں ہو یا گھر اور تعمیر شدہ طہارت خانے میں، تمام روایات کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ دیکھیے فتح الباري: 1/245، 246. (عبدالولی)

لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ دونوں کام کون کون سے ہیں؟ فرمایا:

«اَلَّذِي يَتَخَلّٰى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ»

''وہ جو لوگوں کے رستے میں قضائے حاجت کے لیے بیٹھتا ہے یا ان کے سائے (کی جگہوں) میں۔'' [1]

غسل خانے میں پیشاب کرنا منع ہے: جناب حمید بن عبدالرحمٰن حمیری کہتے ہیں کہ میں ایک ایسے آدمی سے ملا جو رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارک سے اسی طرح فیض یاب ہوا تھا جس طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اس نے بیان کیا:

«نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَمْتَشِطَ أَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ أَوْ يَبُولَ فِي مُغْتَسَلِهِ»

''رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ہم میں سے کوئی ہر روز کنگھی کرے یا اپنے نہانے کی جگہ پیشاب کرے۔'' [2]

کھڑے پانی میں پیشاب کرنا حرام ہے: جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [3]

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے: جبکہ بیٹھ کر پیشاب کرنا افضل ہے، اس لیے کہ اس صورت میں چھینٹے پڑنے سے زیادہ بچاؤ ہو جاتا ہے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ایک قوم کے کوڑے کے ڈھیر پر پہنچے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگے۔ میں آپ سے دور ہٹ گیا تو آپ نے فرمایا: ''نزدیک ہو جاؤ۔'' میں آپ کی ایڑیوں کے پاس کھڑا ہو گیا، پھر آپ نے وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح فرمایا۔ [4]

* جن احادیث میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے تو وہ سب ضعیف اور نا قابل حجت ہیں۔

---

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب النهي عن التخلي في الطرق والظلال، حديث: 269، وسنن أبي داود، الطهارة، باب المواضع التي نهي عن البول فيها، حديث: 25، ومسند أحمد: 372/2. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهاره، باب في البول في المستحم، حديث: 28، وسنن النسائي، الطهارة، باب ذكر النهي عن الاغتسال بفضل الجنب، حديث: 239. اس سے مراد غسل خانے کا فرش ہے۔ اگر کمرہ نما مقام میں پیشاب کے لیے علیحدہ جگہ بنی ہوئی ہو تو وہاں پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ اس جگہ کو غسل خانہ نہیں کہتے، یعنی اس ایک کمرہ نما موضع میں ایک قضائے حاجت کی جبکہ دوسری غسل کی جگہ ہے۔ (عبدالولی)

[3] صحيح مسلم، الطهارة، باب النهي عن البول في الماء الراكد، حديث: 281، وسنن النسائي، الطهارة، باب النهي عن البول في الماء الراكد، حديث: 35، وسنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب النهي عن البول في الماء الراكد، حديث: 343.

[4] صحيح البخاري، الوضوء، باب البول عند صاحبه والتستر بالحائط، حديث: 225، و صحيح مسلم، الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث: 273 واللفظ له.

* افضلیت کی دلیل ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ جو تمھیں یہ بتائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا، اس کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ میں نے آپ کو بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے دیکھا ہے۔ [1]

اور دوسری روایت میں کہتی ہیں کہ جب سے آپ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا، آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ [2] دونوں صحیح ہیں۔

* ان احادیث کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی پہلی روایت کی وضاحت یہ ہے کہ یہ ان کے اپنے علم کی حد تک ہے، یعنی جو معمولات گھر میں تھے، ان کے علم میں وہی معمولات تھے مگر گھر سے باہر کے معاملات سے وہ مطلع نہیں تھیں جبکہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جو واقعہ یاد رکھا ہے، وہ بھی درست ہے اور وہ کبار صحابہ میں سے ہیں۔ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے تو یہ ضمنًا ان کے اس قول کی تردید ہے کہ نزولِ قرآن کے بعد ایسا نہیں ہوا، نیز عمر، علی اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور یہ دلیل ہے کہ یہ عمل جائز ہے بشرطیکہ چھینٹے قطعًا نہ پڑنے پائیں۔ [3] واللّٰہ أعلم.

پیشاب کے چھینٹوں سے بچنا واجب ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو نئی قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

«إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ. أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنْ بَوْلِهِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ»

"بلاشبہ انھیں عذاب دیا جا رہا ہے اور یہ کسی بڑی (مشکل) بات کی وجہ سے زیر عذاب نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔" [4]

دائیں ہاتھ سے اِستنجا کرنا منع ہے: ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يُمْسِكَنَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَهُوَ يَبُولُ، وَلَا يَتَمَسَّحْ مِنَ الْخَلَاءِ بِيَمِينِهِ»

"تم میں سے کوئی پیشاب کر رہا ہو تو اپنے ذکر (عضو تناسل) کو دائیں ہاتھ سے ہرگز نہ پکڑے اور رفع

---

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في النهي عن البول قائمًا، حديث: 12، و سنن النسائي، الطهارة، باب البول في البيت جالسًا، حديث: 29. [2] [صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي: 101/1. [3] فتح الباري: 330/1. [4] صحيح البخاري، الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله، حديث: 216، وصحيح مسلم، الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول......، حديث: 292، و سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب التشديد في البول، حديث: 347 واللفظ له.

حاجت کے بعد دائیں ہاتھ سے استنجا بھی نہ کرے۔" [1]

پانی، ڈھیلوں یا ان جیسی دیگر چیزوں سے استنجا جائز ہے: انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا جاتے تو میں اور میرے جیسا ایک اور لڑکا پانی کا لوٹا اور عصا (جس کے نیچے پھل لگا ہوتا تھا) اٹھا لیتے تو آپ پانی سے استنجا کرتے۔ [2]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ فَلْيَسْتَطِبْ بِهَا، فَإِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ»

"جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کے لیے جائے تو تین ڈھیلے ساتھ لے جائے اور ان سے استنجا کر لے، یہ اسے کفایت کر جائیں گے۔" [3]

یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ حسن درجے کی ہے۔

* کوئی اور پاک جامد چیز ہو جو نجاست کو زائل کر دے، بشرطیکہ نہ حرام ہو، نہ کسی حیوان کا جز ہو، جیسے لکڑی، چیتھڑا، پکی اینٹ یا ٹھیکرا وغیرہ تو اس سے بھی استنجا جائز ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی، لید یا گوبر کے ساتھ استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس سے یہ سمجھا گیا ہے کہ جس چیز سے منع نہیں فرمایا، اس سے استنجا جائز ہے بشرطیکہ اس سے صفائی ہو جائے۔ [4]

تین سے کم ڈھیلے استعمال کرنا جائز نہیں: سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ان سے کہا گیا: تمھارے نبی نے تمھیں ہر بات سکھائی ہے حتی کہ رفع حاجت کا طریقہ بھی! انھوں نے کہا: ہاں ہاں!

«لَقَدْ نَهَانَا أَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ»

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب لا يُمسك ذكره بيمينه إذا بال، حديث: 154، وصحيح مسلم، الطهارة، باب النهي عن الاستنجاء باليمين، حديث: 267. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب حمل العنزة مع الماء في الاستنجاء، حديث: 152، وصحيح مسلم، الطهارة، باب الاستنجاء بالماء من التبرز، حديث: 271. [3] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب الاستنجاء بالأحجار، حديث: 40، وسنن النسائي، الطهارة، باب الاجتزاء في الاستطابة بالحجارة دون غيرها، حديث: 44، ومسند أحمد: 108/6. "کفایت کر جائیں گے" کا مطلب یہ ہے کہ ان کے استعمال سے استنجا ہو گیا، مزید پانی وغیرہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ [4] المجموع: 130/2، 131، والمغني: 213/1 و315.

''آپ ﷺ نے ہمیں پیشاب پاخانے کے وقت قبلہ رخ ہونے سے منع فرمایا ہے اور دائیں ہاتھ سے اور تین سے کم ڈھیلوں سے، نیز لید، گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔'' [1]

ہڈی، لید یا گوبر سے استنجا جائز نہیں: جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُتَمَسَّحَ بِعَظْمٍ أَوْ بِبَعْرٍ»

''رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ہڈی یا مینگنی (لید) سے استنجا کیا جائے۔'' [2]

رفع حاجت کے وقت لوگوں کی نظروں سے چھپ جانا مستحب ہے: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے فرمایا: «خُذِ الْإِدَاوَةَ» ''لوٹا (مشکیزہ) لے لو۔''

پھر چل دیے حتی کہ مجھ سے چھپ گئے اور حاجت سے فارغ ہوئے۔ [3]

اعمالِ فطرت

* ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ - أَوْ خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ - : اَلْخِتَانُ، وَالِاسْتِحْدَادُ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ»

''فطری امور پانچ ہیں یا پانچ باتیں فطرت [4] سے ہیں: ختنہ، زیر ناف کی صفائی، بغل کے بال نوچنا، ناخن

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب الاستطابة، حديث: 262، وجامع الترمذي، الطهارة، باب الاستنجاء بالحجارة، حديث: 16. ایک سچے اور کھرے مسلمان کو چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی نہایت خوش دلی سے ذہنی اور عملی طور پر مان لینی چاہیے اور بوقت ضرورت صاف صاف بیان بھی کر دینی چاہیے۔ اس کے بارے میں کفار، مشرکین اور متشکک لوگوں کی ہرگز پروا نہیں کرنی چاہیے۔ شرعی حقائق جاننا، ماننا اور کھول کھول کر بیان کرنا ایمان و یقین کا تقاضا ہے۔ اس سلسلے میں کسی ذہنی تحفظ یا معذرت خواہانہ رویے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ (مترجم) [2] صحيح مسلم، الطهارة، باب الاستطابة، حديث: 263، وسنن أبي داود، الطهارة، باب ما يُنهى عنه أن يُستنجى به، حديث: 38. [3] صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة في الجبة الشامية، حديث: 363، وصحيح مسلم، الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث: 274. [4] (فطری امور) اللہ عزوجل نے اپنے انبیاء کے لیے چند امور پسند فرمائے اور ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ ان امور کو ان کی عمومیت کے باعث ان انبیاء کا شعار اور علامت قرار دیا گیا ہے تاکہ ان کے متبعین ان کے ذریعے سے دوسروں سے ممتاز رہیں اور نمایاں طور پر پہچانے جائیں۔ (فقه السنة للسيد سابق رحمه الله: 45/1 (مترجم)

کاٹنا اور مونچھیں خوب پست کرنا۔“ [1]

* ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَالِاسْتِنْشَاقُ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْإِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ»

”دس باتیں فطرت سے ہیں: مونچھیں کترنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کے جوڑوں کا دھونا، بغل کے بال نوچنا، زیر ناف بال مونڈنا اور استنجا کرنا۔“

مصعب نے کہا: اور دسویں بات میں بھول رہا ہوں، شاید یہ ”کلی کرنا“ ہے وکیع نے اِنْتِقَاصُ الْمَاء کے معنی ”استنجا کرنا“ بتایا ہے۔ [2]

ختنہ: یہ مردوں اور عورتوں کے لیے واجب ہے [3] کیونکہ یہ اسلام کی علامات میں سے ہے۔ جناب عثیم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بتایا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: «أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ» ”اپنے کفر کے بال اتار دو اور ختنہ کروالو۔“

یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ حسن درجے کی ہے۔ [4]

ختنہ ملت ابراہیمی کی علامت ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

«اِخْتَتَنَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِينَ سَنَةً بِالْقَدُومِ»

”ابراہیم علیہ السلام نے اسّی سال کی عمر میں کلہاڑی سے اپنا ختنہ کیا تھا۔“ [5]

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب قص الشارب، حديث: 5889، وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 257. [2] صحيح مسلم، الطهارة، باب خصاص الفطرة، حديث: 261، وسنن أبي داود، الطهارة، باب السواك من الفطرة، حديث: 53. [3] عورتوں کے لیے ختنہ کو واجب کہنا درست نہیں، مردوں کے لیے ختنہ کرنا واجب ہے جبکہ عورتوں کے لیے ایک باعث تکریم وتحسین عمل ہے، خصوصاً ان عورتوں کے لیے جن کی فرج پر پیدائشی طور پر مرغ کی کلغی کی طرح کسی قدر گوشت بڑھا ہوا ہوتا ہے جو حساسیت کی وجہ سے ان کے صنفی جذبات کو زیادہ ہی برانگیختہ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباري: 340/10، و تمام المنة، ص: 67 اور الإحكام فيما يختلف فيه الرجال والنساء من الأحكام: 61/1. (عبدالولی) [4] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب الرجل يسلم فيؤمر بالغسل، حديث: 356، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 172/1، وانظر أيضًا إرواء الغليل: 120/1، حديث: 79. [5] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالٰى: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ (النسآء

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«اِخْتَتَنَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ ثَمَانِينَ سَنَةً وَّاخْتَتَنَ بِالْقَدُومِ»

''ابراہیم علیہ السلام نے اسّی سال کے بعد کلہاڑی سے اپنا ختنہ کیا۔'' [1]

اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا ہے:

﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

''(اے نبی!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی اتباع کریں جو (اللہ کی طرف) یکسو تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔'' [2]

اور مستحب ہے کہ بچے کا ختنہ ساتویں دن کرا دیا جائے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ اور ختنہ ساتویں دن کیا۔ [3]

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بچے کے بارے میں سات باتیں سنت ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ساتویں دن اس کا نام رکھا جائے اور ختنہ کر دیا جائے۔ [4]

ڈاڑھی بڑھانا اور مونچھیں کتروانا: ڈاڑھی بڑھانا واجب اور مونڈنا حرام ہے کیونکہ یہ اللہ کی خلقت کو تبدیل کرنے کا ایک شیطانی عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں فرمایا ہے کہ ابلیس نے کہا تھا:

﴿وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ ''اور میں انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں ردوبدل کریں گے۔'' [5]

ڈاڑھی منڈانے میں عورتوں سے مشابہت ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ»

''رسول اللہ ﷺ نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ایسی عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں۔'' [6]

◄◄ 125:4)......، حديث: 3356، وصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل، حديث: 2370. [1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب الختان بعد الكِبَر......، حديث: 6298. [2] النحل 123:16. [3] المعجم الصغير للطبراني، حديث: 891. [4] المعجم الأوسط للطبراني: 334/1، حديث: 558، ومجمع الزوائد للهيثمي: 59/4، شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جابر بن عبداللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں دیکھیے: تمام المنة، ص: 68. [5] النسآء 119:4.

[6] صحيح البخاري، اللباس، باب المتشبّهين بالنساء والمتشبّهات بالرجال، حديث: 5885.

رسول اللہ ﷺ نے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے اور یہ بات معلوم ومعروف ہے کہ صیغۂ امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحٰى خَالِفُوا الْمَجُوسَ»

''مونچھیں کترواؤ اور ڈاڑھیاں لٹکاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔'' [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، أَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَأَوْفُوا اللِّحٰى»

''مشرکوں کی مخالفت کرو، ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں خوب منڈاؤ۔'' [2]

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ يَأْخُذْ شَارِبَهُ فَلَيْسَ مِنَّا» ''جو شخص اپنی مونچھیں نہ کتروائے، وہ ہم میں سے نہیں۔'' [3]

مسواک: مسواک کرنا بہر حال مستحب ہے، بالخصوص درج ذیل مواقع پر اور زیادہ تاکیدی ارشاد ہے، مثلاً:

* **وضو کرتے وقت:** ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ الْوُضُوءِ»

''اگر مجھے امت کے لیے مشقت کا خدشہ نہ ہوتا تو میں وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔'' [4]

* **نماز کے وقت:** ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ - وَفِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ: عَلٰى أُمَّتِي - لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ»

''اگر مجھے اہل ایمان کے لیے۔ اور راوی زہیر کی حدیث میں ہے: اپنی امت کے لیے۔ مشقت کا خدشہ نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔'' [5]

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 260. [2] صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، حديث: 5892، وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 259 و اللفظ له. [3] [صحيح] سنن النسائي، الطهارة، باب قص الشارب، حديث: 13، وجامع الترمذي، الأدب، باب ما جاء في قص الشارب، حديث: 2761، و مسند أحمد: 368,366/4، وصححه الألباني في الجامع الصغير، حديث: 6533. [4] [صحيح] مسند أحمد: 433/2، وانظر أيضًا إرواء الغليل: 108/1، حديث: 70. [5] صحيح البخاري، الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، حديث: 887، وصحيح مسلم، الطهارة، باب السواك، حديث: 252 و اللفظ له.

* **تلاوت قرآن کے وقت:** علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں مسواک کا حکم دیا گیا ہے، نیز آپ نے بیان کیا کہ جب بندہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہو کر قرآن سننے لگتا ہے اور اس کے قریب ہوتا جاتا ہے، اور اس قدر قریب ہو جاتا ہے کہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیتا ہے، چنانچہ وہ جو بھی آیت پڑھتا ہے، وہ فرشتے کے اندر چلی جاتی ہے۔[1] یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

* **اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت:** جناب مقدام بن شریح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر تشریف لاتے تو پہلے کیا کام کیا کرتے؟ تو انھوں نے فرمایا: مسواک کرتے تھے۔[2]

* **رات کو تہجد کے لیے اٹھنے پر:** حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو مسواک سے اپنا منہ صاف کیا کرتے۔[3]

ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال نوچنا اور زیر ناف کی صفائی سنت ہے: زیر ناف کی صفائی میں استرے سے مونڈنا، کاٹنا، نوچ ڈالنا یا بال صفا پاؤڈر، کریم بروئے کار لانا سب جائز ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ - أَوْ خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ -: اَلْخِتَانُ، وَالْاِسْتِحْدَادُ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ»

"پانچ باتیں فطرت سے ہیں: ختنہ کرنا، استرا استعمال کرنا، مونچھیں کاٹنا، بغل کے بال نوچنا اور ناخن کاٹنا۔"[4]

اس امر کی رخصت ہے کہ ان امور کو چالیس رات تک مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مقرر فرمایا تھا کہ مونچھیں مونڈنے، ناخن کاٹنے، بغلوں کے بال نوچنے اور زیر ناف کی صفائی میں چالیس راتوں سے زیادہ تاخیر نہ کریں۔[5]

سفید بالوں کو نوچنا حرام ہے: جناب عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 38/1 وانظر أيضا السلسلة الصحيحة: 214/3، حديث: 1213. [2] صحيح مسلم، الطهارة، باب السواك، حديث: 253. [3] صحيح البخاري، الوضوء، باب السواك، حديث: 245، وصحيح مسلم، الطهارة، باب السواك، حديث: 255. [4] صحيح البخاري، اللباس، باب قص الشارب، حديث: 5889، وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 257. [5] صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 258.

کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَنْتِفُوا الشَّيْبَ، مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَشِيبُ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ» قَالَ عَنْ سُفْيَانَ: «إِلَّا كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»، وَقَالَ فِي حَدِيثِ يَحْيٰى: «إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ بِهَا حَسَنَةً، وَحَطَّ بِهَا عَنْهُ خَطِيئَةً»

''اپنے سفید بال مت نوچا کرو۔ جو مسلمان بحالت اسلام بوڑھا ہوتا ہے (اور اس کے سفید بال آ جاتے ہیں) تو بروایت سفیان: یہ سفید بال روز قیامت اس کے لیے نور ہوں گے۔ اور بروایت یحیٰی: اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک نیکی لکھتا اور ایک گناہ معاف کرتا ہے۔'' [1]

سفید بالوں کو مہندی یا کتم (وسمہ) سے رنگ لینا چاہیے، کالا کرنا حرام ہے: ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ أَحْسَنَ مَا غُيِّرَ بِهِ هٰذَا الشَّيْبُ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ»

''بہترین چیز جس سے (بالوں کی) سفیدی بدلی جا سکتی ہے، وہ مہندی اور کتم (وسمہ) ہے۔'' [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى لَا يَصْبُغُونَ فَخَالِفُوهُمْ»

''یہودی اور نصرانی اپنے سفید بال نہیں رنگتے، چنانچہ تم ان کی مخالفت کرو۔'' [3]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ والے دن جناب ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا، ان کا سر ثَغَامہ (سفید پھل پھول والی بوٹی) کی مانند سفید تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِذْهَبُوا بِهِ إِلٰى بَعْضِ نِسَائِهِ، فَلْتُغَيِّرْهُ وَجَنِّبُوهُ السَّوَادَ»

''ان کو ان کے ہاں کی کسی عورت کے پاس لے جاؤ جو ان کی سفیدی کو کسی چیز سے بدل دے، مگر سیاہی سے بچانا۔'' [4]

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الترجل، باب في نتف الشيب، حديث:4202، وجامع الترمذي، الأدب، باب ما جاء في النهي عن نتف الشيب، حديث:2821. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الترجل، باب في الخضاب، حديث:4205، و جامع الترمذي، اللباس، باب ما جاء في الخضاب، حديث:1753. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، حديث:3462، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب في مخالفة اليهود في الصبغ، حديث:2103.

[4] صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة وحمرة و تحريمه بالسواد، حديث:2102، وسنن أبي داود، الترجل، باب في الخضاب، حديث:4204، وسنن ابن ماجه، اللباس، باب الخضاب بالسواد، حديث:3624 واللفظ له.

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَوْمٌ يَخْضِبُونَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَا يَرِيحُونَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ»

''آخری زمانے میں ایک قوم اپنے بال سیاہی سے کالے کرے گی جیسے کبوتروں کے پوٹے ہوتے ہیں، ایسے لوگ جنت کی خوشبو نہیں پا سکیں گے۔'' [1]

جائز ہے کہ آدمی بال رکھے: مگر ان کا اکرام کرے، انھیں چھوٹا کرنا مستحب ہے اور قزع [2] مکروہ ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال وفرہ سے زائد اور جمہ سے کم ہوتے تھے۔ [3] یہ حدیث اپنی اسانید کی روشنی میں صحیح ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَضْرِبُ شَعْرُهُ مَنْكِبَيْهِ»

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال آپ کے کندھوں کو لگتے تھے۔'' [4]

اور دوسری روایت میں یوں ہے:

«كَانَ شَعْرُهُ رَجِلًا، لَيْسَ بِالْجَعْدِ وَلَا السَّبِطِ، بَيْنَ أُذُنَيْهِ وَعَاتِقِهِ»

''آپ کے بال قدرے خمدار تھے، بہت گھنگریالے تھے نہ بالکل سیدھے تھے اور وہ کانوں اور کندھوں کے درمیان تک آتے تھے۔'' [5]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ»

''جس نے بال رکھے ہوں تو اسے چاہیے کہ ان کا اکرام کرے (صاف ستھرے اور سنوار کر رکھے۔)'' [6]

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ میرے لمبے لمبے بال تھے۔ آپ نے

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الترجل، باب ما جاء في خضاب السواد، حديث: 4212، وسنن النسائي، الزينة، باب النهي عن الخضاب بالسواد، حديث: 5078، ومسند أحمد: 273/1. [2] ''قزع'' کی وضاحت آگے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں آ رہی ہے۔ [3] [صحيح] سنن أبي داود، الترجل، باب ما جاء في الشعر، حديث 4187، ومسند أحمد: 108/6. سر کے بال جب کانوں کی لوؤں تک آئیں تو وہ وفرہ اور جب کندھوں تک پہنچیں تو جُمہ کہلاتے ہیں اور ان کے درمیان والی حالت کے بالوں کو لمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (مترجم) [4] صحيح البخاري، اللباس، باب الجعد، حديث: 5904,5903، وصحيح مسلم، الفضائل، باب صفة شعر النبي ﷺ، حديث: 2338. [5] صحيح البخاري، اللباس، باب الجعد، حديث: 5906,5905، وصحيح مسلم، الفضائل، باب صفة شعر النبي ﷺ، حديث: 2338. [6] [حسن لغيره] سنن أبي داود، الترجل، باب في إصلاح الشعر، حديث: 4163، ومشكل الآثار للطحاوي: 435,434/8، حديث: 3365.

مجھے دیکھا تو فرمایا:

«ذُبَابٌ ذُبَابٌ». قَالَ: فَرَجَعْتُ فَجَزَزْتُهُ ثُمَّ أَتَيْتُهُ مِنَ الْغَدِ فَقَالَ: «إِنِّي لَمْ أَعْنِكَ وَهٰذَا أَحْسَنُ»

''نحوست ہے، نحوست ہے۔'' کہتے ہیں: چنانچہ میں لوٹ گیا اور بال کٹوا ڈالے، پھر میں اگلے دن حاضرِ خدمت ہوا تو فرمایا: ''یقیناً میری مراد آپ نہیں تھے اور یہ (بال چھوٹے کرنا) بہتر ہے۔'' [1]

جناب نافع رحمہ اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ''قزع'' سے منع فرمایا ہے۔ جناب نافع سے پوچھا گیا کہ قزع سے کیا مراد ہے؟ تو انھوں نے کہا:

«أَنْ يُحْلَقَ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكَ بَعْضٌ»

''بچے کے سر کا کچھ حصہ مونڈ دیا جائے اور کچھ چھوڑ دیا جائے۔'' [2]

خوشبو لگانا: انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ»

''مجھے دنیا میں سے عورتیں اور خوشبو محبوب بنا دی گئی ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔'' [3]

اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے کستوری کے متعلق فرمایا:

«أَطْيَبُ طِيبِكُمُ الْمِسْكُ» ''تمھاری سب سے بہتر خوشبو کستوری ہے۔'' [4]

وضو کا بیان

* "وضوء" اسے واو کی پیش سے پڑھا جائے تو اس کے معنی وضو کرنا، یعنی پاکیزگی حاصل کرنا ہیں اور اگر واو

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الترجل، باب في تطويل الجمة، حديث: 4190، وسنن النسائي، الزينة، باب تطويل الجمة، حديث: 5069. [2] صحيح البخاري، اللباس، باب القزع، حديث: 5920، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب كراهة القزع، حديث: 2120. [3] [حسن] سنن النسائي، عشرة النساء، باب حب النساء، حديث: 3391، ومسند أحمد: 3/128، 199، 285 رسول اللہ ﷺ کی عورتوں سے محبت اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ مردانگی میں انتہائی کامل تھے۔ علاوہ ازیں آپ پر اللہ عزوجل کی محبت کا زبردست غلبہ تھا اور ذکر و فکر اور عبادت میں انتہائی عروج کو پہنچے ہوئے تھے یہاں تک کہ نماز آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئی تھی۔ (مترجم) [4] صحيح مسلم، الألفاظ، باب استعمال المسك......، حديث: 2252، وسنن أبي

پر زبر پڑھی جائے تو اس سے مراد وہ پانی ہے جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہے۔ اور کہیں ان دونوں سے مصدری معنی، یعنی وضو کرنا یا پانی بھی مراد لیا گیا ہے۔ (اور اصطلاحًا: طہارت کی نیت سے اعضائے وضو کا دھونا اور ان پر مسح کرنا۔)

وضو کا طریقہ: جناب حُمران رحمہ اللہ، عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا اور وضو کیا (اس طرح کہ) آپ نے اپنے دونوں ہاتھ پہنچوں تک تین بار دھوئے، پھر کلی کی اور ناک جھاڑی، پھر اپنا چہرہ تین بار دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی تک تین بار دھویا، پھر بایاں ہاتھ اسی طرح دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر دایاں پاؤں ٹخنے تک تین بار دھویا، پھر بایاں پاؤں اسی طرح دھویا، پھر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح وضو کیا جس طرح میں نے ابھی کیا ہے، بعدازاں نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا، پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ اس دوران میں اپنے جی میں باتیں نہ کرتا رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔''[1]

وضو کے صحیح ہونے کی شرطیں: * دل سے نیت کرنا (زبان سے بولنا درست نہیں): عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ» ''اعمال کا اعتبار نیت ہی کے ساتھ ہے۔''[2]

* بسم اللہ پڑھنا: انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بعض صحابہ نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِّنْكُمْ مَّاءٌ؟» فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الْمَاءِ وَيَقُولُ: «تَوَضَّئُوا بِسْمِ اللهِ» فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ حَتّٰى تَوَضَّئُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ»

''کیا تم میں سے کسی کے پاس کچھ پانی ہے؟'' پھر آپ نے اپنا ہاتھ پانی میں رکھ دیا اور فرمایا: ''اللہ کے نام سے وضو کرلو۔'' انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے نکل رہا تھا حتی کہ ان سب نے وضو کرلیا۔''

» داود، الجنائز، باب في المسك للميت، حديث: 3158 واللفظ له. [1] صحيح البخاري، الوضوء، باب المضمضة في الوضوء، حديث: 164، و صحيح مسلم، الطهارة، باب صفة الوضوء و كماله، حديث: 226. [2] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول اللهﷺ......، حديث:1، وصحيح مسلم، الإمارة، باب قولهﷺ: إنما الأعمال بالنية......، حديث: 1907 واللفظ له.

راویِ حدیث ثابت کہتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کا کیا اندازہ ہے کہ آپ لوگ تعداد میں کتنے تھے؟ فرمایا: تقریباً ستر تھے۔ [1]

* وضو مسلسل (بغیر وقفے کے) ہو: جناب خالد بن معدان صحابہ میں سے کسی سے روایت کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأٰى رَجُلًا يُصَلِّي وَفِي ظَهْرِ قَدَمِهِ لُمْعَةٌ قَدْرُ الدِّرْهَمِ لَمْ يُصِبْهَا الْمَاءُ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يُعِيدَ الْوُضُوءَ»

''رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے پاؤں پر ایک درہم کے برابر خشک جگہ دیکھی کہ اس پر پانی نہیں لگا تھا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو دوبارہ کرے۔'' [2]

وضو کے فرائض: (1) چہرہ دھونا۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی اسی میں شامل ہے: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَوٰةِ فَاغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے دھولو۔'' [3]

کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا چہرے ہی کو دھونے کا حصہ ہیں، لہٰذا یہ دونوں بھی واجب ٹھہرے، کیونکہ اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب میں چہرہ دھونے کا حکم دیا ہے اور نبی ﷺ کے دائمی عمل سے ثابت ہے کہ آپ اپنے ہر وضو میں کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالا کرتے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، الطهارة، باب التسمية عند الوضوء، حديث: 78، وصحيح ابن خزيمة: 74/1، حديث: 144، وسنن الدارقطني: 71/1، حديث: 218، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 43/1 عن معمر عن ثابت و قتاده عن أنس. امام بیہقی فرماتے ہیں: بسم اللہ کہنے کے مسئلے میں یہ روایت سب سے صحیح ہے۔ امام نووی المجموع: 385/1 میں کہتے ہیں: اس کی سند جید اور بیہقی نے اپنی کتاب معرفة السنن والآثار میں اس سے حجت لی ہے اور باقی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ محدث البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن ابی داود میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ اصل بات وہی ہے جو محدث البانی رحمہ اللہ نے کہی ہے اگرچہ معمر عن ثابت کی روایت میں انھوں نے کلام کیا ہے مگر اس کی روایت کی تائید یہاں قتادہ کی روایت سے ہو رہی ہے جو اس کے لیے تقویت کا باعث ہے۔ واللہ أعلم. اور اس کی اصل صحیح البخاري، حدیث: 169 اور صحیح مسلم، حدیث: 2279 میں بھی ہے مگر ان میں «توضئوا بسم اللہ» کا ذکر نہیں ہے۔ [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب تفريق الوضوء، حديث: 175، مسند أحمد: 424/3 احمد کی روایت میں راوی بقية نے تحدیث کی صراحت کی ہے اور صحابی کا مجہول ہونا سبب ضعف نہیں ہے۔ آپ نے جو اسے دوبارہ وضو کا حکم دیا تو اس سے استدلال یہ ہے کہ وضو مسلسل اور پے در پے کرنا چاہیے، درمیان میں وقفہ نہیں ہونا چاہیے۔ [3] المآئدة 6:5.

«إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي أَنْفِهِ مَاءً ثُمَّ لِيَنْتَثِرْ» -

''جب تم میں سے کوئی وضو کرنے لگے تو لازم ہے کہ اپنی ناک میں پانی ڈالے، پھر اسے سِنک دے۔'' [1]

اور جناب لَقِیط بن صَبِرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وضو کے بارے میں آگاہ فرمایئے تو آپ نے فرمایا:

«أَسْبِغِ الْوُضُوءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا»

''مکمل وضو کر، انگلیوں میں خلال کر اور ناک میں پانی خوب چڑھا ماسوا اس صورت کے کہ تو روزے سے ہو۔'' [2]

اور ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِذَا تَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ» ''جب تو وضو کرے تو کلی کر۔'' [3]

(2) کہنیوں تک ہاتھ دھونا: اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾

''(جب تم نماز کے لیے اٹھو) تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو۔'' [4]

اور جناب حُمران مولیٰ عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ''وضو کا طریقہ'' کے تحت گزر چکی ہے، اس میں بھی یہ بیان موجود ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آؤ میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے دکھاؤں، چنانچہ انھوں نے اپنا چہرہ دھویا، پھر کہنیوں تک ہاتھ دھوئے حتی کہ بازو (عَضُد) کے سرے کو چھولیا، پھر سر کا مسح کیا، پھر ہاتھ اپنے کانوں اور ڈاڑھی پر پھیرے، پھر دونوں پاؤں دھوئے۔ اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ [5]

جناب نعیم بن عبداللہ المُجْمِر کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے دیکھا، انھوں نے اپنا پورا چہرہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ دھویا (کہنی تک) حتی کہ کہنی سے اوپر بھی کچھ حصہ دھویا، پھر بایاں ہاتھ دھویا کہنی تک حتی کہ کہنی سے بھی اوپر کچھ حصہ دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنا دایاں پاؤں دھویا حتی کہ دھوتے دھوتے پنڈلی کا بھی کچھ حصہ دھویا، پھر اپنا بایاں پاؤں دھویا حتی کہ پنڈلی کا بھی کچھ حصہ دھویا، پھر کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے، پھر انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

---

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب الاستجمار وترًا، حديث: 162، وصحيح مسلم، الطهارة، باب الإيتار في الاستنثار والاستجمار، حديث: 237. [2] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الاستنثار، حديث: 142، وصححه الشيخ الألباني رحمه الله في صحيح سنن أبي داود. [3] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الاستنثار، حديث: 144، وصححه الشيخ الألباني رحمه الله في صحيح سنن أبي داود. [4] المآئدة 5:6. [5] [حسن] سنن الدارقطني، الطهارة، باب وضوء رسول الله ﷺ: 1/83، حديث: 270.

«أَنْتُمُ الْغُرُّ الْمُحَجَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ إِسْبَاغِ الْوُضُوءِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ فَلْيُطِلْ غُرَّتَهُ وَتَحْجِيلَهُ»

''تم لوگ قیامت کے دن کامل وضو کی بنا پر پنج کلیان ہو گے تو جو طاقت رکھے اسے چاہیے کہ وہ اپنی سفیدی اور چمک کو لمبا کر لے۔'' [1]

3 پورے سر کا مسح کرنا اور کان بھی سر کا حصہ ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ ''اور اپنے سروں کا مسح کرلو۔'' [2]

اور سر کے مسح کا ذکر جناب حُمران مولیٰ عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی پہلے گزر چکا ہے۔

* مسح میں پورے سر کا احاطہ واجب ہے کیونکہ مسح کا حکم قرآن کریم میں مجمل ہے جسے سنت نے واضح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پورے سر کا مسح کیا کرتے تھے اور یہی اس بات کی دلیل ہے۔

* کان بھی سر کا حصہ ہیں اور ان کے مسح کے واجب ہونے کی دلیل ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ» ''دونوں کان سر سے ہیں۔'' [3]

یہ حدیث اپنی بہت سی سندوں کی وجہ سے صحیح ہے۔

* خلاصہ یہ کہ مسح کرتے ہوئے پورے سر کا مسح واجب ہے۔ مسح کرنے والے کو اختیار ہے کہ سر پر مسح کرے یا پگڑی پر، یا چاہے تو کچھ حصہ سر پر اور باقی پگڑی پر کر لے۔ یہ سب صورتیں صحیح اور ثابت ہیں۔

جناب عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلٰى عِمَامَتِهِ وَخُفَّيْهِ»

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی پگڑی اور اپنے موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔'' [4]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ، فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ، وَعَلَى الْعِمَامَةِ، وَعَلَى الْخُفَّيْنِ»

''نبی ﷺ نے وضو کیا تو آپ نے اپنے سر کے اگلے حصے، پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔'' [5]

4 دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھونا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل، حديث: 246. [2] المآئدة 6:5. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب صفة وضوء النبيﷺ، حديث: 134، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء أن الأذنين من الرأس، حديث: 37، وانظر طرق الحديث أيضًا في سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 36. [4] صحيح البخاري، الوضوء، باب المسح على الخفين، حديث: 205. [5] صحيح مسلم، الطهارة، باب المسح على الناصية والعمامة، حديث: 274.

﴿وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ ''اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو)۔'' [1]

قبل ازیں حُمران مولیٰ عثمان اور نُعیم بن عبداللہ مُجمر کی روایات میں بھی پاؤں دھونے کا بیان گزر چکا ہے۔

5 ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا: جناب لقیط بن صَبرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کچھ وضو کے متعلق ارشاد فرمائیے تو آپ نے فرمایا:

«أَسْبِغِ الْوُضُوءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ .....»

''وضو مکمل کر اور اپنی انگلیوں میں خلال کر......'' [2]

اسی طرح مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب وضو فرماتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں میں چھنگلی سے خلال کرتے تھے۔ [3]

* علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ انگلیوں میں خلال واجب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل سے ثابت ہے۔ لہٰذا ان صورتوں میں کوئی فرق نہیں کہ خلال کے بغیر پانی پہنچ جائے یا نہ پہنچے۔ اسی طرح ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں بھی کوئی فرق نہیں، لہٰذا خلال کو پاؤں کی انگلیوں کے ساتھ خاص کرنا یا پانی نہ پہنچ جانے کی صورت کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں۔ [4]

وضو کے مستحبات

اعضائے وضو دھونے سے پہلے ہاتھوں کو کلائیوں تک تین بار دھونا: اس کی دلیل حمران مولیٰ عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے جو ''وضو کا طریقہ'' کے تحت گزر چکی ہے۔

مسواک کرنا: اس کی دلیل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ''اعمالِ فطرت'' میں ''مسواک'' کے تحت بیان ہوئی ہے۔

کلی اور ناک میں ایک ہی چلو سے تین بار پانی ڈالنا: جیسا کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی تعلیم دی تو بتایا:

«فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَّاحِدَةٍ، فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا»

[1] المآئدة 6:5. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الاستنثار، حديث: 142، و صححه الألباني رحمه الله في صحيح سنن أبي داود. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب غسل الرجل، حديث: 148، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في تخليل الأصابع، حديث: 40، وسنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب تخليل الأصابع، حديث: 446، ومسند أحمد: 229/4. [4] نيل الأوطار: 182/1.

”آپ ﷺ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور تین بار اسی طرح کیا۔“ [1]

کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا: ماسوا اس صورت کے کہ آدمی روزے سے ہو، اس کی دلیل لَقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جو ”وضو کے فرائض“ کے تحت بیان ہو چکی ہے۔

دائیں اعضاء کو بائیں سے پہلے دھونا: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ، وَتَرَجُّلِهِ، وَطُهُورِهِ، وَفِي شَأْنِهِ كُلِّهِ»

”نبی ﷺ کو اپنا جوتا پہننے، کنگھی کرنے اور وضو کرنے بلکہ سبھی کاموں میں داہنی جانب سے ابتدا کرنا بہت پسند تھا۔“ [2]

یہی بات ”وضو کا طریقہ“ میں جناب حمران مولیٰ عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی گزر چکی ہے۔

اعضاء کو دھوتے وقت ملنا: عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو (وضو کے لیے) دو تہائی مد (354 گرام یا تقریباً ڈیڑھ پاؤ) پانی دیا گیا تو آپ اپنی کلائیوں کو مل مل کر دھونے لگے۔ [3]

ڈاڑھی کا خلال کرنا: انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ جب وضو کرتے تو ایک چلو پانی لے کر اپنی ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے اور اس کے ذریعے سے ڈاڑھی کا خلال کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا:

”میرے رب عزوجل نے مجھے اسی طرح کرنے کا حکم فرمایا ہے۔“ [4]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع کی احادیث، یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ یہ حجت و استدلال کے لائق ہیں، ڈاڑھی کا خلال واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ یہ آپ ﷺ کے افعال ہیں۔ یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ ”میرے رب نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے۔“ یہ امت کے حق میں وجوب کی دلیل نہیں ہے بلکہ ان الفاظ میں دراصل نبی ﷺ کے لیے خصوصیت کا اظہار ہے۔ [5]

---

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب مسح الرأس مرة، حديث: 192، وصحيح مسلم، الطهارة، باب آخر في صفة الوضوء، حديث: 235. کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے لیے الگ الگ پانی استعمال کرنا، یعنی مضمضہ واستنشاق میں فصل کرنا بھی ثابت ہے، دیکھیے: التاريخ الكبير لابن أبي خيثمة، ص: 588، حديث: 1410، وسنده حسن لذاته، قاله الشيخ زبير. (عبدالولی)
[2] صحيح البخاري، الوضوء، باب التيمن في الوضوء والغسل، حديث: 168، وصحيح مسلم، الطهارة، باب التيمن في الطهور وغيره، حديث: 268. [3] [حسن] صحيح ابن خزيمة: 62/1، رقم: 118، والمستدرك للحاكم: 144/1 و 161،162، حديث: 509، 576. [4] [صحيح لغيره] سنن أبي داود، الطهارة، باب تخليل اللحية، حديث: 145، والسنن الكبرى للبيهقي: 54/1، وشرح السنة للبغوي: 422/1، حديث: 215. [5] نيل الأوطار: 177/1، 178. علاوہ ازیں جملہ ”میرے رب ««

ہر عضو کو تین تین بار دھونا: ابوانس کی روایت میں ہے کہ ”عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام مقاعد میں وضو کیا اور بولے: کیا میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے نہ دکھاؤں؟ پھر انھوں نے وضو کیا اور اعضاء کو تین تین بار دھویا......“ [1]

* ”المقاعد“ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس کچھ دکانیں تھیں۔ یا المقاعد کا مطلب سیڑھیاں ہے۔ مزید برآں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسجد کے قریب ایک جگہ تھی جہاں لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ بیٹھا کرتے تھے اور وضو وغیرہ بھی اس جگہ کر لیتے تھے۔

کبھی کبھی سر کا مسح بھی تین بار کرنا مستحب ہے: جیسا کہ جناب حُمران روایت کرتے ہیں کہ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے سر کا مسح تین بار کیا، پھر بولے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح وضو کیا، پھر فرمایا: ”جس نے اس سے کم بار (بھی) اعضاء دھو لیے تو اس کے لیے یہ وضو کافی ہوگا۔“ [2]

اسی طرح جناب شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے اپنے بازو تین تین بار دھوئے اور سر کا مسح بھی تین بار کیا، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح کیا تھا۔ [3]

ترتیب سے وضو کرنا: ترتیب کے ساتھ وضو کرنے کی دلیل یہ ہے کہ اکثر وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا حال بتلایا ہے، وہ سب ترتیب کے ساتھ وضو کرنا ہی بیان کرتے ہیں، البتہ مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کے لیے پانی لایا گیا تو آپ نے وضو کیا اور اپنے ہاتھوں کو تین بار دھویا اور چہرہ تین بار دھویا، پھر کلائیاں (کہنیوں تک) تین بار دھوئیں، پھر تین بار کلی کی اور ناک سنکی، پھر اپنے سر کا اور کانوں کے اندر باہر کا مسح کیا۔ [4]

وضو کے بعد کی دعا: عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ - أَوْ فَيُسْبِغُ - الْوُضُوءَ ثُمَّ يَقُولُ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ، يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ»

» عزوجل نے......“ کے لیے کوئی معتبر شاہد نہیں، دیکھیے: جُنة المرتاب، ص: 205. (عبدالولی) [1] صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء والصلاة عقبه، حديث: 230. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ، حديث: 107. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ، حديث: 110، وانظر فتح الباري: 260/1، وسبل السلام: 81,80/1، وتمام المنة، ص: 91. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ، حديث: 121.

''تم میں سے جو کوئی وضو کرے اور کامل وضو کرے، پھر کہے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جس سے چاہے داخل ہو جائے۔''[1]

ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَوَضَّأَ فَقَالَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ! وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، كُتِبَ فِي رِقٍّ ثُمَّ طُبِعَ بِطَابِعٍ فَلَا يُكْسَرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''جو شخص وضو کرے اور کہے: ''اے اللہ! تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا اور کوئی (سچا) معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف توبہ (رجوع) کرتا ہوں۔'' تو اسے ایک کاغذ پر لکھ کر اس پر مہر لگا دی جاتی ہے جو قیامت تک توڑی نہ جا سکے گی۔''[2]

تحیۃ الوضو (وضو کے بعد دو رکعتیں): اس کی دلیل عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا وضو کر کے دکھانے کے بعد کہا تھا کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا اور پھر فرمایا:

«مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا، ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ، لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے، پھر کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھے اور ان میں اپنے جی میں باتیں نہ کرتا ہو تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔''[3]

نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار بلال رضی اللہ عنہ سے فجر کی نماز کے وقت پوچھا:

«يَابِلَالُ! حَدِّثْنِي بِأَرْجٰى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ عِنْدَكَ فِي الْإِسْلَامِ مَنْفَعَةً، فَإِنِّي سَمِعْتُ اللَّيْلَةَ خَشْفَ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ»

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب الذكر المستحب عقب الوضوء، حديث: 234، وجامع الترمذي، الطهارة، باب في ما يقال بعد الوضوء، حديث:55 اور یہ اضافہ کیا: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ» ''اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا دے اور پاکیزہ رہنے والوں میں کر دے۔'' [2] المستدرك للحاكم: 564/1، حديث: 2072، وصححه الشيخ الألباني في صحيح الترغيب والترهيب: 209/1، حديث: 225. [3] صحيح البخاري، الوضوء، باب الوضوء ثلاثا، حديث: 159، وصحيح مسلم، الطهارة، باب صفة الوضوء وكماله، حديث: 226 واللفظ له.

''اے بلال! مجھے بتاؤ کہ اسلام لانے کے بعد تم نے وہ کون سا عمل اختیار کیا ہے جس کے فائدے کی تمھیں بہت زیادہ امید ہے؟ بلاشبہ آج رات میں نے جنت میں اپنے آگے آگے تمھارے جوتوں کی چاپ سنی ہے۔''

تو بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اسلام لانے کے بعد یہی عمل کیا ہے کہ دن رات جب بھی میں نے مکمل وضو کیا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نماز پڑھی ہے۔ اس عمل سے مجھے نفع کی بہت زیادہ امید ہے۔ [1]

وضو توڑنے والے امور

شرمگاہ (آگے یا پیچھے) سے کسی چیز کا نکلنا: اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ ﴾ ''یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے (فارغ ہوکر) آیا ہو۔'' [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ»

''وضو ٹوٹ جانے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی حتی کہ وضو کر لے۔''

حضرموت کے آدمی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: حدث سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے جواب دیا: (پیٹ کی) ہوا خارج ہونا، پھسکی یا آواز سے۔ [3]

* علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے بہت زیادہ مذی آتی تھی۔ میں نے مقداد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کرو۔ انھوں نے پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فِيهِ الْوُضُوءُ» ''اس میں وضو ہے۔'' [4]

* صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ سفر میں تھے تو ہمیں حکم دیا گیا کہ تین دن رات اپنے موزے نہ اتارو، ماسوا اس صورت کے کہ حالت جنابت پیش آجائے لیکن پیشاب، پاخانہ یا نیند کی صورت میں نہ اتارو (بلکہ اس پر مسح کیا کرو۔)'' [5]

---

[1] صحيح البخاري، التهجد، باب فضل الطُّهور بالليل والنهار......، حديث: 1149، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل بلال رضي الله عنه، حديث: 2458 واللفظ له. [2] المآئدة 6:5. [3] صحيح البخاري، الوضوء، باب لا تقبل صلاة بغير طُهور، حديث: 135، و صحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، حديث: 225. [4] صحيح البخاري، العلم، باب من استحيا فأمَرَ غيره بالسؤال، حديث: 132، وصحيح مسلم، الحيض، باب المذي، حديث: 303. [5] [حسن] جامع الترمذي، الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر والمقيم، حديث: 96، وسنن النسائي، الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين للمسافر، حديث: 127 و انظر أيضًا نصب الراية: 164/1 و182، وإرواء الغليل: 140/1، حديث: 104.

* عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی کی شکایت کی کہ نماز کے دوران اسے خیال آتا ہے کہ شاید (میرے وجود سے) کوئی چیز (ہوا وغیرہ) خارج ہوئی ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَنْفَتِلْ - أَوْ: لَا يَنْصَرِفْ - حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا»

''وہ نماز سے مت پھرے حتی کہ آواز سن لے یا بو پالے۔'' [1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما شرم گاہ سے نکلنے والی شے کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس سے مراد منی، مذی یا ودی ہے۔ مذی اور ودی کی صورت میں آدمی کو چاہیے کہ وہ شرمگاہ کو دھوئے اور وضو کر لے جبکہ منی کی حالت میں غسل لازم ہے۔ [2]

گہری نیند جس سے ادراک ختم ہو جائے: اس کی دلیل صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ نیند سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ اور علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ، فَمَنْ نَّامَ فَلْيَتَوَضَّأْ»

''آنکھیں دبر کا بندھن ہیں، چنانچہ جو سو گیا، وہ وضو کر لے۔'' [3]

اس کا مطلب یہ ہے کہ بیداری کی حالت میں انسان کو یہ علم واحساس ہو جاتا ہے کہ اس کے وجود سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ نیند مطلق طور پر ناقض وضو ہے اور حدیث صفوان کو مقید کرنے کی کوئی قوی دلیل نہیں بلکہ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی مؤید ہے کہ آپ نے سو جانے والے ہر فرد کو حکم دیا کہ وہ وضو کرے۔ [4]

عقل زائل ہو جانا: علامہ ابن رشد رحمہ اللہ لکھتے ہیں: معلوم رہے کہ جمہور علماء کہتے ہیں کہ بے ہوشی، جنون یا نشہ ان میں سے جو حالت بھی پیش آئے گی، عقل کو زائل کر دے گی۔ علماء نے ان صورتوں کو نیند پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح نیند طبیعت کے بھاری پن کے باعث وضوٹوٹنے کا سبب بنتی ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ عقل کا زائل ہونا وضوٹوٹنے کا سبب ہے۔ [5]

---

[1] صحیح البخاري، الوضوء، باب لايتوضأ من الشك حتى يستيقن، حديث: 137، وصحيح مسلم، الحيض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شك في الحدث......، حديث: 361. [2] المصنف لعبدالرزاق: 159/1، حديث: 610، وشرح معاني الآثار: 47/1. [3] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الوضوء من النوم، حديث: 203، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الوضوء من النوم، حديث: 477. [4] تمام المنة، ص: 100. [5] بداية المجتهد: 29/1.

شہوت کے ساتھ براہِ راست (بغیر حائل کے) شرمگاہ چھونا: بُسرہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «إِذَا مَسَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ» ''جب تم میں سے کوئی اپنے ذکر (شرمگاہ) کو چھوئے تو لازم ہے کہ وضو کرے۔''[1]

طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ کے پاس ایک شیخ بیٹھا تھا جو بدوی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آدمی (وضو کر لینے کے بعد) نماز میں اپنی شرمگاہ کو چھولے، اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

«وَهَلْ هُوَ إِلَّا بَضْعَةٌ مِّنْكَ» ''وہ تمھارے جسم ہی کا ایک حصہ ہے۔''[2]

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا: ''یہ تیرے جسم کا ٹکڑا یا حصہ ہے۔'' اس میں بڑا لطیف اشارہ ہے کہ ایسا چھونا جس سے وضو لازم نہیں آتا، وہ وہی ہے جس میں شہوت کا عنصر نہ ہو کیونکہ اسی حالت میں اسے جسم کے کسی دوسرے عضو سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ اس کے برعکس جب چھونا شہوت کے ساتھ ہو تو اسے جسم کے کسی عضو سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی کیونکہ دیگر اعضاء میں عموماً شہوت نہیں ہوتی۔ یہ بالکل واضح بات ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث علمائے احناف کی دلیل نہیں بن سکتی جو کہتے ہیں کہ مَسِّ ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ بلا شہوت اگر ہاتھ لگائے تو وضو نہیں ٹوٹتا اور شہوت کے ساتھ چھوئے تو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی دلیل بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے اور یہی ان دونوں حدیثوں کی جمع و تطبیق ہے۔[3]

اونٹ کا گوشت کھانا: براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کیا جائے؟ آپ نے فرمایا:

«تَوَضَّئُوا مِنْهَا» وَسُئِلَ عَنْ لُحُومِ الْغَنَمِ، فَقَالَ: «لَا تَوَضَّئُوا مِنْهَا»

''(ہاں!) اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرو۔'' اور بکری کے گوشت کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا: ''بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو نہ کرو۔''[4]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء من مس الذكر، حديث: 181، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الوضوء من مس الذكر، حديث: 479. واللفظ له، وانظر أيضاً التلخيص الحبير: 122/1، حديث: 165، وإرواء الغليل: 150/1، حديث: 116. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الرخصة في ذلك، حديث: 182، وسنن النسائي، الطهارة، باب الوضوء من ذلك، حديث: 165 واللفظ له وانظر التلخيص الحبير: 125/1. [3] تمام المنة، ص: 103. تقریباً یہی قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ہے، دیکھیے: فتاویٰ شیخ الإسلام: 241/21. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء من لحوم»

اسی طرح جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا میں بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کروں؟ آپ نے فرمایا:

«إِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ، وَإِنْ شِئْتَ فَلَا تَوَضَّأْ» قَالَ: أَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ؟ قَالَ: «نَعَمْ، فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ»

''چاہو تو کر لو، نہ چاہو تو نہ کرو۔'' اس نے پوچھا: کیا اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کروں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرو۔'' [1]

وہ مواقع جن کے لیے وضو واجب ہے

نماز کے لیے: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھو لو)۔'' [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے جب کوئی بے وضو ہو جائے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی حتی کہ وضو کر لے۔'' [3]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ وَّلَا صَدَقَةً مِّنْ غُلُولٍ»

''اللہ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا ہے اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ۔'' [4]

بیت اللہ کے طواف کے لیے: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلطَّوَافُ بِالْبَيْتِ صَلَاةٌ إِلَّا أَنَّ اللهَ أَحَلَّ فِيهِ الْكَلَامَ»

''بیت اللہ کا طواف کرنا نماز ہے مگر اللہ نے اس میں بات کر لینے کو حلال فرمایا ہے۔'' [5]

» الإبل، حدیث: 184 وغیرہ. [1] صحیح مسلم، الحیض، باب الوضوء من لحوم الإبل، حدیث: 360. [2] المآئدة 6:5. [3] صحیح البخاري، الوضوء، باب لا تقبل صلاة بغیر طهور، حدیث: 135، و صحیح مسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، حدیث: 225 واللفظ له. [4] صحیح مسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، حدیث: 224. [5] [صحیح] جامع »

جن مواقع پر وضو کرنا مستحب ہے

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے: مہاجر بن قُنفُذ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو اس وقت سلام کیا جبکہ آپ پیشاب کر رہے تھے تو آپ نے جواب نہیں دیا حتی کہ وضو کرلیا، پھر جواب دیا اور فرمایا:

«إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي مِنْ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْكَ، إِلَّا أَنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللهَ إِلَّا عَلٰى طَهَارَةٍ»

''مجھے تمھیں جواب دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی مگر میں نے پسند نہیں کیا کہ بلا وضو اللہ کا ذکر کروں۔'' [1]

رات کو سوتے وقت: براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ قُلْ: اَللّٰهُمَّ! أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَّرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فَإِنْ مُّتَّ، مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهِ»

''جب تو (سونے کے لیے) اپنے بستر پر آئے تو نماز والا وضو کر، پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جا، پھر کہہ: ''اے اللہ! میں نے اپنا نفس تیرے سپرد کر دیا اور اپنا رخ تیری طرف کر لیا اور اپنا معاملہ تیرے حوالے کر دیا اور اپنی پشت تیری طرف جھکا دی، تجھے اپنا معاون و مددگار بنالیا، تیری طرف رغبت کرتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے، تیرے عذاب سے (بچنے کے لیے) کوئی جائے پناہ اور نجات نہیں مگر صرف تیرے ہاں، (اے اللہ!) میں ایمان لایا اس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی اور تیرے اس نبی پر جسے تو نے بھیجا ہے۔'' اگر تو اسی رات مر گیا تو تو فطرت پر مرے گا اور ان کلمات کو اپنی آخری بات بنا۔'' [2]

جنبی کے لیے جبکہ وہ کھانا، پینا یا سونا چاہے یا اپنی بیوی کے پاس دوبارہ آنا چاہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

» الترمذي، الحج، باب ماجاء في الكلام في الطواف، حديث: 960، والمستدرك للحاكم: 459/1 و 267/2، حديث: 1686 و 3058 وغيره. [1] [صحيح] سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الرجل يسلم عليه وهو يبول، حديث: 350 و سنن أبي داود، الطهارة، باب في الرجل يرد السلام وهو يبول؟ حديث: 17، ومسند أحمد: 345/4. [2] صحيح البخاري، الدعوات، إذا بات طاهرًا، حديث: 247 و 6311 و 6315 و 7488، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب الدعاء عند النوم، حديث: 2710.

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا كَانَ جُنُبًا فَأَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَنَامَ، تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ»

''نبی کریم ﷺ جب جنابت سے ہوتے اور کچھ کھانا یا سونا چاہتے تو وضو کر لیتے نماز والا وضو۔'' [1]

ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ، فَلْيَتَوَضَّأْ»

''جب تم میں سے کوئی اپنی اہلیہ کے پاس جائے اور پھر دوبارہ جانا چاہے تو چاہیے کہ وضو کر لے۔'' [2]

نہانے سے پہلے، چاہے غسل واجب ہو یا مستحب: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ، ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ، فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ»

''نبی کریم ﷺ جب جنابت سے غسل کرتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور اپنی شرمگاہ دھوتے (استنجا کرتے) پھر وضو کرتے نماز والا وضو۔'' [3]

آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں تو پنیر کے ٹکڑے کھانے کے بعد وضو کر لیتا ہوں کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے: «تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ»

''جس چیز کو آگ نے چھوا ہو، اس سے (کھانے کے بعد) وضو کر لیا کرو۔'' [4]

اور یہ عمل ازروئے استحباب ہے کیونکہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ شانے کا گوشت کاٹ کر تناول فرما رہے تھے، پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ [5]

ہر نماز کے لیے: بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ والے دن ایک ہی وضو سے ایک سے زیادہ نمازیں ادا کیں اور اپنے موزوں پر مسح کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی کہ آپ نے آج ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کرتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا: «عَمْدًا صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ!» ''عمر! میں نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہے۔'' [6]

[1] صحيح مسلم، الحيض، باب جواز نوم الجنب و استحباب الوضوء له......، حديث:305. [2] صحيح مسلم، الحيض، باب جواز نوم الجنب و استحباب الوضوء له......، حديث: 308 . [3] صحيح البخاري، الغسل، باب الوضوء قبل الغسل، حديث: 248، وصحيح مسلم، الحيض، باب صفة غسل الجنابة، حديث: 316 واللفظ له. [4] صحيح مسلم، الحيض، باب الوضوء مما مست النار، حديث: 352. [5] صحيح البخاري، الوضوء، باب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق، حديث: 208، وصحيح مسلم، الحيض، باب نسخ الوضوء مما مست النار، حديث: 354. [6] صحيح مسلم، الطهارة، باب جواز الصلوات كلها بوضوء واحد، حديث: 277.

جب بھی بے وضو ہو: بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن فجر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

«يَابِلَالُ! بِمَ سَبَقْتَنِي إِلَى الْجَنَّةِ؟ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ إِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِي، دَخَلْتُ الْبَارِحَةَ الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِي.....» فَقَالَ بِلَالٌ: يَارَسُولَ اللهِ! مَا أَذَّنْتُ قَطُّ إِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ، وَمَا أَصَابَنِي حَدَثٌ قَطُّ إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهَا وَرَأَيْتُ أَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بِهِمَا»

"اے بلال! تو کس بنا پر جنت کی طرف مجھ سے سبقت لے گیا ہے؟ میں جب کبھی جنت میں داخل ہوا ہوں تو تیرے قدموں کی چاپ میں نے اپنے آگے آگے سُنی ہے۔ میں آج رات (خواب میں) جنت میں داخل ہوا تو تیرے قدموں کی چاپ اپنے آگے آگے سنی۔"...... بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں جب بھی اذان دیتا ہوں تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور جب بھی میں بے وضو ہوتا ہوں تو (فوراً) وضو کر لیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ دو رکعتیں میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا حق ہیں۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انھی کی وجہ سے۔" [1]

میت اٹھانے سے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ غَسَّلَ الْمَيِّتَ فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ»

"جو میت کو غسل دے تو وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے تو وہ وضو کرے۔" [2]

محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صیغۂ امر کا ظاہری تقاضا تو وجوب ہے مگر ہم نے ان دو حدیثوں کی وجہ سے یہ نہیں کہا جو اگرچہ موقوف ہیں مگر حکمًا مرفوع ہیں (اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں امر برائے وجوب نہیں بلکہ برائے استحباب ہے:) (1) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِي غُسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ إِذَا غَسَّلْتُمُوهُ، فَإِنَّ مَيِّتَكُمْ لَيْسَ بِنَجِسٍ، فَحَسْبُكُمْ أَنْ تَغْسِلُوا أَيْدِيَكُمْ»

"اپنی، یعنی مسلمان میت کو غسل دینے کے بعد تم پر غسل لازم نہیں آتا۔ بلاشبہ تمھاری میت نجس نہیں (بس)

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب: أتيت على قصر مربع مشرف من ذهب......، حديث: 3689، ومسند أحمد: 354/5 و360، وصححه الألباني في صحيح الجامع، حديث: 7894. [2] [حسن] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في الغسل من غسل الميت، حديث: 993، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في الغسل من غسل الميت، حديث: 3161، ومسند أحمد: 273/2۔ ملاحظہ ہو ہماری کتاب «إرشاد الأمة إلى فقه الكتاب و السنة» جزء الطهارة.

تمھارے لیے یہی کافی ہے کہ اپنے ہاتھ دھولو۔“ [1]

(2) ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: «كُنَّا نُغَسِّلُ الْمَيِّتَ، فَمِنَّا مَنْ يَغْتَسِلُ، وَمِنَّا مَنْ لَا يَغْتَسِلُ»
”ہم میت کو غسل دیتے تھے تو ہم میں سے بعض لوگ غسل کر لیتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔“ [2]

قے آنے سے: جناب معدان بن ابوطلحہ ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قے آ گئی تو آپ نے وضو کیا۔ وہ (معدان) کہتے ہیں کہ میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے دمشق کی جامع مسجد میں ملا اور انھیں یہ حدیث سنائی تو وہ بولے: سچ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میں نے ہی پانی انڈیلا تھا۔ [3]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی بنا پر قے آنے کے بعد وضو کر لینا مستحب بتلایا ہے۔ [4]

موزوں پر مسح

موزوں پر مسح مشروع و مسنون ہے: ہمام بن حارث رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پیشاب سے فارغ ہوئے تو وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، پھر اٹھے اور نماز پڑھنے لگے۔ ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ نے اسی طرح ہی کیا تھا، (راویِ حدیث) ابراہیم کہتے ہیں کہ انھیں (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو) یہ حدیث بہت پسند تھی، اس لیے کہ جریر رضی اللہ عنہ آخری دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ [5]

---

(1) [أثر صحيح] المستدرك للحاكم: 386/1، حديث: 1426، وحسنه ابن حجر رحمه الله في التلخيص الحبير: 1/ 137، 138.
(2) سنن الدار قطني: 72/2، حديث: 1802، وصححه الحافظ في التلخيص: 138/1. (3) [صحيح] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الوضوء من القيء والرعاف، حديث: 87، ومسند أحمد: 443/6. (4) مجموع الرسائل الكبرى: 234/2. (5) صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة في الخفاف، حديث: 387، وصحيح مسلم الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث: 272. اس حدیث کے پسند آنے کی وجہ یہ ہے کہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے اور سورۂ مائدہ کی آیتِ وضو میں ﴿ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ ”اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولو۔“ یعنی پاؤں دھونے کا حکم ہے، جبکہ حدیثِ جریر سے یہ معلوم ہوا کہ آیتِ کریمہ نے مسح علی الخفین کا حکم منسوخ نہیں کیا بلکہ پاؤں دھونے کا یہ حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ جب وضو کرنے والے نے موزے نہ پہنے ہوں۔ دیکھیے منة المنعم شرح صحيح مسلم، مذکورہ بالا حدیث کے تحت۔ یہ بھی یاد رہے کہ موزے طہارت مکمل ہونے، یعنی دونوں پاؤں دھونے کے بعد پہننے چاہئیں، اس لیے کہ وضو تَجَزّي (تقسیم) کو قبول نہیں کرتا۔ (عبدالولی)

علامہ ابن منذر ابن المبارک کی طرف سے نقل کرتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جس کسی سے مسح کرنے کی کراہت مروی ہے تو اس سے دوسری بات (جواز) بھی منقول ہے۔[1]

امام ابن عبدالبر کا بیان ہے: مجھے تابعین اور فقہاء میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ مسح کے انکاری ہیں، سوائے اس روایت کے جو جابر نے مالک سے روایت کی ہے، مگر ان سے مروی دوسری صحیح روایات اس کے برعکس ہیں اور یہ روایت منکر ہے جسے موطا اور ان کے اصولِ مذہب رد کرتے ہیں۔[2]

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ایک جم غفیر موزوں پر مسح کا قائل ہے اور ایک بہت بڑی تعداد کا، جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور فقہاء شامل ہیں، غلطی کر جانا یا کسی غلط بات پر اتفاق ناممکن بات ہے۔[3]

موزوں پر مسح کے لیے انھیں باوضو پہننا شرط ہے: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر کے دوران میں ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ نے پوچھا:

«أَمَعَكَ مَاءٌ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، فَنَزَلَ عَنْ رَّاحِلَتِهِ، فَمَشٰى حَتّٰى تَوَارٰى فِي سَوَادِ اللَّيْلِ، ثُمَّ جَاءَ فَأَفْرَغْتُ عَلَيْهِ مِنَ الْإِدَاوَةِ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ، وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِّنْ صُوفٍ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُّخْرِجَ ذِرَاعَيْهِ مِنْهَا حَتّٰى أَخْرَجَهُمَا مِنْ أَسْفَلِ الْجُبَّةِ، فَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ أَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ، فَقَالَ: «دَعْهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ» وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.

"کیا تمھارے پاس پانی ہے؟" میں نے عرض کی: جی ہاں تو آپ اپنی سواری سے اتر آئے اور چلنے لگے حتی کہ رات کے اندھیرے میں چھپ گئے، پھر واپس آئے تو میں نے آپ (کے ہاتھوں) پر لوٹے سے پانی انڈیلا، پھر آپ نے اپنا چہرہ دھویا۔ آپ ایک اونی جبہ پہنے ہوئے تھے، لہٰذا آپ اس کی آستینوں میں سے اپنے ہاتھ نہ نکال سکے تو جبے کے نیچے سے نکالے، پھر انھیں دھویا اور اپنے سر کا مسح کیا، پھر میں جھکا تاکہ آپ کے موزے اتاروں تو آپ نے فرمایا: "انھیں رہنے دو، میں نے انھیں (اس وقت) پہنا تھا جبکہ پاؤں پاک تھے (میں باوضو تھا)۔ اور آپ نے ان پر مسح کیا۔"[4]

[1] الأوسط: 1/434. [2] التمهيد: 11/141. [3] الاستذكار: 2/237، نیز ملاحظہ ہو جامع الترمذي، الطهارة، باب في المسح على الخفين، تحت الحديث: 93، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 1/272. [4] صحيح البخاري، اللباس، باب لبس جبة الصوف في الغزو، حديث: 5799، و صحيح مسلم الطهارة، باب المسح على الناصية والعمامة، حديث: 274 واللفظ له.

مقیم آدمی ایک دن رات اور مسافر تین دن رات مسح کرسکتا ہے: جناب شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے موزوں پر مسح کے بارے میں استفسار کیا تو انھوں نے کہا کہ ابن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے ملو اور ان سے یہ بات معلوم کرو کیونکہ علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے رہے ہیں، چنانچہ ہم نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیے تین دن رات اور مقیم کے لیے ایک دن رات متعین فرمایا تھا۔ [1]

مسح صرف موزے کے اوپر ہی کرنا چاہیے: علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اگر دین رائے اور قیاس پر مبنی ہوتا تو موزے کے نیچے کی جگہ مسح کے زیادہ لائق تھی، مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ موزوں کے اوپر ہی مسح کیا کرتے تھے۔ [2]

جوتوں سمیت موزوں پر مسح: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ»

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر جوتوں سمیت موزوں پر مسح کیا۔“ [3]

وہ امور جن سے مسح باطل ہو جاتا ہے: (اور موزے اتار کر دوبارہ وضو کرنے کے بعد پہنے جاتے ہیں۔)

1. **مقررہ مدت کا خاتمہ:** موزوں پر مسح ایک متعین وقت تک ہی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ پہلے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا ذکر آ چکا ہے، لہٰذا اس مدت سے تجاوز کسی طرح جائز نہیں۔
2. **جنابت:** جناب صفوان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو اپنے موزے تین دن رات نہ اتاریں الا یہ کہ جنابت لاحق ہو جائے لیکن بول و براز اور نیند کی وجہ سے نہ اتاریں (بلکہ ان پر مسح کرتے رہیں۔) [4]

وضو کے بارے میں چند اور باتیں

گردن کے مسح کے لیے کوئی حدیث ثابت نہیں: مسند بزار میں وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی مرفوع

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين، حديث: 276. [2] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب كيف المسح، حديث: 163. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب المسح على الجوربين، حديث: 159. [4] [حسن] جامع الترمذي، الطهارة، باب المسح على الخفين للمسافر و المقيم، حديث: 96.

روایت ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی گردن پر مسح کیا۔''[1] مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے اور اس میں تین علتیں ہیں:

* محمد بن حُجر کے بارے میں امام بخاری کہتے ہیں: اس میں نظر ہے۔

ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی روایات منکر ہیں۔[2]

* سعید بن عبدالجبار: اس کے بارے میں نسائی فرماتے ہیں: قوی نہیں ہے۔[3]

* ام عبدالجبار بن وائل بن حجر: ابن ترکمانی کہتے ہیں: مجھے اس کا حال معلوم ہو سکا نہ نام۔[4]

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

طبرانی کبیر میں طلحہ بن مُصَرِّف عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے سر کا مسح کیا۔ راوی نے (یہ بیان کرتے وقت) اپنے ہاتھ سے سر کے آگے کے حصے کی طرف اشارہ کیا حتی کہ انھیں گدی کی جانب گردن کے نیچے تک لے گیا۔[5] اس کی سند بہت ضعیف ہے اور اس میں بھی تین علتیں ہیں:

* ابوسلمہ کندی جس کا نام عثمان بن مِقسم البُرّی ہے، اسے یحیٰی القطان اور ابن مبارک نے متروک (جس سے روایات لینی ترک کردی جائیں) کر دیا تھا۔ جوزجانی کہتے ہیں کہ ''کذاب'' ہے۔ نسائی اور دار قطنی نے بھی اسے ''متروک'' کہا ہے۔[6]

* لَیث بن ابوسُلَیم: سچا ہے مگر اسے اختلاط ہو گیا تھا، اس کی حدیثوں میں امتیاز نہیں ہو سکا (کہ یہ اختلاط سے قبل کی ہیں یا بعد کی) لہٰذا ترک کیا گیا۔[7]

* طلحہ بن مُصَرِّف: مجہول ہے۔[8] الغرض یہ حدیث از حد ضعیف ہے۔

عورت کے لمس (چھونے) سے وضو نہیں ٹوٹتا: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ»

''نبی ﷺ نے اپنی ایک بیوی کا بوسہ لیا، پھر نماز کے لیے نکلے اور وضو نہیں کیا۔''[9]

---

[1] كشف الأستار عن زوائد البزار: 1/140-142، حديث: 268. [2] ميزان الاعتدال: 3/511، ترجمة رقم: 7361. [3] ميزان الاعتدال: 2/147، ترجمة رقم: 3225. [4] الجوهر النقي في ذيل السنن الكبرى للبيهقي: 2/30. [5] المعجم الكبير للطبراني: 19/180،181، حديث: 409. [6] ميزان الاعتدال: 3/56، ترجمة رقم: 5568. [7] تقريب التهذيب: 2/138. [8] مؤلف نے یہی لکھا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ طلحہ ثقہ ہے اور ان کا والد مُصَرِّف مجہول ہے، لہٰذا علتِ حدیث یہی ہے۔ دیکھیے تقریب التہذیب: 2/251. (عبدالولی) [9] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء من القبلة، حديث: 178، وجامع الترمذي، »

* اعضائے وضو کو خشک کرنے کے بارے میں درج ذیل دو حدیثیں ثابت نہیں:

(1) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا بَعْدَ الْوُضُوءِ»

''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے آپ وضو کے بعد اپنے اعضاء خشک کیا کرتے تھے۔'' [1]

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہ قائم نہیں ہے (از حد ضعیف ہے،) نبی ﷺ سے ایسی کوئی بات صحیح ثابت نہیں ہے اور (اس حدیث کے) راوی ابو معاذ کا نام محدثین سلیمان بن ارقم بتاتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک ضعیف ہے۔ دارقطنی اور بیہقی نے بھی اس کا یہی نام ذکر کیا اور کہا ہے کہ یہ متروک ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ ابو معاذ کا نام فضل بن میسرہ بصری ہے، اس سے یحییٰ بن سعید نے روایت لی ہے اور اس کی مدح کی ہے۔

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ امام ترمذی، دارقطنی اور بیہقی کی بات صحیح ہے کیونکہ یہ حضرات معرفت رجال میں حاکم کی بہ نسبت زیادہ قوی ہیں۔ واللہ أعلم.

(2) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ»

''میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ جب وضو کرتے تو اپنے کپڑے کے پلّو سے اپنا چہرہ پونچھ لیا کرتے تھے۔'' [2]

اس کی سند ساقط ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ضعیف ہے۔ یہ محمد بن سعید سے تدلیس کرتا ہے اور محمد بن سعید زندیق ہونے کی وجہ سے سولی پر چڑھایا گیا تھا۔ [3]

وضو میں مدد لے لینا جائز ہے: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو وضو فرمایا، جناب مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پانی آپ (کے ہاتھوں) پر ڈالا اور آپ نے اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے، سر کا مسح کیا اور موزوں پر بھی مسح فرمایا۔ [4]

وضو کی خود ساختہ دعائیں

رسول اللہ ﷺ کی سنت سے وضو کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ اور وضو مکمل کرنے پر مسنون دعا شہادتین کا پڑھنا

الطهارة، باب ماجاء في ترك الوضوء من القبلة، حديث: 86، وصححه الشيخ الألباني. [1] [ضعيف] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في المنديل بعد الوضوء، حديث: 53. [2] [ضعيف] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في المنديل بعد الوضوء، حديث: 54. [3] المجروحين لابن حبان: 50/2. [4] صحيح البخاري، الوضوء، باب

ثابت ہے۔ لیکن بعض لوگ وضو میں ہر عضو دھوتے وقت مخصوص دعائیں پڑھتے ہیں جو غیر معتبر مروجہ کتبِ نماز میں پائی جاتی ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دعائیں رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت نہیں۔ یہ اپنی طرف سے ایجاد ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں۔ امام نووی اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر عضو کے لیے مخصوص اذکار و دعاؤں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں۔ [1]

ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ ضَحِكَ فِي الصَّلَاةِ فَلْيُعِدِ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ»

"جو شخص نماز میں ہنس پڑے تو اسے چاہیے کہ اپنا وضو اور نماز دہرائے۔" [2]

یہ حدیث چونکہ نہایت ضعیف ہے، لہٰذا مذکورہ عمل کی دلیل نہیں بن سکتی۔

نکسیر پھوٹنے، قے اور ابکائی آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا: اس سلسلے میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذْيٌ، فَلْيَنْصَرِفْ، فَلْيَتَوَضَّأْ، ثُمَّ لْيَبْنِ عَلٰى صَلَاتِهِ، وَهُوَ فِي ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ»

"جس کی نکسیر پھوٹے، یا قے یا اُبکائی آجائے، یا مذی نکل جائے، اسے چاہیے کہ نماز سے نکل جائے، وضو کرے اور اپنی پہلی نماز پر بنیاد رکھے (جہاں سے نماز توڑی ہو، وہیں سے دوبارہ شروع کردے،) بشرطیکہ اس دوران میں بات نہ کی ہو۔" [3] یہ ضعیف ہے۔

الرجل يوضئ صاحبه، حديث: 182، و صحيح مسلم، الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث: 274. [1] المجموع: 489/1، وزاد المعاد: 195/1. [2] [ضعيف جدًا] سنن الدارقطني: 164/1، حديث: 601، والكامل لابن عدي: 1027/3. ابن عدی کہتے ہیں کہ اس ضعیف روایت کی وجہ عبدالعزیز بن حصین اور عبدالکریم ابوامیہ بصری ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ حسن بصری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا ہے۔ یہ روایت ابن عمر، انس، عمران بن حصین، جابر، ابوالملیح اور ابوموسی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ان کے علاوہ ابراہیم نخعی، زہری، معبد اور ابوالعالیہ سے مرسل مروی ہے۔ اس کی تخریج ہماری کتاب "إرشاد الأمة إلى فقه الكتاب والسنة" (جزء الطهارة) میں ملاحظہ ہو۔ [3] [ضعيف] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في البناء على الصلاة، حديث: 1221، وسنن الدارقطني: 155,154/1، حديث: 563,562، والسنن الكبرى للبيهقي: 142/1. یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے کہ اس میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے جس کی روایت حجازیین سے ضعیف ہوتی ہے اور اس میں وہ ابن جریج مکی سے روایت کرتا ہے۔ (عبدالولی)

غصہ آ جانے پر وضو کرنے کی دلیل ضعیف ہے: ابووائل القاص سے مروی ہے کہ ہم عروہ بن محمد سعدی کے ہاں گئے تو ایک آدمی نے ان سے کوئی بات کی جس نے انھیں مشتعل کر دیا، چنانچہ وہ اٹھے اور وضو کیا، پھر وہ حالتِ وضو میں واپس آئے تو فرمایا: مجھے میرے والد نے میرے دادا عطیہ سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ، وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ، فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ»

''غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ پانی سے ٹھنڈی کی جاتی ہے، جب تم میں سے کسی کو غصہ آ جائے تو وضو کر لے۔''[1] یہ حدیث ضعیف ہے۔

بری بات کرنے پر وضو کرنے کی دلیل ضعیف ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حدث، یعنی بے وضو ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک زبان سے، دوسری شرمگاہ سے اور یہ دونوں صورتیں برابر نہیں بلکہ زبان کا حدث شرمگاہ کے حدث سے زیادہ سخت ہے اور ان دونوں صورتوں میں وضو کرنا ضروری ہے۔''[2] یہ حدیث ضعیف ہے۔

موزے کی نچلی سطح پر مسح کی دلیل ضعیف ہے: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''نبی ﷺ نے موزے کے اوپر اور اس کے نیچے کی طرف مسح کیا۔''[3] یہ حدیث ضعیف ہے۔

غسل کے مسائل

غسل کب واجب ہوتا ہے؟

سوتے یا جاگتے ہوئے مادہ منویہ خارج ہونا: علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے مذی کے متعلق

[1] [ضعيف] سنن أبي داود، الأدب، باب مايقال عند الغضب، حديث: 4784، ومسند أحمد: 226/4، و شرح السنة للبغوي: 161/13، والأوسط لابن المنذر: 241/1 وضعفه الشيخ الألباني في ضعيف سنن أبي داود و ضعيف الجامع الصغير، حديث: 1510 شیخ زبیر علیزئی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (عبدالولی) [2] [ضعيف] الأباطيل للجوزقاني، حديث: 339. ابن جوزی نے کہا: یہ حدیث رسول ﷺ سے ثابت نہیں، اس میں ایک راوی بقیہ مدلس ہے، شاید اس نے بعض ضعیف راویوں سے سنا ہو۔ العلل المتناهية لابن الجوزي: 365/1. [3] [ضعيف] سنن أبي داود، الطهارة، باب كيف المسح، حديث: 165، ◄◄

دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''مذی سے وضو ہے اور منی سے غسل۔'' [1]

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیا نہیں فرماتا، میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ جب عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر بھی غسل واجب ہے؟ آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ» فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ فَقَالَ: «تَرِبَتْ يَدَاكِ! فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا»

''ہاں، جب وہ پانی محسوس کرے۔'' ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ فرمایا: ''تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں! تو پھر کس وجہ سے بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے۔'' [2]

* مسئلہ: جو احتلام کا خواب دیکھے مگر نمی (تری) یا پانی محسوس نہ کرے اس پر غسل واجب نہیں مگر جو نمی (تری) یا پانی محسوس کرے، چاہے اسے احتلام یاد نہ ہو تو اس پر غسل واجب ہے۔ اس کی دلیل خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے بارے میں پوچھا جو اپنی نیند میں وہ کچھ دیکھتی ہے جو مرد دیکھتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ عَلَيْهَا غُسْلٌ حَتّٰى تُنْزِلَ، كَمَا أَنَّهُ لَيْسَ عَلَى الرَّجُلِ غُسْلٌ حَتّٰى يُنْزِلَ»

''اس پر غسل واجب نہیں حتی کہ انزال ہو جیسے کہ مرد پر غسل نہیں حتی کہ اسے انزال ہو۔'' [3]

سنن نسائی میں ہے: اس (خولہ رضی اللہ عنہا) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عورت کو خواب میں احتلام ہو جانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: «إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَلْتَغْتَسِلْ» ''جب وہ پانی (منی کے آثار) دیکھے تو وہ غسل کرے۔'' [4]

اسی طرح ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی آدمی نمی (تری) محسوس کرے مگر اسے احتلام یاد نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا:

» وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في المسح على الخفين: أعلاه وأسفله، حديث:97، ومسند أحمد:251/4. اس کی سند منقطع ہونے کے علاوہ مرسل بھی ہے، بنا بریں ضعیف ہے۔ [1] [صحيح] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في المني والمذي، حديث:114، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الوضوء من المذي، حديث:504. [2] صحيح البخاري، العلم، باب الحياء في العلم، حديث: 130، وصحيح مسلم، الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، حديث: 313 واللفظ له. [3] [حسن] سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب في المرأة ترى في منامها......، حديث: 602، ومسند أحمد:409/6. [4] [حسن] سنن النسائي، الطهارة، باب غسل المرأة ترى في منامها......، حديث: 198.

«یَغْتَسِلُ» وَعَنِ الرَّجُلِ یُرٰی أَنْ قَدِ احْتَلَمَ وَلَا یَجِدِ الْبَلَلَ، قَالَ: «لَا غُسْلَ عَلَیْهِ». فَقَالَتْ أُمُّ سُلَیْمٍ: اَلْمَرْأَةُ تَرٰی ذٰلِكَ، أَعَلَیْهَا غُسْلٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ، إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ»

''وہ غسل کرے۔'' اور جو شخص (خواب میں) احتلام دیکھے مگر نمی (تری) نہ پائے؟ تو فرمایا: ''اس پر غسل واجب نہیں ہے۔'' ام سلیم رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اگر عورت یہ دیکھے تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ فرمایا: ہاں، عورتیں بھی مردوں کی مانند ہیں۔'' [1]

دخول پر غسل واجب ہے چاہے انزال نہ ہو: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا جَلَسَ بَیْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ عَلَیْهِ الْغُسْلُ»

''جب آدمی عورت کی چار شاخوں میں بیٹھے اور اس سے (دخول کرکے) مشغول ہو تو اس پر غسل واجب ہو گیا۔'' [2]

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا جَلَسَ بَیْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ، وَمَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ»

''جب آدمی عورت کی چار شاخوں میں بیٹھے اور ختنے سے ختنہ چھو جائے تو غسل واجب ہو گیا۔'' [3]

اور ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: «إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ [فَقَدْ] وَجَبَ الْغُسْلُ»

''جب ختنہ ختنے سے آگے بڑھ جائے تو غسل واجب ہو گیا۔'' [4]

* ختنہ ملنے سے مراد دخول ہے اور یہ الفاظ جماع سے کنایہ ہیں۔

عورتوں کا حیض یا نفاس منقطع ہو جانا: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًی ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الرجل يجد البلة في منامه، حديث: 236، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء فيمن يستيقظ ويرى بللا......، حديث: 113. [2] صحيح البخاري، الغسل، باب إذا التقى الختانان، حديث: 291، وصحيح مسلم، الحيض، باب نسخ «الماء من الماء» ووجوب الغسل بالتقاء الختانين، حديث: 348. [3] صحيح مسلم، الحيض، باب نسخ «الماء من الماء» ووجوب الغسل بالتقاء الختانين، حديث: 349. [4] جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء إذا التقى الختانان وجب الغسل، حديث: 109.

”اور (اے نبی!) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: وہ تو گندگی ہے۔ تم حیض (کی جگہ) میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے ہم بستری نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ خوب پاک ہو جائیں (غسل کر لیں) تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے۔“ [1]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت ابوحبیش رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! مجھے استحاضے کا خون آتا ہے اور میں پاک نہیں رہتی تو کیا میں نماز چھوڑ دیا کروں؟ آپ نے فرمایا:

«لَا ، إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ ، وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي»

”نہیں، یہ تو ایک رگ (کا خون) ہے، حیض نہیں۔ جب حیض (کے دن) آئیں تو نماز چھوڑ دیا کر اور جب ایام حیض ختم ہو جائیں تو خون دھو کر نماز پڑھا کرو۔“ [2]

علامہ ابواسحاق ابراہیم بن علی شیرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: نفاس کا خون آنے سے غسل لازم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دراصل حیض ہی ہوتا ہے جو جمع شدہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس میں روزہ بھی نہیں رکھا جا سکتا اور مباشرت بھی حرام ہے، فرض نماز بھی اس میں ساقط ہوتی ہے۔ الغرض نفاس سے غسل اسی طرح واجب ہے جس طرح حیض سے۔ [3]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ حیض اور نفاس سے غسل واجب ہے۔ اس میں ابن منذر اور ابن جریر طبری وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے۔ [4]

کافر کا مسلمان ہونا: قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کیونکہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا تھا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں پہلے ایسے پانی سے غسل کر کے آؤں جس میں بیری کے پتے ملے ہوئے ہوں۔ [5]

وہ امور جو جنبی آدمی پر حرام ہیں: * جنبی کے لیے مسجد میں رکنا حرام ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، دیکھا کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

[1] البقرة 2:222. [2] صحيح البخاري، الحيض، باب الاستحاضة، حديث: 306، وصحيح مسلم، الحيض، باب المستحاضة و غسلها وصلاتها، حديث: 333. [3] المهذب: 167/2. [4] المجموع: 168/2. [5] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب الرجل يسلم فيؤمر بالغسل، حديث: 355، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماذكر في الاغتسال عند ما يسلم الرجل، حديث: 605.

«وَجِّهُوا هٰذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ»

”ان گھروں (کے دروازوں) کومسجد کی طرف سے پھیر دو، یعنی بند کر دو۔“

آپ دوبارہ تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگوں نے اس کے بارے میں اس امید سے کچھ بھی نہیں کیا کہ شاید ان کے لیے رخصت نازل ہو جائے گی۔ آپ ان کی طرف دوبارہ گئے اور فرمایا:

«وَجِّهُوا هٰذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلَا جُنُبٍ»

ان گھروں کومسجد کی طرف سے ہٹا دو کیونکہ میں مسجد کو حائضہ عورت یا کسی جنبی کے لیے حلال نہیں سمجھتا۔“ [1]

* نماز: جنبی کے لیے نماز پڑھنا حلال نہیں، خواہ فرض نماز ہو یا نفل حتی کہ نماز جنازہ بھی حلال نہیں۔
* طواف: جنبی کے لیے بیت اللہ کا طواف کرنا بھی حلال نہیں جیسا کہ قبل ازیں ”وہ مواقع جن کے لیے وضو واجب ہے“ کے تحت اس کے دلائل بتا دیے گئے ہیں۔

غسل کے ارکان اور اس کی سنتیں

ارکان غسل: (1) نیت: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَّا نَوٰى» [2]

”اعمال کا اعتبار نیتوں ہی کے ساتھ ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔“

(2) پورے بدن پر پانی بہانا۔

غسل کی سنتیں: (1) تین بار ہاتھ دھونا۔ (2) شرمگاہ دھونا۔ (3) نماز کی طرح کامل وضو کرنا۔ یہ بھی جائز ہے کہ پاؤں دھونا مؤخر کر دے اور غسل مکمل کر کے پاؤں دھوئے۔ (4) سر پر تین بار پانی ڈالنا اور بالوں کا خلال کرنا تاکہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے۔ (5) پورے جسم پر پانی بہانا۔ دائیں جانب سے پانی بہانا شروع کرنا، اس کے بعد بائیں جانب پانی ڈالنا۔ اس کی دلیل ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، وہ کہتی ہیں:

[1] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الجنب يدخل المسجد، حديث: 232. شیخ زبیر علی زئی ﷾ نے بھی اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اگرچہ شیخ البانی ﷫ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ حسن ہے جبکہ ان سے پہلے حافظ زیلعی ﷫ نے بھی اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے نصب الراية: 194/1. (عبدالولی) [2] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب: كيف كان بدء الوحي ....، حديث: 1، وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: إنما الأعمال بالنية، حديث: 1907.

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ، ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِينِهِ عَلٰى شِمَالِهِ، فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ، فَيُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي أُصُولِ الشَّعْرِ حَتّٰى إِذَا رَأٰى أَنْ قَدِ اسْتَبْرَأَ، حَفَنَ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهِ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ»

''رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت کرتے تھے تو پہلے اپنے ہاتھ دھوتے تھے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالتے اور شرمگاہ دھوتے، پھر نماز والا وضو کرتے، پھر پانی لے کر انگلیاں بالوں کی جڑوں میں پھیرتے حتی کہ جب آپ سمجھتے کہ پانی (بالوں کی) تہہ تک پہنچ گیا ہے تو پھر سر پر تین لپ پانی ڈالتے، پھر اپنے پورے جسم پر پانی بہاتے اور پھر پاؤں دھو لیتے تھے۔'' [1]

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

«وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَاءً لِّلْغُسْلِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَفْرَغَ عَلٰى شِمَالِهِ فَغَسَلَ مَذَاكِيرَهُ، ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِالْأَرْضِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَحَوَّلَ مِنْ مَّكَانِهِ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ»

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے غسل کا پانی رکھا، آپ نے دو یا تین بار اپنے ہاتھ دھوئے، پھر بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور شرمگاہ دھوئی، پھر اپنے ہاتھ زمین پر رگڑے، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، پھر چہرہ مبارک دھویا، ہاتھ (کہنیوں تک) دھوئے، پھر اپنے جسم پر پانی بہایا، پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر پاؤں دھو لیے۔'' [2]

عورت کا غسل: عورت کا غسل بھی مرد ہی کی طرح ہے سوائے اس کے کہ اگر وہ حیض سے طہارت کا غسل کر رہی ہو تو اس پر واجب ہے کہ اپنے سر کے بال کھولے جبکہ غسل جنابت میں بال کھولنا ضروری نہیں۔ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے سر کے بال بڑے سخت کر کے باندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے لیے انھیں کھولا کروں؟ اور ایک روایت میں جنابت کے ساتھ ساتھ حیض سے طہارت کے غسل کا بھی ذکر آیا ہے۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: ''نہیں! تمھارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے سر پر تین

[1] صحيح البخاري، الغسل، باب الوضوء قبل الغسل، حديث: 248، وصحيح مسلم، الحيض، باب صفة غسل الجنابة، حديث: 316 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الغسل، باب الغسل مرة واحدة، حديث: 257، وصحيح مسلم، الحيض، باب صفة غسل الجنابة، حديث: 317.

لپ پانی ڈال لیا کرو۔'' [1]

جناب عبید بن عمیر سے مروی ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع ملی کہ جناب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما عورتوں کو حکم دیتے ہیں کہ جب انھیں غسل جنابت کرنا ہو تو اپنے بال کھولا کریں، اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تعجب ہے کہ ابن عمرو عورتوں کو غسل میں بال کھولنے کا حکم دیتے ہیں، وہ (مختصرًا) یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ عورتیں اپنے سر منڈوا لیں، حالانکہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن میں سے پانی لے کر غسل کر لیا کرتے تھے اور میں اپنے سر پر تین لپ پانی ڈالنے سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی۔ [2]

عورت کے لیے مستحب ہے کہ جب حیض یا نفاس سے غسل کرے تو کستوری یا کسی اور خوشبو کا پھایا لے کر خون کے مقام پر لگا لیا کرے تاکہ خون کی بدبو کا اثر زائل ہو جائے اور متعلقہ جگہ اچھی طرح پاک صاف ہو جائے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل حیض کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«تَأْخُذُ إِحْدَاكُنَّ مَاءَهَا وَسِدْرَتَهَا فَتَطَهَّرُ فَتُحْسِنُ الطُّهُورَ، ثُمَّ تَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهَا فَتَدْلُكُهُ دَلْكًا شَدِيدًا حَتّٰى تَبْلُغَ شُؤُونَ رَأْسِهَا، ثُمَّ تَصُبُّ عَلَيْهَا الْمَاءَ، ثُمَّ تَأْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَطَهَّرُ بِهَا» فَقَالَتْ أَسْمَاءُ: وَكَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا؟ فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللّٰهِ! تَطَهَّرِينَ بِهَا» فَقَالَتْ عَائِشَةُ-كَأَنَّهَا تُخْفِي ذٰلِكَ-: تَتَبَّعِينَ أَثَرَ الدَّمِ، وَسَأَلَتْهُ عَنْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ؟ فَقَالَ: «تَأْخُذُ مَاءً فَتَطَهَّرُ، فَتُحْسِنُ الطُّهُورَ، أَوْ تُبْلِغُ الطُّهُورَ، ثُمَّ تَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهَا فَتَدْلُكُهُ حَتّٰى تَبْلُغَ شُؤُونَ رَأْسِهَا، ثُمَّ تُفِيضُ عَلَيْهَا الْمَاءَ» فَقَالَتْ عَائِشَةُ: نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ! لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ.

''تمھیں (عورتوں کو) چاہیے کہ پانی اور بیری کے پتے لیں، پھر خوب اچھی طرح وضو کریں، پھر اپنے سر پر پانی ڈالیں اور اسے خوب ملیں حتی کہ پانی اس کی جڑوں اور تہ تک پہنچ جائے، پھر اپنے اوپر پانی بہائیں، پھر کستوری لگا ہوا پھایا لے کر پاکیزگی حاصل کریں۔'' اسماء نے کہا: میں اس کے ساتھ کیسے پاکیزگی حاصل کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بولے: ''سبحان اللہ! تو اس کے ساتھ پاکیزگی حاصل کر۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے

---

[1] صحيح مسلم، الحيض، باب حكم ضفائر المغتسلة، حديث:330۔ حیض سے طہارت کے غسل کے لیے سر کے بال کھولنے کے وجوب پر کوئی صریح دلیل موجود نہیں، دیکھیے الصحيحة، حديث: 188 اور نيل الأوطار:1/291، 292. (عبدالولی) [2] صحيح مسلم، الحيض، باب حكم ضفائر المغتسلة، حديث:331، ومسند أحمد:6/43، وصحيح ابن خزيمة:1/123.

آہستگی سے کہا: اسے خون کی جگہ پر لگائیں۔ پھر اسماء رضی اللہ عنہا نے غسل جنابت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ”چاہیے کہ پانی لیں، وضو کریں اور عمدہ وضو کریں یا فرمایا کہ مکمل وضو کریں، پھر اپنے سر پر پانی ڈالیں اور اسے ملیں حتی کہ بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے، پھر اپنے جسم پر پانی بہالیں۔“ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: انصار کی عورتیں بہت اچھی تھیں کہ دین کی سمجھ حاصل کرنے میں انھیں کوئی حیا مانع نہ ہوتی تھی۔“ [1]

* میاں بیوی کے لیے جائز ہے کہ ایک ہی جگہ ایک ہی برتن سے اکٹھے غسل کرلیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

«كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ - بَيْنِي وَبَيْنَهُ - وَاحِدٍ، فَيُبَادِرُنِي حَتّٰى أَقُولَ: دَعْ لِي، دَعْ لِي. قَالَتْ: وَهُمَا جُنُبَانِ»

”میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے، جو میرے اور آپ کے درمیان ہوتا تھا، غسل کرلیا کرتے تھے، آپ (پانی لینے میں) مجھ سے جلدی کرتے حتیٰ کہ میں کہتی تھی: میرے لیے بھی (پانی) چھوڑیے، میرے لیے بھی چھوڑیے۔ وہ فرماتی ہیں: اور ہم دونوں جنبی ہوتے تھے۔“ [2]

* مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو یا غسل کرلے تو یہ جائز ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے گھر والوں میں سے کسی نے ایک بڑے پانی بھرے لگن سے غسل کیا، پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور وضو یا غسل کرنے لگے تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں جنابت سے تھی۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمَاءَ لَا يَجْنُبُ» ”پانی تو جنبی نہیں ہوتا۔“ [3]

مسنون غسل کے مواقع

جمعہ کے لیے غسل: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ»

---

[1] صحيح مسلم، الحيض، باب استحباب استعمال المغتسلة من الحيض فرصة من مسك في موضع الدم، حديث: 332. [2] صحيح البخاري، الغسل، باب هل يدخل الجنب يده في الإناء......، حديث: 261، وصحيح مسلم، الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة......، حديث: 321 واللفظ له. اس مضمون کی احادیث موقع بموقع اس لیے بیان کی جاتی ہیں کہ ان کا تعلق ایک مسلمان کی خانگی زندگی سے ہے۔ اگر یہ احادیث بیان نہ ہوتیں تو ان امور کا جائز یا ناجائز ہونا مشتبہ رہتا۔ اب ان احادیث کی روشنی میں یہ اشکال جاتا رہا ہے۔ اب کسی شخص کو اپنے ان مخفی خانگی امور کا بلاوجہ تذکرہ کرنا زیبا نہیں۔ (مترجم)

[3] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الماء لا يجنب، حديث: 68.

”جب تم میں سے کوئی (نمازِ) جمعہ کے لیے آئے تو غسل کر لے۔“ [1]

اور اس امر کو واجب سے استحباب اور سنت کے درجے میں لانے کی دلیل یہ ہے کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ»

”جس نے جمعے کے دن وضو کیا تو بہتر کیا، یہ اچھا عمل ہے اور جس نے غسل کر لیا تو غسل افضل ہے۔“ [2]

عیدین کے لیے: امام بزار کہتے ہیں کہ مجھے عیدین کے لیے غسل کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی۔ میں (مؤلف) عرض کرتا ہوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے۔ [3]

میت کو غسل دینے والے کا غسل کرنا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ غَسَّلَ الْمَيِّتَ فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ»

”جس نے کسی میت کو غسل دیا تو وہ غسل کرے اور جو میت کو اٹھائے تو وہ وضو کرے۔“ [4]

---

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب فضل الغسل يوم الجمعة......، حديث: 877، وصحيح مسلم، الجمعة، باب:كتاب الجمعة، حديث: 845. [2] [حسن] سنن أبي داود، الجمعة، باب الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة، حديث: 354، وسنن النسائي، الجمعة، باب الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة، حديث :1381، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في الوضوء يوم الجمعة، حديث:497 واللفظ لهما. جمعہ کے لیے غسل کو واجب کے بجائے مسنون کہنا درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ غسلِ جمعہ واجب ہے، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ» (صحيح البخاري ، حديث:879، وصحيح مسلم، حديث:846) ”جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ شخص پر واجب ہے۔“ رہ گئی سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث تو سنداً محل کلام ہونے کے علاوہ اس میں کوئی صراحت اور دلیل نہیں ہے کہ غسل جمعہ واجب نہیں، زیادہ سے زیادہ بات اس میں یہ ہے کہ وضو اچھا عمل ہے اور غسل جمعہ افضل ہے۔ اور اس میں کسی کو بھی شک نہیں۔ افضل ہونے سے عدم وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ (آل عمرٰن 3:110) ”اور اگر اہل کتاب ایمان لے آئیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔“ تو کیا لفظ خیر جو افضل کی طرح اسم تفضیل ہے، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان وتقویٰ فرض نہیں! بہرحال غسل جمعہ واجب ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المحلى لابن حزم : 21/2، و فتح الباري : 461/2، و إحكام الأحكام:332/1، و نيل الأوطار:272/1 اور تمام المنة، ص: 120. (عبدالولی) [3] [أثر صحيح] الموطأ للإمام مالك، العيدين، باب العمل في غسل العيدين......، حديث:436، وكتاب الأم للشافعي:47/2. اس کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح سند کے ساتھ ایک اثر مروی ہے، دیکھیے إرواء الغليل، حديث: 146. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في الغسل من غسل الميت، حديث:3161.

اور اس امر کو استحباب پر محمول کرنے کا سبب آثار صحابہ ہیں جن میں ایک ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِي غُسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ إِذَا غَسَّلْتُمُوهُ، فَإِنَّ مَيِّتَكُمْ لَيْسَ بِنَجِسٍ، فَحَسْبُكُمْ أَنْ تَغْسِلُوا أَيْدِيَكُمْ»

"تم جب اپنی کسی میت کو غسل دو تو تم پر کوئی غسل (واجب) نہیں ہے، تمھاری میت نجس نہیں ہے، تمھارے لیے یہی کافی ہے کہ اپنے ہاتھ دھولو۔" [1]

احرام کے لیے: سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لیے (اپنے پہلے) کپڑے اتار دیے اور غسل فرمایا۔ [2]

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے: جناب نافع سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی مکہ مکرمہ آتے تھے تو وادی ذی طویٰ میں رات گزارتے حتی کہ صبح ہو جاتی تو غسل کرتے، پھر دن چڑھے مکہ میں داخل ہوتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا۔ [3]

مستحاضہ کا غسل: وہ عورت جسے استحاضہ کا عارضہ ہو، وہ ہر نماز کے لیے غسل کرے، یا ظہر و عصر کے لیے ایک غسل، مغرب و عشاء کے لیے ایک غسل اور پھر فجر کے لیے غسل کر لے۔ جناب عروہ بن زبیر، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! فاطمہ بنت ابی حُبَیش کو اتنے اتنے دنوں سے استحاضہ ہے اور اس نے نماز نہیں پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا مِنَ الشَّيْطَانِ، لِتَجْلِسْ فِي مِرْكَنٍ، فَإِذَا رَأَتْ صُفْرَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَّاحِدًا، وَتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَّاحِدًا، وَتَغْتَسِلْ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَّاحِدًا، وَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ»

"یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اسے چاہیے کہ لگن میں بیٹھے اور اگر دیکھے کہ پانی پر زردی غالب ہے تو اسے چاہیے کہ ظہر اور عصر کے لیے ایک غسل کر لے اور مغرب اور عشاء کے لیے ایک غسل کر لے اور (پھر) فجر کے لیے غسل کرے اور ان کے درمیانی وقت کے لیے وضو کر لیا کرے۔" [4]

---

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي :3/398. یہ اثر صحیح ہے۔ اس کی تفصیل پہلے "جن مواقع پر وضو کرنا مستحب ہے" کے تحت عنوان "میت اٹھانے سے" میں گزر چکی ہے۔ [2] [صحيح] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في الاغتسال عند الإحرام، حديث: 830.
[3] صحيح مسلم، الحج، باب استحباب المبيت بذي طوى......، حديث: 1259. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب من قال تجمع بين الصلاتين و تغتسل لهما غسلًا، حديث: 296.

بے ہوشی سے ہوش میں آنے پر: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی تو (افاقہ ہونے پر) دریافت فرمایا:

«أَصَلَّى النَّاسُ؟» فَقُلْنَا : لَا ، يَا رَسُولَ اللهِ! وَهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ ، قَالَ : «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ» قَالَتْ : فَفَعَلْنَا ، فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ ، فَقَالَ ﷺ : «أَصَلَّى النَّاسُ ؟» قُلْنَا : لَا ، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ : «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ» قَالَتْ : فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَفَاقَ ، فَقَالَ : «أَصَلَّى النَّاسُ؟» قُلْنَا : لَا ، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللهِ! ......»

''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے لیے ٹب میں پانی رکھو۔'' چنانچہ ہم نے رکھ دیا، آپ نے غسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا مگر بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر افاقہ ہوا تو پوچھا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے لیے ٹب میں پانی رکھو۔'' پھر آپ نے غسل فرمایا، پھر اٹھنے لگے تو آپ پر پھر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ افاقہ ہونے پر پھر دریافت فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، اے اللہ کے رسول!......'' پھر آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم ارسال فرمایا۔[1]

کسی مشرک کو دفن کرنے پر: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور خبر دی کہ ابوطالب فوت ہوگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«اِذْهَبْ فَوَارِهِ» قَالَ : إِنَّهُ مَاتَ مُشْرِكًا . قَالَ : «اِذْهَبْ فَوَارِهِ» ، فَلَمَّا وَارَيْتُهُ رَجَعْتُ إِلَيْهِ ، فَقَالَ لِي : «اِغْتَسِلْ»

''جاؤ اور انھیں مٹی میں دبا آؤ۔'' علی رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ مشرک مرے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''جاؤ اور ان کو مٹی میں دبا آؤ۔'' جب میں دفن کر کے واپس آیا تو آپ نے مجھے حکم دیا: ''غسل کر لو۔''[2]

ہر ہم بستری کے بعد: ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک رات نبی ﷺ اپنی سب ازواج مطہرات کے پاس

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب إنما جعل الإمام ليؤتم به، حديث: 687، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر......، حديث: 418. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الرجل يموت له قرابة مشرك، حديث: 3214، وسنن النسائي، الطهارة، باب الغسل من مواراة المشرك، حديث: 190 واللفظ له.

گئے اور ہر ایک کے ہاں غسل فرمایا۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے ایک ہی غسل کیوں نہ کرلیا؟ آپ نے فرمایا:

«هٰذَا أَزْكٰى وَأَطْيَبُ وَأَطْهَرُ» ''یہ بہت بہتر، بہت عمدہ اور زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔''[1]

غسل کی چند فروعات

1. مردوں کے لیے جائز ہے کہ گھر سے باہر حمام میں باپردہ ہو کر اور چادر باندھ کر غسل کرلیں، مردوں کے برعکس عورتوں کا حمام میں جانا حرام ہے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلِ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِئْزَرٍ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُدْخِلْ حَلِيلَتَهُ الْحَمَّامَ»

''جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ چادر باندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو اور جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ لے جائے۔''[2]

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَدْخُلِ الْحَمَّامَ إِلَّا بِمِئْزَرٍ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ مِنْ نِّسَائِكُمْ فَلَا تَدْخُلِ الْحَمَّامَ»

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ چادر باندھے بغیر حمام میں داخل نہ ہو اور جو شخص اللہ اور

[1] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الوضوء لمن أرادأن يعود، حديث: 219، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب فيمن يغتسل عند كل واحدة غسلاً، حديث: 590. [2] [حسن] سنن النسائي، الغسل، باب الرخصة في دخول الحمام، حديث: 401، وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في دخول الحمام، حديث: 2801، ومسند أحمد: 3/339 واللفظ له، وحسنه الشيخ الألباني رحمه الله في غاية المرام، حديث: 190. ماضی کے حمام موجودہ دور کے حماموں سے قدرے مختلف تھے، ایک عمارت جس میں قدرتی طور پر یا مصنوعی طریقے سے گرم پانی موجود ہوتا، عمارت کے بھی مختلف حصے گرم اور گرم تر کی ترتیب سے ہوتے تھے، مریض اور دوسرے لوگ یہاں کے گرم پانی والے تالاب سے غسل کے لیے آتے تھے۔ عورتوں کے حوالے سے موجودہ حماموں کا حکم بھی گذشتہ حماموں کا ہے۔ (عبدالولی)

آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے اور تمھاری عورتوں میں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، وہ حمام میں داخل نہ ہو۔'' [1]

اس موضوع پر اور بھی مرویات ہیں جو ابن عباس رضی اللہ عنہما، قسطنطنیہ کی افواج کے خطیب، ابوالملیح ہذلی اور سائب رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ (ان کی تخریج ہماری تالیف إرشاد الأمة إلی فقه الکتاب والسنة میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔)

[2] وضو غسل میں داخل ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہل طائف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: ہماری سرزمین بہت ٹھنڈی ہے، لہٰذا ہمیں غسل جنابت کس قدر کافی ہے؟ آپ نے فرمایا:

«أَمَّا أَنَا، فَأُفْرِغُ عَلٰى رَأْسِي ثَلَاثًا» ''میں تو اپنے سر پر تین لپ پانی ڈالتا ہوں۔'' [2]

اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔ [3]

محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غسل کے بعد نماز پڑھ لیا کرتے تھے جس کے شروع میں آپ نے وضو نہیں کیا ہوتا تھا اور نہ غسل کے بعد ہی۔ [4]

تیمّم کا بیان

[1] تیمّم مشروع ہونے کی دلیل: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِّنْهُ﴾

''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک سطح زمین سے تیمّم کرلو، پس اسے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لو۔'' [5]

[1] صحیح ابن حبان (الإحسان): 7، حدیث: 5568، والسنن الکبریٰ للبیهقي: 309/7. [2] صحیح مسلم، الحیض، باب استحباب إفاضة الماء علی الرأس وغیره ثلاثاً، حدیث: 328. [3] [صحیح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بعد الغسل، حدیث: 250، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الوضوء بعد الغسل، حدیث: 107، وسنن النسائي، الطهارة، باب ترك الوضوء من بعد الغسل، حدیث: 253، ومسند أحمد: 68/6، واللفظ لهما، و سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب في الوضوء بعد الغسل، حدیث: 579، وزاد فیه [من الجنابة]. [4] تمام المنة، ص: 129. [5] المآئدة 5: 6.

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر پر روانہ ہوئے، جب ہم بیداء یا ذات الجیش مقام پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش کے باعث رک گئے۔ آپ کے ساتھ دیگر لوگ بھی رک گئے۔ وہاں کوئی کنواں یا چشمہ وغیرہ نہیں تھا۔ لوگ (میرے والد) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ دیکھتے نہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا ہے؟ اس نے رسول اللہ ﷺ کو روک لیا ہے، ساتھ ہی دیگر ہمراہی بھی رک گئے ہیں جبکہ یہاں پانی نہیں ہے اور نہ کسی شخص کے پاس پانی ہے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے جبکہ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنا سر میری ران پر رکھے سو رہے تھے۔ میرے والد کہنے لگے: تو نے رسول اللہ ﷺ اور دیگر لوگوں کو روک رکھا ہے، حالانکہ اس جگہ پانی نہیں ہے اور نہ لوگوں میں سے کسی کے پاس پانی ہے۔ چنانچہ وہ مجھ پر بہت خفا ہوئے اور جو کہنا تھا کہا اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کچوکے بھی دینے لگے، مگر رسول اللہ ﷺ کے محوخواب ہونے اور میرے زانو پر آپ کے سر مبارک ہونے کے احساس نے مجھے حرکت کرنے سے روکے رکھا۔ بالآخر جب صبح ہوئی اور رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے تو پانی نہ ملا تو اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی اور لوگوں نے تیمّم کیا۔ جناب اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بول اٹھے: اے آل ابوبکر! یہ تمھاری محض پہلی برکت نہیں ہے۔ الغرض جب ہم نے اپنا اونٹ اٹھایا جس پر میں سوار تھی، تو ہمیں ہار اس کے نیچے سے مل گیا۔[1]

وہ اسباب جن کے باعث تیمّم کرنا جائز ہے: جب آدمی پانی کے استعمال سے قاصر ہو تو وہ تیمّم کر سکتا ہے، مثلاً: آس پاس کہیں پانی موجود ہی نہ ہو، یا کسی بیماری کے باعث استعمال نہ کر سکتا ہو کہ اس سے ضرر واذیت بڑھ جائے گی یا بہت زیادہ سردی ہو جس میں پانی کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، بعد میں دیکھا کہ ایک آدمی الگ بیٹھا ہے، آپ نے دریافت فرمایا:

«مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ؟» قَالَ: أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ، قَالَ: «عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ»

---

[1] صحيح البخاري، التيمم، باب: 1، حديث: 334، و صحيح مسلم، الحيض، باب التيمم، حديث: 367. اس حدیث مبارک سے اس مشہورِ اَنام مغالطے کی کامل تردید ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب تھا۔ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ عالم الغیب صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو علم غیب نہیں۔ رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرام یا اولیائے عظام میں سے کوئی بھی علم غیب پر مطلع نہیں تھا۔ ہاں! انبیائے کرام علیہم السلام کو گاہے بگاہے غیب کی خبروں میں سے صرف وہی بات القا کر دی جاتی تھی جو خود اللہ تعالیٰ ان پر منکشف فرمانا چاہتا تھا۔ (مترجم)

”اے فلاں! کیا وجہ ہے کہ تم نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟“ اس نے کہا کہ میں جنابت سے ہوں اور یہاں پانی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ”سطح زمین سے کام لو، تمھیں یہی کافی ہے۔“ [1]

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نکلے تو ایک آدمی کو پتھر لگا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا، پھر اسے احتلام بھی ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا میرے لیے تیمم کی رخصت ہے؟ انھوں نے کہا: تم پانی استعمال کرنے پر قادر ہو، اس لیے تمھارے لیے کوئی رخصت نہیں، چنانچہ اس نے غسل کر لیا جس کے نتیجے میں وہ فوت ہو گیا۔

جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس کی وفات کی خبر دی تو آپ نے فرمایا:

«قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللهُ، أَلَّا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا؟ فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ»

”انھوں نے اسے مار ڈالا، اللہ انھیں ہلاک کرے، جب انھیں (مسئلہ) معلوم نہ تھا تو پوچھ کیوں نہ لیا؟ کمزوری (بے علمی) کی شفا پوچھ لینے میں ہے۔“ [2]

جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مجھے غزوۂ ذاتِ سلاسل میں روانہ کیا گیا تو ایک انتہائی سردرات میں مجھے احتلام ہو گیا، مجھے ڈر لگا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا، چنانچہ میں نے تیمم کیا اور اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھا دی۔ جب ہم واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو صحابۂ کرام نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی۔ آپ نے فرمایا: «يَا عَمْرُو! صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ؟»

”اے عمرو! تو نے اپنے ساتھیوں کو جنابت کی حالت میں نماز پڑھائی تھی؟“

میں نے عرض کی: مجھے اللہ عزوجل کا یہ فرمان یاد آیا تھا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾

”اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے۔“ [3]

تو میں نے تیمم کیا اور نماز پڑھا دی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور کچھ نہیں کہا۔ [4]

---

[1] صحيح البخاري، التيمم، باب الصعيد الطيب وضوء المسلم......، حديث:344، وصحيح مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة......، حديث:682، ومسند أحمد:4/434. [2] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب المجدور يتيمم، حديث:336، والسنن الكبرٰى للبيهقي:1/228، و سنن الدارقطني:1/190,189 ولحديث جابر شاهدان عن ابن عباس رضي الله عنهما. الأول: سنن أبي داود، حديث:337، وسنن ابن ماجه، حديث:572، والمستدرك للحاكم:1/165، حديث:585، و صحيح ابن حبان (الموارد):1/329، حديث:201، وسنن الدارمي:1/158، الثاني: المستدرك للحاكم:1/178، وسنن الدارقطني:1/190. [3] النسآء 4:29. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد أ يتيمم؟ حديث:335,334، ومسند أحمد:4/204,203 واللفظ له.

"اَلصَّعِید" کا مفہوم: صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ "الصعید" سے مراد زمین ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد ہے پاک زمین۔ ایک قول یہ ہے کہ ہر پاک مٹی کو صعید کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ "پاک سطح زمین کا قصد کرو۔"

ابو اسحاق کہتے ہیں: "الصعید" سے مراد سطح زمین ہے اور انسان کے ذمے یہی ہے کہ سطح زمین پر اپنے ہاتھ مار لے، یہ خیال کیے بغیر کہ وہاں مٹی ہے یا نہیں کیونکہ صعید کے معنی مٹی نہیں ہیں بلکہ سطح زمین کو صعید کہتے ہیں، وہ مٹی ہو یا کچھ اور۔ بالفرض اگر زمین ساری کی ساری پتھر ہی ہو اور وہاں مٹی نہ ہو اور تیمّم کرنے والا اگر اپنے ہاتھ انھی پتھروں پر مار کر اپنے چہرے پر پھیر لے تو یہی اس کے لیے طہارت کا ذریعہ ہوگا۔[1]

تیمّم کا طریقہ: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، نبی ﷺ نے تیمّم کے بارے میں فرمایا:

«ضَرْبَةٌ وَّاحِدَةٌ لِّلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ»

"(دونوں ہاتھوں کو زمین پر) ایک بار مارا جائے، چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے لیے۔"[2]

جناب عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں جنبی ہوگیا اور مجھے پانی دستیاب نہیں ہوا۔ یہ سن کر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ سفر میں تھے (دونوں جنبی ہوگئے)، چنانچہ آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی مگر میں نے زمین پر لوٹنی لگائی تھی اور پھر نماز پڑھ لی تھی، پھر میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں یہ بات عرض کی تو آپ نے فرمایا تھا:

«إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا» وَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الْأَرْضَ، وَنَفَخَ فِيهِمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ»

"تمھیں تو بس اس طرح (کا عمل) کرنا کافی تھا" اور آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں، ان میں پھونک ماری اور انھیں اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں (ہاتھوں) پر پھیر لیا۔"[3]

تیمّم کے لیے دیوار پر ہاتھ مارنا جائز ہے: جناب اَعرج رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عمیر کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں اور عبداللہ بن یسار، جو ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام

[1] الروضة الندية بتحقيق المؤلف :1/174-176. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب التيمم، حديث: 327، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في التيمم، حديث: 144، ومسند أحمد: 4/263. [3] صحيح البخاري، التيمم، باب المتيمم هل ينفخ فيهما؟ حديث: 338، وصحيح مسلم، الحيض، باب التيمم، حديث: 368.

تھے، ابوجہیم بن حارث بن صمۃ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے تو انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ جمل کنویں کی جانب سے آ رہے تھے تو آپ کو ایک آدمی ملا، اس نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اسے جواب نہیں دیا حتی کہ آپ ایک دیوار کی طرف آئے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا، پھر اس کے سلام کا جواب دیا۔[1]

وہ امور جن سے تیمّم ٹوٹ جاتا ہے: وہ تمام چیزیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ان سے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے، مزید یہ کہ جس کے پاس پہلے پانی نہیں تھا اگر اسے مل جائے، یا جو پانی استعمال کرنے سے عاجز تھا، وہ پانی استعمال کرنے کے قابل ہو جائے تو پھر اس کا تیمّم باقی نہیں رہتا۔ اس سے پہلے حالت تیمّم میں جو نمازیں وہ پڑھ چکا ہو، وہ سب صحیح ہوتی ہیں، انھیں دہرانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی سفر پر نکلے تو نماز کا وقت ہو گیا اور ان کے پاس پانی نہیں تھا۔ ان دونوں نے پاک مٹی سے تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی۔ پھر ایسا ہوا کہ ابھی نماز کا وقت باقی تھا کہ انھیں پانی مل گیا، ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز دہرا لی اور دوسرے شخص نے نہیں دہرائی، پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنا یہ واقعہ گوش گزار کیا تو آپ نے اس شخص سے، جس نے نماز نہیں دہرائی تھی، فرمایا:

«أَصَبْتَ السُّنَّةَ وَأَجْزَأَتْكَ صَلَاتُكَ»، وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَأَعَادَ: «لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ»

''تم نے سنت پر عمل کیا اور تمھیں تمھاری نماز کافی رہی۔'' اور جس نے وضو کر کے نماز دہرائی تھی، اس سے فرمایا: ''تمھیں دوگنا ثواب ہے۔''[2]

پانی میسر نہ ہونے پر ہم بستری کی رخصت: ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دفعہ) مدینہ منورہ کی فضا (آب و ہوا) میرے لیے ناموافق ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے (بادیہ میں) اونٹوں میں چلے جانے کا حکم دیا، چنانچہ میں وہاں رہا، پھر میں آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی: ابوذر ہلاک ہو گیا! آپ نے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' میں نے عرض کی کہ مجھے جنابت لاحق ہوتی ہے اور مجھے آس پاس کہیں پانی بھی نہیں ملتا۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الصَّعِيدَ طَهُورٌ لِّمَنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ»

[1] صحيح البخاري، التيمم، باب التيمم في الحضر إذا لم يجد الماء......، حديث: 337، وصحيح مسلم، الحيض، باب التيمم، حديث: 369. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب المتيمم يجد الماء بعد ما يصلي في الوقت، حديث: 338، وسنن النسائي، الغسل، باب التيمم لمن يجد الماء بعد الصلاة، حديث: 433.

''پاک سطحِ زمین اس شخص کے لیے طہارت ہے جو پانی نہ پائے، خواہ دس سال گزر جائیں۔''[1]

پٹی پر مسح کرنے کا حکم: جسے کوئی زخم لگا ہو یا ہڈی ٹوٹ گئی ہو اور اس پر پٹی وغیرہ باندھی ہو تو اس جگہ کا دھونا ساقط ہے اور اس جگہ کا مسح یا تیمّم بھی نہیں ہے۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط﴾ ''اللہ کسی کو اس کی برداشت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔''[2]

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»

''جب میں تمھیں کسی بات کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اس پر عمل کرو۔''[3]

ہر وہ بات جس سے انسان عاجز ہو، قرآن و سنت کی رو سے وہ اس کا مکلّف نہیں الا یہ کہ شریعت اس کے بدلے کوئی حکم دے اور شریعت صرف قرآن اور سنت سے ثابت ہوتی ہے۔ جس زخم کو دھونا ناممکن ہو یا اس پر پٹی بندھی ہو تو قرآن و سنت میں (اسے دھونے کی بجائے) اس پر مسح کا کوئی حکم نہیں ہے، پس مسح اس سے ساقط ہے۔[4]

پٹی یا پلستر پر مسح کے دلائل ضعیف ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو روایت آئی ہے کہ نبی ﷺ پٹیوں پر مسح کیا کرتے تھے۔[5] وہ ضعیف ہے۔

اسی طرح وہ روایت جس میں علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری ایک کلائی ٹوٹ گئی تو میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے مجھے پٹیوں پر مسح کا حکم دیا۔[6] وہ بھی ضعیف ہے۔

اس اندیشے سے کہ وقت نکلا جا رہا ہے، تیمّم جائز نہیں: علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شریعت میں نص قرآن سے ثابت ہے کہ جب پانی نہ ہو تو آدمی تیمّم کر سکتا ہے، اس میں سنت مطہرہ نے یہ اضافہ کر دیا ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو یا سخت سردی کے باعث پانی کا استعمال مضر ہو تو اس صورت میں بھی تیمّم کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کہیں ثابت نہیں کہ انسان پانی استعمال کرنے پر قادر ہونے کے باوجود تیمّم کر لے۔ آخر اس کی کیا دلیل ہے؟ اگر کہا جائے کہ وقت نکل جانے کا خدشہ ہو تو تیمّم کا جواز ہو سکتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل غلط ہے اور یہ عذر کوئی صحیح دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ شخص جسے وقت نکل جانے کا اندیشہ ہے، دو حالتوں سے خالی نہیں: یا تو یہ

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الجنب يتيمم، حديث: 333، ومسند أحمد: 146/5، والأثرم واللفظ له.
[2] البقرة 2: 286. [3] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7288، وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث: 1337. [4] المحلّٰى لابن حزم: 75,74/2. [5] [ضعيف] سنن الدار قطني: 205/1، حديث: 773، وعلل ابن الجوزي: 361/1. [6] [ضعيف] سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب المسح على الجبائر، حديث: 657، وسنن الدار قطني: 226/1، حديث: 866، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 228/1.

اندیشہ اس کے اپنے عمل، سستی اور غفلت کی وجہ سے لاحق ہوا ہے، یا اس میں اس کا کوئی اختیار نہ تھا، مثلاً: وہ سو گیا تھا یا بھول گیا تھا تو اس دوسری حالت میں اس کی نماز کا وقت ہی اس وقت شروع ہوا ہے جب وہ بیدار ہوا یا اسے یاد آیا ہے تو اسے اسی وقت نماز ادا کر لینی چاہیے جیسے اسے حکم دیا گیا ہے، اس کی دلیل صحیحین میں مروی ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا»

''جو شخص نماز بھول گیا یا سویا رہا، اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔''[1]

تو نہایت حکمت و دانائی کے مالک شارع حکیم نے اس معذور کے لیے اجازت روا رکھی ہے کہ وہ ویسے ہی نماز پڑھے جس طرح اسے حکم ہے۔ اپنے وضو یا غسل کے لیے پانی استعمال کرے۔ اس کے لیے وقت نکل جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ اس شخص کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں۔ اس کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی یہی بات اختیار کی ہے[2] اور المسائل الماردینیة[3] میں لکھا ہے کہ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

اور پہلی صورت میں بھی یہی بات ہے کہ وہ پانی استعمال کرے اور پانی استعمال کر کے نماز پڑھے اگر بروقت پڑھ لی تو بہتر اور اگر وقت نکل گیا تو اپنے آپ کو ملامت کرے کیونکہ یہ اس کی اپنی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ یہی وہ بات ہے جس پر مجھے شرح صدر اور دلی اطمینان ہے اگرچہ شیخ الاسلام اور بعض دوسرے بزرگ اس کے قائل ہیں کہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ بعد میں میں نے شیخ شوکانی رحمہ اللہ کا مطالعہ کیا تو وہ بھی اس موقف کی طرف مائل ہیں جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔[4]

حیض، نفاس اور استحاضہ کا بیان

حیض

تعریف: لغت میں اس کے معنی سیلان، یعنی بہنا اور بہاؤ کے ہیں اور مراد اس سے وہ خون ہے جو بالغ عورت کو کسی بیماری کے بغیر عام طور پر ہر مہینے شرمگاہ سے آتا ہے، بغیر اس سبب کے کہ ولادت

[1] صحیح مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجیل قضائها، حدیث: 684. [2] الاختیارات، ص: 179,178. [3] المسائل الماردینیة، ص: 65. [4] تمام المنة، ص: 133,132، نیز دیکھیے: السیل الجرار: 312,311/1.

ہو یا پردۂ بکارت چاک ہو۔

خون حیض کی رنگت: اس کا رنگ سیاہ، سرخ، پیلا یا گدلا ہوسکتا ہے۔ فاطمہ بنت ابوحبیش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھیں استحاضہ آتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضَةِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فَإِذَا كَانَ ذٰلِكِ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ»

''جب حیض کا خون آتا ہے تو وہ سیاہ ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے۔ جب ایسا ہو تو نماز سے رک جاؤ اور جب دوسری صورت (کا خون) ہو تو وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرو، یہ ایک رگ کا خون ہوتا ہے۔''[1]

یہ سرخ رنگ کا بھی ہوسکتا ہے کیونکہ خون کا اصل رنگ یہی ہے۔ اس کا رنگ زرد ہوسکتا ہے۔ اس وقت یہ پیپ کی طرح کا پانی ہوتا ہے جس پر زردی سی غالب ہوتی ہے یا میلے پانی کی طرح سیاہ وسفید کے درمیان مٹیالے رنگ کا ہوتا ہے۔

جناب علقمہ اپنی والدہ مرجانہ سے روایت کرتے ہیں، جو ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں، کہ عورتیں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنی تھیلیاں پہچان کے لیے بھیجا کرتی تھیں، جن میں زردی مائل روئی ہوتی تو عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: جلدی مت کیا کرو حتی کہ روئی کو خوب سفید پا لو۔[2]

اور دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں: آپ فرماتی تھیں کہ جب خون آئے تو نماز سے رک جاؤ حتی کہ طہر کو چاندی کی مانند سفید دیکھ لو، پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔[3]

زرد یا میلا پانی ایام حیض میں، حیض کے حکم میں ہوتا ہے، ان دنوں کے علاوہ اسے حیض نہیں سمجھا جاتا جیسا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ہم طہر کے بعد میلے یا زرد پانی کو کچھ بھی نہ سمجھتی تھیں۔[4]

مدت حیض: حیض اور اسی طرح طہر کے ایام کی تعداد وتعین کے بارے میں کوئی قابل اعتماد بات مروی نہیں ہے جو روایات اس کے بارے میں آئی ہیں یا تو ضعیف موقوف ہیں جو قابل حجت نہیں ہیں یا اگر مرفوع ہیں تو وہ بھی صحیح نہیں۔

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة، حديث: 286، وسنن النسائي، الحيض، باب الفرق بين دم الحيض والاستحاضة، حديث: 362. [2] صحيح البخاري، الحيض، باب إقبال المحيض وإدباره، معلقًا بعد الحديث: 319، والموطأ للإمام مالك، الطهارة، باب طهر الحائض، حديث: 132. [3] [حسن] سنن الدارمي: 1/ 149، حديث: 863. [4] صحيح البخاري، الحيض، باب الصفرة والكدرة في غير أيام الحيض، حديث: 326، وسنن أبي داود، الطهارة، باب في المرأة ترى الصفرة والكدرة......، حديث: 307 واللفظ له.

* البتہ وہ عورت جسے اپنا معمول معلوم ہو تو وہ اسی پر عمل کرے جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت ابوحبیش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں پاک نہیں رہتی تو کیا نماز چھوڑ دیا کروں؟ آپ نے فرمایا:

«إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَّلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلَاةَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا، فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي»

''یہ ایک رگ کا خون ہے، حیض نہیں ہے۔ حیض آئے تو نماز چھوڑ دیا کرو۔ جب حیض کے دن گزر جائیں تو اپنے آپ سے خون دھو کر نماز شروع کر دیا کرو۔'' [1]

اسی طرح ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت کے بارے میں دریافت کیا جسے بہت زیادہ خون آتا تھا تو آپ نے فرمایا:

«لِتَنْظُرْ عِدَّةَ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ أَنْ يُّصِيبَهَا الَّذِي أَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ، فَإِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكِ فَلْتَغْتَسِلْ، ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّ»

''اسے چاہیے کہ اتنے شب و روز انتظار کرے جتنے شب و روز اس استحاضے کی بیماری میں مبتلا ہونے سے پہلے مہینے میں اسے حیض آیا کرتا تھا اور مہینے کے انھی دنوں میں نماز چھوڑ دے، پھر جب یہ مدت گزر جائے تو غسل کرے، پھر لنگوٹ باندھ لے اور نماز پڑھا کرے۔'' [2]

* اگر اس کا کوئی مقررہ معمول نہ ہو تو پھر وہ قرائن و علامات اور خون کی رنگت کے لحاظ سے عمل کرے جیسا کہ فاطمہ بنت ابوحبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے جس کا ذکر قبل ازیں حیض کے سلسلے میں ہوا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حیض کا خون دوسرے خون سے نمایاں اور مختلف ہوتا ہے اور عورتیں اسے بخوبی پہچانتی ہیں۔ [3]

---

[1] صحيح البخاري، الحيض، باب الاستحاضة، حديث: 306. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب في المرأة تستحاض، ومن قال: تدع الصلاة......، حديث: 274، وسنن النسائي، الطهارة، باب ذكر الاغتسال من الحيض، حديث: 209، ومسند أحمد: 293/6. [3] اور اگر ایک عورت کو اپنی عادت کا پتا ہے نہ خونِ حیض کو دوسرے خونوں سے پہچان سکتی ہے تو ایسی عورت کے بارے میں حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حدیث ہماری راہنمائی کرتی ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّمَا هٰذِهِ رَكْضَةٌ مِّنْ رَّكَضَاتِ الشَّيْطٰنِ فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ فِي عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى ذِكْرُهُ...... وَكَذٰلِكَ فَافْعَلِي كُلَّ شَهْرٍ كَمَا يَحِضْنَ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيقَاتَ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ......» ''یہ شیطان کے کچوکوں میں سے ایک کچوکا ہے، پس تم چھ یا سات دن اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق حیض سے رہو...... اور ہر مہینے اسی طرح کیا کرو جس طرح کہ عورتیں حیض وطہر کے اوقات میں حیض وطہر سے رہتی ہیں......'' سنن أبي داود، الطهارة، باب إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة، حديث: 287. (عبدالولی)

ایام حیض میں عورت سے فائدہ حاصل کرنا اور بوس و کنار جائز ہے مگر فرج میں جماع ناجائز ہے:
انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودی لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ ان کے ایام حیض میں اکٹھے کھانا پینا بھی چھوڑ دیتے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا: «اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ»
''تم ہر کام کر سکتے ہو سوائے جماع کے۔ (فرج میں جماع کے علاوہ ہر طرح کا تمتع مباح ہے۔)'' [1]

ایام حیض میں ہم بستری کا کفارہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنی بیوی کے ایام حیض میں اس کے ساتھ جماع کا مرتکب ہوا ہو تو آپ نے فرمایا:
«يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ أَوْ نِصْفِ دِينَارٍ» ''ایک دینار صدقہ کرے یا آدھا دینار۔'' [2]

اور صدقے کا یہ فرق خون کی ابتدا اور انتہا کے لحاظ سے ہے۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت ہے کہ اگر وہ خون کے شروع کے دنوں میں ہم بستری کر چکا ہو تو ایک دینار دے اور اگر اس کے آخر میں ہم بستر ہوا ہو تو آدھا دینار۔ [3]

نفاس

تعریف: لغت میں یہ لفظ اس مدت کے لیے بولا جاتا ہے جس میں بچے کی ولادت کے بعد عورت کا رحم اور اس کے اعضائے تناسل حمل سے پہلے کی معتدل حالت پر آتے ہیں اور اصطلاحًا اس خون کو کہتے ہیں جو بچے کی ولادت کے بعد جاری ہوتا ہے۔

نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے: ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے دور میں نفاس والی عورتیں چالیس دن رات بیٹھتی تھیں اور ہم اپنے چہروں پر چھائیوں کی وجہ سے وَرْس (زرد رنگ کی ایک بُوٹی) کا اُبٹن لگایا کرتی تھیں۔ [4]

[1] صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حديث: 302، و مسند أحمد: 132/3. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب في إتيان الحائض، حديث: 264، ومسند أحمد: 230,229/1. [3] [أثر صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب في إتيان الحائض، حديث: 265، وصححه الشيخ الألباني موقوفًا. دینار کا موجودہ حساب سے وزن: 4.25 گرام سونا ہے، نیز یہ صدقہ اس شخص کی شرعی کوتاہی کا ازالہ ہے، البتہ طبی لحاظ سے بھی کوئی نقص مرد یا عورت میں پیدا ہو سکتا ہے۔
[4] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب ماجاء في وقت النفساء، حديث: 311، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في كم تمكث النفساء، حديث: 139.

نفاس کی کم از کم مدت متعین نہیں: خون چالیس دن سے پہلے ہی رک جائے تو نفاس کا حکم بھی زائل ہو جائے گا۔ جریان خون چالیس دنوں سے زیادہ بڑھ جائے تو ایسی عورت اپنے آپ کو مستحاضہ سمجھے، اس صورت میں اس کا معاملہ استحاضہ والا ہو گا۔

حیض ونفاس والی خواتین کے لیے حرام امور: حیض ونفاس کے وقوع پر وہی امور لازم آتے ہیں جو کسی جنابت والے پر لاگو ہوتے ہیں:

ا) جنبی کے لیے مسجد میں رکنا حرام ہے۔

ب) جنبی پر نماز حرام ہے۔

ج) جنبی پر طواف حرام ہے۔ اس کے متعلق بحث "غسل کے مسائل" میں عنوان "وہ امور جو جنبی آدمی پر حرام ہیں" کے تحت گزر چکی ہے۔

د) حائضہ اور نفاس والی خاتون روزہ نہیں رکھ سکتی، جب پاک ہو جائے تو قضا دے جیسا کہ معاذہ رحمہا اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: حائضہ کو کیا ہے کہ روزے کی تو قضا دے مگر نماز کی قضا نہ دے؟ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ عوارض پیش آتے تھے تو ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا، نمازوں کا نہیں۔[1]

ہ) جماع حرام ہے۔ اس کی دلیل قبل ازیں حیض کے بیان میں گزر چکی ہے۔

استحاضہ

تعریف: وہ خون جو کسی عورت کو اس کے حیض یا نفاس کے دنوں کے علاوہ آنے لگے استحاضہ کہلاتا ہے۔ یہ خون بعض اوقات حیض ونفاس کے فوراً بعد متصل بھی آنے لگتا ہے۔

اگر حیض ونفاس کے ایام کے علاوہ آئے تو بات واضح ہے لیکن اگر ان کے ساتھ متصل آئے اور عورت کا معمول معلوم ومعروف ہو تو جو دن اس کے معمول سے زائد ہوں، وہ استحاضہ کے ہوں گے۔ جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خون کے بارے میں پوچھا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے اس کا لگن خون سے بھرا دیکھا ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الحيض، باب لا تقضي الحائض الصلاة، حديث: 321، وصحيح مسلم، الحيض، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة، حديث: 335 واللفظ له، ومسند أحمد: 232/6.

«اُمْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ، ثُمَّ اغْتَسِلِي وَصَلِّي»

''اتنے دن رکی رہو جتنے دن تمھیں تمھارا حیض روکتا تھا، پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔''[1]

اگر عورت دونوں طرح کے خون کی رنگت کو اچھی طرح پہچان سکتی ہو تو سیاہ رنگ کا خون حیض اور دوسرا استحاضہ ہوگا جیسا کہ فاطمہ بنت ابوحبیش رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھیں استحاضہ آتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضَةِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فَإِذَا كَانَ ذٰلِكِ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ»

''جب حیض کا خون ہو جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے، لہٰذا جب ایسا ہی ہو تو نماز سے رکی رہو اور جب دوسری صورت ہو تو وضو کر کے نماز پڑھا کرو، یہ ایک رگ کا خون ہوتا ہے۔''[2]

* اگر کوئی عورت بالغ ہوتے ہی استحاضے کے عارضے سے دوچار ہو (جس کی وجہ سے اسے اپنی عادت کا پتا نہیں چل سکا) یا بعد میں مستحاضہ بن گئی اور عادت یاد نہ رہی) اور کسی طرح کا کوئی امتیاز کرنے کے قابل نہ ہو تو اسے اپنے خاندان (اور علاقے) کی عورتوں کے معمول کا لحاظ کرنا ہوگا جیسا کہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«إِنَّمَا هٰذِهِ رَكْضَةٌ مِّنْ رَّكَضَاتِ الشَّيْطَانِ، فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةً فِي عِلْمِ اللهِ ثُمَّ اغْتَسِلِي، حَتّٰى إِذَا رَأَيْتِ أَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي أَرْبَعًا وَّعِشْرِينَ لَيْلَةً أَوْ ثَلَاثًا وَّعِشْرِينَ لَيْلَةً وَّأَيَّامَهَا وَصُومِي فَإِنَّ ذٰلِكَ يُجْزِئُكِ، وَكَذٰلِكَ فَافْعَلِي فِي كُلِّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ، وَكَمَا يَطْهُرْنَ بِمِيقَاتِ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ»

''یہ شیطان کی ٹھوکروں میں سے ایک ٹھوکر ہے، چنانچہ تم چھ یا سات دن اللہ کے علم کے مطابق حیض سمجھا کرو، پھر غسل کرو حتی کہ جب تم سمجھو کہ خوب پاک ہوگئی ہو تو چوبیس یا تئیس دن رات نماز پڑھتی رہو اور روزے بھی رکھو، تمھارے لیے یہی کافی ہے اور ہر مہینے اسی طرح کیا کرو جس طرح کہ عورتیں اپنے حیض کے دن گزارتی ہیں اور طہر کے دنوں میں پاک ہوتی ہیں۔''[3]

[1] صحيح مسلم، الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، حديث: 334، وسنن أبي داود، الطهارة، باب ماروي أن المستحاضة تغتسل لكل صلاة، حديث: 289، ومسند أحمد: 222/6 واللفظ له. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة، حديث: 286، وسنن النسائي، الطهارة، باب الفرق بين دم الحيض والاستحاضة، حديث: 216 و 362. [3] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة، حديث: 287، ومسند أحمد: 439/6.

استحاضہ والی خاتون کے لیے احکام: استحاضہ والی عورت کے لیے ان چیزوں میں سے کوئی چیز حرام نہیں ہے جو حیض والی خاتون کے لیے ہیں سوائے اس کے کہ اسے اپنی ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا پڑے گا جیسا کہ فاطمہ بنت ابوحبیش رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں قبل ازیں گزرا ہے اور اگر ہر نماز کے لیے غسل کر سکے تو یہ بھی مسنون ہے جیسا کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔[1]

[1] دیکھیے ''مستحاضہ کا غسل'' ص:156.

2

نماز کے احکام و مسائل

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ○

(البقرة 2:43)

اوقات نماز

نماز پنجگانہ کے اوقات: ① ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے لے کر ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہونے تک رہتا ہے۔ ② عصر کا وقت ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہونے سے لے کر سورج غروب ہونے تک ہے۔ ③ مغرب کا وقت سورج غروب ہونے سے لے کر شفق (افقِ مغرب کی سرخی) غروب ہونے تک ہے۔ ④ عشاء کا وقت شفق غروب ہونے سے لے کر آدھی رات تک ہے۔ ⑤ فجر کا وقت فجر صادق طلوع ہونے سے لے کر سورج طلوع ہونے تک ہے۔

اس کی دلیل جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل امین علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس نمازوں کے اوقات بتانے کے لیے آئے، چنانچہ جبرائیل آگے ہو گئے اور انھوں نے سورج ڈھلنے پر نماز ظہر پڑھائی جبکہ رسول اللہ ﷺ ان کے پیچھے تھے اور دیگر لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے۔ وہ پھر اس وقت آئے جب آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو گیا، تو وہی عمل کیا جو پہلے کیا تھا، یعنی جبرائیل آگے ہوئے، رسول اللہ ﷺ ان کے پیچھے اور دیگر لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور جبرائیل نے عصر کی نماز پڑھائی۔ جب سورج غروب ہو گیا تو جبرائیل پھر آئے اور آگے ہو گئے اور مغرب کی نماز پڑھائی جبکہ رسول اللہ ﷺ ان کے پیچھے اور دیگر لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ پھر جبرائیل اس وقت آئے جب شفق، یعنی افقِ مغرب کی سرخی غروب ہو گئی۔ اور آگے ہو گئے اور نماز عشاء پڑھائی جبکہ رسول اللہ ﷺ ان کے پیچھے اور دیگر لوگ آپ ﷺ کے پیچھے صف آرا ہوئے، جبرائیل پھر اس وقت آئے جب فجر (صادق) طلوع ہوئی تو جبرائیل آگے کھڑے ہوئے اور نماز فجر پڑھائی جبکہ رسول اللہ ﷺ ان کے پیچھے اور دیگر لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ اگلے دن جبرائیل پھر اس وقت آئے جب آدمی کا سایہ اس کے (قد کے) برابر ہو گیا تو پچھلے دن کا معمول دہرایا اور نماز ظہر پڑھائی، پھر جب آدمی کا سایہ دوگنا ہو گیا تو پچھلے دن کی طرح عصر کی نماز پڑھائی، پھر جبرائیل اس وقت آئے جب سورج غروب ہو گیا تو اسی طرح کیا جیسے گزشتہ روز کیا تھا۔ پھر ہم سو گئے اور جاگے، پھر سو گئے اور پھر

بیدار ہوئے تو جبرائیل پھر آ گئے اور وہی عمل دوبارہ کیا جو گزشتہ روز کیا تھا اور عشاء کی نماز پڑھائی۔ بعد ازاں جبرائیل اس وقت آئے جب فجر پھیل گئی اور سفیدی ہو گئی، اس وقت ستارے ابھی نمایاں تھے اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے پچھلے دن جیسا عمل پھر کیا اور فجر کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا: ان دو اوقات کے درمیان وقت ہے۔[1]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ، مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ، مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ، فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ»

''ظہر کا وقت اس وقت ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے جب تک کہ عصر (کا وقت) نہ ہو اور عصر کا وقت ہے جب تک کہ سورج زرد نہ ہو۔ اور مغرب کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غروب نہ ہو اور عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے اور فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر سورج طلوع ہونے تک ہے، چنانچہ جب سورج طلوع ہو تو نماز سے رک جاؤ کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔''[2]

''شفق'' سے مراد سورج کی وہ باقی ماندہ روشنی اور سرخی ہے جو رات کے آغاز میں تاریکی پھیلنے تک رہتی ہے۔ امام خلیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شفق'' کے معنی ہیں: سورج غروب ہونے کے بعد کی وہ سرخی جو عشاء تک رہتی ہے اور جب وہ ختم ہو جائے تو کہتے ہیں: «غَابَ الشَّفَقُ» ''شفق غائب ہو گئی۔'' اور فراء کہتے ہیں: میں نے بعض عرب کو یہ کہتے ہوئے سنا: «عَلَيْهِ ثَوْبٌ كَأَنَّهُ الشَّفَقُ، وَكَانَ أَحْمَرَ» ''اس پر ایسا کپڑا (پڑا) ہے جو گویا شفق ہے جبکہ وہ کپڑا سرخ ہوتا تھا۔''[3]

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في مواقيت الصلاة عن النبي ﷺ، حديث: 150، وسنن النسائي، المواقيت، باب آخر وقت العصر، حديث: 514، واللفظ له، ومسند أحمد: 3/330. امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے فرمایا: اوقات نماز کے سلسلے میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ترین ہے۔ [2] صحيح مسلم، المساجد، باب أوقات الصلوات الخمس، حديث: 612، وسنن أبي داود، الصلاة، باب في المواقيت، حديث: 396. [3] مختار الصحاح، ص: 271.

نماز ظہر اول وقت پڑھی جائے: مستحب یہ ہے کہ جب سخت گرمی نہ ہو تو ظہر کو اول وقت میں پڑھا جائے۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر اس وقت پڑھا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا۔[1]

سخت گرمی میں نماز قدرے ٹھنڈے وقت پڑھنا مستحب ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ»

''جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت پڑھو، بلاشبہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ میں سے ہے۔''[2]

عصر کی نماز اول وقت پڑھنا مستحب ہے: انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جبکہ سورج اونچا اور زندہ، یعنی خوب روشن اور چمک دار ہوتا تھا۔ کوئی جانے والا عوالی (مدینے کی بالائی آبادیوں) کی جانب جاتا اور اپنی منزل پر پہنچ جاتا تھا جبکہ سورج ابھی اونچا ہوتا تھا۔[3]

نمازِ عصر تاخیر سے پڑھنے والا منافق ہے: انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ، يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا، لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا»

''یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے حتی کہ جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آ جاتا ہے تو اٹھ کر نماز کے چار ٹھونگیں مار دیتا ہے جن میں وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔''[4]

نماز عصر فوت ہونے کا گناہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَمَالُهُ»

''جس آدمی کی نماز عصر فوت (ضائع) ہو جائے (وہ ایسا ہے) گویا اس کا گھر بار اور مال سب کچھ چھین لیا گیا۔''[5]

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب تقديم الظهر في أول الوقت......، حديث: 618، وسنن أبي داود، الصلاة، باب قدر القراءة في صلاة الظهر والعصر، حديث: 806، ومسند أحمد: 106:5. [2] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب الإبراد بالظهر في شدة الحر، حديث: 534,533، وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الإبراد بالظهر......، حديث: 616. [3] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب وقت العصر، حديث: 550، وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب التبكير بالعصر، حديث 621. [4] صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب التبكير بالعصر، حديث: 622، وسنن أبي داود، الصلاة، باب وقت العصر، حديث: 413، ومسند أحمد: 149/3. [5] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب إثم من ◄◄

اور جناب ابوملیح سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوے میں بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، دن ابر آلود تھا، انھوں نے کہا کہ نماز عصر (وقت پر) جلدی پڑھ لو کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ»

''جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی، اس کے عمل ضائع ہو گئے۔'' [1]

صلاۃ وسطیٰ (نماز عصر) کی اہمیت: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○﴾

''اور تم سب نمازوں اور خاص طور پر درمیان والی نماز کی حفاظت کرو اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہو۔'' [2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (خندق کے دن) مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو نماز عصر پڑھنے کا موقع نہ دیا حتی کہ سورج سرخ یا زرد ہو گیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ، مَلَأَ اللهُ أَجْوَافَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا» أَوْ [قَالَ]: «حَشَا اللهُ أَجْوَافَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا»

''ان لوگوں نے ہمیں وسطیٰ نماز، یعنی نماز عصر پڑھنے سے مشغول رکھا (اور اسے پڑھنے کا موقع نہ دیا)، اللہ ان کے پیٹوں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔'' [3]

نماز مغرب میں جلدی مستحب اور تاخیر ناپسندیدہ ہے: سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَتَوَارَتْ بِالْحِجَابِ»

''رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے جب سورج غروب ہو جاتا اور پردے میں چھپ جاتا۔'' [4]

اور جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب من ترك العصر، حديث: 553. [2] البقرة 2:238. [3] صحيح مسلم، المساجد، باب الدليل لمن قال: الصلاة الوسطى هي صلاة العصر، حديث: 628، ومسند أحمد: 404/1. [4] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب وقت المغرب، حديث: 561، وصحيح مسلم، المساجد، باب بيان أن أول وقت المغرب عند غروب الشمس، حديث: 636 واللفظ له.

[1] 626. [note: the first footnote continues:] صحيح مسلم، المساجد، باب التغليظ في تفويت صلاة العصر، حديث: 626، وفاتته العصر، حديث: 552

«لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ، أَوْ قَالَ: عَلَى الْفِطْرَةِ، مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ إِلٰى أَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُومُ»

''میری امت اس وقت تک خیر (یا فرمایا: فطرت) پر رہے گی جب تک کہ نماز مغرب میں ستارے نکل آنے اور ان کا جمگھٹا ہونے تک دیر نہیں کرے گی۔''[1]

مشقت نہ ہو تو نمازِ عشاء تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک رات نماز عشاء میں بہت تاخیر کر دی حتی کہ کافی رات گزر گئی اور مسجد والے سو گئے، پھر آپ تشریف لائے اور نماز پڑھائی، پھر فرمایا: «إِنَّهُ لَوَقْتُهَا، لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي»

''اگر میری امت کے لیے مشقت نہ ہو تو یہی اس کا وقت ہے۔''[2]

اسی طرح انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک بار) نبی ﷺ نے عشاء کی نماز آدھی رات تک مؤخر کر دی، پھر نماز پڑھائی اور فرمایا: «قَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوا، أَمَا إِنَّكُمْ فِي صَلَاةٍ مَّا انْتَظَرْتُمُوهَا»

''لوگ نماز پڑھ چکے اور سو گئے مگر تم جب سے اس کے انتظار میں ہو، نماز ہی میں ہو۔''

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (مجھے اب بھی یوں محسوس ہوتا ہے) گویا میں اس رات میں آپ کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔[3]

نماز عشاء سے پہلے سونا اور اس کے بعد کسی مصلحت کے بغیر قصے کہانیوں میں مشغول ہونا مکروہ ہے:

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

«...... وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ مِنَ الْعِشَاءِ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا»

''نبی ﷺ نماز عشاء دیر سے پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ یہ وہی نماز ہے جسے تم لوگ اندھیرے کی نماز کہتے ہو اور آپ اس سے پہلے سونے اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔''[4]

[1] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب وقت المغرب، حديث: 418، ومسند أحمد: 4/147. [2] صحيح مسلم، المساجد، باب وقت العشاء وتأخيرها، حديث: 638. [3] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب وقت العشاء إلى نصف الليل، حديث: 572، وصحيح مسلم، المساجد، باب وقت العشاء و تأخيرها، حديث: 640. [4] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب وقت العصر، حديث: 547، وسنن النسائي، المواقيت، باب كراهية النوم بعد صلاة المغرب، حديث: 526.

اورعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کے بعد قصے کہانیوں میں مشغول ہونا معیوب قرار دیا ہے۔[1]

عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ (بعض اوقات) رات گئے تک ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں گفتگو میں مصروف رہتے تھے، یہ گفتگو مسلمانوں کے معاملات پر ہوتی تھی۔ اس موقع پر میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا تھا۔[2]

فجر کی نماز منہ اندھیرے پڑھنا مستحب ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اہل ایمان خواتین اپنی چادریں لپیٹے ہوئے نبی ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز میں شامل ہوا کرتی تھیں، نماز کے بعد جب وہ اپنے گھروں کو لوٹتیں تو فجر کے اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔[3]

جس شخص کو نماز کا کچھ حصہ اس کے اپنے وقت میں مل جائے وہ اسے مکمل کرے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْعَصْرِ سَجْدَةً قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ، أَوْ مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا»

”جس نے عصر کی نماز کا ایک سجدہ بھی سورج غروب ہونے سے پہلے پالیا، یا سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی نماز کا ایک سجدہ پالیا تو اس نے نماز کو پالیا۔“[4]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ»

”جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے نماز فجر کی ایک رکعت پالی، اس نے نماز فجر پالی اور جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی، اس نے عصر کی نماز پالی۔“[5]

---

[1] [صحيح] سنن ابن ماجه، الصلاة، باب النهي عن النوم قبل صلاة العشاء......، حديث: 703، ومسند أحمد: 410/1.
[2] [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في الرخصة في السمر بعد العشاء، حديث: 169، ومسندأحمد: 261و34، والسلسلة الصحيحة: 655/6، حديث: 2781. [3] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر، حديث: 578، وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها......، حديث: 645. [4] صحيح مسلم، المساجد، باب من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك تلك الصلاة، حديث: 609، ومسند أحمد: 78/6. [5] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب من أدرك من الفجر ركعة، حديث: 579، وصحيح مسلم، المساجد، باب من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك تلك الصلاة، حديث: 608 واللفظ له.

اور یہ حکم سب نمازوں کے لیے عام ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»

''جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے نماز پالی۔''[1]

تارک نماز کافر ہے: تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص نماز کا انکاری ہو کر اسے چھوڑے، وہ کافر ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے لیکن جو شخص نماز پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کی فرضیت کو تسلیم کرتے ہوئے سستی، غفلت یا کسی مشغولیت کی وجہ سے اسے چھوڑتا ہے تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ وہ احادیث ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تارک نماز کو قطع نظر اس سے کہ اس نے دیدہ دانستہ انکار کرتے ہوئے نماز چھوڑی ہو یا غفلت و سستی کی وجہ سے چھوڑی ہو، بلاامتیاز کافر فرمایا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»

''آدمی اور کفر کے درمیان ملانے والی چیز ترکِ نماز ہے۔''[2]

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»

''ہمارے اور ان (اظہارِ اسلام کرنے والوں) کے مابین جو عہد ہے، وہ نماز ہے، جس نے اسے ترک کر دیا تو بلاشبہ اس نے کفر کیا۔''[3]

تاہم علماء کے مختلف اقوال میں سے راجح یہی ہے کہ ان احادیث میں کفر سے مراد وہ کفر ہے جو ایسے آدمی کو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا۔ اس مسئلے کے سلسلے میں تمام حدیثوں کے جمع و تطبیق کی یہی صورت ہے۔ ان احادیث میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

ابن مُحَیرِیز سے روایت ہے کہ بنوکنانہ کے آدمی نے، جس کا نام مُخْدَجی تھا، شام میں ابومحمد نامی ایک آدمی سے سنا جو کہتا تھا کہ وتر واجب ہے۔ مخدجی کہتا ہے کہ اس کے بعد میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور انھیں یہ بات بتائی، انھوں نے کہا: ابومحمد نے غلط کہا ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

---

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصلاه، باب من أدرك من الصلاة ركعة، حديث: 580، وصحيح مسلم، المساجد، باب من أدرك ركعة من الصلاة فقدأدرك تلك الصلاة، حديث: 607. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، حديث: 82، وسنن أبي داود، السنة، باب في رد الإرجاء ، حديث: 4678 واللفظ له، وجامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، حديث: 2620، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيمن ترك الصلاة، حديث: 1078، ومسند أحمد: 370/3. [3] جامع الترمذي، حديث: 2621 سنن ابن ماجه، حديث: 1079، و مسند أحمد: 346/5.

«خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللهُ عَلَى الْعِبَادِ، فَمَنْ جَاءَ بِهِنَّ لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ كَانَ لَهُ عِنْدَ اللهِ عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَّمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ»

''پانچ نمازیں ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض فرمائی ہیں، جس نے انھیں ادا کیا اور ان کا حق خفیف جانے بغیر اور ان کے حق کا استخفاف کیے بغیر ان میں سے کسی کو ضائع نہ کیا تو اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور جس نے انھیں ادا نہ کیا تو اس کے لیے اللہ کے ہاں کوئی وعدہ نہیں، چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو جنت میں داخل فرما دے۔''[1]

تو جب رسول اللہ ﷺ نے نمازوں میں تقصیر کرنے والے کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کا چھوڑنا کفر اور شرک سے کم تر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾

''بے شک اللہ (یہ گناہ) نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔''[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ الْمَكْتُوبَةُ، فَإِنْ أَتَمَّهَا وَإِلَّا قِيلَ: أَنْظُرُوا هَلْ لَهُ مِنْ تَطَوُّعٍ؟ فَإِنْ كَانَ لَهُ تَطَوُّعٌ أُكْمِلَتِ الْفَرِيضَةُ مِنْ تَطَوُّعِهِ، ثُمَّ يُفْعَلُ بِسَائِرِ الْأَعْمَالِ الْمَفْرُوضَةِ مِثْلُ ذٰلِكَ»

''قیامت کے دن مسلمان بندے سے سب سے پہلے فرض نماز کے متعلق حساب ہوگا۔ اگر اس نے ان کو مکمل کیا ہوا ہوگا تو بہتر ورنہ کہا جائے گا: دیکھو کیا اس کے کچھ نوافل بھی ہیں؟ اگر اس کے کچھ نوافل ہوئے تو ان سے اس کے فرضوں کو پورا کر دیا جائے گا، پھر باقی فرض اعمال میں بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔''[3]

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الوتر، باب فيمن لم يوتر، حديث: 1420، و مسند أحمد: 316,315/5. [2] النسآء: 48:4.

[3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب قول النبي ﷺ كل صلاة لا يتمها صاحبها تتم من تطوعه، حديث: 864، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة الصلاة، حديث: 413، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في أول ما يحاسب به العبد الصلاة، حديث: 1425 واللفظ له، ومسند أحمد: 425/2.

«مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ عِيسٰى عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ»

''جو شخص یہ گواہی دیتا رہا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی طرف سے روح ہیں، جنت اور دوزخ حق ہے، اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو جنت میں داخل فرما دے گا، عمل اس کے خواہ کیسے ہی ہوئے!''[1]

بچے کو بھی نماز کا پابند بنایا جائے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ»

''تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سوئے ہوئے سے حتی کہ جاگ جائے، بچے سے حتی کہ بالغ ہو جائے اور مجنون سے حتی کہ عقل مند ہو جائے۔''[2]

لیکن بچے کے سرپرست پر واجب ہے کہ وہ اسے نماز کی تلقین کرتا رہے تاکہ وہ نماز کا خوب عادی ہو جائے اگرچہ فی الحال اس پر نماز واجب نہیں ہے۔ عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ، وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالى: ﴿يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾، حديث: 3435، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا، حديث: 28، و مسند أحمد: 314,313/5. بعض دیگر علماء نے کہا ہے کہ نماز کی فرضیت کا انکار کیے بغیر بھی تارک نماز کی دو قسمیں ہیں: ① بالکلیہ تارک نماز۔ ② بعض نمازوں کو چھوڑنے والا۔ تو جو بالکلیہ تارکِ صلاۃ ہے، وہ کافر اور ملت سے خارج ہے اور جو بعض نمازیں چھوڑتا ہے اور بعض پڑھتا ہے، اسے مذکورہ بالا و دیگر حدیثوں کی رو سے کافر خارج عن الملۃ نہیں کہا جا سکتا۔ دیکھیے: فتاوی الدین الخالص: 62/3. (عبد الولی) [2] [صحيح] سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا، حديث: 4398، وسنن النسائي، الطلاق، باب من لا يقع طلاقه من الأزواج، حديث: 3462، وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه والصغير و النائم، حديث: 2041، ومسند أحمد: 101,100/6 واللفظ له.

''اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو (نہ پڑھنے پر) انھیں مارو اور انھیں بستروں میں ایک دوسرے سے الگ کر دو۔'' [1]

جو شخص سویا رہ جائے یا بھول جائے تو اس کے لیے نماز کا وہی وقت ہے جب وہ جاگے یا اسے یاد آئے:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا ، فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا»

''جو شخص نماز بھول گیا یا سویا رہ گیا تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب یاد آئے (یا بیدار ہو) اسے پڑھ لے۔'' [2]

عمداً چھوڑی ہوئی نماز کی وقت گزرنے کے بعد قضا کا بیان:

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«وَأَمَّا مَنْ تَعَمَّدَ تَرْكَ الصَّلَاةِ حَتَّى خَرَجَ وَقْتُهَا، فَهٰذَا لَا يَقْدِرُ عَلَى قَضَائِهَا أَبَدًا، فَلْيُكْثِرْ مِنْ فِعْلِ الْخَيْرَاتِ وَصَلَاةِ التَّطَوُّعِ لِيَثْقُلَ مِيزَانُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلْيَتُبْ وَلْيَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ»

''جس نے جانے بوجھے نماز چھوڑی ہوحتی کہ اس کا وقت نکل گیا ہو، تو ایسا شخص اس نماز کی کبھی قضا نہیں دے سکتا۔ (جس سے یہ سنگین قصور ہوا ہو) اسے چاہیے کہ نیکی کے کام بہت زیادہ کرے اور نفل بہت زیادہ پڑھے تاکہ قیامت کے دن اس کا ترازو بھاری ہو جائے، نیز ایسا شخص توبہ کرے اور اللہ عزوجل سے بہت استغفار کیا کرے۔'' [3]

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہر فرض نماز کا ابتدائی و انتہائی وقت مقرر فرمایا ہے۔ اب نماز ان محدود اوقات ہی میں پڑھی جا سکتی ہے، آگے پیچھے نہیں۔ اگر کوئی شخص وقت سے پہلے پڑھے یا وقت نکلنے کے بعد پڑھے، اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا، دونوں صورتوں میں نماز باطل ہوگی کیونکہ ہر دو صورتوں میں اس نے اسے بے وقت ہی پڑھا ہے۔

نیز فرماتے ہیں: قضا دینا ایک شرعی امر کا لازم کرنا ہے اور شریعت کا حکم دینا اللہ عزوجل کے علاوہ کسی اور کا کام نہیں جو وہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بیان فرماتا ہے۔ اگر ایسے آدمی کے لیے، جس نے عمداً نماز چھوڑی ہوحتی کہ اس کا وقت نکل گیا، قضا دینی واجب تھی تو اس کے بیان سے نہ اللہ عزوجل غافل رہتا اور نہ اس کا رسول۔ اللہ

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، حديث: 495، ومسند أحمد: 187/2. [2] صحيح مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها، حديث: 684. [3] المحلّى: 235/2.

اور رسول ﷺ اس کے بیان سے نہ بھولے ہیں اور نہ عمداً اس کا بیان چھوڑ کر ہمیں مشقت میں ڈالا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴾ ”اور تیرا رب کوئی بھولنے والا نہیں ہے۔“ [1]

قاضی سیاغی نے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اور مقبلی رحمہ اللہ کی تردید کرنے کی کوشش کی ہے مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ [2] واللہ أعلم.

کافر مسلمان ہو جائے تو اس پر نمازوں کی قضا نہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا ہم سے اس کا بھی مؤاخذہ ہوگا جو کچھ ہم جاہلیت کے زمانے میں کر چکے ہیں؟ فرمایا:

«أَمَّا مَنْ أَحْسَنَ مِنْكُمْ فِي الْإِسْلَامِ فَلَا يُؤَاخَذُ بِهَا وَمَنْ أَسَاءَ أُخِذَ بِعَمَلِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ»

”تم میں سے جو مسلمان ہونے کے بعد بہترین عمل کرے گا، اس سے ان کا مؤاخذہ نہیں ہوگا اور جو غلط اور برے عمل کرے، اس سے اس کے اسلام اور جاہلیت کے تمام اعمال کا مؤاخذہ ہوگا۔“ [3]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو! أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟ وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟»

”اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام سابقہ (دور جاہلیت کے) تمام (برے) اعمال کو ختم کر دیتا ہے اور ہجرت، اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہو، اسے ختم کر دیتی ہے اور حج، اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہو، اسے ختم کر دیتا ہے (برے اعمال کالعدم ہو جاتے ہیں)۔“ [4]

نماز پنجگانہ کی اہمیت و فضیلت: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ پر معراج کی رات پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر ان میں کمی کی گئی اور پانچ رہ گئیں، پھر آواز دی گئی: ”اے محمد! میرے ہاں بات تبدیل نہیں ہوتی، آپ کے لیے ان پانچ کے بدلے پچاس ہی ہیں۔“ [5]

---

[1] مريم 19:64. [2] المحلی لابن حزم: 2/235و238. [2] الروض النضير: 2/264-268. [3] صحيح مسلم، الإيمان، باب هل يؤاخذ بأعمال الجاهلية؟ حديث: 120. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله وكذا الهجرة والحج، حديث: 121. [5] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب المعراج، حديث: 3887، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله إلى السموات وفرض الصلوات، حديث 164، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء: كم فرض الله على عباده من الصلوات؟ حديث: 213، واللفظ له.

جناب طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اہل نجد سے ایک آدمی آیا، اس کا سر پراگندہ تھا۔ (ہمیں) اس کی گنگناہٹ سی سنائی دے رہی تھی، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے حتی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوا تو (معلوم ہوا کہ) وہ اسلام کے بارے میں پوچھ رہا تھا، آپ نے فرمایا:

«خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ: «لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ ......»

''پانچ نمازیں ہیں ایک دن رات میں۔'' اس نے پوچھا: کیا مجھ پر ان کے علاوہ بھی کچھ (نمازیں فرض) ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، سوائے اس کے کہ تو نفل ادا کرے......۔'' [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

''اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' [2]

اوقات کراہت، جن میں نماز پڑھنا منع ہے، پانچ ہیں: * نماز فجر کے بعد حتی کہ سورج طلوع ہو جائے۔ * سورج طلوع ہونے کے وقت حتیٰ کہ وہ بلند ہو جائے۔ * عین دوپہر (زوال) کے وقت۔ * عصر کے بعد حتی کہ سورج غروب ہو جائے۔ * سورج غروب ہونے کے وقت۔

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَنْهَانَا أَنْ نُّصَلِّيَ فِيهِنَّ، أَوْ أَنْ نَّقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا: حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ، وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتّٰى تَمِيلَ الشَّمْسُ، وَحِينَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوبِ حَتّٰى تَغْرُبَ»

''تین اوقات میں رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھنے اور میت دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے: جب

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب الزكاة من الإسلام، حديث: 46، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الصلوات التي هي أحد أركان الإسلام، حديث: 11، وسنن أبي داود، الصلاة، باب فرض الصلاة، حديث: 391، واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم......، حديث: 8، وصحيح مسلم، الإيمان، باب، بيان أركان الإسلام ودعائمه العظام، حديث: 16.

سورج طلوع ہو رہا ہو حتی کہ بلند ہو جائے اور جب عین دو پہر (زوال) کا وقت ہو حتی کہ سورج ڈھل جائے اور جب سورج غروب ہونے لگے حتیٰ کہ غروب ہو جائے۔'' [1]

درج ذیل حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان اوقات میں نماز کی ممانعت کی وجہ واضح فرما دی ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! مجھے ایسی کچھ باتیں بتائیے جن کی اللہ عزوجل نے آپ کو تعلیم فرمائی ہے اور میں ان سے بے خبر ہوں، مجھے نماز کے بارے میں بتائیے۔ آپ نے فرمایا:

«صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَتّٰى تَرْتَفِعَ، فَإِنَّهَا تَطْلُعُ حِينَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ، ثُمَّ صَلِّ، فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ، حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ، فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ، فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ، حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ، ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، وَحِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ»

''صبح کی نماز پڑھ، پھر رک جا حتی کہ سورج طلوع ہو کر بلند ہو جائے، بلاشبہ یہ اس وقت شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے اور اسی وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں، پھر نماز پڑھ، بلاشبہ نماز کو فرشتے حاضر ہوتے ہیں حتی کہ نیزے کا سایہ رک جائے (عین دو پہر ہو جائے) تو تو نماز سے رک جا، بلاشبہ اس وقت جہنم (کی آگ) بھڑکائی جاتی ہے۔ اور جب سایہ ڈھل جائے تو نماز پڑھ، بلاشبہ نماز کو فرشتے حاضر ہوتے ہیں حتی کہ تو عصر پڑھ لے تو نماز سے رک جا حتی کہ سورج غروب ہو جائے، بلاشبہ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔'' [2]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيبَ الشَّمْسُ»

''نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہیں حتی کہ سورج بلند ہو جائے اور نماز عصر کے بعد کوئی نماز نہیں حتی کہ سورج

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، حديث:831، ومسند أحمد: 152/4. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب إسلام عمرو بن عبسة، حديث:832.

غروب ہو جائے۔"[1]

ممانعت اسی نماز کے لیے ہے جو کسی سبب کے بغیر نفلی نوعیت کی ہو کیونکہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عصر کے بعد دو رکعتیں ادا فرمائیں تو میں نے ان رکعتوں کے بارے میں آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«يَا ابْنَةَ أَبِي أُمَيَّةَ! سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَإِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُونِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، فَهُمَا هَاتَانِ»

"اے ابو امیہ کی بیٹی! تم نے عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میرے پاس قبیلہ عبدالقیس کے لوگ آ گئے تھے اور انھوں نے مجھے ظہر کے بعد (گفت و شنید میں) مصروف رکھا اور میں دو رکعتیں ادا نہ کر سکا، چنانچہ یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔"[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے وقت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

«يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ». قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُورًا فِي سَاعَةِ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا صَلَّيْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ.

"اے بلال! اپنا وہ عمل بتاؤ جو تم نے اسلام لانے کے بعد کیا ہے اور تمھارے نزدیک سب سے زیادہ قابل امید ہے (کہ وہ قبول ہوگا)، بلاشبہ میں نے جنت میں اپنے آگے آگے تمھارے جوتوں کی آہٹ سنی ہے۔" انھوں نے عرض کی: میں نے تو کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو میرے نزدیک بہت زیادہ قابل امید ہو سوائے اس کے کہ میں نے رات یا دن میں جب بھی کسی وقت وضو کیا ہے تو میں نے اس وضو سے جس قدر توفیق ہوئی، نماز پڑھی ہے۔"[3]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب لا تتحرى الصلاة قبل غروب الشمس، حديث: 586، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، حديث: 827. [2] صحيح البخاري، السهو، باب إذا كُلّم وهو يصلي فأشار بيده واستمع، حديث: 1233، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب معرفة الركعتين اللتين كان يصليهما النبي ﷺ بعد العصر، حديث: 834. [3] صحيح البخاري، التهجد، باب فضل الطهور بالليل والنهار......، حديث: 1149، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل بلال ﷺ، حديث: 2458.

«مَنْ نَسِيَ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا ، فَكَفَّارَتُهَا أَنْ يُصَلِّيَهَا إِذَا ذَكَرَهَا»

''جو کوئی نماز بھول گیا ہو یا سویا رہا ہو تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب اسے یاد آئے (یا بیدار ہو) تو پڑھ لے۔''[1]

ابو قتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ»

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے۔''[2]

چنانچہ ان مذکورہ دلائل سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ان پانچوں اوقات میں کسی سبب کے بغیر عام نفل نماز منع ہے۔ ہاں! اگر کوئی مشروع سبب ہو تو جائز ہے۔

جب فرضوں کی اقامت ہوجائے تو سنتیں اور نفل منع ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ»

''جب نماز کی اقامت ہوجائے تو فرضوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔''[3]

حمام میں نماز درست نہیں: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْحَمَّامَ وَالْمَقْبَرَةَ»

''زمین ساری کی ساری سجدہ گاہ ہے سوائے حمام اور مقبرہ کے۔''[4]

قبر پر یا اس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے: ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تُصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ، وَلَا تَجْلِسُوا عَلَيْهَا»

''قبروں کی طرف منہ کر کے نماز مت پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔''[5]

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها، حديث: 684. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب إذا دخل المسجد فليركع ركعتين، حديث: 444، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد بركعتين......، حديث: 714. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن في إقامة الصلاة......، حديث: 710. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب في المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة، حديث: 492، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام، حديث: 317، وسنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب المواضع التي تكره فيها الصلاة، حديث: 745. [5] صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، حديث :972، وسنن النسائي، القبلة، باب النهي عن الصلاة إلى القبر، حديث :761.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى، اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

"اللہ یہود و نصاریٰ کو ہلاک کرے، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔" [1]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى، اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

"اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔" [2]

ایسے لباس میں نماز مکروہ ہے جو انسان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے والا ہو: مزید برآں نقش و نگار اور تصویروں والی جگہ پر بھی نماز نہیں پڑھنی چاہیے، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو اس وقت آپ نے سیاہ رنگ کی نقش دار اونی چادر اوڑھی ہوئی تھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

«اِذْهَبُوا بِهٰذِهِ الْخَمِيصَةِ إِلٰى أَبِي جَهْمِ بْنِ حُذَيْفَةَ، وَائْتُونِي بِأَنْبِجَانِيِّهِ، فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا فِي صَلَاتِي»

"یہ نقش دار چادر ابو جہم بن حذیفہ کے پاس لے جاؤ اور میرے لیے ان کی (صاف) انجانی چادر لے کر آؤ، اس نے تو مجھے میری اس نماز میں (اپنی طرف) مشغول کیے رکھا ہے۔" [3]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک منقش چادر تھی جسے انھوں نے اپنے گھر میں ایک جانب پردے کے طور پر لٹکا رکھا تھا۔ اسے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا، فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ لِي فِي صَلَاتِي»

"اسے دور ہٹا دو، اس کی تصویریں میری نماز میں میرے سامنے آتی رہی ہیں۔" [4]

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب: 55، حديث: 437، وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور......، حديث: 530، ومسند أحمد: 454/2، واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، حديث: 1330، وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور......، حديث: 529. [3] صحيح البخاري، الصلاة، باب إذا صلى في ثوب له أعلام......، حديث: 373، وصحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الصلاة في ثوب له أعلام، حديث: 556 واللفظ له. [4] صحيح البخاري، الصلاة، باب إن صلى في ثوب مصلّب أو تصاوير هل تفسد صلاته......؟ حديث: 374و5959.

اونٹوں کے باڑے میں نماز ممنوع ہے: براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

«لَا تُصَلُّوا فِي مَبَارِكِ الْإِبِلِ فَإِنَّهَا مِنَ الشَّيَاطِينِ»، وَسُئِلَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، فَقَالَ: «صَلُّوا فِيهَا فَإِنَّهَا بَرَكَةٌ»

''اونٹوں کے باڑوں میں نماز نہ پڑھو، بلاشبہ وہ شیطانوں میں سے ہیں۔'' اور جب آپ سے بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''تم ان میں نماز پڑھ سکتے ہو۔ بلاشبہ یہ برکت والی ہیں۔'' [1]

امام کے علاوہ کسی آدمی کا مسجد میں نماز کے لیے اپنی جگہ مخصوص کرنا مکروہ ہے: عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ، وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَأَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيرُ»

''رسول اللہ ﷺ نے نماز میں کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے یا درندے کی طرح بازو بچھانے سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے روکا ہے کہ (امام کے علاوہ) کوئی شخص اپنے لیے اسی طرح کوئی جگہ خاص کر لے جس طرح اونٹ کر لیتا ہے۔'' [2]

علامہ جمال الدین قاسمی لکھتے ہیں: باجماعت نماز کا اہتمام کرنے والے بعض لوگ اپنے لیے مسجد میں کوئی جگہ مخصوص کر لیتے ہیں، مثلاً: کوئی کونہ یا امام کے پیچھے یا منبر کی ایک جانب، یا اس کے سامنے یا دائیں بائیں دیوار کے ساتھ، یا پیچھے چبوترے وغیرہ پر کہ انھیں وہیں نماز پڑھنے میں لذت آتی ہے۔ اگر کبھی کوئی اور اس جگہ اس سے پہلے آ بیٹھے تو اسے وہاں سے اٹھنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ تو میری جگہ ہے، یا دوسری جگہ چلا جاتا ہے لیکن بڑے غصے سے، یا لَاحَوْلَ اور إِنَّا لِلّٰهِ پڑھتے ہوئے۔ اور وہ بیٹھنے والے سے یہ بھی کہتا ہے کہ اس جگہ تو میں اتنے

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء من لحوم الإبل، حديث: 184و493، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الوضوء من لحوم الإبل، حديث:81 مختصرًا، وسنن ابن ماجه، حديث:494مختصرًا. [2] [حسن لغيره] سنن أبي داود، الصلاة، باب صلاة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود، حديث: 862، وسنن النسائي، التطبيق، باب النهي عن نقرة الغراب، حديث: 1113، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في توطين المكان في المسجد يصلّى فيه، حديث:1429.

برسوں سے بیٹھ رہا ہوں اور کبھی اس نئے آدمی کو وہاں سے اٹھانے کے لیے وہ اپنے جیسے جاہل عبادت گزاروں کی مدد بھی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

الغرض اس قسم کی جہالتوں کا اظہار اکثر مساجد میں ہوتا رہتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ مسجد میں عبادت کے لیے کوئی جگہ خاص کر لینا اور اسے ہی پسند رکھنا اکثر حالتوں میں جہالت یا ریاء کی بنا پر ہوتا ہے، یعنی یہ کہ لوگ کہیں کہ فلاں تو بس اسی جگہ نماز پڑھتا ہے یا وہ ہمیشہ صف اول ہی میں ہوتا ہے۔ تو یہ سب صورتیں اس کے عمل کو ضائع کرنے کا باعث ہو سکتی ہیں۔ اس سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ خیر اگر اس شخص نے ان سب باتوں کا ارادہ نہ بھی کیا ہو تب بھی کم از کم اتنا تو ضرور ہے کہ اس جگہ کے ساتھ زیادہ محبت و حرص ہونے کی وجہ سے اپنی عبادت میں اسے وہ خاص لطف و لذت نہیں ملتی، جیسے وہ اس مسجد میں صرف اسی جگہ کی خاطر آتا ہو، حالانکہ شریعت میں اس سے منع فرمایا گیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں گزرا جو حسن درجے کی ہے......الخ۔[1]

اذان اور اقامت

اذان کا شرعی حکم: اذان کے بارے میں شریعت کا حکم یہی ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ کسی شہر یا بستی والوں کے لیے کسی صورت جائز نہیں کہ وہ اذان اور اقامت چھوڑ دیں۔

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس بیس راتوں تک ٹھہرے۔ آپ انتہائی رحم دل اور مہربان تھے۔ جب آپ نے محسوس فرمایا کہ ہم اپنے اپنے اہل و عیال میں لوٹ جانے کے شائق ہیں تو آپ نے فرمایا:

«اِرْجِعُوا، فَكُونُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَصَلُّوا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ»

’’واپس جاؤ اور انھی میں رہو اور انھیں تعلیم دو اور نماز کی پابندی کرو۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی اذان کہے اور تمھارا بڑا تمھاری امامت کرائے۔‘‘[2]

[1] إصلاح المساجد، ص: 185. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب من قال: ليؤذن في السفر مؤذن واحد، حديث: 628، وصحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة؟ حديث: 674.

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ساتھ لے کر جب کسی قوم پر حملہ کرنا چاہتے تو انتظار فرماتے حتی کہ صبح ہو جاتی، پھر یہ دیکھتے کہ کیا اذان ہو رہی ہے؟ اگر اذان سنائی دیتی تو رک جاتے ورنہ حملہ کر دیتے۔[1]

اذان کی فضیلت: معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمُؤَذِّنُونَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''مؤذن لوگ قیامت والے دن سب سے لمبی گردنوں والے ہوں گے۔''[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْإِمَامُ ضَامِنٌ وَّالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، اَللّٰهُمَّ! أَرْشِدِ الْأَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ»

''امام ضامن اور ذمہ دار ہے اور مؤذن امین بنایا گیا ہے، اے اللہ! اماموں کو رشد و ہدایت پر رکھ اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔''[3]

عبدالرحمٰن بن عبداللہ ابن ابوصَعْصَعَہ انصاری نے اپنے والد سے روایت کیا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو بکریاں اور صحرا (بادیہ) پسند ہیں، چنانچہ جب آپ اپنی بکریوں میں یا اپنے جنگل میں ہوا کریں تو نماز کے لیے اذان کہیں اور اذان میں اپنی آواز بلند رکھیں اس لیے:

«لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا إِنْسٌ وَّلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''بلاشبہ جہاں تک مؤذن کی آواز کوئی جن یا انسان یا کوئی اور شے سنتی ہے تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن گواہی دے گی۔'' ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔[4]

اذان کا پس منظر اور طریقہ: عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بنانے کا کہا تاکہ اسے بجا کر لوگوں کو نماز کے لیے جمع کیا جا سکے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ناقوس اٹھائے میرے پاس سے گزر رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا تو ناقوس بیچنا چاہتا ہے؟ اس نے پوچھا: تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ذریعے سے لوگوں کو نماز کے لیے بلائیں گے تو اس نے کہا: کیا میں تمھیں وہ طریقہ نہ بتا دوں جو اس سے بہتر ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! تو اس نے کہا: تم کہو:

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب مايحقن بالأذان من الدماء، حديث: 610. [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، حديث: 387، ومسند أحمد: 95/4. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب مايجب على المؤذن من تعاهد الوقت، حديث: 517، ومسند أحمد: 232/2. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب رفع الصوت بالنداء، حديث: 609، ومسند أحمد: 35/3و43.

«اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ. أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ. حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ. حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ. اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ. لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ»

پھر وہ مجھ سے تھوڑا دور پیچھے ہٹا اور بولا کہ جب تم نماز کے لیے اقامت کہو تو یوں کہو:

«اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ. أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ. حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ. قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ. اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ»

جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو میں نے دیکھا تھا، وہ آپ کو بتا دیا۔ آپ نے فرمایا:

''بلاشبہ ان شاء اللہ یہ سچا خواب ہے۔ تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور جو تم نے دیکھا ہے، اسے بتاتے جاؤ تا کہ وہ انھی الفاظ سے اذان کہے کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہے۔''

چنانچہ میں بلال کے ساتھ کھڑا ہو کر انھیں بتاتا گیا اور وہ اذان کہتے گئے۔ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ ندا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں سنی تو وہ بھی اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آ گئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے بھی اسی طرح دیکھا جو انھوں نے دیکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔''[1]

ہر دو اللہ اکبر کو ایک ہی سانس میں پڑھنا: مؤذن کے لیے ہر دو اَللّٰهُ أَكْبَر کو ایک ہی سانس میں پڑھنا مستحب ہے، سننے والا بھی اسی طرح جواب دے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ أَحَدُكُمْ: اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، فَإِذَا قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَإِذَا قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ

[1] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان؟ حديث:499، ومسند أحمد:43،42/4، وانظر أيضًا إرواء الغليل: 265،264/1.

إِلَّا بِاللهِ، ثُمَّ قَالَ: اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، قَالَ: اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، ثُمَّ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ»

''جب مؤذن اَللّٰه أكبر الله أكبر کہے تو سننے والا بھی کہے: اَللّٰهُ أَكْبَرُ الله أكبر، پھر جب وہ کہے: أَشْهَدُ أن لا إله إلا الله تو یہ کہے: أشهد أن لا إله إلا الله، پھر جب وہ کہے: أشهد أن محمدًا رسول الله تو یہ کہے: أشهد أن محمدًا رسول الله، پھر جب وہ کہے: حيَّ على الصلاة تو یہ کہے: لَا حول ولا قوة إلا بالله، پھر جب وہ کہے: حيَّ على الفلاح تو یہ کہے: لاحول ولا قوة إلابالله، پھر جب وہ کہے: الله أكبر الله أكبر تو یہ کہے: الله أكبر الله أكبر، پھر جب وہ کہے: لاإله إلا الله تو یہ کہے: لا إله إلاالله جوشخص یہ سب کچھ اخلاص دل سے کہے، وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[1]

اذان تَرْجِیع سے کہنا مستحب ہے: ترجیع کا مفہوم یہ ہے کہ مؤذن «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» اور «أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ» کے کلمات پہلے دو دو بار ہلکی آواز سے کہے اور پھر انھیں دوبارہ دو دو بار اونچی آواز سے دہرائے۔[2]

ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے 19 کلمات کی اذان سکھائی:

«اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ»[3]

فجر کی اذان میں اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہنے کی مشروعیت: انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ اذانِ فجر میں مؤذن حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ''نماز نیند سے بہتر ہے۔'' کہے۔[4]

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه......، حديث: 385، و سنن أبي داود، الصلاة، باب ما يقول إذا سمع المؤذن، حديث: 527. [2] شرح النووي: 107/4. [3] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان، حديث: 502، وسنن ابن ماجه، الأذان والسنة فيها، باب الترجيع في الأذان، حديث: 709 واللفظ له، و سنن النسائي، الأذان، باب كيف الأذان، حديث: 632. [4] صحيح ابن خزيمة: 202/1، حديث: 386، وسنن الدارقطني: 243/1، والسنن الكبرى للبيهقي: 423/1.

نعیم بن النحام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے نماز صبح کے لیے اذان کہتے ہوئے کہا:
اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ.[1]

ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: «فَإِنْ كَانَ صَلَاةَ الصُّبْحِ، قُلْتَ: اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ» ''پس اگر اذانِ نمازِ فجر ہو تو کہو: «اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ»''[2]

ان حدیثوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ الصّلاة خير من النوم کے الفاظ نمازِ فجر کی اذان میں کہے جائیں گے جس کے ذریعے سے لوگوں کو وقت کے داخل ہونے کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے اور انھیں نماز کے لیے بلایا جاتا ہے۔

بعض لوگوں نے مندرجہ ذیل آثار و روایات سے استدلال کیا ہے کہ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے الفاظ فجر سے پہلے سحری (تہجد) کی اذان میں کہے جائیں گے:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ فجر کی پہلی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ دو بار کہا جاتا تھا۔[3]

سنن ابوداود کی صحیح روایت میں اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے الفاظ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی پہلی اذان میں کہنے کا ذکر کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

«اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فِي الْأُولَى مِنَ الصُّبْحِ»

''«الصلاة خير من النوم» کے الفاظ دو مرتبہ کہنا صبح کی پہلی اذان میں مشروع ہے۔''[4]

ان علماء نے اپنے اس قول پر احادیث مذکورہ میں الأول اور الأولى کے الفاظ سے استدلال کیا ہے۔ لیکن ان حضرات کا یہ استدلال درست نہیں ہے، ان احادیث میں الأول اور الأولى سے مراد اذانِ فجر ہی ہے اور اسے الأول اقامت کے مقابلے میں کہا گیا ہے، اس لیے کہ اقامت کو بھی اذان کہتے ہیں۔ اس کی دلیل عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، آپ فرماتی ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالْأُولٰى مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 423/1، وفتح الباري: 99/2. [2] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان، حديث: 500.
[3] [حسن] السنن الكبرٰى للبيهقي: 423/1، وشرح معاني الآثار: 137/1، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ اور دیکھیے تمام المنة، ص: 146، و سبل السلام: 120/1. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان؟ حديث: 501، سنن النسائي، الأذان، باب الأذان في السفر، حديث: 634 و 648.

خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ بَعْدَ أَنْ يَسْتَبِينَ الْفَجْرُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْإِقَامَةِ»

''مؤذن جب نماز فجر کی پہلی اذان کہہ کر خاموش ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور نماز فجر سے پہلے صبح ہو جانے کے بعد دو ہلکی رکعتیں پڑھ لیتے، پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے، یہاں تک کہ مؤذن نماز قائم کرنے کے لیے آپ کو بلانے آجاتا۔''[1]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں اذانِ فجر ہی کو ندائے اول کہا گیا ہے۔[2]

تو ان احادیث میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بات موجود ہے کہ اذانِ اول یا اولیٰ سے مراد وہ اذان ہے جو وقت کے داخل ہونے پر اور نماز فجر کے لیے لوگوں کو بلانے کے لیے کہی جاتی ہے۔[3]

سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کے لیے فجر سے پہلے اذان کہنا مستحب ہے: ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ»

''بلاشبہ بلال رات کو اذان کہتا ہے، لہٰذا تم کھا پی سکتے ہو حتی کہ ابن ام مکتوم اذان کہے۔''[4]

طلوعِ فجر سے پہلے اذان کہنے کی حکمت کے بارے میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ - أَوْ أَحَدًا مِّنْكُمْ - أَذَانُ بِلَالٍ مِّنْ سَحُورِهِ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ يُنَادِي بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ، وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ»

''بلال کی اذان تم میں سے کسی کو سحری کھانے سے ہرگز نہ روکے، بلاشبہ وہ رات میں اذان کہتا ہے تاکہ تمھارا قیام کرنے والا لوٹ آئے (اور بس کرے) اور تمھارا سویا ہوا جاگ جائے۔''[5]

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب من انتظر الإقامة، حديث: 626 [2] دیکھیے صحيح مسلم، حديث: 739. [3] تفصیل کے لیے دیکھیے: كتاب الأذان لأبي حاتم، ص: 238، والفتاوى الإسلامية: 252/1. (عبدالولی) [4] صحيح البخاري، الأذان، باب الأذان قبل الفجر، حديث: 622، وصحيح مسلم، الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر......، حديث: 1092. اس بارے میں بعض علماء کا نقطۂ نظر ہے کہ طلوعِ فجر سے پہلے اذان دینا رمضان کے مہینے کے ساتھ خاص ہے اور وہ اُس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ان حدیثوں میں سحری کرنے اور کھانے پینے کا ذکر ہے جس سے اس کا رمضان سے متعلق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (عبدالولی) [5] صحيح البخاري، الأذان، باب الأذان قبل الفجر، حديث: 621، وصحيح مسلم، الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر......، حديث: 1093.

مستحب ہے کہ اذان سننے والا وہی بول بولتا جائے جو مؤذن بولتا ہے: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ»

''جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہتے جاؤ جو مؤذن کہتا ہے۔'' [1]

اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس میں اذان کے ایک ایک کلمے کا جواب دینے کی فضیلت آئی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کہے۔ [2]

اذان کے بعد مسنون دعا پڑھنا مستحب ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ! رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَّهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو شخص اذان سن کر یہ کہے: ''اے اللہ! اس کامل پکار اور قائم ہونے والی نماز کے رب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام وسیلہ اور فضیلت عنایت فرما اور انھیں مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔'' تو اس کے لیے قیامت کے روز میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔'' [3]

اذان اور اقامت کے درمیان خوب دعا کرنا مستحب ہے: انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ» ''اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی۔'' [4]

اذان دینے پر اجرت لینا منع ہے: عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے میری قوم کا امام بنا دیجیے۔ آپ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب مايقول إذا سمع المنادي، حديث: 611، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن......، حديث: 383. [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن......، حديث: 385، وسنن أبي داود، الصلاة، باب مايقول إذا سمع المؤذن، حديث: 527. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب الدعاء عند النداء، حديث: 614، وسنن أبي داود، الصلاة، باب ماجاء في الدعاء عند الأذان، حديث: 529. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب في الدعاء بين الأذان والإقامة، حديث: 521، والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم و الليلة، باب الترغيب في الدعاء بين الأذان والإقامة، حديث: 9895 و 9897.

«أَنْتَ إِمَامُهُمْ، وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ، وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلٰى أَذَانِهِ أَجْرًا»

"چلو تم ان کے امام ہو، ان کے کمزور افراد کا خیال رکھتے ہوئے ان کی امامت کرنا اور مؤذن ایسا مقرر کرنا جو اذان پر مزدوری نہ لیتا ہو۔" [1]

حَيَّ عَلَى الصَّلَاة اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاح کہتے ہوئے مؤذن کا اپنی گردن دائیں بائیں موڑنا مستحب ہے: ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مکہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ وادی ابطح میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ کے لیے سرخ چمڑے کا خیمہ لگایا گیا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ وضو کا پانی لے کر آئے، کچھ نے پانی حاصل کر لیا اور کچھ محض (اپنے اعضاء) تر ہی کر پائے، پھر نبی ﷺ تشریف لائے۔ آپ سرخ رنگ کا ایک جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھے۔ اس وقت بھی گویا میں آپ کی پنڈلیوں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے وضو کیا اور بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ ابوجحیفہ کہتے ہیں کہ جب بلال رضی اللہ عنہ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہہ رہے تھے، اس وقت میں ان کا چہرہ دائیں بائیں گھومتا دیکھ رہا تھا۔ [2]

اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا مستحب ہے: ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دیتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنا چہرہ اِس طرف اور دوسری طرف گھما رہے تھے اور ان کی دونوں انگلیاں ان کے کانوں میں تھیں۔ [3]

فوت شدہ نمازوں کی قضا کے وقت اذان اور اقامت کہنا مستحب ہے: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے خندق والے دن نبی ﷺ کو چار نمازوں کے اوقات میں مشغول رکھا حتی کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا، تب آپ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو انھوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی تو آپ نے عصر پڑھی، پھر اقامت کہی تو آپ نے مغرب پڑھی، پھر اقامت کہی تو آپ نے عشاء کی نماز پڑھی۔ [4]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب أخذ الأجر على التأذين، حديث: 531، ومسند أحمد: 21/4 و 217. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب هل يتتبع المؤذن فاه هاهنا وهاهنا؟......، حديث: 634، وصحيح مسلم، الصلاة، باب سترة المصلي والندب إلى الصلاة إلى سترة......، حديث: 503 واللفظ له. [3] [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في إدخال الإصبع في الأذن عند الأذان، حديث: 197، وسنن ابن ماجه، الأذان والسنة فيها، باب السنة في الأذان، حديث: 711. [4] [صحيح] سنن النسائي، الأذان، باب الاجتزاء لذلك كله بأذان واحد والإقامة لكل واحدة منها، حديث: 663، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ؟ حديث: 179 واللفظ له، ومسند أحمد: 375/1.

عید کے لیے کوئی اذان و اقامت نہیں اور عید کے موقع پر اَلصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ بھی نہیں کہنا چاہیے:

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہا عید کی نماز بغیر کسی اذان اور اقامت کے پڑھی ہے۔[1]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عیدگاہ تشریف لاتے تو نماز شروع کر دیتے، یعنی نماز عید کے لیے کوئی اذان کہلواتے نہ اقامت اور نہ الصلاۃ جامعۃ (نماز کے لیے اکٹھے ہو جاؤ) کے الفاظ ہوتے۔ سنت یہی ہے کہ ان باتوں سے اجتناب کیا جائے۔[2]

اذان اور اقامت کے مابین کتنا وقفہ ہو؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں اسی عنوان سے ایک باب ذکر کیا ہے جس کے تحت وہ حدیثیں لائے ہیں جن سے اذان اور نماز مغرب کے درمیان دو رکعت نماز پڑھنے جتنی مدت کے وقفے کا پتا چلتا ہے۔[3]

ابن بطال رحمہ اللہ کہتے ہیں: اذان اور اقامت کے درمیان وقفے کی کوئی حد (متعین) نہیں ہے سوائے اس کے کہ نماز کا وقت ہو جائے اور اتنا انتظار کیا جائے کہ نمازی جمع ہو سکیں۔[4]

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا منع ہے: جناب ابو شعثاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اذان دی۔ ایک آدمی اٹھ کر مسجد سے جانے لگا تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسے دیکھتے رہے حتی کہ وہ مسجد سے نکل گیا، تب انھوں نے کہا: اس شخص نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔"[5]

کھڑے ہو کر اذان دینا سنت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا بِلَالُ! قُمْ، فَنَادِ بِالصَّلَاةِ» "اے بلال! کھڑے ہو جاؤ اور نماز کے لیے اذان کہو۔"[6]

قبلہ رخ ہو کر اذان دینا مستحب ہے: امام ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل علم کا اجماع ہے کہ قبلہ رخ ہو کر اذان دینا سنت ہے۔[7]

---

[1] صحيح مسلم، صلاة العيدين، باب: كتاب صلاة العيدين، حديث: 887، وسنن أبي داود، الصلاة، باب ترك الأذان في العيد، حديث: 1148، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء أن صلاة العيدين بغير أذان ولا إقامة، حديث: 532 واللفظ له.
[2] زادالمعاد: 442/1. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب كم بين الأذان و الإقامة......؟ حديث: 625,624. [4] فتح الباري: 106/2، حديث: 624 کے تحت۔ [5] صحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن الخروج من المسجد......، حديث: 655.
[6] صحيح البخاري، الأذان، باب بدء الأذان، حديث: 604، وصحيح مسلم، الصلاة، باب بدء الأذان، حديث: 377. اور اس پر اجماع بھی ہے، دیکھیے: الأوسط لابن المنذر: 28/3، م: 353. [7] الأوسط لابن المنذر: 28/3، م: 353.

اذان واقامت کے سلسلے میں چند فروعی باتیں

① لوگوں نے فجر کی پہلی اذان کی بجائے بلند آواز سے اشعار، اذکار اور درود وغیرہ پڑھنے کا جو معمول بنایا ہے، وہ بدعت ہے۔ صاحب "السنن والمبتدعات" جناب شُقَیری نے لکھا ہے کہ فجر سے پہلے لوگوں کا میناروں پر یَارَبِّ! عَفْوَابِجَاهِ الْمُصْطَفٰی کَرَمًا وغیرہ پڑھنا بدعت اور جاہلانہ توسل ہے۔ اسی طرح تسبیحات، قرآنی آیات یا اشعار پڑھنا بھی بدعت اور صادق وامین علیہ السلام کی سنت کو تبدیل کرنے والا عمل ہے۔[1]

تلبیس ابلیس میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:......ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ لوگ رات کے وقت مینار پر کھڑے ہو کر وعظ ونصیحت کرنے لگتے ہیں یا بلند آواز سے قرآن کی کوئی سورت پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ لوگوں کی نیند بھی خراب کرتے ہیں اور تہجد پڑھنے والوں کی قراءت میں خلل ڈالتے ہیں، یہ سب امور ناپسندیدہ ہیں۔[2]

② أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کہتے یا سنتے وقت شہادت کی انگلیاں یا انگوٹھے چومنا اور اپنی آنکھوں سے لگانا بدعت ہے۔ یہ بات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب کی جاتی ہے کہ انھوں نے مؤذن کے أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰه کہنے پر اپنی شہادت کی انگلیوں کی پوروں کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں پر پھیر لیا تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِي»

"جس نے اس طرح کیا جیسے کہ میرے خلیل نے کیا ہے، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔"[3]

یہ ایک من گھڑت موضوع روایت ہے۔

---

[1] السنن والمبتدعات، ص:49. [2] تلبیس إبلیس، ص:157. مساجد میں لاؤڈ سپیکروں کے مروج ہونے کے بعد یہ وبا بہت بڑھ گئی ہے، شاید ہی کوئی مقام ہو جو اس مصیبت سے محفوظ ہو۔ بدعتیوں نے اس آلے کے ذریعے سے مسجد اور مسجد کے پڑوسیوں کا سکون چھین لیا ہے۔ یہ لوگ اس طرز عمل سے اسلام اور مسلمانوں کی کوئی خدمت تو کیا الٹا اسلام اور علمائے اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔ واللہ المستعان (مترجم) [3] ملاحظہ ہو مسند الفردوس للدیلمی. صاحب المقاصد الحسنة امام سخاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "یہ صحیح نہیں ہے۔" علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اسے الفوائد المجموعة، کتاب الصلاة، روایت: 18 میں درج کیا ہے۔ ابن طاہر نے التذکرہ میں کہا ہے: «لایصح» (یہ صحیح نہیں ہے)۔ جناب معلمی نے اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لَایَصِحُّ کا کلمہ اس پر بولا جاتا ہے جس میں کوئی قوت ہو مگر اس حدیث کے باطل ہونے پر تو کسی صاحب سنت کو کوئی شبہ ہی نہیں ہے، نیز المصنوع کے حاشیے میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کا کلام بھی قابل مطالعہ ہے جو اس حدیث کے بارے میں ہے۔ (روایت:300)

3 یہ سمجھنا کہ امام اذان نہیں دے سکتا، غلط بات ہے اور اس بارے میں جو جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ امام مؤذن ہو۔[1] وہ حدیث ضعیف ہے۔

4 ''جو اذان کہے وہی اقامت کہے۔'' یہ روایت بھی ضعیف ہے جو زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صبح کی پہلی اذان کا وقت ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا، میں نے اذان دی، پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہنا چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: «إِنَّ أَخَا صُدَاءٍ هُوَ أَذَّنَ، وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ»

''صدائی بھائی نے اذان دی ہے اور جو اذان دے، وہی اقامت کہے۔''

چنانچہ میں نے اقامت کہی۔[2] یہ حدیث ضعیف ہے۔

شرائط نماز

''شرط'' لغت میں علامت کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ﴾ ''یقیناً اس کی نشانیاں آچکی ہیں۔''[3]

اصطلاحِ فقہاء میں اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے نہ ہونے سے اصل شے ہی معدوم اور فنا ہو۔[4]

نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں

1 **نماز کا وقت ہو جانے کا علم ہونا:** اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○﴾

''بلاشبہ نماز مومنوں پر اپنے وقت میں فرض کی گئی ہے۔''[5]

---

[1] [ضعيف] السنن الكبرٰى للبيهقي:433/1، والكامل لابن عدي:323/1. اس کی سند میں اسمٰعیل بن عمر ہے جو ضعیف ہے۔

[2] [ضعيف] سنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر، حديث: 514، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، حديث: 199، وسنن ابن ماجه، الأذان والسنة فيها، باب السنة في الأذان، حديث: 717، ومسند أحمد: 169/4. اس حدیث کو امام بغوی اور بیہقی نے ضعیف اور سفیان ثوری نے منکر کہا ہے۔ دیکھیے (الإرواء: 255/1، حدیث:237). البتہ عام معمول یہی تھا کہ مؤذن ہی اقامت کہتا تھا۔ دیکھیے: صحيح البخاري، الأذان، حديث:626و603و657. (عبدالولی) [3] محمد 18:47. [4] سبل السلام شرح بلوغ المرام بتحقيق المؤلف:131/1. [5] النسآء 103:4.

چنانچہ نماز وقت شروع ہونے سے پہلے صحیح نہیں ہے اور وقت نکل جانے کے بعد بھی صحیح نہیں الاّ یہ کہ کوئی عذر ہو (بھول گیا یا سویا رہا)۔

حدث اصغر اور حدث اکبر سے طہارت: [1] اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ ﴾

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم جب نماز کے لیے اٹھنے کا ارادہ کرو تو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو، سروں کا مسح کرو، پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو اور اگر جنابت سے ہو تو طہارت حاصل کرو۔'' [2]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ، وَلَا صَدَقَةً مِّنْ غُلُولٍ»

''اللہ تعالیٰ کوئی نماز وضو کے بغیر اور کوئی صدقہ خیانت کے مال میں سے قبول نہیں فرماتا۔'' [3]

نمازی کا لباس، بدن اور جائے نماز (نماز کی جگہ) پاک ہونی چاہیے: کپڑے پاک ہونے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ ﴾ ''اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔'' [4]

معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی ﷺ اس لباس میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے جس میں وہ اپنی بیویوں سے ہم بستر ہوئے ہوتے؟ انھوں نے بتایا: ہاں! اگر اس میں کوئی اذی، یعنی نجاست نہ ہوتی۔ [5]

بدن پاک ہونے کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا وہ فرمان رہنمائی فرماتا ہے جو آپ نے مذی کے متعلق سائل کے جواب میں فرمایا: «تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ» ''وضو کرو اور اپنی شرم گاہ دھو لو۔'' [6]

---

[1] نماز کے لیے مخصوص شرعی پاکیزگی واجب ہے۔ بے وضو ہونے کی حالت کو ''حدث اصغر'' کہتے ہیں، یعنی چھوٹی ناپاکی اور جنابت، حیض اور نفاس کی حالت کو ''حدث اکبر'' کہتے ہیں، یعنی بڑی قسم کی ناپاکی۔ اس سے پاک ہونے کے لیے غسل کرنا واجب ہے۔ (مترجم)

[2] المآئدة 5:6. [3] صحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، حديث: 224، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء لا تقبل صلاة بغير طهور، حديث: 1، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب لايقبل الله صلاة بغير طهور، حديث: 274,273. [4] المدثر 74:4. [5] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب الصلاة في الثوب الّذي يصيب أهله فيه، حديث: 366، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الصلاة في الثوب الذي يجامع فيه، حديث: 540. [6] صحيح البخاري، الغسل، باب غَسْل المذي والوضوء منه، حديث: 269.

اور استحاضہ والی خاتون سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي» ''اپنے آپ سے خون دھوڈالو اور نماز پڑھو۔''[1]

نماز کے لیے جگہ کا پاک ہونا بھی شرط ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک بدوی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

«هَرِيقُوا عَلٰى بَوْلِهِ سَجْلًا مِّنْ مَّاءٍ» ''اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی کا بہا دو۔''[2]

ستر کا ڈھانپنا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ ''اے بنی آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔''[3]

یعنی اپنے جسم کے پوشیدہ اعضاء ڈھانپ لیا کرو۔ یہ آیت بالخصوص ان لوگوں کے بارے میں ہے جو بے لباس ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ اور مرد کے لیے لازم ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ڈھانپے، جیسا کہ حدیث نبوی ہے: «عَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلٰى رُكْبَتِهِ»

''مرد کی ناف سے لے کر اس کے گھٹنوں تک اس کا ستر ہے۔''[4]

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا مَعْمَرُ! غَطِّ فَخِذَيْكَ فَإِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ»

''اے معمر! اپنی رانیں ڈھانپ کر رکھا کرو، بلاشبہ رانیں ستر (میں داخل) ہیں۔''[5]

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ران کے قابل ستر ہونے میں کوئی تردد نہیں رہنا چاہیے، آپ ﷺ سے منقول فرامین کی روشنی میں یہی راجح ہے، اسی لیے اکثر علماء اسی طرف گئے ہیں اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اسی پر جزم کیا ہے۔[6]

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ رانوں کا قابل ستر ہونا بمقابلہ قُبل ودُبُر قدرے خفیف ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ تہذیب السنن میں اسی طرف مائل ہیں، جیسا کہ میں (البانی) نے الإرواء میں نقل کیا ہے۔[7]

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب غسل الدم، حديث: 228، وصحيح مسلم، الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، حديث: 333 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب صبِّ الماء على البول في المسجدِ، حديث: 220. [3] الأعراف 7:31. [4] [حسن] نصب الراية: 1/296، وإرواء الغليل، حديث: 271. [5] [حسن] مسند أحمد: 5/290، والبخاري تعليقًا (فتح الباري): 1/478. [6] تمام المنة، ص: 160 ملاحظہ ہو: نيل الأوطار: 2/52،53 اور السيل الجرار: 1/366،367. [7] الإرواء: 1/301.

اور نماز میں عورت کا سارا بدن ستر ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ»

"اللہ تعالیٰ کسی بالغ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں فرماتا۔" [1]

جب عورت کے لیے سر ڈھانپنا واجب ہے تو باقی بدن کا ڈھانپنا تو بدرجۂ اولیٰ فرض ہے۔ اس سلسلے میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بہترین دلیل ہے: رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھاتے تھے تو اہل ایمان کی عورتیں بھی نماز میں شریک ہوتی تھیں۔ وہ اپنی بڑی بڑی چادروں میں لپٹی ہوئی آتی تھیں اور جب وہ گھروں کو لوٹتی تھیں تو انھیں کوئی پہچان نہ پاتا تھا۔ [2]

اسی طرح احادیث میں ایسے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے جس میں نمازی کے کندھے ننگے ہوں، یعنی ایسے لباس میں نماز پڑھنا منع ہے جس میں نمازی کے کندھے ننگے رہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، لَيْسَ عَلٰى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ»

"کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے، اس حال میں کہ اس کے کندھوں پر اس لباس کا کچھ حصہ (موجود) نہ ہو۔" [3]

ایک دوسری حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا «مَنْ صَلّٰى فِي ثَوْبٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ»

"جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے کناروں میں اختلاف کر لے۔" [4]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ دایاں پلہ بائیں کندھے پر اور بایاں پلہ دائیں کندھے پر ڈال لے۔ مقصد یہ ہے کہ کندھوں پر کپڑے کا کچھ حصہ ہونا ضروری ہے۔

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب المرأة تصلي بغير خمار، حديث:641، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء لا تقبل صلاة المرأة الحائض إلابخمار، حديث: 377. [2] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب وقت الفجر، حديث: 578 و 372، وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب التبكير بالصبح في أول وقتها......، حديث: 645. [3] صحيح البخاري، الصلاة، بابٌ: إذا صلى في الثوب الواحد فليجعل عَلٰى عاتقيه، حديث: 359، و صحيح مسلم، الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفة لبسه، حديث: 516 واللفظ له. [4] صحيح البخاري، الصلاة، باب إذا صَلّٰى في الثوب الواحد فليجعل على عاتقيه، حديث: 360.

قبلے کی طرف منہ کرنا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ﴾

''ہم آسمان کی طرف بار بار آپ کے چہرے کی گردش دیکھ رہے ہیں، ہم یقیناً آپ کو آپ کے پسندیدہ قبلے کی طرف پھیر دیں گے، پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیے۔'' [1]

چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنا چہرۂ مبارک کعبے کی طرف کیا کرتے تھے۔ اور ایک شخص جو بار بار نماز پڑھنے میں غلطی کر رہا تھا، اس کی اصلاح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

«إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ»

''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو وضو مکمل کرو، پھر قبلے کی طرف منہ کرو، پھر اللہ اکبر کہو۔'' [2]

تاہم انتہائی خوف کی صورت میں فرض و نفل یا حالتِ سفر میں سواری پر صرف نفل نماز پڑھتے ہوئے قبلے کی طرف منہ نہ ہو سکے تو کوئی حرج نہیں۔ صاحب شریعت نے نوافل کے لیے اس قدر آسانی رکھی ہے کہ دوران سفر اگر آدمی سواری پر نفل پڑھنا چاہے تو اس کا چہرہ چاہے قبلے کی طرف ہو یا کسی اور طرف، بے تکلف پڑھ لے۔

عبداللہ بن عامر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو سواری پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ کا رخ اسی طرف ہوتا تھا جس طرف سواری کا رخ ہوتا تھا۔ [3]

جناب انس بن سیرین کہتے ہیں کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب شام آئے تو ہم نے عین التمر کے علاقے میں ان سے ملاقات کی تو میں نے انھیں اپنے گدھے پر نماز پڑھتے دیکھا جبکہ ان کا منہ قبلے کی طرف نہیں تھا بلکہ قبلے کی بائیں جانب تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے دیکھا ہے تو وہ کہنے لگے: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی نہ کرتا۔ [4]

نیت کرنا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى»

[1] البقرة 2:144. [2] صحيح البخاري، الاستئذان، باب من ردّ فقال: عليك السلام، حديث: 6251، وصحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة......، حديث: 397. [3] صحيح البخاري، التقصير، باب صلاة التطوع على الدّواب وحيثما توجّهت، حديث: 1093، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جواز صلاة النافلة على الدابة في السفر حيث توجهت، حديث: 701. [4] صحيح البخاري، التقصير، باب صلاة التطوع على الحمار، حديث: 1100، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جواز صلاة النافلة على الدابة في السفر حيث توجهت، حديث: 702.

''اعمال کا اعتبار نیتوں پر ہے اور انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی ہو۔''[1]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: نبیٔ اکرم ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو «اللّٰہ أکبر» کہتے، اس سے پہلے کچھ کہتے نہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرتے، نہ اس طرح کہتے: فلاں نماز پڑھتا ہوں اللہ کے لیے، منہ میرا طرف قبلہ شریف کے، پڑھتا ہوں چار رکعت، بطور امام، یا پیچھے اس امام کے۔ نہ اس کے ادا یا قضا یا تعیین وقت کا کوئی تذکرہ ہوتا۔ یہ تقریباً دس باتیں ہیں جو بدعت ہیں۔ ان باتوں کا کوئی ایک لفظ بھی رسول کریم ﷺ سے کسی صحیح، ضعیف یا مسند، مرسل سند سے ثابت نہیں ہے بلکہ صحابہ سے بھی ثابت نہیں۔ تابعین نے بھی ان باتوں کو کبھی پسند نہیں کیا حتی کہ چاروں ائمہ رحمہم اللہ میں سے بھی کسی نے ان باتوں کی کبھی تائید نہیں کی۔[2]

نماز کی شروط سے متعلق فروعی امور

(1) جس نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس کے بدن یا لباس پر کوئی نجاست تھی لیکن اسے اس کی کوئی خبر نہ تھی تو اس کی نماز صحیح ہے، اس کا دہرانا اس پر لازم نہیں۔ اگر نماز کے دوران میں اسے معلوم ہو جائے تو ممکنہ صورت میں اس کا ازالہ کر دے اور اپنی نماز مکمل کر لے، مثلاً: جوتے پر لگی نجاست کا علم ہو جائے، یا ایسے کپڑے پر لگی ہوئی نجاست کا پتہ چل جائے جو اعضائے ستر چھپانے کے کام نہ آ رہا ہو تو اسے الگ کر دیا جائے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے اپنے جوتے اتار کر بائیں جانب رکھ دیے۔ جب نمازیوں نے آپ ﷺ کو جوتے اتارتے دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیے۔ آپ نے نماز سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا:

«مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى إِلْقَائِكُمْ نِعَالَكُمْ؟» ''تم لوگوں نے اپنے جوتے کیوں اتار دیے؟''

انھوں نے عرض کیا: ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنے جوتے اتارے ہیں تو ہم نے بھی اتار دیے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے، انھوں نے مجھے بتایا کہ جوتوں پر نجاست ہے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اسے چاہیے کہ دیکھ لے، اگر اس کے جوتوں پر کوئی نجاست یا کوئی (اور) پلید چیز ہو تو اسے مسل (رگڑ) دے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے۔''[3]

---

[1] صحیح البخاري، بدء الوحي، باب: کیف کان بدء الوحي إلٰی رسول اللّٰہ......، حدیث:1، وصحیح مسلم، الإمارۃ، باب قولہ «إنما الأعمال بالنیۃ»......، حدیث: 1907. [2] زادالمعاد:201/1. [3] [صحیح] سنن أبي داود، الصلاۃ، باب الصلاۃ في النعل، حدیث: 650.

2 جس شخص نے قبلے کا رخ پہچاننے کی خوب کوشش کی، پھر اپنے گمان کے مطابق اس نے جو سمت صحیح جانی، اس طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی لیکن بعد میں اسے معلوم ہو کہ یہ جانب غلط تھی، قبلہ تو دوسری طرف ہے تو اب اسے نماز دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں، اس کی نماز ہو گئی۔

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک تاریک رات میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہمارے لیے قبلے کی پہچان مشکل ہو گئی۔ (بہر حال) ہم نے نماز پڑھ لی۔ جب سورج طلوع ہوا تو پتہ چلا کہ ہم نے قبلے کی دوسری جانب منہ کر کے نماز پڑھی ہے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ ”پس تم جس طرف بھی رخ کرو گے، اسی طرف اللہ کا چہرہ ہے۔“[1]

نماز ادا کرنے کا طریقہ

نماز کا طریقہ: رسول اللہ ﷺ جب بھی نماز کے لیے کھڑے ہوتے، چاہے وہ نماز فرض ہوتی یا نفل، ہمیشہ کعبے کی طرف منہ کر کے سُترے کے قریب کھڑے ہوتے، پھر اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے اور تکبیر کے ساتھ ہی دونوں ہاتھ بھی بلند فرماتے (رفع الیدین کرتے) اور سینے پر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے، نگاہ زمین کی طرف کر لیتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا پر مشتمل دعائیں پڑھتے، یہ دعائیں متعدد اور متنوع ہیں۔ پھر تعوذ «أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَ نَفْخِهِ وَنَفْثِهِ» پڑھتے، پھر «بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ» پڑھتے مگر اس میں آواز اونچی نہ ہوتی، پھر فاتحہ کی ایک ایک آیت ٹھہر کر پڑھتے، فاتحہ کے بعد آمین کہتے، اسے اونچی آواز سے مد کے ساتھ لمبا کر کے ادا فرماتے۔ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورت تلاوت کرتے جو کبھی لمبی ہوتی اور کبھی مختصر۔

رسول اللہ ﷺ (فرض نمازوں میں) نماز فجر اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جہری قراءت فرماتے جبکہ ظہر اور عصر کی ساری رکعتوں، مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں آپ کی قراءت سرّی (مخفی) ہوتی تھی۔

اسی طرح نماز جمعہ، عیدین، استسقاء اور کسوف میں قراءت جہری ہوتی تھی۔ آپ کی نماز میں آخری دو رکعتیں

[1] [حسن] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2957، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب من يصلي لغير القبلة وهولايعلم، حديث: 1020.

پہلی رکعتوں کی نسبت تقریباً نصف کے برابر چھوٹی ہوتی تھیں، آخری دو رکعتوں میں تقریباً پندرہ آیات تلاوت فرماتے تھے اور بسا اوقات ان رکعات میں صرف فاتحہ پر بھی اکتفا کر لیتے تھے۔

قراءت کے بعد مختصر توقف فرماتے اور پھر ہاتھ بلند (رفع الیدین) کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے، اپنی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھتے۔ ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھتے اور ہاتھ گھٹنوں پر اس طرح جماتے گویا انھیں پکڑے ہوئے ہیں۔ کہنیاں اپنے پہلوؤں سے دور رکھتے، کمر لمبی اور برابر رکھتے حتی کہ اگر اس پر پانی بھی گرایا جاتا تو ٹک جاتا۔

حالتِ رکوع میں انتہائی سکون و اطمینان اختیار کرتے اور (کم از کم) تین بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» کہتے۔ اس رکن میں آپ سے بہت سی دعائیں اور اذکار ثابت ہیں، کبھی کوئی دعا پڑھتے اور کبھی کوئی۔ رکوع و سجدہ میں قراءتِ قرآن سے منع فرماتے تھے۔

پھر «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہتے ہوئے رکوع سے سر اٹھاتے اور سیدھے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ بھی بلند فرماتے (رفع الیدین کرتے) اور قیام کی حالت میں کہتے: «رَبَّنَا ! وَلَكَ الْحَمْدُ» کبھی اس سے زیادہ کلمات بھی کہتے۔ پھر اللہ اکبر کہتے اور سجدے کے لیے جھک جاتے۔ زمین پر اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھتے، ہتھیلیوں کا سہارا لیتے اور انھیں کھلی رکھتے۔ آپ کی انگلیاں قبلہ رخ اور آپس میں ملی ہوئی ہوتی تھیں۔ اس حالت میں آپ کے ہاتھ (زمین پر) آپ کے کندھوں کے برابر اور کبھی کانوں کے برابر ہوتے۔ اپنا ماتھا اور ناک زمین پر ٹکاتے۔ آپ فرماتے تھے:

«أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ : عَلَى الْجَبْهَةِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلٰى أَنْفِهِ، وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ»

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سجدہ سات ہڈیوں پر کروں، یعنی ماتھے اور ناک، دو ہاتھوں، دو گھٹنوں اور دو پنجوں پر۔“

نیز فرمایا کرتے تھے: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّا يُصِيبُ أَنْفُهُ مِنَ الْأَرْضِ مَا يُصِيبُ الْجَبِينَ»

”اس شخص کی نماز نہیں جس کی ناک زمین پر (اس طرح) نہیں لگتی جس طرح اس کی پیشانی لگتی ہے۔“

آپ سکون و اطمینان سے سجدہ کرتے اور تین بار «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى» پڑھتے۔ اس کے علاوہ بھی سجدے میں آپ سے بہت سی دعائیں اور اذکار ثابت ہیں۔ کبھی کوئی دعا پڑھتے اور کبھی کوئی۔ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ سجدے میں بہت زیادہ دعا کی جائے۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے سر اٹھاتے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر

بیٹھ جاتے جبکہ دایاں پاؤں کھڑا رکھتے جس کی انگلیاں قبلے کی طرف ہوتیں۔

پھر پڑھتے: «رَبِّ اغْفِرْلِي، رَبِّ اغْفِرْلِي» [1]

''اے میرے رب! مجھے بخش دے، اے میرے رب! مجھے بخش دے۔'' اور کبھی پڑھتے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي، وَاجْبُرْنِي وَارْفَعْنِي، وَاهْدِنِي وَعَافِنِي، وَارْزُقْنِي»

''اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما، میری کمی پوری فرما اور مجھے بلند فرما، مجھے ہدایت وعافیت سے نوازنا اور مجھے روزی عطا فرما۔''

پھر اللہ اکبر کہتے اور پہلے کی طرح دوسرا سجدہ کرتے، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھاتے اور اپنے بائیں پاؤں پر درست اور مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے حتی کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر لوٹ آتی، پھر زمین پر ہاتھ کا سہارا لے کر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ دوسری رکعت میں بھی اس طرح عمل کرتے جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا مگر یہ دوسری رکعت پہلی رکعت کی نسبت قدرے چھوٹی ہوتی۔ دوسری رکعت ادا کرنے کے بعد تشہد کے لیے بیٹھ جاتے جس طرح سجدوں کے درمیان بیٹھتے تھے۔ اگر نماز چار رکعت یا تین رکعت والی ہوتی تو اس کے درمیانی تشہد میں بیٹھنے کی یہی صورت ہوتی۔ تشہد میں بیٹھتے ہوئے آپ اپنا دایاں ہاتھ دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے مگر بائیں ہتھیلی کو لمبی اور سیدھی اور دائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے اور اپنی نظر بھی اسی پر ٹکاتے۔ جب اپنی انگلی اٹھاتے تو اسے حرکت دیتے ہوئے دعا کرتے تھے، آپ فرماتے ہیں:

«لَهِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيدِ»

''(انگشت شہادت کا) یہ اشارہ شیطان پر لوہے کی چوٹ سے بھی زیادہ سخت ہے۔''

آپ ﷺ ہر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھتے اور تشہد پہلا ہوتا یا دوسرا، اس میں اپنے لیے درود پڑھتے اور امت کے لیے بھی اسے مشروع فرمایا ہے، آخری تشہد میں آپ تورُّک کرتے تھے، یعنی بایاں پاؤں آگے نکال کر سرین پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے یا دایاں اور بایاں پاؤں بچھا کر دونوں دائیں جانب نکالتے اور سرین پر بیٹھتے تھے۔ آپ اپنی نماز میں بہت سی دعائیں پڑھتے، پھر چہرۂ مبارک دائیں اور بائیں جانب پھیرتے ہوئے «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ» کہتے۔ کبھی دائیں جانب چہرۂ مبارک کرتے ہوئے «وَبَرَكَاتُهُ» کا اضافہ بھی فرما دیتے۔ نماز کا طریقہ بیان ہو چکا۔ اس میں مرد اور عورتیں سب برابر ہیں۔ کسی بھی حدیث میں ان امور میں سے

[1] سنن أبي داود، حديث: 874 و سنن ابن ماجه، حديث: 797.

کسی چیز میں عورتوں کا استثناء نہیں آیا بلکہ رسالت مآب ﷺ کا حکم یہ ہے:

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي» ''نماز اسی طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔''[1]

مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

ارکان نماز

نماز کے لیے فرائض وارکان ہیں جن سے حقیقتِ نماز وجود پذیر ہوتی ہے۔ اگر ان فرائض وارکان میں سے کوئی ایک فرض یا رکن رہ جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ یہ فرائض وارکان درج ذیل ہیں:

قیام: فرض نماز میں قیام کی طاقت رکھنے والے شخص کے لیے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا فرض اور رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَقُومُوا لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ۝ ﴾ ''اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہو۔''[2]

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے بواسیر تھی تو میں نے اپنی اس بیماری کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ سے نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ»

''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر، اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل۔''[3]

تکبیر تحریمہ (نماز شروع کرنے کے لیے اللہ اکبر کہنا): سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ»

''نماز کی چابی وضو، اس کی تحریم اللہ أكبر اور اس سے نکلنا السلام علیکم (کہنے سے) ہے۔''[4]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز کو غلط ادا کرنے والے شخص مسيء الصلاة سے فرمایا:

«إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ» ''جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ۔''[5]

---

[1] مأخوذ من كتاب صفة صلاة النبي ﷺ للشيخ الألباني رحمه الله مختصرًا، ص: 75-189. [2] البقرة 2:238. [3] صحيح البخاري، التقصير، باب: إذا لم يُطِق قاعِدا صَلّى عَلٰى جَنْبٍ، حديث: 1117. [4] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب فرض الوضوء، حديث: 61، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء أن مفتاح الصلاة الطهور، حديث: 3. [5] صحيح البخاري، الاستئذان، باب مَن رَدّ فقال: عليكَ السلام، حديث: 757,6251، وصحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وإنه إذا لم يحسن الفاتحة......، حديث: 397.

ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا: عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں:

«لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»

''اس شخص کی نماز نہیں جس نے فاتحة الکتاب (سورۂ فاتحہ) نہیں پڑھی۔''[1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے «مسيء الصلاة» (بار بار نماز میں غلطی کرنے والے) کو دوسرے احکام کے ساتھ ساتھ اپنی نماز میں (فاتحہ) پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا:

«ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا» ''اور اپنی ساری نماز میں یہی (طریقہ اختیار) کرو۔''

سکون و اطمینان سے رکوع کرنا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ﴾ ''اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو۔''[2]

نبی علیہ السلام نے «مسيء الصلاة» سے فرمایا تھا: ''پھر رکوع کر اور اس میں اطمینان اختیار کر۔''[3]

رکوع کے بعد اطمینان سے کھڑے ہونا اور ٹھہراؤ اختیار کرنا: ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ لَّا يُقِيمُ الرَّجُلُ فِيهَا صُلْبَهُ، فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ»

''اس آدمی کی نماز کفایت نہیں کرتی جو رکوع اور سجدے میں اپنی پشت کو برابر نہیں کرتا ہے۔''[4]

اور «مسيء الصلاة» سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا» ''رکوع سے سر اٹھاؤ تو سیدھے برابر کھڑے ہو جاؤ۔''[5]

سجدہ اطمینان سے کرنا اور ٹھہراؤ اختیار کرنا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ﴾ ''اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو۔''[6]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے «مسيء الصلاة» کو نماز سکھاتے ہوئے فرمایا تھا:

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة لِلإمام والمأموم في الصلوات كُلّها، في الحضر والسَّفر، وَما يجهر فيها وَمَا يُخافت، حديث: 756، وصحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة......، حديث: 394. [2] صحيح البخاري، الاستئذان، باب من ردّ فقال: عليك السلام، حديث: 6251، وصحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة......، حديث: 397. [3] الحج 22:77. [4] [صحيح] سنن النسائي، الافتتاح، باب إقامة الصلب في الركوع، حديث: 1028، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء فيمن لا يقيم صُلْبَهٗ في الركوع والسجود، حديث: 265. [5] صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم ......، حديث: 757. [6] الحج 22:77.

«ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا»

”پھر سجدہ کرو حتی کہ تم سجدے کی حالت میں مطمئن اور پرسکون ہو، پھر سر اٹھاؤ حتی کہ سکون سے بیٹھ جاؤ، پھر سجدہ کرو حتی کہ مطمئن اور پرسکون ہو۔“ [1]

اعضائے سجدہ سات ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ: الْجَبْهَةِ - وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلٰى أَنْفِهِ - وَالْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ، وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَلَا الشَّعْرَ»

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں: پیشانی۔ اور آپ نے ہاتھ سے اپنی ناک کی طرف اشارہ فرمایا۔ دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دو پنجے اور یہ کہ ہم (اس دوران میں) اپنے کپڑے یا اپنے بال اکٹھے نہ کریں (بالوں اور لباس کو نہ سمیٹیں۔)“ [2]

دونوں سجدوں کے درمیان سکون واطمینان سے بیٹھنا: ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ لَّا يُقِيمُ الرَّجُلُ فِيهَا صُلْبَهُ، فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ»

”اس آدمی کی نماز کفایت نہیں کرتی جو اس کے رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں رکھتا۔“ [3]

اس حدیث مبارک کا مقصود یہی ہے کہ نماز کامل سکون اور اطمینان سے پڑھی جائے جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا کہ آنحضرت ﷺ نے «مسيء الصلاة» کو نماز میں اطمینان وسکون کی تلقین فرمائی تھی۔

آخری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھنا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جب نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو کہا کرتے تھے: «اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ. اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَّفُلَانٍ» ”اللہ پر سلام ہو، جبرئیل پر اور میکائیل پر سلام ہو، فلاں پر سلامتی ہو اور فلاں پر۔“ اس پر رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب أمر النبي ﷺ الذي لا يتمّ ركوعه بالإعادة، حديث: 793. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب السجود على سبعة أعظم، حديث: 810،809، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر والثوب وعقص الرأس في الصلاة، حديث: 490 واللفظ له. [3] [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء فيمن لا يقيم صلبه في الركوع والسجود، حديث: 265.

«إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، فَإِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ :اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ! وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمُوهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِّلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

''اللہ تعالیٰ ہی ''السّلام'' ہے، یعنی وہی سلامتی دینے والا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ یوں کہا کرے: ''میری تمام لسانی، مالی اور عملی عبادات اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکات ہوں۔ سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر! تم جب یہ کہو گے تو یہ دعا اللہ کے ہر نیک بندے کو، چاہے وہ آسمان میں ہو یا زمین میں، پہنچ جائے گی (اس کے بعد یہ کلمات کہنے چاہییں:) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' [1]

تشہد کے الفاظ کئی احادیث میں قدرے اختلاف سے بھی آئے ہیں اور سب صحیح ہیں جنھیں آپ ہماری تالیف «إرشاد الأمة إلى فقه الكتاب والسنة» میں نماز والے باب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی کلماتِ تشہد صحیح ترین ہیں جو قبل ازیں مذکور ہوئے ہیں۔

آخری تشہد کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لیے درود: فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا۔ اس نے دعا میں آپ کے لیے درود نہیں پڑھا تھا تو آپ نے فرمایا:

«إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَمْجِيدِ رَبِّهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَدْعُو بَعْدُ بِمَا شَاءَ»

''جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو چاہیے کہ پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرے، پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے، پھر اس کے بعد جو چاہے دعا کرے۔'' [2]

ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم اس وقت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب التشهد في الآخرة، حديث:831، وصحيح مسلم، الصلاة، باب التشهد في الصلاة، حديث: 402. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الدعوات، باب في إيجاب الدعاء بتقديم الحمد والثناء والصلاة على النبي ﷺ قبله...... حديث: 3477، وسنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء، حديث: 1481 واللفظ له.

کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ پر درود پڑھا کریں لیکن ہم آپ پر کس طرح درود پڑھا کریں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، (خاصی دیر تک کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا) حتی کہ ہم نے تمنا کی کہ کاش! بشیر بن سعد نے سوال ہی نہ کیا ہوتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یوں کہا کرو: «اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ» اور سلام اسی طرح ہے جس طرح تم جان چکے ہو۔'' [1]

سلام پھیرنے سے پہلے چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ مِنْ أَرْبَعٍ، يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ»

''جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے اور یوں کہے: ''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنے اور آزمائش سے اور فتنۂ مسیح دجال کے شر سے۔'' [2]

سلام پھیرنا: رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے:

«مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ»

''نماز کی کنجی وضو، اس کی تحریم (ابتدا) تکبیر اور اس کی تحلیل (انتہا) سلام ہے۔'' [3]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں اور بائیں جانب (چہرہ اقدس موڑ کر) ''السلام علیکم و رحمۃ اللہ'' ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہتے حتی کہ آپ کے رخسار کی سفیدی نمایاں ہو جاتی تھی۔ [4]

---

[1] صحیح مسلم، الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد، حديث: 406,405، ومسند أحمد: 119/4 [2] صحيح مسلم، المساجد، باب مايستعاذ منه في الصلاة، حديث: 588. [3] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب فرض الوضوء، حديث: 61، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء أن مفتاح الصلاة الطهور، حديث: 3. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب في السلام، حديث: 996، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التسليم في الصلاة، حديث: 295.

واجباتِ نماز

درمیانی تشہد: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا قَعَدْتُّمْ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ فَقُولُوا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ لْيَتَخَيَّرْ أَحَدُكُمْ مِّنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَلْيَدْعُ بِهِ رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ»

''جب تم دو رکعتوں کے بعد بیٹھو تو کہا کرو: ''میری تمام لسانی، مالی اور عملی عبادات اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکات ہوں، سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' پھر چاہیے کہ اپنی کوئی پسندیدہ دعا منتخب کر لے اور اپنے رب عزوجل کے حضور اس کے ذریعے سے دعا کرے۔''[1]

اور وہ شخص جو اپنی نماز میں بار بار خطا کرتا تھا «مسيئ الصلاة»، اسے آپ نے یہ تلقین فرمائی تھی:

«فَإِذَا جَلَسْتَ فِي وَسَطِ الصَّلَاةِ فَاطْمَئِنَّ وَافْتَرِشْ فَخِذَكَ الْيُسْرٰى، ثُمَّ تَشَهَّدْ»

''جب تم نماز کے وسط میں بیٹھو تو تسلی اور اطمینان سے بیٹھو، اپنی بائیں ران بچھا لو اور پھر تشہد پڑھو۔''[2]

سترہ رکھنا: نمازی کو کسی دیوار یا ستون کے روبرو نماز پڑھنی چاہیے۔ ایسا ممکن نہ ہو تو اپنے سامنے کوئی مناسب آڑ رکھ لینی چاہیے تاکہ اس کے سامنے سے دوسرے لوگ بلا تکلف گزر جائیں۔ سہل بن ابو حثمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا، لَا يَقْطَعِ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ»

''جب تم میں سے کوئی سترے کے سامنے نماز پڑھے تو چاہیے کہ اس کے قریب کھڑا ہو، کہیں شیطان اس کی نماز نہ توڑ ڈالے۔''[3]

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، السهو، باب كيف التشهد، حديث: 1280، ومسند أحمد: 437/1 واللفظ له. [2] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب صلاة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود، حديث: 860. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الدنو من السترة، حديث: 695، وسنن النسائي، القبلة، باب الأمر بالدنو من السترة، حديث: 749.

دیوار یا ستون کے علاوہ زمین میں گڑا ہوا عصا یا سواری کا پالان جیسی چیزیں بھی سترے کا کام دے سکتی ہیں اور انھیں سامنے رکھ کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مصلے (کھڑے ہونے کی جگہ) اور دیوار کے درمیان بقدر ایک بکری کے گزرنے کا فاصلہ ہوا کرتا تھا۔[1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عید کے دن نکلتے تو ایک بھالا ساتھ لینے کا حکم دیتے جسے آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا۔ آپ اس کی طرف نماز پڑھتے اور لوگ آپ کے پیچھے ہوتے تھے۔ سفر میں بھی آپ ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا۔[2]

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور جانور ہمارے آگے سے گزرتے تھے، ہم نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا:

«مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ تَكُونُ بَيْنَ يَدَيْ أَحَدِكُمْ، ثُمَّ لَا يَضُرُّهُ مَا مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ»

"پالان کی پچھلی لکڑی (جو کمر کا سہارا بنتی ہے) کے برابر کوئی چیز تمھارے آگے ہو تو پھر جو بھی سامنے سے گزرے گا، اس سے تمھارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔"[3]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی کعبہ کے اندر داخل ہوتے تو منہ کے رخ سیدھے آگے ہی بڑھتے چلے جاتے حتی کہ دروازہ ان کی کمر کے پیچھے ہو جاتا، وہ اور آگے بڑھتے حتی کہ ان کے اور سامنے کی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا تھا، پھر نماز پڑھتے، آپ وہ جگہ ڈھونڈتے تھے جو انھیں بلال رضی اللہ عنہ نے بتائی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ نماز پڑھی تھی۔ اور انھوں نے کہا: ہم میں سے کسی کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ بیت اللہ میں جس جگہ جی چاہے نماز پڑھ لے۔[4]

نمازی کو چاہیے کہ اپنے اور سترے کے مابین کسی کو گزرنے نہ دے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَلَا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّ مَعَهُ الْقَرِينَ»

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب قدر كم ينبغي أن يكون بين المصلي والسترة، حديث: 496، وصحيح مسلم، الصلاة، باب دنو المصلي من السترة، حديث: 508، وسنن أبي داود، الصلاة، باب الدنومن السترة، حديث: 696. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب سترة الإمام سترة من خلفه، حديث: 494. [3] صحيح مسلم، الصلاة، باب سترة المصلي والندب إلى الصلاة إلى سترة، حديث: 499. [4] صحيح البخاري، الصلاة، باب: 97، حديث: 506.

”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کسی کو اپنے آگے سے گزرنے نہ دے۔ اگر گزرنے والا (رکنے سے) انکار کرے تو چاہیے کہ اس سے لڑائی کرے، بلاشبہ اس کے ساتھ شیطان ہے۔“ [1]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

«إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَلْيَدْفَعْهُ، فَإِنْ أَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ»

”جب تم میں سے کوئی سترے کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو جو اس کے لیے لوگوں سے اوٹ ہو، تو اگر کوئی اس کے سامنے سے گزرنے کی کوشش کرے تو چاہیے کہ اسے روکے، وہ انکار کرے تو اس سے لڑائی کرے، بلاشبہ وہ شیطان ہے۔“ [2]

اگر کسی نمازی نے سترہ نہ رکھا ہو تو اس کے سامنے سے گدھے، عورت اور کالے کتے کے گزرنے سے اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ عبداللہ بن صامت، جناب ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي، فَإِنَّهُ يَسْتُرُهُ إِذَا كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ، فَإِنَّهُ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ». قُلْتُ: يَا أَبَا ذَرٍّ! مَا بَالُ الْكَلْبِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْكَلْبِ الْأَحْمَرِ مِنَ الْكَلْبِ الْأَصْفَرِ؟ قَالَ: يَا ابْنَ أَخِي! سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَمَا سَأَلْتَنِي، فَقَالَ: «اَلْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ»

”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اس کے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کے مثل کوئی چیز اس کے لیے سترہ (اوٹ) بن سکتی ہے۔ اگر اس کے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی چیز نہ ہو تو گدھا، عورت اور کالا کتا اس کی نماز کو توڑ دیتے ہیں۔“ میں (عبداللہ) نے کہا: اے ابوذر! لال یا پیلے کتے کے مقابلے میں کالے کتے کی کیا خصوصیت ہے؟ انھوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہی بات پوچھی تھی جو تم نے دریافت کی ہے تو آپ نے فرمایا تھا: ”کالا کتا شیطان ہوتا ہے۔“ [3]

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، حديث: 506. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب يرد المصلي من مرَّ بين يديه، حديث: 509، وصحيح مسلم، الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، حديث: 505.
[3] صحيح مسلم، الصلاة، باب قدر مايستر المصلي، حديث: 510، وسنن أبي داود، الصلاة، باب ما يقطع الصلاة، حديث: 702.

نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے: جناب عبداللہ بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ، لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ، خَيْرًا لَّهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ». قَالَ أَبُو النَّضْرِ: لَا أَدْرِي قَالَ: أَرْبَعِينَ يَوْمًا، أَوْ شَهْرًا، أَوْ سَنَةً؟

"نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو اگر خبر ہو کہ اس کے لیے کس قدر (سزا) ہے تو اسے (نمازی کے سامنے سے) گزرنے کے مقابلے میں چالیس مدت کھڑا رہنا بہتر ہو۔" ابونضر کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن کہا، یا مہینے یا سال۔"[1]

امام کا سترہ مقتدی کے لیے بھی سترہ ہوتا ہے: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا جبکہ میں ان دنوں بلوغت کے قریب تھا۔ رسول اللہ ﷺ منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، آپ کے سامنے کوئی دیوار نہیں تھی، میں صف کے ایک حصے کے سامنے سے گزر آیا، گدھی سے اتر کر اسے چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود صف میں شامل ہو گیا تو اس پر کسی نے مجھ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔[2]

نماز کی قولی و فعلی سنتیں

دعائے افتتاح (ثناء): ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے تکبیر کہتے تو قراءت سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہتے، میں نے آپ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! تکبیر اور قراءت کے درمیان آپ خاموش رہتے ہیں، اس دوران میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "میں کہتا ہوں:

«اَللّٰهُمَّ! بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. اَللّٰهُمَّ! نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ! اِغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالثَّلْجِ وَالْمَاءِ وَالْبَرَدِ»

---

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب إثم المار بين يدي المصلي، حديث: 510، وصحيح مسلم، الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، حديث: 507. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب سترة الإمام سترة من خلفه، حديث: 493، وصحيح مسلم، الصلاة، باب سترة المصلي والندب إلى الصلاة إلى سترة......، حديث: 504.

''اے اللہ! میرے اور میری غلطیوں کے درمیان اس قدر فاصلہ کر دے جس قدر تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری کی ہے، اے اللہ ! مجھے میری غلطیوں سے پاک صاف کر دے جیسے سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے، اے اللہ! مجھ سے میری غلطیاں دھو ڈال برف سے، پانی سے اور اولوں سے۔'' [1]

تعوذ (اللہ کی پناہ مانگنا): اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾

''جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ لے لیا کریں۔'' [2]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو شروع میں ثناء پڑھتے، پھر کہتے:

«أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ»

''میں شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں جو خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے، اس بات سے کہ شیطان مردود مجھے جنون یا تکبر میں مبتلا کر دے یا (باطل) اشعار میں لگا دے۔'' [3]

آمین پکارنا: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ: «آمِينَ» وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت میں ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہنے کے بعد آمین کہتے اور اس کے ساتھ اپنی آواز کو بلند فرماتے۔'' [4]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، بلاشبہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل گئی، اس کے

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب مايقول بعد التكبير، حديث: 744، وصحيح مسلم، المساجد، باب مايقال بين تكبيرة الإحرام والقراءة، حديث: 598 واللفظ له. [2] النحل 16:98. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب من رأى الاستفتاح بسبحانك اللّٰهم وبحمدك، حديث: 775، وجامع الترمذي، الصلاة، باب مايقول عند افتتاح الصلاة، حديث: 242، ومسند أحمد: 3/50. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، حديث: 932، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التأمين، حديث: 248.

پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔" [1]

پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد کوئی سورت ملانا: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھا کرتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں (صرف) فاتحۃ الکتاب۔ بسا اوقات ہمیں کوئی نہ کوئی آیت (بلند آواز سے) سنوا دیا کرتے تھے اور آپ کی پہلی رکعت دوسری کی نسبت زیادہ لمبی ہوا کرتی تھی۔ آپ نماز عصر اور فجر میں بھی یہی طرز عمل اختیار فرماتے تھے۔ [2]

بعض اوقات پچھلی دو رکعات میں بھی قراءت کر لینا سنت ہے: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر ایک میں تقریباً تیس تیس آیات قراءت فرماتے اور آخری دو رکعتوں میں اندازاً پندرہ پندرہ آیات، یا انھوں نے کہا کہ پہلی کی نصف کے برابر تلاوت کرتے اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں تقریباً پندرہ پندرہ آیات اور اس کی آخری دو رکعتوں میں ان کے نصف کے برابر۔ [3]

نماز فجر اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت بلند آواز سے اور ظہر اور عصر کی تمام رکعتوں میں، مغرب کی تیسری اور عشاء کی تیسری چوتھی رکعت میں قراءت خاموشی سے کرنا سنت ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ صبح اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں اور جمعہ میں قراءت بلند آواز سے ہو اور ظہر، عصر کی تمام رکعات، مغرب کی تیسری اور عشاء کی تیسری چوتھی رکعت میں قراءت خاموشی سے ہو۔ اس پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ امور صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ [4]

اور امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ صبح کی دونوں رکعتوں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جس نے قراءت بلند آواز سے کی، اس نے درست کیا اور جس نے عشاء کی آخری دو، مغرب کی تیسری اور ظہر وعصر کی سب رکعتوں میں سری قراءت کی، اس نے درست کیا۔ [5]

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ جن احادیث کی طرف امام نووی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(1) قُطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو فجر کی نماز میں ﴿وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ﴾

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين، حديث: 780. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب، حديث: 776، وصحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر، حديث: 451، ومسند أحمد: 305/5. [3] صحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر، حديث: 452، ومسند أحمد: 85/3. [4] المجموع: 355/3. [5] مراتب الإجماع، ص: 39.

پڑھتے ہوئے سنا۔[1]

2 عمرو بن حُریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو فجر کی نماز میں ﴿وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝﴾ پڑھتے ہوئے سنا۔[2]

3 ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جمعے کے دن فجر کی نماز میں سورۂ ﴿الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ﴾ «السجدة» اور ﴿هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾ اور نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور منافقون تلاوت کرتے تھے۔[3]

محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (مغرب اور عشاء کی) پہلی دو رکعتوں میں (جہری) قراءت کے بارے میں کسی صریح حدیث کا مجھے علم نہیں ہو سکا۔ اس بارے میں عمدہ ترین دلیل مسلمانوں کا اجماع ہی ہے جس کا امام نووی نے قبل ازیں ذکر کیا ہے۔[4]

رکوع اور سجدے میں تسبیحات: حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت میں کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی...... اس روایت کے آخر میں بیان ہے کہ پھر آپ نے رکوع کیا اور «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» پڑھنے لگے...... پھر سجدہ کیا تو «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى» پڑھا۔[5]

رکوع و سجدہ میں جانے اور ان سے اٹھنے کے لیے تکبیر کہنا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر جب رکوع کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور رکوع سے کھڑے ہوتے ہوئے «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہتے اور کھڑے ہو کر «رَبَّنَا! وَلَكَ الْحَمْدُ» کہتے، پھر سجدے کے لیے جھکتے وقت تکبیر کہتے، پھر سر اٹھاتے وقت تکبیر کہتے، پھر سجدے کو جاتے وقت تکبیر کہتے، پھر سر اٹھاتے وقت تکبیر کہتے۔ آپ ساری نماز اسی طرح ادا فرماتے حتی کہ اسے مکمل کر لیتے۔ جب آپ دوسری رکعت کے بعد بیٹھ کر اٹھتے تب بھی تکبیر کہتے۔ اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں نماز کے معاملے میں تم سب سے بڑھ کر نبی ﷺ کے مشابہ ہوں۔[6]

---

1 صحيح مسلم، الصلاة، باب القراء ة في الصبح، حديث: 457. 2 صحيح مسلم، الصلاة، باب القراء ة في الصبح، حديث: 456. 3 صحيح مسلم، الجمعة، باب ما يقرأ في يوم الجمعة، حديث: 879. 4 إرواء الغليل: 64/2. مغرب اور عشاء کی نماز میں بھی جہری قراءت نبی ﷺ سے ثابت ہے، دیکھیے: صحيح البخاري، الأذان، باب الجهر في المغرب، حديث: 765، وباب الجهر في العشاء، حديث: 766. 5 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تطويل القراء ة في صلاة الليل، حديث: 772. 6 صحيح البخاري، الأذان، باب التكبير إذا قام من السجود، حديث: 789، وصحيح مسلم، الصلاة، باب إثبات التكبير في كل خفض ورفع في الصلاة......، حديث: 392 واللفظ له.

رکوع سے اٹھنے پر «ربنا ولك الحمد» کے ساتھ اور کوئی ماثور دعا پڑھنا: عبداللہ بن ابو اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا! لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءُ الْأَرْضِ، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ»

''اے اللہ! تیری ہی تعریف ہے آسمانوں کی بھرائی کے برابر اور زمین کی بھرائی کے برابر اور ان کے علاوہ اس چیز کی بھرائی کے برابر جو تو چاہے۔''[1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو کہتے:

«اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا! لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءُ الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، أَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ، لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»

''اے اللہ! ہمارے رب! تیری ہی تعریف ہے اس قدر کہ تمام آسمان بھر جائیں، ساری زمین بھر جائے اور زمین و آسمان کے مابین ساری فضا تیری ہی حمد و ثنا سے لبریز ہو جائے اور اس کے بعد بھی تیری اس قدر حمد و ثنا ہو جتنی تو چاہے۔ اے لائق حمد و ثنا برگزیدہ ترین ہستی! جو تو عنایت فرما دے، اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روک لے، وہ کوئی دینے کی سکت نہیں رکھتا اور تیرے مقابلے میں کسی عزت والے کی عزت اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔''[2]

رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک روز نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہا تو آپ کے پیچھے ایک آدمی نے کہا: «رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ» (اے ہمارے رب! تیری ہی تعریف ہے بہت زیادہ انتہائی پاکیزہ اور برکت والی۔) جب نماز سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَنِ الْمُتَكَلِّمُ؟» قَالَ: أَنَا، قَالَ: «رَأَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلَاثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا، أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ»

[1] صحیح مسلم، الصلاة، باب مايقول إذا رفع رأسه مِنَ الركوع، حديث: 476. [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب مايقول إذا رفع رأسه من الركوع، حديث: 478.

"کون تھا بولنے والا؟" ایک شخص نے کہا: میں تھا۔ آپ نے فرمایا: "میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا ہے جو اس کی طرف لپک رہے تھے کہ کون ان میں سے پہلے لکھ لے۔" [1]

دو سجدوں کے درمیان دعا: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز میں دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے: «رَبِّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاجْبُرْنِي وَارْزُقْنِي وَارْفَعْنِي»

"اے میرے رب! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، میری کمزوریوں کی اصلاح فرما دے، مجھے رزق عنایت فرما اور مجھے سرفراز فرما۔" [2]

پہلے تشہد کے بعد رسالت مآب ﷺ پر درود پڑھنا: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم آپ کی مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے۔ رات کے وقت جب اللہ تعالیٰ چاہتا، انھیں اٹھا دیتا۔ آپ مسواک کرتے، وضو فرماتے اور نو رکعات پڑھتے۔ آپ کسی رکعت میں نہ بیٹھتے، صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے اور اس کے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے، نویں رکعت پڑھتے، پھر بیٹھتے، اللہ کا ذکر اور اس کی حمد و ثنا کرتے اور اس کے نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے اور دعا کرتے، پھر سلام پھیر دیتے۔ [3]

محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صریح دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام پہلے تشہد میں اپنے لیے اسی طرح درود پڑھتے تھے جس طرح آخری تشہد میں پڑھتے تھے اور یہ ایک اہم علمی نکتہ ہے۔ اسے پلے باندھ لیجیے بلکہ ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑ لیجیے۔ یہ نہ کہا جائے کہ ایسا صرف رات کی نفلی نماز میں ہوتا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ جو بات ایک نماز میں مشروع ہے، وہ دوسری نماز میں بھی بلا تفریق فرض و نفل مشروع ہے۔ جو کسی فرق کا مدعی ہو، اسے دلیل پیش کرنی چاہیے۔ الخ [4]

دوسرا سلام پھیرنا: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دائیں اور بائیں جانب اس طرح سلام کہا کرتے تھے کہ آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی اور سلام کے الفاظ یہ ہیں:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ» «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ» [5]

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب: 126، حديث: 799. [2] سنن أبي داود، الصلاة، باب الدعاء بين السجدتين، حديث: 850، وجامع الترمذي، الصلاة، باب مايقول بين السجدتين، حديث: 284، سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب مايقول بين السجدتين، حديث: 898 واللفظ له. [3] مسند أبي عوانة، الصلوات، باب بكم ركعة يوتر، حديث: 2295، و سنن النسائي، قيام الليل، باب كيف الوتر بتسع، حديث: 1721. [4] تمام المنة، ص: 224، 225. [5] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب في السلام، حديث: 996، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التسليم في الصلاة، حديث: 295.

رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی ایک سلام پر بھی اکتفا فرماتے تھے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نماز میں اپنے چہرے کے رخ پر سامنے کی طرف ایک سلام کہتے اور چہرہ تھوڑا سا دائیں طرف کر لیتے۔[1]

رفع الیدین کرنا: تکبیر تحریمہ کے لیے اور رکوع کو جاتے ہوئے، رکوع سے اٹھتے ہوئے اور تیسری رکعت کے لیے درمیانی تشہد سے اٹھ کر دونوں ہاتھ کانوں تک یا کندھوں تک اٹھانا۔ یہ سنت درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے تھے جو آپ کے کندھوں کے برابر آ جاتے، پھر آپ اللہ اکبر کہتے۔[2]

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اسی طرح جب آپ رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھ کانوں کی لَو کے برابر تک اٹھاتے۔[3]

جناب نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے۔ اسی طرح رکوع سے اٹھتے ہوئے جب «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر جب دو رکعتوں سے تیسری رکعت کے لیے اٹھتے تب بھی رفع الیدین کرتے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ عمل نبی ﷺ سے منسوب کیا۔[4]

سینے پر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا: سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔ ابو حازم کہتے ہیں: مجھے یہی علم ہے کہ وہ یہ عمل نبی ﷺ ہی سے منسوب کرتے تھے۔[5]

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ»

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر

---

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب: 106، حديث: 296، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب من يسلم تسليمة واحدة، حديث: 919. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب رفع اليدين إذا كبر و إذا ركع وإذا رفع، حديث: 736، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين مع تكبيرة الإحرام......، حديث: 390. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب رفع اليدين إذا كبر و إذا ركع وإذا رفع، حديث: 737، وصحيح مسلم، الصلاه، باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين مع تكبيرة الإحرام والركوع......، حديث: 391. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب رفع اليدين إذا قام من الركعتين،حديث: 739. [5] صحيح البخاري، الأذان، باب وضع اليمنٰى على اليسرٰى في الصلاة، حديث: 740.

سینے پر باندھا۔‘‘[1]

نظر سجدے کی جگہ پر رکھنا: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کی نظر سجدے کی جگہ سے دور نہ ہوئی حتی کہ آپ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے۔[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ؟» فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ: «لَيَنْتَهِيَنَّ عَنْ ذٰلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ»

’’لوگوں کو کیا ہوا کہ اپنی نمازوں میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں؟‘‘ آپ نے یہ بات بڑی سختی سے ارشاد فرمائی حتی کہ آپ نے انتباہ فرمایا: ’’یا تو یہ لوگ اس کام سے باز آ جائیں ورنہ ان کی نظریں اچک لی جائیں گی۔‘‘[3]

احادیث کی روشنی میں رکوع کی خاص کیفیت: جناب ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی نماز کی کیفیت تفصیل سے روایت کی ہے۔

اس روایت میں ہے:

«وَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ»

’’آپ جب رکوع کرتے تو ہاتھ اپنے گھٹنوں پر جما لیتے، کمر کو دوہرا کرتے اور برابر رکھتے (قوس کی طرح گولائی میں نہ رکھتے۔)‘‘[4]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ جب رکوع کرتے تو اپنا سر اوپر اٹھاتے نہ نیچے جھکاتے بلکہ درمیان میں برابر برابر رکھتے۔[5]

ابوحمید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے طریقے سے میں تم سب سے زیادہ آگاہ ہوں، چنانچہ انھوں نے رسالت مآب ﷺ کی نماز کا حال بیان کرتے ہوئے بتایا کہ پھر آپ نے رکوع کیا تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں

[1] صحيح ابن خزيمة، الصلاة، باب وضع اليمين على الشمال......، حديث: 479 (243/1). [2] [صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي: 158/5، والمستدرك للحاكم: 479/1 اور انھوں نے اسے صحيح على شرط الشيخين کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ [3] صحيح البخاري، الأذان، باب رفع البصر إلى السماء في الصلاة، حديث: 750. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب سنّة الجلوس في التشهد، حديث: 828. [5] صحيح مسلم، الصلاة، باب مايجمع صفة الصلاة وما يفتتح به ويختتم به وصفة الركوع والاعتدال منه......، حديث: 498.

پر اس طرح رکھے گویا آپ انھیں پکڑے ہوئے ہیں اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کمان کی تانت کی طرح تنا ہوا رکھ کر اپنے پہلوؤں سے دور رکھا۔[1]

سجدے میں جاتے ہوئے ہاتھ زمین پر گھٹنوں سے پہلے رکھنا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ»

''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے۔''[2]

احادیث کی روشنی میں سجدے کی خاص کیفیت: جناب ابوحمید رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا:

«فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ»

''جب آپ سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ رکھ لیتے نہ تو انھیں بچھا کر رکھتے، نہ انھیں سکیڑتے اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف رکھتے تھے۔''[3]

براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا سَجَدْتَّ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ»

''جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیوں کو اٹھائے رکھو۔''[4]

ابن بُحَيْنَة رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے تو اپنے بازوؤں (کہنیوں) کو اتنا فراخ رکھتے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہونے لگتی۔[5]

ابوحمید رضی اللہ عنہ کی تفصیلی روایت جس میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کی ہے، اس میں ہے کہ

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب افتتاح الصلاة، حديث: 734، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء أنه يجافي يديه عن جنبيه في الركوع، حديث: 260. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، حديث: 840، وسنن النسائي، التطبيق، باب أول ما يصل إلى الأرض من الإنسان في سجوده، حديث: 1092. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب سنة الجلوس في التشهد، حديث: 828. [4] صحيح مسلم، الصلاة، باب الاعتدال في السجود ووضع الكفين على الأرض......، حديث: 494. [5] صحيح البخاري، الأذان، باب يبدي ضبعيه ويجافي في السجود، حديث: 807، وصحيح مسلم، الصلاة، باب الاعتدال في السجود ووضع الكفين على الأرض......، حديث: 495.

آپ جب سجدہ کرتے تو اپنی رانوں (اور پیٹ) میں فاصلہ رکھتے اور اپنا پیٹ رانوں کے ساتھ نہیں لگاتے تھے۔ [1]

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں ایڑیاں آپس میں ملاتے تھے۔ [2]

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کے وقت انگلیاں آپس میں ملاتے تھے۔ [3]

احادیث کی روشنی میں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دو سجدوں کے درمیان بیٹھتے تو) اپنا بایاں پاؤں بچھا لیتے اور دایاں کھڑا کر لیتے۔ [4]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نماز میں سنت یہ ہے کہ آدمی اپنا دایاں پاؤں کھڑا کر لے، اس کی انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف رکھے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ [5]

دو سجدوں کے درمیان کبھی کبھی ایڑیوں پر بیٹھنا بھی درست ہے: جناب ابوزبیر سے منقول ہے کہ انھوں نے طاؤس سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اقعاء (ایڑیوں پر بیٹھنے) کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ سنت ہے۔ ہم نے ان سے کہا: ہم تو اسے آدمی کے لیے بہت برا سمجھتے ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا (نہیں) بلکہ یہ تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ [6]

جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عقبة الشیطان سے منع فرماتے تھے۔ [7]

عقبة الشیطان کی وضاحت: علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر صنعانی لکھتے ہیں: «عقبة الشیطان» کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ آدمی اپنی ایڑیوں پر سرین رکھ کر بیٹھے، اسے اقعاء بھی کہا جاتا ہے۔ عبادلہ (ثلاثہ) یعنی عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے سجدوں کے درمیان یا درمیانی تشہد میں اس طرح بیٹھنے کو اختیار کیا ہے۔ اس کی دوسری صورت منع ہے، یعنی آدمی سرین زمین پر رکھے اور اپنی رانیں اور پنڈلیاں کھڑی کر لے اور اپنے ہاتھ زمین پر رکھے بیٹھا رہے جس طرح کتا بیٹھتا ہے۔ سجدے کی حالت میں اپنے بازو بچھا لینے کی بھی ممانعت پہلے گزر چکی ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوانات سے مشابہت اختیار کرنے کی

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب افتتاح الصلاة، حديث: 735. [2] صحيح ابن خزيمة: 328/1، حديث: 654، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 116/2. [3] صحيح ابن خزيمة: 324/1. [4] صحيح مسلم، الصلاة، باب مايجمع صفة الصلاة وما يفتتح به ويختم به......، حديث: 498، وسنن أبي داود، الصلاة، باب من لم يرالجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، حديث: 783. [5] [صحيح] سنن النسائي، التطبيق، باب الاستقبال بأطراف أصابع القدم القبلة عند القعود للتشهد، حديث: 1159. [6] صحيح مسلم، المساجد، باب جواز الإقعاء على العقبين، حديث: 536، وسنن أبي داود، الصلاة، باب الإقعاء بين السجدتين، حديث: 845. [7] صحيح مسلم، الصلاة، باب ما يجمع صفة الصلاة وما يفتتح به ويختم به......، حديث: 498، سنن أبي داود، الصلاة، باب من لم يرالجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، حديث: 783.

ممانعت فرمائی ہے۔الخ.[1]

سجدے سے سیدھا اٹھ کر کھڑا نہ ہو بلکہ پہلے درست ہو کر بیٹھ جائے: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا، چنانچہ جب آپ نماز کی طاق (پہلی یا تیسری رکعت میں ہوتے) تو سجدے سے سیدھے اٹھ کر کھڑے نہ ہوتے حتی کہ پہلے درست ہو کر بیٹھتے۔[2]

دونوں تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد کے لیے بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور (دائیں ہاتھ سے) ترپن (53) کی گرہ بناتے اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ دوسری روایت ہے: آپ اپنی سب انگلیاں بند کر لیتے اور جو انگوٹھے کے ساتھ ہے، اس سے اشارہ کرتے۔[3]

اور ابو حمید رضی اللہ عنہ کی تفصیلی روایت میں ہے کہ آپ جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دایاں کھڑا کر لیتے اور جب آخری رکعت میں ہوتے تو اپنا بایاں پاؤں آگے بڑھا لیتے اور دوسرا کھڑا رکھتے اور سرین پر بیٹھتے۔[4]

نماز میں مکروہ امور

پہلوؤں (کوکھ) پر ہاتھ رکھنا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو اپنے پہلو (کوکھ) پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔[5]

بلا ضرورت ادھر ادھر نظر دوڑانا: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: «هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ» "یہ اچکنا ہے، شیطان اس طرح بندے کی نماز میں سے کچھ اچک لیتا ہے۔"[6]

---

[1] سبل السلام شرح بلوغ المرام بتحقيق المؤلف:232/2. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب من استوى قاعدًا في وتر من صلاته ثم نَهَضَ، حديث: 823، وسنن أبي داود، الصلاة، باب النهوض في الفرد، حديث: 844. [3] صحيح مسلم، المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة وكيفية وضع اليدين على الفخذين، حديث: 580، وسنن أبي داود، الصلاة، باب الإشارة في التشهد، حديث: 987. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب سنة الجلوس في التشهد، حديث: 828. [5] صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب الخصر في الصلاة ، حديث:1220,1219، وصحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الاختصار في الصلاة، حديث:545. [6] صحيح البخاري، الأذان، باب الالتفات في الصلاة، حديث:751، وسنن أبي داود، الصلاة، باب الالتفات في الصلاة، حديث: 910 واللفظ له .

اپنے سامنے یا دائیں جانب تھوکنا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ شِمَالِهِ تَحْتَ قَدَمِهِ»

''جب تم میں سے کوئی نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے، لہٰذا نمازی اپنے سامنے یا دائیں جانب مت تھوکے، البتہ اپنی بائیں جانب پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔'' [1]

آسمان کی طرف نظر اٹھانا: جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ، أَوْ لَا تَرْجِعُ إِلَيْهِمْ»

''لوگ نماز کے دوران میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آ جائیں ورنہ یہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گی۔'' [2]

کھانا سامنے حاضر ہو جائے یا قضائے حاجت کی ضرورت ہو تو نماز جائز نہیں: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ»

''کھانا حاضر ہونے پر نماز ہوتی ہے نہ اس حالت میں کہ آدمی دو نجاستوں (بول براز) کی مدافعت کر رہا ہو۔'' [3]

نماز میں جمائی لینا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلتَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ»

''جمائی آنا شیطان کی طرف سے ہے۔ جب کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے اسے روکنے کی کوشش کرے۔'' [4]

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب ليبصق عن يساره أوتحت قدمه اليسرى، حديث: 413، وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة وغيرها والنهي عن بصاق المصلي بين يديه وعن يمينه، حديث: 551 واللفظ له. [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب النهي عن رفع البصر إلى السماء في الصلاة، حديث: 428، ومسند أحمد: 108/5. [3] صحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال......، حديث: 560، وسنن أبي داود، الطهارة، باب أيصلي الرجل وهو حاقن؟ حديث: 89. [4] صحيح مسلم، الزهد، باب تشميت العاطس وكراهة التثاؤب، حديث: 2994.

نمازی کا اپنے کپڑے یا بال سمیٹنا: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعَرَ»

''(ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نماز میں) ہم اپنے کپڑے سمیٹیں نہ بال۔'' [1]

سدل کرنا اور منہ ڈھانپنا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے نماز میں سدل کرنے اور آدمی کے اپنا منہ ڈھانپنے سے منع کیا ہے۔ [2]

سدل کیا ہے؟ سدل یہ ہے کہ آدمی اپنے سارے بدن پر کپڑا لپیٹ لے حتی کہ اس کے ہاتھ بھی کپڑے ہی کے اندر چھپے رہیں اور وہ اسی حالت میں رکوع اور سجدہ کرے۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کپڑے کا درمیانی حصہ سر پر رکھے، اس کے دونوں کناروں کو دائیں بائیں لٹکتا چھوڑ دے اور کندھوں پر نہ ڈالے۔ [3]

اشتمال الصماء: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ''اشتمالِ صمّاء'' سے منع فرمایا ہے۔ [4]

اشتمالِ صمّاء کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ایک کپڑے میں خوب لپٹ جائے اور کپڑا اس طرح لٹکائے رکھے کہ اس کے کنارے نہ اٹھائے۔ [5]

تشبیک (ہاتھوں کی قینچی بنانا): مطلب یہ کہ ہاتھوں کی انگلیاں باہم ایک دوسری میں ڈال لینا، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ ...... ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ يَدَيْهِ فَإِنَّهُ فِي صَلَاةٍ»

''جب تم میں سے کوئی وضو کرے...... اور پھر (نماز کی غرض سے) مسجد کا ارادہ کر کے نکلے تو اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں مت ڈالے کیونکہ بلاشبہ وہ نماز میں ہے۔'' [6]

کنکریوں سے کھیلنا اور انھیں ایک سے زائد مرتبہ برابر کرنا: حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے سجدے کی جگہ مٹی برابر کرنے کے متعلق فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب السجود على الأنف، حديث: 812، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر والثوب وعقص الرأس في الصلاة، حديث: 490. [2] سنن أبي داود، الصلاة، باب السدل في الصلاة، حديث: 643، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في كراهية السدل في الصلاة، حديث: 378، و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما يكره في الصلاة، حديث: 966، و مسند أحمد: 295/2 و 345. [3] النهاية لابن أثير: 320/2. [4] صحيح البخاري، الصلاة، باب مايستر من العورة، حديث: 368. [5] النهاية لابن أثير: 448/2. [6] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب ماجاء في الهدي في المشي إلى الصلاة، حديث: 562، ومسند أحمد: 241/4.

«إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً» ”اگر کرنا ہی پڑے تو (صرف) ایک بار!“ [1]

افعالِ نماز میں امام سے آگے بڑھنا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ، أَوْ لَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يَّجْعَلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ؟ أَوْ يَجْعَلَ اللهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ؟»

”تم میں سے جب کوئی اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے تو کیا اسے خوف نہیں آتا مبادا اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے جیسا بنا دے، یا اس کی شکل گدھے کی سی کر دے؟“ [2]

سجدے میں کلائیاں زمین پر بچھا لینا: انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اِعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلَا يَنْبَسِطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ»

”سجدے میں اعتدال و اطمینان اختیار کرو اور کوئی شخص اپنے بازوؤں کو اس طرح نہ بچھائے جیسے کتا بچھاتا ہے۔“ [3]

سجدے کے لیے جاتے ہوئے ہاتھوں سے پہلے گھٹنے زمین پر رکھنا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ»

”جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اس طرح نہ بیٹھے جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے، بلکہ چاہیے کہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے رکھے۔“ [4]

نماز سے غافل کرنے والی اشیاء دیکھنا: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک منقش چادر میں نماز پڑھی اور دوران نماز میں اس کے نقوش پر آپ کی نظر پڑتی رہی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب مسح الحصى في الصلاة، حديث: 1207، وصحيح مسلم، المساجد، باب كراهة مسح الحصى وتسوية التراب في الصلاة، حديث: 546. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام، حديث: 691، وصحيح مسلم، الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بركوع أوسجود ونحوهما، حديث: 427. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب لا يفترش ذراعيه في السجود، حديث: 822، وصحيح مسلم، الصلاة، باب الاعتدال في السجود ووضع الكفين على الأرض......، حديث: 493. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، حديث: 840، وسنن النسائي، التطبيق، باب أول مايصل إلى الأرض من الإنسان في سجوده، حديث: 1091.

«اِذْهَبُوا بِخَمِيصَتِي هٰذِهِ إِلٰى أَبِي جَهْمٍ، وَائْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ، فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي»

''میری یہ منقش چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور اس کی سادہ چادر لے آؤ، اس نے تو مجھے ابھی میری نماز سے مشغول کر دیا تھا۔'' [1]

دوران نماز میں مباح اعمال

بچے کو اٹھا لینا: ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (بعض اوقات) نماز پڑھتے تو (اپنی نواسی) امامہ دختر زینب رضی اللہ عنہا کو اٹھائے ہوئے ہوتے۔ سجدہ کرتے تو اسے نیچے بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔ [2]

سانپ، بچھو مار دینا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اُقْتُلُوا الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ: الْحَيَّةَ وَالْعَقْرَبَ»

''دو سیاہ چیزوں کو دوران نماز میں بھی قتل کر ڈالو، یعنی سانپ اور بچھو کو۔'' [3]

اگر کوئی سلام کہے تو اسے اشارے سے جواب دینا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کو دوران نماز میں سلام کرتے تھے تو آپ انھیں جواب کس طرح مرحمت فرماتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: اس طرح، اور اپنا ہاتھ پھیلا کر دکھایا۔ [4]

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی ضرورت سے بھیجا۔ جب میں واپس آیا تو آپ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا، میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو مجھے بلایا اور فرمایا:

«إِنَّكَ سَلَّمْتَ عَلَيَّ آنِفًا وَّأَنَا أُصَلِّي»

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب إذا صلّى في ثوب له أعلام ونظر إلى علمها، حديث:373، وصحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الصلاة في ثوب لَهٗ أعلام، حديث: 556. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، حديث: 516، وصحيح مسلم، المساجد، باب جواز حمل الصبيان في الصلاة، وأن ثيابهم محمولة على الطهارة......، حديث:543. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب العمل في الصلاة، حديث: 921، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في قتل الأسودين في الصلاة، حديث:390. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب ردالسلام في الصلاة، حديث:927، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الإشارة في الصلاة، حديث:368.

"تم نے ابھی مجھے سلام کیا تھا جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔"[1]

نماز میں رونا یا کراہنا: جناب مطرف بن عبداللہ بن شخیر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ کے سینے میں جوش اور ابال سا تھا جیسے ہنڈیا میں ہوتا ہے اور یہ رونے کی وجہ سے تھا۔[2]

کسی کو متنبہ کرنے کے لیے مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تصفیق کریں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ»

"سبحان اللہ کہنا مردوں کے لیے اور تصفیق عورتوں کے لیے ہے۔"[3]

مسلم کی روایت میں «فِي الصَّلَاةِ» "نماز کے دوران میں" کی صراحت ہے۔

نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو اولاً نرمی سے، نہ مانے تو سختی سے روکنا: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَلْيَدْفَعْهُ، فَإِنْ أَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ»

"جب تم میں سے کوئی ایسی چیز کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو جو اس کے لیے لوگوں سے سترہ (رکاوٹ) ہو اور کوئی اس کے آگے سے گزرنے کی کوشش کرے تو اسے روکے، اگر انکار کرے (اور باز نہ آئے) تو اس سے لڑائی کرے (سختی سے روکے) کیونکہ بلاشبہ وہ شیطان ہے۔"[4]

امام کو لقمہ دینا: حضرت مسور بن یزید مالکی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک بار) نماز پڑھائی تو ایک آیت چھوڑ گئے۔ (نماز کے بعد) ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! آیت تو اس طرح ہے۔ آپ نے فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة......، حديث: 540، و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب المصلّي يسلم عليه كيف يردّ، حديث: 1018 واللفظ له. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب البكاء في الصلاة، حديث: 904، ومسند أحمد: 25/4. [3] صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب التصفيق للنساء، حديث: 1203، وصحيح مسلم، الصلاة، باب تسبيح الرجل وتصفيق المرأة إذا نابهما شيء في الصلاة، حديث: 422. ہتھیلی کو ہتھیلی پر یا ہاتھ کی پشت پر مارنے کو تصفیق کہتے ہیں: معجم لغة الفقهاء. [4] صحيح البخاري، الصلاة، باب يرد المصلي من مرّ بين يديه، حديث: 509، وصحيح مسلم، الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، حديث: 505.

«هَلَّا أَذْكَرْتَنِيهَا!» ”تو تو نے مجھے یاد کیوں نہ کرا دی!“ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور آپ نے اس میں قراءت فرمائی مگر آپ کو کچھ مغالطہ ہو گیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ابی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے:

«أَصَلَّيْتَ مَعَنَا؟» قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «فَمَا مَنَعَكَ؟»

”کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی؟“ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”تجھے کس چیز نے روکا تھا؟ (مجھے آیت کیوں نہیں بتائی؟)“ [2]

بوقت ضرورت تھوڑا سا چل لینا: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں نماز پڑھ رہے تھے، دروازہ اندر سے بند تھا، میں آئی، میں نے دروازہ کھولنے کا کہا تو آپ نے چل کر میرے لیے دروازہ کھول دیا اور پھر اپنی جگہ واپس چلے گئے۔ انھوں نے یہ بھی وضاحت کی کہ دروازہ قبلے کی جانب تھا۔ [3]

سوئے ہوئے کو معمولی سا دبا دینا: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سو رہی ہوتی اور میرے پاؤں آپ کے قبلے کی طرف ہوتے، چنانچہ جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے دبا دیتے، میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوتے تو میں اپنے پاؤں سیدھے کر لیتی۔ فرماتی ہیں کہ ان دنوں گھروں میں دیے نہیں ہوتے تھے۔ [4]

جیب سے رومال وغیرہ نکالنا یا اپنے کپڑے میں تھوک لینا: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي، فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قِبَلَ وَجْهِهِ، فَلَا يَبْصُقَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ وَلَا عَنْ يَّمِينِهِ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهِ تَحْتَ رِجْلِهِ الْيُسْرٰى، فَإِنْ عَجِلَتْ بِهِ بَادِرَةٌ فَلْيَقُلْ بِثَوْبِهِ هٰكَذَا»

”جب تم میں سے کوئی کھڑا نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے چہرے کی جانب ہوتا ہے،

[1] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب الفتح على الإمام في الصلاة، حديث: 907. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الفتح على الإمام في الصلاة، حديث: 907. [3] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب العمل في الصلاة، حديث: 922. [4] صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة على الفراش، حديث: 382، وصحيح مسلم، الصلاة، باب الاعتراض بين يدي المصلي، حديث: 512.

لہٰذا اسے اپنے سامنے ہرگز نہیں تھوکنا چاہیے اور اپنی داہنی جانب بھی نہیں تھوکنا چاہیے۔ اگر تھوکنا ہی ہو تو بائیں جانب، اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوک لے۔ اگر اسے اچانک جلدی میں تھوک آ جائے تو اپنے کپڑے کو یوں کر لے۔'' پھر آپ نے کپڑے کو ایک دوسرے پر لپیٹنے کے بعد مل کر دکھایا۔[1]

بوقت ضرورت نظر گھما کر اطراف میں دیکھنا یا قابل فہم اشارہ کرنا جائز ہے: جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو ہم نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو آپ کی تکبیر سنوا رہے تھے۔ آپ نے ہماری طرف توجہ کی (نظر گھمائی) تو ہمیں کھڑے ہوئے پایا، چنانچہ آپ نے ہماری طرف اشارہ فرمایا تو ہم بیٹھ گئے اور آپ کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔[2]

نماز کو باطل کرنے والے امور

نماز پڑھتے ہوئے جانے بوجھے (عمداً) بات چیت کرنا: معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ»

''بلاشبہ نماز میں لوگوں کی باتوں میں سے کوئی بھی بات جائز نہیں۔ اس میں تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن مجید کی قراءت ہوتی ہے۔''[3]

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نماز میں گفتگو کر لیا کرتے تھے۔ ہم میں سے ایک اپنے ساتھی سے حسب ضرورت بات کر لیا کرتا تھا حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝﴾

''اور تم سب نمازوں اور خاص طور پر درمیان والی نماز کی حفاظت کرو اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے، خاموش رہنے والے بن کر کھڑے ہو۔''[4]

[1] صحيح مسلم، الزهد، باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر حديث: 3008، وسنن أبي داود، الصلاة، باب في كراهية البزاق في المسجد، حديث: 485 بعد الحديث: 480. [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، حديث: 413، وسنن أبي داود، الصلاة، باب الإمام يصلي من قعود، حديث: 602. [3] صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من إباحته، حديث: 537. [4] البقرة 2:238.

تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات چیت کرنے سے روک دیا گیا۔[1]

نمازی کے آگے سے بالغ عورت، گدھے یا سیاہ کتے کا گزر جانا: ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَقْطَعُ صَلَاةَ الرَّجُلِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ آخِرَةِ الرَّحْلِ: اَلْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ»

''عورت، گدھے اور کالے کتے کا گذرنا آدمی کی نماز کو توڑ دیتا ہے جب کہ اس کے سامنے پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر کوئی چیز نہ ہو۔''[2]

یہ اس وقت ہے جب مذکورہ چیزیں نمازی اور سجدے کی جگہ کے درمیان سے گزریں۔

بے وضو ہونے کا یقین: جناب عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ آدمی کو بعض اوقات نماز میں خیال سا آتا ہے کہ اسے کچھ ہوا ہے (باد شکم خارج ہوئی ہے) تو آپ نے فرمایا: «لَا يَنْفَتِلْ - أَوْ: لَا يَنْصَرِفْ - حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا»

''اسے نہیں جانا چاہیے...... یا پھرنا نہیں چاہیے...... حتی کہ آواز سنے یا بو محسوس کرے۔''[3]

نماز کی کوئی شرط یا رکن جانے بوجھے (عمدًا) بغیر عذر کے چھوڑ دینا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ اسی وقت ایک آدمی بھی مسجد میں آیا اور اس نے نماز پڑھی، پھر اس نے نبی ﷺ کو سلام کیا تو آپ نے اسے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''لوٹ جا اور نماز پڑھ لے، بلاشبہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔'' وہ چلا گیا اور اس نے دوبارہ اسی طرح نماز پڑھی جس طرح پہلے پڑھی تھی، پھر آیا اور نبی ﷺ کو سلام کہا، آپ نے پھر فرمایا: ''لوٹ جا اور نماز پڑھ، بلاشبہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔'' اس طرح تین بار ہوا تو اس نے کہا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ معبوث فرمایا ہے! میں اس سے بہتر نہیں پڑھ سکتا، مجھے سکھا دیجیے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب ماينهٰى من الكلام في الصلاة، حديث: 1200، وصحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من إباحته، حديث: 539. [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب قدر ما يستر المصلي، حديث: 510، ومسند احمد: 155/5 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الوضوء، باب لايتوضأ من الشك حتى يستيقن، حديث: 137، وصحيح مسلم، الطهارة، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة ثم شك في الحدث فله أن يصلي بطهارته تلك، حديث: 361.

«إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، وَافْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا»

''جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو اللہ اکبر کہہ، پھر قرآن سے کچھ پڑھ جو تجھے آسان ہو اور تجھے یاد ہو، پھر رکوع کر اطمینان کے ساتھ، پھر سر اٹھا حتی کہ سیدھا برابر کھڑا ہو جا، پھر سجدہ کر اور اطمینان سے سجدہ کر، پھر سر اٹھا حتی کہ اطمینان سے بیٹھ جا اور پھر اپنی ساری نماز میں اسی طرح عمل کر۔'' [1]

خالد بن معدان بعض صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے پاؤں کی پشت پر ایک درہم برابر سفیدی سی تھی، یعنی اس جگہ پر وضو کا پانی نہیں پہنچا تھا تو نبی ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وضو دہراؤ اور (پھر) نماز بھی۔ [2]

نماز کے دوران میں ہنسنا: علامہ ابن منذر کہتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ نماز کے دوران میں ہنسنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ [3]

جان بوجھ کر کھانا پینا: علامہ ابن منذر کہتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ جو شخص فرض نماز میں جان بوجھ کر کھائے یا پیے تو اس کے ذمے ہے کہ نماز دہرائے۔ [4]

اور جمہور کے نزدیک نفل کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ جو عمل فرض کو باطل کرتا ہے، وہ نفل کو بھی باطل کر دیتا ہے۔

نماز کے بعد دعائیں اور اذکار

ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار اللہ سے استغفار کرتے، یعنی اللہ سے مغفرت اور معافی طلب کرتے اور پھر یہ دعا پڑھتے:

«اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ!»

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها في الحضر والسفر وما يجهر فيها وما يخافت، حديث: 757، وصحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، وإنه إذا لم يحسن الفاتحة ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها، حديث: 397. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطهارة، باب تفريق الوضوء، حديث: 175. [3] الإجماع، ص: 48/30. [4] الإجماع، ص: 47/30

’’اے اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے، تو بڑی برکت والا ہے۔ اے عظمت و جلال اور عطا و اکرام والے!‘‘ [1]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ہر نماز کے بعد ان الفاظ میں اللہ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ»

’’اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بخیلی سے، میں تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے، میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس حال سے کہ رذیل عمر کی طرف لوٹا دیا جاؤں اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنے سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے۔‘‘ [2]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اَللّٰهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»

’’اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اور حکومت اسی کی ہے، ہر طرح کی تعریف کے لائق بھی وہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔ اے اللہ! جو تو دینا چاہے، اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو روک لے، وہ کوئی دے نہیں سکتا اور کسی غنی کو اس کا مال دار ہونا تیرے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔‘‘ [3]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد جب سلام پھیرتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ»

’’اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، ملک اور حکومت اسی کی ہے، سب

[1] صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ، حدیث:592,591. [2] صحیح البخاري، الجهاد و السیر، باب مایتعوذ من الجبن، حدیث:2822 و 6365 و 6370. [3] صحیح البخاري، الأذان، باب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:844، وصحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ، حدیث:593.

تعریفیں اس کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، برائی سے بچنا اور نیکی کی ہمت اللہ ہی کی توفیق سے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، تمام نعمتیں اور احسانات اسی کی طرف سے ہیں اور بہترین حمد وثنا کا بھی وہی مستحق ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، ہم اپنی اطاعت کو اسی کے لیے خالص کرنے والے ہیں، چاہے یہ بات کافروں کو کتنی ہی بری لگے۔''

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کا ہر نماز کے بعد ورد کیا کرتے تھے۔ [1]

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مُعَقِّبَاتٌ لَّا يَخِيبُ قَائِلُهُنَّ، أَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَّكْتُوبَةٍ، ثَلَاثًا وَّثَلَاثِينَ تَسْبِيحَةً، وَثَلَاثًا وَّثَلَاثِينَ تَحْمِيدَةً، وَأَرْبَعًا وَّثَلَاثِينَ تَكْبِيرَةً»

''چند کلمات ہیں جو نماز کے بعد پڑھے جانے کے لائق ہیں، ہر فرض نماز کے بعد ان کا پڑھنے والا کبھی خسارے میں نہیں رہے گا: تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر۔'' [2]

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا:

«أُوصِيكَ يَامُعَاذُ! لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ تَقُولُ: اَللّٰهُمَّ! أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»

''اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ کسی نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا ہرگز نہ چھوڑنا:

''اے اللہ! میری مدد فرما اپنا ذکر کرنے، اپنا شکر کرنے اور اپنی بہترین عبادت کرنے میں۔'' [3]

ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَّكْتُوبَةٍ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ»

''جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنا معمول بنا لیا تو اس کے جنت میں داخلے کے لیے سوائے موت کے اور کوئی چیز رکاوٹ نہ ہوگی۔'' [4]

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، حديث: 594، وسنن أبي داود، الوتر، باب مايقول الرجل إذا سلم، حديث: 1507. [2] صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، حديث: 596. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، حديث: 1522، ومسند أحمد: 5/245-247. [4] عمل اليوم والليلة للنسائي، حديث: 100. علامہ البانی نے الصحیحۃ میں اسے صحیح کہا ہے، حدیث: 972.

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھا کروں۔ [1]

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب صبح کی نماز سے سلام پھیرتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا، وَرِزْقًا طَيِّبًا، وَعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا»

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ایسے علم کا جو نفع آور ہو، ایسے رزق کا جو حلال اور پاکیزہ ہو اور ایسے عمل کا جو تیرے ہاں شرف قبولیت پائے۔'' [2]

نوافل کا بیان

نفلی نماز کا بیان

نفل نماز کی فضیلت: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ قیامت کے دن انسان کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ چنانچہ اگر اس کی نماز درست ہوئی تو یقیناً وہ شخص کامیاب و بامراد ہوگیا اور اگر نماز خراب ہوئی تو یقیناً وہ شخص خائب و خاسر ہوگیا۔ اگر اس کی فرض نماز میں سے کچھ کمی ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

«اُنْظُرُوا هَلْ لِّعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ؟ فَيُكْمِلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ يَكُونُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلٰى ذٰلِكَ»

''دیکھو! کیا میرے بندے کے کچھ نوافل بھی ہیں؟ (اگر نوافل ہوں) تو وہ ان کے ذریعے سے فرائض کی کمی کو پورا کرے گا۔ پھر باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا۔'' [3]

ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: «سَلْ» ''مانگ لو (جو چاہتے ہو۔)'' میں نے عرض کیا: میں جنت میں آپ کا ساتھ چاہتا ہوں! آپ نے فرمایا: «أَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ؟» ''اس کے علاوہ کچھ اور کہو۔''

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، حديث: 1523، والصحيحة للألباني، حديث: 1514. معوذات سے مراد قل أعوذ برب الفلق، قل أعوذ برب الناس اور قل هو الله أحد. (عبدالولی) [2] [صحيح] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب مايقال بعد التسليم، حديث: 925، ومسند أحمد: 305/6. [3] [صحيح] سنن النسائي، الصلاة، باب المحاسبة على الصلاة، حديث: 466، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء أن أول ما يحاسب به العبد......، حديث: 413 واللفظ له.

میں نے عرض کیا: میری چاہت یہی ہے! آپ نے فرمایا: «فَأَعِنِّي عَلَىٰ نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ» ”تو پھر اپنے لیے بہت زیادہ سجدوں کے ساتھ میری مدد کرو۔“ [1]

مستحب اور بہتر یہ ہے کہ نفل نماز گھر میں پڑھی جائے: جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی (فرض) نماز مسجد میں ادا کرلے تو اپنی نماز میں سے کچھ حصہ گھر کے لیے رکھ لے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں اس نماز کی وجہ سے خیر رکھے گا۔“ [2]

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنوعبدالاشہل کی مسجد میں مغرب کی نماز ادا فرمائی تو (آپ نے دیکھا کہ) کچھ لوگ نفل، یعنی مغرب کی سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فِي الْبُيُوتِ» ”یہ نماز گھروں میں پڑھا کرو۔“ [3]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ! فِي بُيُوتِكُمْ، فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ»

”اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو۔ بلاشبہ آدمی کی سب سے افضل نماز وہی ہے جو وہ گھر میں پڑھتا ہے، سوائے فرض کے۔“ [4]

نفل نماز کی اقسام: نفل نماز دو طرح کی ہے: ایک مطلق اور دوسری مقیّد۔

مقید نوافل سے مراد وہ معروف سنتیں ہیں جو فرض نمازوں سے پہلے یا بعد پڑھی جاتی ہیں جنھیں سنن راتبہ بھی کہتے ہیں اور یہ دو قسم کی ہیں: موکدہ اور غیر موکدہ۔ موکدہ سنتیں (جو زیادہ تاکیدی ہیں) دس یا بارہ رکعات ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس رکعتیں یاد کی ہیں۔ دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد، دو رکعتیں مغرب کے بعد اپنے گھر میں، دو رکعتیں عشاء کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں فجر سے پہلے۔ [5]

---

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب فضل السجود، والحث عليه، حديث: 489. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة النافلة في بيته......، حديث: 778. [3] جامع الترمذي، الجمعة، باب ماذكر في الصلاة بعد المغرب أنه في البيت أفضل، حديث: 604، وله شاهد في مسند أحمد: 427/5. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب صلاة الليل، حديث: 731. [5] صحيح البخاري، الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها، حديث: 937 و 1180، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن......، حديث: 729.

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ صَلَّى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ»

''جس نے دن اور رات میں بارہ رکعتیں پڑھیں، اس کے لیے ان کے بدلے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔''[1]

مسلم ہی میں اس روایت کے بعض طرق میں ان کے ''نفل نماز'' ہونے کی صراحت آئی ہے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَدَعُ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْغَدَاةِ»

''نبی ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعت سنت اور نماز فجر سے پہلے دو رکعت سنت نہیں چھوڑتے تھے۔''[2]

غیر مؤکدہ سنتیں: (1) عصر سے پہلے چار رکعتیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَحِمَ اللهُ امْرَءًا صَلَّى أَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ»

''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتا ہے۔''[3]

(2) مغرب سے پہلے دو رکعتیں: حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ» ''نماز مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔'' پھر تیسری بار فرمایا: ''جو چاہے۔''

آپ نے ناپسند فرمایا کہ لوگ کہیں اس کو لازمی سنت ہی نہ بنا لیں۔[4]

(3) عشاء سے پہلے دو رکعتیں: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ، بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ» ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «لِمَنْ شَاءَ»

ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔'' پھر تیسری بار فرمایا: ''جو چاہے۔''[5]

رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں کا خاص اہتمام فرماتے تھے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کسی نفل نماز کی اس قدر پابندی نہیں فرماتے تھے جس قدر فجر کی سنتوں کی کرتے تھے۔[6]

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل السنن الراتبة قبل الفرائض وبعدهن وبيان عددهن، حديث: 728. [2] صحيح البخاري، التهجد، باب الركعتين قبل الظهر، حديث: 1182. [3] [صحيح] سنن أبي داود، التطوع، باب الصلاة قبل العصر، حديث: 1271، ومسند أحمد: 2/117. [4] صحيح البخاري، التهجد، باب الصلاة قبل المغرب، حديث: 1183. [5] صحيح البخاري، الأذان، باب بين كل أذانين صلاة لمن شاء، حديث: 627. اسی سے عصر اور مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ (عبدالولی) [6] صحيح البخاري، التهجد، باب تعاهد ركعتي الفجر ومن سماهما تطوعًا، حديث: 1169، قبل الحديث: 1170، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما...... حديث: 724.

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا» ’’فجر کی دو رکعتیں دنیا اور جو اس کے اندر ہے، اس سے بڑھ کر (قیمتی) ہیں۔‘‘ [1]

فجر کی سنتوں میں کیا پڑھا جائے؟ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں بہت ہلکی پڑھا کرتے تھے حتی کہ میں کہتی تھی: بھلا آپ نے فاتحہ بھی پڑھی ہے؟‘‘ [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فجر کی سنتوں میں ﴿ قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ ﴾ اور ﴿ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ﴾ کی قراءت فرمائی۔ [3]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں میں سے پہلی رکعت میں ﴿ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا ﴾ [4] جو سورۂ بقرہ میں ہے اور دوسری میں ﴿ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴾ [5] پڑھا کرتے تھے۔ [6]

فجر کی سنتوں کے بعد دائیں کروٹ لیٹنا سنت ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ جب فجر کی دو رکعتیں پڑھ لیتے، پھر اگر میں جاگ رہی ہوتی تو آپ ﷺ مجھ سے باتیں کرتے ورنہ دائیں کروٹ لیٹ جاتے۔ [7]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: راجح اور افضل یہی ہے کہ یہ عمل سنت ہے۔ [8]

علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر کہتے ہیں کہ یہی بات قریب تر ہے اور آپ علیہ السلام کا اس عمل کی پابندی نہ کرنا اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔ پھر لیٹنے کے لیے مسنون یہی ہے کہ آدمی اپنی دائیں کروٹ پر لیٹے۔ [9]

وتر سنت موکدہ ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وتر فرض نماز کی طرح واجب اور لازم نہیں لیکن سنت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے اختیار فرمایا ہے۔ [10]

---

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما وتخفيفهما و المحافظة عليهما وبيان ما يستحب أن يقرأ فيهما، حديث: 725. [2] صحيح البخاري، التهجد، باب ما يقرأ في ركعتي الفجر، حديث: 1171 قبل الحديث: 1162، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر، والحث عليهما......، حديث: 724. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما......، حديث 726. [4] البقرة 136:2. [5] آل عمرٰن 52:3. [6] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما......، حديث: 727. [7] صحيح البخاري، التهجد، باب الضجعة على الشق الأيمن بعد ركعتي الفجر، حديث: 1161,1160، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل......، حديث: 743. [8] شرح صحيح مسلم للنووي: 34/6. [9] سبل السلام شرح بلوغ المرام، حديث: 341. [10] [صحيح] جامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء أن الوتر ليس بحتم، حديث: 454، وسنن النسائي، قيام الليل، باب الأمر بالوتر، حديث: 1677.

وتر کا وقت نمازِ عشاء کے بعد ساری رات ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے سب اوقات میں وتر پڑھے ہیں۔ آپ کے وتر کا آخری وقت سحر تک پہنچا ہے۔[1]

خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَدْ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ، وَهِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ حُمْرِ النَّعَمِ، وَهِيَ الْوِتْرُ، فَجَعَلَهَا لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلٰى طُلُوعِ الْفَجْرِ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایک اضافی نماز عنایت فرمائی ہے جو تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر قیمتی ہے اور وہ نماز وتر ہے جس کا وقت تمھارے لیے اس نے نماز عشاء سے لے کر طلوع فجر تک مقرر کیا ہے۔''[2]

جسے اندیشہ ہو کہ پچھلی رات نہیں اٹھ سکے گا تو اس کے لیے مستحب ہے کہ اول رات ہی میں پڑھ لے اور جسے غالب امید ہو کہ پچھلی رات جاگ جائے گا، اس کے لیے تاخیر کرنا مستحب ہے: جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّكُمْ خَافَ أَنْ لَّا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ، ثُمَّ لْيَرْقُدْ، وَمَنْ وَّثِقَ بِقِيَامٍ مِّنَ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ مِنْ آخِرِهِ، فَإِنَّ قِرَاءَةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَحْضُورَةٌ، وَذٰلِكَ أَفْضَلُ»

''جسے اندیشہ ہو کہ پچھلی رات نہیں اٹھ سکے گا، اسے چاہیے کہ وتر پڑھ کر سو جائے اور جسے یقین ہو کہ پچھلی رات اٹھ جائے گا تو اسے چاہیے کہ پچھلی رات ہی وتر پڑھے، بلاشبہ پچھلی رات کی قراءت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ افضل ہے۔''[3]

وتر کی کتنی رکعتیں ہیں؟ وتر کم از کم ایک رکعت ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً، تُوتِرُ لَهُ مَا قَدْ صَلّٰى»

---

[1] صحيح البخاري، الوتر، باب ساعات الوتر، حديث: 996، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل، وأن الوتر ركعة وأن الركعة صلاة صحيحة، حديث: 745. [2] [صحيح دون قوله: «هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ حُمْرِ النَّعَمِ»] سنن أبي داود، الوتر، باب استحباب الوتر، حديث: 1418، وجامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء في فضل الوتر، حديث: 452. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله، حديث: 755.

”رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب تم میں سے کسی کو اندیشہ ہو کہ صبح ہونے لگی ہے تو ایک رکعت پڑھ لے، یہ اس کی پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی۔“ [1]

تین، پانچ، سات یا نو وتر پڑھنا بھی درست ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ آپ چار رکعت پڑھتے، ان کی خوبصورتی اور لمبائی کا مت پوچھ، پھر آپ چار رکعت پڑھتے، ان کی خوبصورتی اور لمبائی کا مت پوچھ، پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے۔ [2]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ ان میں سے پانچ رکعت وتر ہوتے تھے جن میں آپ آخری رکعت کے علاوہ کسی میں نہ بیٹھتے تھے۔ [3]

جناب سعد بن ہشام سے روایت ہے کہ انھوں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے وتر کے بارے میں بتائیے تو انھوں نے کہا: ہم آپ کے لیے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ رات کے وقت جب آپ کو اٹھانا چاہتا، اٹھا دیتا تو آپ مسواک کرتے، وضو فرماتے اور نو رکعات پڑھتے۔ آپ ان میں صرف آٹھویں رکعت ہی میں بیٹھتے، اللہ کا ذکر کرتے، حمد و ثنا پڑھتے اور دعا کرتے، پھر اٹھتے اور سلام پھیرے بغیر کھڑے ہوتے اور نویں رکعت پڑھتے، پھر بیٹھتے اور اللہ کا ذکر کرتے، حمد و ثنا پڑھتے اور دعا کرتے، پھر سلام پھیرتے اس طرح کہ ہمیں سنوا دیتے۔ پھر سلام کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعت پڑھتے تو یہ گیارہ رکعتیں ہوتیں، اے میرے بیٹے! پھر جب آپ بڑی عمر کے ہو گئے اور کچھ فربہ بھی! تو آپ سات رکعت وتر پڑھنے لگے، اور (بعد کی) دو رکعتوں میں پہلے ہی کی مانند کرتے تو یہ نو رکعتیں ہوتیں اے میرے بیٹے!“ [4]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُوتِرُوا بِثَلَاثٍ، أَوْتِرُوا بِخَمْسٍ أَوْ بِسَبْعٍ، وَلَا تَشَبَّهُوا بِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ»

”تین رکعت وتر نہ پڑھا کرو بلکہ پانچ یا سات رکعات پڑھا کرو اور نماز مغرب سے مشابہت نہ کیا کرو۔“ [5]

---

[1] صحيح البخاري، الوتر، باب ماجاء في الوتر، حديث: 990، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنى مثنى، والوتر ركعة من آخر الليل، حديث: 749. [2] صحيح البخاري، التهجد، باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان وغيره، حديث: 1147، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل وأن الوتر ركعة......، حديث: 738. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل وأن الوتر ركعة......، حديث: 737. [4] [صحيح] سنن أبي داود، التطوع، باب في صلاة الليل، حديث: 1342، و مسند أحمد: 54,53/6. [5] [صحيح] سنن الدار قطني: 24/2، وصحيح ابن حبان، حديث: 2429 واللفظ له .

مطلقاً تین رکعات وتر پڑھنے منع نہیں ہیں بلکہ منع اس صورت میں ہیں جب مغرب کی نماز سے مشابہت ہو رہی ہو۔[1]

تین رکعات وتر میں مسنون قراءت: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتروں میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾، ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔[2]

وتروں میں دعائے قنوت: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے ہیں کہ میں انھیں قنوت وتر میں پڑھا کروں:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا! وَتَعَالَيْتَ»

''اے اللہ! مجھے ہدایت دے ان لوگوں کے ساتھ جنھیں تو نے ہدایت دی، مجھے آرام و عافیت دے ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے عافیت دی اور میرا دوست اور والی بن ان لوگوں کے ساتھ جن کا تو والی بنا اور برکت دے مجھے اس چیز میں جو تو نے عنایت فرمائی اور بچائے رکھ مجھے اس شر سے جس کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے، بلاشبہ تو فیصلے کرتا ہے، تیرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا اور بلا شبہ تو جس کا والی ہو، وہ ذلیل و رسوا نہیں ہوسکتا اور تو جس کا دشمن ہو جائے، وہ معزز نہیں ہوسکتا۔ اے ہمارے رب! تو بڑی برکت والا اور نہایت اونچی شان والا ہے۔''[3]

دعائے قنوت پڑھنے کا موقع رکوع سے پہلے قراءت کے بعد ہے: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر پڑھتے تو رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے۔[4]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: صلاة التراويح للعلامة الألباني، ص: 111. نماز مغرب سے مشابہت اس صورت میں بھی ختم ہو جاتی ہے جب تین رکعت میں ایک ہی قعدہ، یعنی آخری قعدہ کیا جائے اور درمیانی قعدہ نہ کیا جائے۔ (عبدالولی) [2] [صحيح] سنن النسائي، قيام الليل، باب نوع آخر من القراءة في الوتر، حديث: 1731،1730، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيما يقرأ في الوتر، حديث: 1171. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الوتر، باب القنوت في الوتر، حديث: 1425، وجامع الترمذي، الوتر، باب ماجاء في القنوت في الوتر، حديث: 464، ومسند أحمد: 199/1. [4] [صحيح] سنن النسائي، قيام الليل، باب ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر أبي بن كعب في الوتر، حديث: 1700، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في القنوت قبل الركوع و بعده، حديث: 1182.

رات کا قیام سنت اور مستحب ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝﴾

"بلاشبہ متقین باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کا رب انھیں دے گا، وہ اسے لے رہے ہوں گے۔ بلاشبہ وہ اس سے پہلے نیکو کار تھے۔ وہ رات کو بہت ہی تھوڑا سوتے تھے۔ اور وہ سحری کے وقت مغفرت مانگا کرتے تھے۔ اور ان کے اموال میں سوالی اور محروم (نہ مانگنے والے) شخص کا حق (حصہ) ہوتا تھا۔" [1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ، صَلَاةُ اللَّيْلِ»

"فرضوں کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔" [2]

رمضان میں قیام اللیل کا استحباب مزید مؤکد ہو جاتا ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کا واجب کیے بغیر بہت شوق دلایا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

"جس نے ایمان کی بنا پر اجر و ثواب کے لیے رمضان کا قیام کیا تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔" [3]

قیام اللیل کی رکعتوں کی تعداد کتنی ہے؟ رات کی نماز کی رکعات کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعات ہیں۔ جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں آیا ہے جو پہلے رکعات وتر کے ذیل میں بیان کی جا چکی ہے۔

قیام رمضان میں جماعت مشروع اور سنت ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نکلے اور مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ اس پر اور لوگ بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھنے لگے اور انھوں نے صبح کو اس کا ذکر کیا تو (اگلی) رات کو زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رات بھی نکلے تو لوگوں نے آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی اور صبح کو لوگوں نے اس کا پھر تذکرہ کیا تو تیسری رات مسجد میں لوگ

[1] الذّٰريٰت 51:15-19. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب فضل صوم المحرم، حديث: 1163. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب تطوع قيام رمضان من الإيمان، حديث: 37، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 759.

بہت زیادہ جمع ہو گئے۔ آپ تشریف لائے تو انھوں نے آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب چوتھی رات ہوئی تو اتنی کثرت سے لوگ آئے کہ مسجد کی گنجائش تنگ پڑ گئی۔ رسول اللہ ﷺ ان کے لیے باہر نہ نکلے تو لوگ نماز! نماز! کہنے لگے، مگر رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے، بس فجر کی نماز ہی کے لیے نکلے۔ جب فجر کی نماز پڑھ چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، کلمات شہادت پڑھے اور فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ شَأْنُكُمُ اللَّيْلَةَ، وَلٰكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ، فَتَعْجِزُوا عَنْهَا»

''امابعد! تمھاری رات کی حالت مجھ پر مخفی نہیں تھی لیکن مجھے اندیشہ ہوا، مبادا رات کی یہ نماز تم پر فرض کر دی جائے اور پھر تم اس سے عاجز آ جاؤ۔'' [1]

جناب عبدالرحمٰن بن عبدٍ القاری کہتے ہیں کہ میں رمضان المبارک میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف آیا تو دیکھا کہ لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کوئی اکیلا اپنی نماز پڑھ رہا تھا اور کچھ افراد امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا خیال ہے کہ اگر ان لوگوں کو ایک قاری (امام) کے ساتھ جمع کر دوں تو یہ بہتر رہے گا۔ پھر انھوں نے اس کا عزم کر ہی لیا اور انھیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں جمع کر دیا، پھر میں ان کے ساتھ دوسری رات نکلا اور لوگ اپنے قاری (امام) کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ ایک اچھی ابتدا ہے اور جس نماز سے یہ لوگ سو جاتے ہیں، وہ اس سے افضل ہے جس کا وہ قیام کر رہے ہیں۔ مقصد ہے کہ جو پچھلی رات کا قیام ہے، وہ افضل ہے۔ جبکہ یہ لوگ رات کے اول وقت قیام کر رہے تھے۔ [2]

* ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اور جناب عبدالرحمٰن بن عبدٍ القاری کے اثر سے واضح ہے کہ رمضان میں رات کا قیام مشروع ہے اور اس کا باجماعت اہتمام بھی سنت ہے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ نے اسے چوتھی رات اس اندیشے کے تحت چھوڑ دیا کہ ایسا نہ ہو اسے فرض قرار دے دیا جائے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور وہ اندیشہ باقی نہ رہا جس کا آپ نے اظہار فرمایا تھا تو اس کے باجماعت قائم کرنے کی سنت باقی رہی، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ آئے اور اس کے باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ سنت زندہ ہو جائے جو رسول اللہ ﷺ نے شروع فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر ''شرعی بدعت'' کا اطلاق نہیں ہوتا۔

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء: أمّا بعد، حديث: 924، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 761 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، حديث: 2010.

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات کہ ''یہ ایک اچھی ابتدا ہے'' اس کا زیادہ سے زیادہ یہی مفہوم ہے کہ یہ لغوی بدعت ہے، شرعی بدعت نہیں ہے۔[1]

قیام اللیل قضا ہو جائے تو......؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ، أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ، فَقَرَأَهُ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ، كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ»

''جس شخص کا سوئے رہنے کی وجہ سے (رات کا) وِرد یا اس کا کچھ حصہ رہ جائے تو پھر اسے نماز فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لے تو اس کے لیے یہی لکھا جائے گا کہ گویا اس نے اسے رات ہی کو پڑھا ہے۔''[2]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز اگر کسی درد وغیرہ کی وجہ سے فوت ہو جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔[3]

قیام اللیل کی پابندی کرنے والے کے لیے اس کا ترک کرنا مکروہ ہے: جناب عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا عَبْدَ اللهِ! لَا تَكُنْ مِّثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ»

''اے عبداللہ! فلاں کی مانند مت ہو جانا، وہ رات کا قیام کیا کرتا تھا، پھر اسے چھوڑ بیٹھا۔''[4]

صلاۃ ضحیٰ، یعنی اوّابین کی نماز: (1) اس کے مشروع ہونے کی دلیل: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے: ہر مہینے تین روزے رکھنے کی، ضحیٰ کی دو رکعتوں کی اور یہ کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں۔[5]

(2) ضحیٰ کی فضیلت: ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] اقتضاء الصراط المستقيم، ص: 275-277. یہ بھی یاد رہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت کی ابتدا نہیں کی ہے، اس نماز کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ان کے اس حکم سے پہلے بھی جاری تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی امام پر سب کو جمع کیا جیسا کہ مذکورہ حدیث بخاری سے واضح ہے۔ (عبدالولی) [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل، ومن نام عنه أومرض، حديث: 747. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل، ومن نام عنه أومرض، حديث: 746. [4] صحيح البخاري، التهجد، باب مايكره من تَرْكِ قيام الليل لمن كان يقومه، حديث: 1152، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر......، حديث: 1159. [5] صحيح البخاري، الصوم، باب صيام البيض، ثلاث عشرة وأربع عشرة وخمس عشرة، حديث: 1981، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحىٰ، وأن أقلها ركعتان ......، حديث: 721.

«يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى»

''صبح ہوتی ہے تو تم میں سے ہر ایک کے جوڑ جوڑ پر صدقہ لازم ہو چکا ہوتا ہے۔ تو ہر تسبیح (سبحان اللہ کہنا) ایک صدقہ ہے، ہر تحمید (الحمد للہ کہنا) ایک صدقہ ہے، ہر تہلیل (لا الہ الا اللہ کہنا) ایک صدقہ ہے، ہر تکبیر (اللہ اکبر کہنا) ایک صدقہ ہے، نیکی کی تلقین ایک صدقہ ہے اور برائی سے روکنا ایک صدقہ ہے۔ جبکہ ضحیٰ کی دو رکعتیں جو کوئی پڑھ لے تو یہ ان سب سے کفایت کرتی ہیں۔''[1]

[3] ضحیٰ کی تعداد رکعات: اس کی کم سے کم رکعات دو، متوسط چار اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ہیں۔ دو رکعات کی دلیل تو اوپر بیان ہو چکی اور چار رکعت کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نعیم بن ہمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«قَالَ اللّٰهُ - عَزَّوَجَلَّ: ابْنَ آدَمَ! صَلِّ لِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ»

''اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے ابن آدم! دن کے شروع میں میرے لیے چار رکعتیں پڑھ، میں اس کے آخر تک تجھے کافی ہو جاؤں گا۔''[2]

آٹھ رکعات کی دلیل ام ہانی رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ فتح مکہ کے سال، جبکہ آپ ﷺ مکہ کی بالائی جانب ٹھہرے ہوئے تھے، وہ (ام ہانی رضی اللہ عنہا) آپ کے پاس آئیں تو دیکھا کہ آپ نہانے کے لیے اٹھے ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (ایک کپڑے سے) آپ کے لیے پردے کا اہتمام کیا ہوا ہے، پھر آپ نے اپنا کپڑا لیا اور اسے لپیٹ لیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے آٹھ رکعات ضحیٰ کے نفل پڑھے۔[3]

[4] ضحیٰ کا افضل وقت: زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اہل قبا کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ ضحیٰ کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: «صَلَاةُ الْأَوَّابِينَ إِذَا رَمِضَتِ الْفِصَالُ مِنَ الضُّحٰى»

''اوابین، یعنی وہ لوگ جو اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے ہیں، کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب سورج بلند ہونے پر اونٹنیوں کے بچوں کے پاؤں جلنے لگتے ہیں۔''[4]

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب صلاة الضحى، وأن أقلها ركعتان، وأكملها ثمان ركعات......، حديث: 720. [2] سنن أبي داود، التطوع، باب صلاة الضحى، حديث: 1289، ومسند أحمد: 287/5 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفا به، حديث: 357، وصحيح مسلم، الحيض، باب تستر المغتسل بثوب ونحوه، حديث: 336. [4] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الأوابين حين ترمض الفصال، حديث: 748، و مسند أحمد: 366/4 واللفظ له.

اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب سورج خوب اچھی طرح بلند ہو جائے اور دھوپ کی تپش سے زمین گرم ہو جائے۔

وضو کے بعد نفل پڑھنا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (ایک دن) صبح کی نماز کے وقت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”اے بلال! اپنا وہ عمل تو بتاؤ جس سے تمھیں بہت زیادہ امید ہو، جو تم نے اسلام لانے کے بعد اختیار کیا ہے۔ بلاشبہ میں نے جنت میں اپنے آگے آگے تمھارے جوتوں کی آہٹ سنی ہے۔“ انھوں نے کہا: میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو میرے نزدیک بہت زیادہ قابل امید ہو سوائے اس کے کہ دن ہو یا رات، میں نے جس وقت بھی وضو کیا تو میں نے اس کے ساتھ اتنی نماز پڑھی ہے جتنی اللہ نے توفیق دی۔ [1]

نماز استخارہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام اہم امور میں ہمیں استخارے کی تعلیم اور تلقین اسی طرح فرمایا کرتے تھے جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے، آپ فرماتے تھے:

«إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ. اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاقْدُرْهُ لِي، وَيَسِّرْهُ لِي، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ. قَالَ: وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ».

”جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ دو رکعتیں پڑھے، فرض کے علاوہ (نفل)، پھر یوں دعا کرے: ”اے اللہ! میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر اور بھلائی چاہتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے ہمت اور طاقت کا سوال کرتا ہوں اور تیرے بڑے فضل کا سوالی ہوں، بلاشبہ تو قدرت والا ہے اور مجھ میں کوئی طاقت نہیں، تو خوب جانتا ہے اور میں کچھ نہیں جانتا اور تو سب غیبوں سے آگاہ ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (اس جگہ کام کا نام لے) میرے لیے میرے دین میں، میری معاش اور انجام کار میں...... یا فرمایا: فی الحال اور آخرت کے لحاظ سے اور مستقبل قریب میں یا بعید میں بہتر ہو تو اسے

[1] صحيح البخاري، التهجد، باب فضل الطهور بالليل والنهار، وفضل الصلاة عند الطهور بالليل والنهار، حديث: 1149، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل بلال ﷺ، حديث: 2458.

میرے لیے مقدر فرما دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے اور پھر اس میں مجھے برکت دے۔ اور اگر تیرے علم کے مطابق میرے لیے یہ کام (اس جگہ کام کا نام لے) میرے دین میں، میری معاش اور انجام کار میں...... یا فرمایا: فی الحال اور آخرت کے لحاظ سے اور مستقبل قریب میں یا بعید میں میرے لیے برا ہو تو اسے مجھ سے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لیے بھلائی مقدر فرما جہاں بھی وہ ہو، پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔ اور اپنی ضرورت کا نام لے۔"[1]

سجود سہو، تلاوت اور شکر

سجود سہو[2]

سجود سہو تین وجوہ سے لازم آتے ہیں: (1) نماز میں کسی عمل کا اضافہ: نمازی اگر اپنی نماز میں قیام، قعود، رکوع یا سجدہ جان بوجھ کر زیادہ کر دے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر بھولے سے ایسا ہو اور اسے اپنا یہ اضافی عمل یاد نہ رہے حتی کہ اس اضافے سے فارغ ہو جائے تو اس پر سوائے سجود سہو کے اور کچھ لازم نہیں اور اس کی نماز بالکل صحیح ہے لیکن اگر اس اضافے کے دوران میں اسے یہ بات یاد آ جائے تو اس پر اس سے رجوع (ترک کرنا) واجب ہے اور سہو کے سجدے بھی اور نماز اس کی صحیح ہوگی۔

(2) کسی لازمی عمل کی کمی: اگر کوئی نمازی اپنی نماز مکمل کرنے سے پہلے جانے بوجھے سلام پھیر دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر بھولے سے ایسا ہو اور بہت دیر کے بعد یاد آئے تو وہ اپنی نماز دہرائے اور اگر جلد ہی، یعنی دو تین منٹ میں یاد آ جائے تو وہ اپنی نماز مکمل کرے اور سلام پھیرے، پھر سہو کے سجدے کرے اور سلام پھیرے۔

---

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب الدُّعاء عند الاستخارة، حديث: 6382 و 1162 بعد الحديث: 1171. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استخارہ وہ شخص خود کرے جسے کوئی کام درپیش ہو، کوئی شخص دوسرے کے لیے استخارہ نہیں کر سکتا۔ اس سے اس نئے طریقے (بدعت) کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ بعض بے علم اور سادہ لوح قسم کے لوگ نام نہاد بزرگوں اور پیروں سے اپنے لیے استخارہ کراتے ہیں اور یہ علماء و پیر صاحبان بھی اپنے مفادات کے لیے انھیں اندھیرے میں رکھ کر ان کے لیے استخارہ کرنے کی ہامی بھرتے ہیں۔ یہ طریقہ بدعت ہے۔ سنت یہ ہے کہ ہر بندہ خود استخارہ کرے جیسا کہ نبی ﷺ نے حکم دیا ہے۔ (عبدالولی) [2] سہو، یعنی بھول چوک۔ نماز میں بھول چوک کی اصلاح و تلافی کے لیے آخر میں دو سجدے کرنے ہوتے ہیں، انھیں سجود سہو کہتے ہیں۔

اگر نمازی نے اپنی نماز کا کوئی رکن کم کر دیا ہو اور وہ رکن تکبیر تحریمہ ہو تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی، عمداً چھوڑے یا بھول کر اور اگر تکبیر تحریمہ کے علاوہ کوئی اور رکن چھوڑا ہو اور جان بوجھ کر چھوڑا ہو تو اس کی نماز باطل ہے۔ اور اگر بھولے سے چھوڑا ہو حتی کہ دوسری رکعت میں اسی مقام تک پہنچ جائے تو پہلی رکعت باطل ہو جائے گی جس میں یہ رکن چھوڑا تھا اور بعد والی اس کے قائم مقام ہو گی۔ اگر دوسری رکعت میں اس مقام تک نہ پہنچا ہو تو واجب ہے کہ چھوڑے ہوئے رکن کی طرف لوٹ آئے اور اسے پورا کرے اور اس کے بعد والے اعمال ترتیب سے پورے کرے۔ مزید برآں ان دونوں صورتوں میں اس پر واجب ہے کہ سلام کے بعد سجود سہو کرے۔

اگر نمازی درمیانی تشہد بھول جائے اور اسی وقت اٹھنے سے قبل یاد آ جائے تو چاہیے کہ اسے پڑھے اور اس پر کچھ اور لازم نہیں ہے۔ اگر اس موقع سے گزر جانے کے بعد تشہد یاد آئے مگر ابھی دوسرے رکن، یعنی قیام میں نہ پہنچا ہو تو چاہیے کہ اس (تشہد) کی طرف لوٹ آئے اور اسے پڑھے، اپنی نماز مکمل کرے، پھر سلام پھیرنے کے بعد سجود سہو کرے اور پھر سلام پھیرے۔

اگر دوسرے متصل رکن میں پہنچ جانے کے بعد یاد آئے تو اب یہ اس سے ساقط ہے، اس کی طرف نہ لوٹے بلکہ ترتیب سے اپنی نماز جاری رکھے مگر سلام پھیرنے سے پہلے سہو کے سجدے کرے۔

3 **کسی شک و شبہ میں پڑ جانا:** نمازی کو اگر اپنی نماز میں کوئی شک ہو جائے اور شک کے دو پہلوؤں میں سے کوئی ایک اس کے نزدیک راجح ہو تو اسے چاہیے کہ راجح اور غالب ظن پر عمل کرے، آخر میں سلام پھیرے، اس کے بعد سہو کے سجدے کرے اور پھر سلام پھیرے۔ اگر کوئی جانب بھی راجح نہ ہو تو یقینی پہلو پر عمل کرے اور اس صورت میں وہ کمی والا پہلو ہی ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کے مطابق نماز مکمل کرے اور سلام پھیرنے سے پہلے سہو کے سجدے کرے۔ بعد ازاں سلام پھیرے۔

سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرنے کے دو مواقع ہیں: 1 **جب کوئی کمی واقع ہوئی ہو:** عبداللہ ابن بُحَیْنَہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے اور درمیانی تشہد کے لیے نہ بیٹھے۔ جب نماز مکمل کر چکے تو آپ نے دو سجدے کیے، پھر ان کے بعد سلام پھیرا۔[1]

2 **جب کوئی شک ہو اور کوئی جانب راجح نہ ہو سکے:** ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، السهو، باب ماجاء في السهو إذا قام منْ ركعتي الفريضة، حديث: 1225,1224، وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجودله، حديث: 570.

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى؟ ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا؟ فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ. فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا، شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ، وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لِأَرْبَعٍ، كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ»

''جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اسے یاد نہ رہے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، تین یا چار؟ تو اسے چاہیے کہ شک کو چھوڑ دے اور یقین پر انحصار کرے، پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔ اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہیں تو یہ سجدے اس کی زائد رکعت کو دوگانہ بنا دیں گے اور اگر اس نے چار پوری پڑھی ہیں تو یہ سجدے شیطان کی تذلیل و رسوائی کا باعث ہوں گے۔'' [1]

سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنے کے بھی دو مواقع ہیں: (1) **جب کوئی اضافہ کر دیا ہو:** عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھا دی تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ آپ نے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' عرض کیا گیا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں۔ اس پر آپ نے دو سجدے کیے جبکہ آپ سلام پھیر چکے تھے۔ [2]

(2) **جب کوئی شبہ ہو جائے مگر تحری و غور کے بعد کوئی جانب راجح ہو جائے:** عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ، فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ يُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ»

''جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے تو اسے چاہیے کہ صحیح صورت تلاش کرے اور اسی کے مطابق اپنی نماز مکمل کرے اور سلام پھیرے، پھر دو سجدے کر لے۔'' [3]

سجود سہو کے لیے تکبیر تحریمہ اور سلام: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دن کے پچھلے پہر کی ایک نماز پڑھائی۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کا نام بھی لیا تھا مگر میں اسے بھول گیا

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، حديث: 571، ومسند أحمد: 72/3. [2] صحيح البخاري، السهو، باب إذا صلى خمسًا، حديث: 1226، وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، حديث: 572.

[3] صحيح البخاري، الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، حديث: 401، وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، حديث: 572.

ہوں...... تو آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا، پھر آپ مسجد میں لگی ہوئی ایک لکڑی کے پاس آ گئے اور اس کا سہارا لیا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ غصے میں ہوں۔ آپ نے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں، پھر آپ نے اپنا داہنا رخسار، بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا اور جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے نکل گئے اور لوگ پوچھنے لگے: (کیا) نماز کم ہوگئی ہے؟ اس موقع پر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے مگر وہ ہیبت کی وجہ سے آپ سے بات نہ کر سکے۔ قوم میں ایک آدمی تھا، اس کے ہاتھ ذرا لمبے تھے۔ اسے ذوالیدین کہا جاتا تھا، اس نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا:

«لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ» ”میں بھولا ہوں نہ نماز کم ہوئی ہے۔“

پھر آپ نے دریافت فرمایا:

«أَكَمَا يَقُولُ ذُوالْيَدَيْنِ؟» ”کیا بات اسی طرح ہے جس طرح ذوالیدین کہتا ہے؟“

صحابہ نے کہا: جی ہاں! تب آپ آگے بڑھے اور جو نماز چھوڑ دی تھی، وہ پڑھائی اور سلام پھیرا، پھر اللہ اکبر کہا اور سجدہ کیا، عام سجدوں کی مانند یا اس سے کسی قدر لمبا، پھر سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا، پھر اللہ اکبر کہا اور دوسرا سجدہ کیا، عام سجدوں کی مانند یا اس سے کسی قدر لمبا، پھر سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کے بیان میں ہے کہ پھر آپ نے سلام پھیرا۔[1]

امام جب سہو کے سجدے کرے تو اس کی اتباع میں مقتدی بھی سجدے کریں: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ. . . .»

”امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے (اس کے پیچھے چلا جائے)، پس اس سے اختلاف نہ کیا کرو۔“[2]

سجدۂ تلاوت

قرآن کریم میں تلاوت کے دوران میں سجدہ کرنے کے مقامات: علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں چودہ سجدے ہیں:

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب مايجوز من ذكر الناس نحوقولهم: الطويل والقصير، حديث:6051و482، وصحيح مسلم، المساجد، باب السهوفي الصلاة والسجودله، حديث: 573. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلاة، حديث:722، وصحيح مسلم، الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، حديث:414.

1. سورۂ اعراف، آیت: 206
2. سورۂ رعد، آیت: 15
3. سورۂ نحل، آیت: 50
4. سورۂ بنی اسرائیل، آیت: 109
5. سورۂ مریم، آیت: 58
6. سورۂ حج میں پہلا معروف سجدہ آیت: 18، اس کے آخر میں آیت 77 میں سجدہ نہیں ہے۔
7. سورۂ فرقان، آیت: 60
8. سورۂ نمل، آیت: 26
9. سورۂ سجدہ، آیت: 15
10. سورۂ ص، آیت: 24
11. سورۂ حم سجدہ، آیت: 38
12. سورۂ نجم، آیت: 62
13. سورۂ انشقاق، آیت: 21
14. سورۂ علق، آیت: 19 [1]

سجدۂ تلاوت کا حکم: جمہور فقہاء کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے اور اس کے لیے طہارت وغیرہ کی ایسی کوئی شرط نہیں ہے جو نماز کے لیے ہے۔ علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر صنعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اصل یہ ہے کہ طہارت (وضو) کی شرط نہیں لگائی جائے گی الا یہ کہ کوئی دلیل ثابت ہو۔ طہارت (وضو) واجب ہونے کے دلائل نماز ہی کے لیے آئے ہیں اور سجدے کو نماز نہیں کہا جاتا، لہٰذا جو شخص اس کے لیے طہارت شرط کہتا ہے، اس کے ذمے ہے کہ دلیل پیش کرے۔ ایسے ہی اوقات کراہت کا مسئلہ ہے کہ ان میں نماز منع ہے، اکیلا سجدہ اس (ممانعت) میں نہیں آتا۔ [2]

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: سجدۂ تلاوت فرض نہیں ہے، فضیلت کا عمل ضرور ہے۔ نماز کے دوران میں، فرض ہو یا نفل، آدمی سجدۂ تلاوت کرے گا۔ اور نماز کے علاوہ بھی آیاتِ سجدہ پڑھنے پر ہر وقت سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے، خواہ سورج طلوع ہو رہا ہو یا غروب یا عین دوپہر کا وقت ہو، قبلہ رخ ہو یا غیر قبلہ رخ اور چاہے باوضو ہو یا بے وضو۔ [3]

سجدۂ تلاوت سنت ہونے کی دلیل: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکین نے حتی کہ جنوں نے بھی سجدہ کیا۔ [4]

---

[1] المحلّی: 5/105، 106، راجح یہی ہے کہ قرآن میں پندرہ سجدے ہیں اور سورۂ حج میں دو سجدے ہیں جس کی دلیل سنن أبي داود، حدیث: 1402 ہے۔ اس حدیث کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔ اور زبیر علیزئی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (عبدالولی)۔ [2] سبل السلام: 2/279۔ [3] المحلّی: 5/106۔ [4] صحیح البخاري، سجود القرآن وسنتها، باب سجود المسلمین مع المشرکین...... حدیث: 1071، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في السجدة في النجم، حدیث: 575.

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سورۂ نجم تلاوت کی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔[1]

پہلی حدیث میں ہے کہ آپ نے سجدہ کیا اور دوسری میں ہے کہ نہیں کیا تو یہ بیان جواز کے لیے ہے کہ سجدۂ تلاوت سنت ہے، فرض نہیں۔[2]

سجدۂ تلاوت وضو اور قبلے کی طرف منہ کیے بغیر جیسے بھی ممکن ہو، صحیح ہے: ایسا اس لیے ہے کہ یہ نماز نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى» ”رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔“[3]

لہٰذا جو دو رکعت سے کم ہو، وہ نماز نہیں، الا یہ کہ اس کے نماز ہونے کی نص اور صراحت آجائے، مثلاً: نماز خوف اور نماز وتر ایک رکعت ہونے کی صراحت، اسی طرح نماز جنازہ کے نماز ہونے کی صراحت۔ مگر سجدۂ تلاوت کو نماز کہنے کی کہیں کوئی نص اور صراحت نہیں۔[4]

سجدۂ تلاوت کی فضیلت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ، اِعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي، يَقُولُ: يَاوَيْلَهُ! - وَفِي رِوَايَةِ أَبِي كُرَيْبٍ: يَاوَيْلِي! - أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ، وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ»

”جب کوئی ابن آدم آیتِ سجدہ کی تلاوت کرتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان دور ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے: ہائے اس کا افسوس! (اور ابو کریب کی روایت میں ہے: ہائے میرا افسوس!) ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کر لیا، لہٰذا اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کر دیا اور میرے لیے آگ ہے۔“[5]

سجدۂ تلاوت کی دعا: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قرآن کریم کی تلاوت کے

[1] صحيح البخاري، سجود القرآن، باب من قرأ السجدة ولم يسجد، حديث:1073، وصحيح مسلم، المساجد، باب سجود التلاوة، حديث: 577. [2] ملاحظہ ہو فتح الباري:2/555، حديث:1073. [3] صحيح البخاري، الوتر، باب ماجاء في الوتر، حديث: 990، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة اليل مثنى مثنى والوتر ركعة من آخر الليل، حديث: 749، وسنن أبي داود، التطوع، باب صلاة النهار، حديث: 1295 واللفظ له. [4] المحلى لابن حزم: 111/5. [5] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، حديث:81.

دوران سجدے میں یہ پڑھا کرتے تھے:

«سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ»

”سجدہ کیا میرے چہرے نے اس ذات کے لیے جس نے اسے پیدا کیا اور خاص اپنے تصرف اور قوت سے اس میں سننے کے لیے کان اور دیکھنے کے لیے آنکھیں بنائیں۔“[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس تھا۔ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں نے آج رات خواب دیکھا، گویا میں ایک درخت کے تنے کے قریب نماز پڑھ رہا ہوں، میں نے ایک آیتِ سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا، میں نے سنا کہ وہ پڑھ رہا تھا:

«اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ»

”اے اللہ! اس کے ذریعے سے میرے گناہ مٹا دے، اس کے ذریعے سے میرے لیے اجر وثواب لکھ دے اور اسے میرے لیے اپنے ہاں ذخیرہ بنا لے اور اس سجدے کو اسی طرح میری طرف سے قبول فرما لے جس طرح تو نے اپنے بندے داود علیہ السلام کی طرف سے سجدے کو قبول کیا تھا۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: پھر میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے آیتِ سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میں نے سنا کہ آپ وہی کچھ پڑھ رہے تھے جو اس آدمی نے اس درخت کے پڑھنے کے بارے میں بیان کیا تھا۔[2]

سجدۂ شکر

مستحب ہے کہ جس شخص کو کوئی نعمت میسر آئے، یا کوئی شر اور برائی اس سے دور ہو، یا اسے کوئی خوش خبری ملے تو اس خوشی میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جائے جیسا کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ کو خوشی کی بات حاصل ہوتی یا آپ کو کوئی خوش خبری دی جاتی تو آپ اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے۔[3]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، سجود القرآن، باب مايقول إذا سجد، حديث: 1414، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء مايقول في سجود القرآن، حديث: 580، وسنن النسائي، التطبيق، باب: 70، حديث: 1130. [2] [حسن] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب سجود القرآن، حديث: 1053، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء مايقول في سجود القرآن، حديث: 579. [3] [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في سجود الشكر، حديث: 2774، وجامع الترمذي، السير، باب ماجاء في سجدة الشكر، حديث: 1578، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في الصلاة والسجدة عند الشكر، حديث: 1394.

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور بڑا لمبا سجدہ کیا، پھر اپنا سر اٹھایا تو فرمایا: ”میرے پاس جبرئیل آئے تھے اور مجھے ایک خوش خبری دے گئے ہیں، لہٰذا میں نے اللہ کا شکر کرنے کے لیے سجدہ کیا ہے۔“ [1]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو ان لوگوں کے مسلمان ہونے کی خبر لکھ بھیجی۔ جب آپ نے وہ خط پڑھا تو اس پر اللہ کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے۔ [2]

سجدۂ شکر کا حکم: اس کا حکم بھی وہی ہے جو سجدۂ تلاوت کا ہے (یہ سنت ہے، مستحب اور فضیلت کا عمل ہے۔)

نماز کسوف

(سورج یا چاند گہن ہونے پر نماز)

نماز کسوف کے لیے اعلان کرنا: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب سورج گہن ہوا تو اعلان کیا گیا: «إِنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ» ”نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔“ [3]

نماز کسوف کا صحیح ترین طریقہ: اس کی صحیح ترین صورت یہ ہے کہ اس کی دو رکعتیں ہیں اور ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں (ایک بار) سورج گرہن ہو گیا تو آپ مسجد میں تشریف لائے، کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی۔ لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے صفیں بنا لیں تو آپ نے قراءت کی بڑی لمبی قراءت، پھر آپ نے اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیا بڑا لمبا رکوع لیکن وہ پہلی قراءت سے کم طویل تھا۔ پھر آپ نے کہا: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا! وَلَكَ الْحَمْدُ» اور کھڑے ہو کر قراءت کی لمبی قراءت مگر پہلی سے کم، پھر اللہ اکبر کہا اور رکوع کیا لمبا رکوع مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کہا:

[1] [صحيح بالشواهد] مسند أحمد: 191/1، والمستدرك للحاكم: 223,222/1 اور کہا: یہ حدیث شرط شیخین کے مطابق صحیح ہے۔ امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور مزید کہا ہے کہ سجدۂ شکر کے سلسلے میں اس سے بڑھ کر اور کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (287/2) میں اسے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسے احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ [2] [صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي: 369/2. [3] صحيح البخاري، الكسوف، باب طول السجود في الكسوف، حديث: 1051، وصحيح مسلم، الكسوف، باب ذكر النداء بصلاة الكسوف «الصلاة جامعة»، حديث: 910، ومسند أحمد: 220/2.

«سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا! وَلَكَ الْحَمْدُ»

پھر سجدہ کیا۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا حتی کہ مکمل چار رکوع اور چار سجدے کیے اور آپ کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے سورج صاف ہوگیا۔ پھر آپ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ کی تعریف کی جیسا کہ اس کے لائق ہے، پھر فرمایا:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ»

''بلاشبہ سورج اور چاند اللہ کی بہت سی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انھیں کسی کی موت یا زندگی کے باعث گہن نہیں لگتا، سو جب تم انھیں اس طرح دیکھو تو فوراً نماز کے لیے آؤ۔'' [1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سورج کو گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، آپ نے قیام کیا بڑا لمبا قیام، تقریباً سورۂ بقرہ کی قراءت کے قریب، پھر رکوع کیا لمبا رکوع، پھر سر اٹھایا اور قیام کیا لمبا قیام اور یہ پہلے قیام سے چھوٹا تھا، پھر رکوع کیا لمبا رکوع اور یہ پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر سجدہ کیا، پھر قیام کیا لمبا قیام اور یہ پہلے قیام سے چھوٹا تھا، پھر رکوع کیا لمبا رکوع اور یہ پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر سر اٹھایا اور قیام کیا لمبا قیام اور یہ پہلے قیام سے چھوٹا تھا، پھر رکوع کیا لمبا رکوع اور یہ پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر سجدہ کیا اور نماز سے فارغ ہوئے تو سورج صاف ہو چکا تھا، پھر فرمایا:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللهَ»

''بلاشبہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کی موت پر گہناتی ہیں نہ کسی کی زندگی سے، سو جب تم یہ (گہن) دیکھو تو اللہ کا ذکر کیا کرو۔'' [2]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ یہ نماز مسنون ہے واجب نہیں، مگر اس کی کیفیت میں اختلاف ہے، جیسے کہ نووی نے شرح مسلم میں اور علامہ مہدی نے البحر وغیرہ میں لکھا ہے۔ [3]

---

[1] صحيح البخاري، الكسوف، باب خطبة الإمام في الكسوف، حديث: 1046، وصحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901، ومسند أحمد: 98/6. [2] صحيح البخاري، الكسوف، باب صلاة الكسوف جماعة، حديث: 1052، وصحيح مسلم، الكسوف، باب ماعرض على النبي ﷺ في صلاة الكسوف من أمر الجنة والنار، حديث: 907 . اور اس ذکر کی ایک مسنون اور بہترین صورت نماز ہے۔ (مترجم) [3] ملاحظہ ہو الأدلة الرضية، ص:97,96 (تأليف المؤلف).

نمازِ کسوف وخسوف میں بلند آواز سے قراءت کرنا: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے نمازِ خسوف میں بلند آواز سے قراءت کی اور دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔[1]

دوسری روایت کے الفاظ ہیں: آپ نے نمازِ کسوف پڑھی اور اس میں جہری قراءت کی۔[2]

اور ایک روایت میں الفاظ یوں بھی آئے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گہن ہو گیا تو آپ جائے نماز پر آئے۔ آپ نے تکبیر کہی تو لوگوں نے بھی (آپ کی اقتدا میں) تکبیر کہی، پھر آپ نے باآواز بلند قراءت کی اور بڑا لمبا قیام کیا۔[3]

امام کا نماز سے سلام پھیرنے کے بعد خطبہ دینا مسنون ہے: اس کا تذکرہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی متذکرہ حدیث میں آیا ہے۔

گہن میں صدقہ، استغفار اور ذکر کی ترغیب: اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج گہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔[4]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا»

''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جو کسی کی موت کے باعث گہناتی ہیں نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے، تو جب تم یہ (گہن) پاؤ تو اللہ سے دعا مانگو، تکبیر کہو، صدقہ دو اور نماز پڑھو۔''[5]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سورج کو گرہن لگ گیا تو نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی، پھر فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوا إِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ»

''جب تم اس (گہن) میں سے کچھ دیکھو تو گھبرا کر اللہ کے ذکر کی طرف آؤ، دعا کرو اور استغفار میں

[1] صحيح البخاري، الكسوف، باب الجهر بالقراءة في الكسوف، حديث: 1065، وصحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901. [2] جامع الترمذي، الجمعة، باب كيف القراءة في الكسوف، حديث: 563. [3] صحيح البخاري، الكسوف، باب الجهر بالقراءة في الكسوف، حديث: 1065، وصحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901، ومسند أحمد: 65/6. [4] صحيح البخاري، الكسوف، باب من أحب العتاقة في كسوف الشمس، حديث: 1054، وسنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، باب العتق فيها، حديث: 1192، ومسند أحمد: 354/6. [5] صحيح البخاري، الكسوف، باب الصدقة في الكسوف، حديث: 1044، وصحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث: 901، ومسند أحمد: 164/6.

مشغول ہو جاؤ۔"[1]

سورج اور چاند گہن سے نکل آئیں تو اس کے لیے نماز کا وقت بھی نکل جاتا ہے: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں سورج کو اس دن گرہن لگ گیا جس دن (فرزند رسول) ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی، تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَادْعُوا اللهَ وَصَلُّوا حَتّٰى يَنْجَلِيَ»

"بلاشبہ سورج اور چاند اللہ عزوجل کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ یہ کسی کی موت پر گہناتے ہیں نہ کسی کی زندگی سے، تو جب تم انھیں دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو حتی کہ یہ صاف ہو جائے۔"[2]

نمازِ استسقا

(بارش طلب کرنے کے لیے نماز)

عدم بارش اور خشک سالی کے اسباب: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمُؤْونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا»

"جن لوگوں نے ناپ تول اور وزن میں کمی کی، ان پر قحط مسلط کر دیا جاتا ہے، ان کے حالات انتہائی سخت کر دیے جاتے ہیں اور حکام ان پر ظلم کرنے لگتے ہیں اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکاۃ روک لیتے ہیں، ان پر آسمان سے بارش روک لی جاتی ہے اور اگر مویشی اور جانور نہ ہوں تو ان پر بارش نہ برسائی جائے۔"[3]

[1] صحیح البخاري، حدیث: 1059، و صحیح مسلم، حدیث: 912، ومسند أحمد: 4/245. [2] صحیح البخاري، الكسوف، باب الدُّعاءِ في الكسوف، حدیث: 1060، وصحیح مسلم، الكسوف، باب ذكر النداء بصلاة الكسوف «الصلاة جامعة»، حدیث: 915، ومسند أحمد: 4/245. [3] [حسن] سنن ابن ماجه، الفتن، باب العقوبات، حدیث: 4019، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "حسن الإسناد" کہا ہے۔ دیکھیے سنن ابن ماجه، تحقيق الألباني رحمہ اللہ۔

آپ ﷺ کے استسقا کی مختلف صورتیں: (1) آپ عید گاہ کی طرف نکلے، نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔

(2) جمعے کے دن منبر پر خطبے کے دوران میں دعا کی۔

(3) آپ نے جمعے کے علاوہ منبر پر کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور اس میں آپ سے نماز کا ذکر ثابت نہیں۔

(4) آپ نے مسجد میں بیٹھے بیٹھے اپنے ہاتھ بلند کیے اور اللہ عزوجل سے دعا کی۔

(5) آپ نے مسجد سے باہر مقام زوراء کے قریب احجار زیت کے پاس بارش کے لیے دعا کی۔

(6) آپ نے اپنے بعض غزوات میں بارش کے لیے دعا کی، جبکہ مشرکین آپ سے پہلے پانی پر قابض ہو چکے تھے، چنانچہ ہر بار اللہ نے آپ کی دعا قبول کی اور بارش نازل فرمائی۔[1]

پہلی صورت کی دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بڑی تواضع کے ساتھ پراگندہ حالت میں، عاجزی کا مظاہرہ کرتے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے، آہ وزاری کرتے ہوئے نکلے، دو رکعتیں پڑھیں، جیسے عید میں پڑھتے ہیں اور ایسا خطبہ نہیں دیا جیسا تم دیتے ہو۔[2]

دوسری صورت کی دلیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ جُمُعَةٍ، مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِالْقَضَاءِ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ يَخْطُبُ، فَاسْتَقْبَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَائِمًا ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكَتِ الْأَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، فَادْعُ اللهَ يُغِثْنَا قَالَ: فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا»

"جمعے کے دن ایک آدمی دارالقضاء کی جانب والے دروازے سے مسجد میں داخل ہوا جبکہ رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مویشی ہلاک ہو گئے اور رستے کٹ گئے، اللہ سے دعا فرمائیے کہ بارش نازل فرمائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ بلند فرمائے اور دعا کرنے لگے: «اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا، اَللّٰهُمَّ! أَغِثْنَا» "اے اللہ! ہم پر بارش برسا، اے اللہ! ہم پر بارش برسا، اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔"[3]

---

[1] ملاحظہ ہو: زاد المعاد في هدي خير العباد لابن القيم رحمه الله: 1/456-458. [2] [حسن] جامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في صلاة الاستسقاء، حديث: 558، وسنن النسائي، الاستسقاء، باب كيف صلاة الاستسقاء، حديث: 1522، ومسند أحمد: 1/230. [3] صحيح البخاري، الجمعة، باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، حديث: 933، وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب الدعاء في الاستسقاء، حديث: 897.

تیسری صورت کی دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں ایسی قوم کے پاس سے آپ کی طرف آیا ہوں جس کا کوئی چرواہا زاد راہ نہیں لیتا اور کوئی طاقتور جانور دم بھی نہیں ہلاتا، تو آپ منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد کی، پھر فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيثًا مَّرِيئًا طَبَقًا مَّرِيعًا غَدَقًا عَاجِلًا غَيْرَ رَائِثٍ»

''اے اللہ! ہم پر بارش برسا سیراب کرنے والی، بہترین انجام والی، خوب بھرپور، سبھی علاقوں میں، بڑے قطروں والی، جلدی آئے دیر نہ کرے۔''

پھر آپ منبر سے اتر گئے تو مختلف سمتوں میں سے جس سمت سے بھی لوگ آپ کے پاس آئے، انہوں نے یہی کہا کہ ہم شاداب کر دیے گئے ہیں۔ [1]

چوتھی صورت کی دلیل: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ (بارش کے نہ ہونے کی شکایت لے کر) روتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، آپ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيثًا مَّرِيئًا مَّرِيعًا نَّافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ»

''اے اللہ! ہمیں بارش عنایت فرما انتہائی مفید، خوب بھرپور، بہت زیادہ، انتہائی نافع، جو کوئی ضرر نہ پہنچائے، جلدی آئے، دیر نہ کرے۔'' جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چنانچہ بادل چھا گیا۔ [2]

پانچویں صورت کی دلیل: جناب عمیر مولیٰ بنو آبی اللحم رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احجار زیت کے پاس بارش کے لیے دعا فرمائی۔ [3]

چھٹی صورت کی دلیل: ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض غزوات میں مشرکین پانی پر پہلے سے قابض ہو گئے اور مسلمانوں کو پیاس کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس صورتحال کا تذکرہ کیا۔ آپ نے بارش کے لیے دعا فرمائی۔ کچھ منافقین کہنے لگے کہ اگر یہ نبی ہوتے تو اپنی قوم کے لیے پانی طلب کرتے جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے طلب کیا تھا۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ آپ نے فرمایا:

---

[1] [صحيح] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في الدعاء في الاستسقاء، حديث: 1270، ڈاکٹر بشار عواد نے اس روایت کے متعلق کہا ہے: إسناده صحيح. [2] [صحيح] سنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين في الاستسقاء، حديث: 1169، والمستدرك للحاكم: 327/1. [3] [صحيح] سنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين في الاستسقاء، حديث: 1168، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في صلاة الاستسقاء، حديث: 557، و المستدرك للحاكم: 327/1.

«أَوَقَدْ قَالُوهَا؟ عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يَّسْقِيَكُمْ، ثُمَّ بَسَطَ يَدَيْهِ، وَدَعَا، فَمَا رَدَّ يَدَيْهِ مِنْ دُعَائِهِ حَتّٰى أَظَلَّهُمُ السَّحَابُ، وَأُمْطِرُوا فَأَفْعَمَ السَّيْلُ الْوَادِيَ، فَشَرِبَ النَّاسُ فَارْتَوَوْا»

''کیا انھوں نے اسی طرح کہا ہے؟ امید ہے تمھارا رب تمھیں پانی عنایت فرمائے گا، پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور دعا کی، ابھی آپ ﷺ نے اپنی دعا سے ہاتھ نہیں چھوڑے تھے کہ ان پر گھنگور گھٹا چھا گئی، بارش ہوئی اور پوری وادی جل تھل ہو گئی، لوگوں نے پانی پیا اور خوب سیراب ہوئے۔''[1]

بارش کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا سنت ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ بارش کے علاوہ کسی دعا میں اپنے ہاتھ بہت زیادہ نہیں بلند کرتے تھے، آپ اپنے ہاتھ اس قدر بلند کرتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہونے لگتی تھی۔[2]

بارش کے لیے خطبے میں کیا بیان کیا جائے؟ اس خطبے میں اللہ کا ذکر بڑی کثرت سے ہونا چاہیے۔ لوگوں کو اللہ کی اطاعت کی ترغیب دی جائے، نافرمانی سے ڈرایا جائے، امام اور مقتدی سبھی بہت زیادہ استغفار کریں اور قحط اور خشک سالی کے خاتمے کی خوب دعائیں کریں۔ اس کی تفصیل عبداللہ بن یزید انصاری،[3] ابن مسعود[4] اور انس[5] رضی اللہ عنہم کی احادیث میں آئی ہے۔

امام جب دعا کے لیے قبلہ رخ ہو تو اپنی چادر پلٹ لے: سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اس دن نبی ﷺ کو دیکھا آپ استسقا کے لیے نکلے، آپ نے لوگوں کی طرف اپنی کمر کر لی، چہرۂ مبارک قبلے کی طرف کر لیا اور دعا مانگنے لگے، پھر آپ نے اپنی چادر الٹی کر لی، پھر دو رکعتیں پڑھائیں اور ان رکعتوں میں بلند آواز سے قراءت کی۔[6]

[1] زاد المعاد: 458/1. [2] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب رفع الإمام يده في الاستسقاء، حديث: 1031، وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين بالدعاء في الاستسقاء، حديث: 896، ومسند أحمد: 282/3. [3] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب الدعاء، في الا ستسقاء قائمًا، حديث: 1022. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾، حديث: 4821، وصحيح مسلم، صفات المنافقين، باب الدخان، حديث: 2798. [5] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب الاستسقاء على المنبر، حديث: 1015، وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب الدعاء في الاستسقاء، حديث: 897. [6] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب كيف حول النبيّ ظهره إلى الناس، حديث: 1025، وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب كتاب صلاة الاستسقاء، حديث: 894، ومسند أحمد: 41/4.

مسافر کی نماز

سفر میں نماز قصر کرنا واجب ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (شروع میں) دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو (حالتِ اقامت کی نماز) چار رکعتیں فرض کی گئی اور سفر کی نماز پہلی حالت پر برقرار رکھی گئی۔ [1]

جناب یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَوٰةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ ﴾

''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر کرلو، اگر تمھیں ڈر ہو کہ کافر (حملہ کرکے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے۔'' [2]

اب لوگوں کو امن و امان حاصل ہے۔ انھوں نے کہا: مجھے بھی اسی طرح تعجب ہوا تھا جیسے تمھیں ہوا ہے، چنانچہ میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا:

«صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ»

''یہ صدقہ ہے، اللہ نے تم پر یہ صدقہ کیا ہے، تو اس کا صدقہ قبول کرلو۔'' [3]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصاحب رہا ہوں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے اور ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی دستور تھا۔ [4]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قصر اور افطار (روزہ چھوڑنے) میں ظاہر یہی ہے کہ سفر اطاعت اور سفر معصیت میں کوئی فرق نہیں ہے، بالخصوص قصر نماز کا مسئلہ (تو خوب ظاہر ہے) کیونکہ مسافر کے لیے نماز اللہ تعالیٰ نے اسی طرح مشروع کی ہے۔ جس طرح مقیم کے لیے مشروع ہے کہ پوری نماز پڑھے قطع نظر اس سے کہ اطاعت گزار ہو یا

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب التاريخ من أين أرّخوا التّاريخ، حديث: 3935، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 685. [2] النسآء 4:101. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 686، وسنن أبي داود، صلاة السفر، باب صلاة المسافر، حديث: 1199. [4] صحيح البخاري، التقصير، باب من لم يتطوع في السفر دبر الصلاة، حديث: 1102، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 689، ومسند أحمد: 2/56.

نافرمان، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اسی طرح مسافر کے لیے بھی بغیر کسی فرق کے دو ہی رکعتیں مشروع ہیں اور قصر کے دلائل کسی نافرمان کے لیے افطار کے مقابلے میں زیادہ قوی ہیں کیونکہ قصر کرنا عزیمت ہے جو صرف اطاعت گزار ہی کے لیے مشروع نہیں بلکہ عاصی اور اطاعت گزار دونوں کے لیے مشروع ہے، بخلاف افطار کے، کیونکہ مسافر کے لیے افطار کرنا ایک رخصت ہے اور رخصت حقیقتاً کسی مطیع ہی کے لیے ہو سکتی ہے، نہ کہ نافرمان کے لیے۔ اگرچہ یہاں پر بھی رخصتِ افطار سب کے لیے عام ہے۔ بہرحال اس کے ذکر کرنے سے مقصد قائلینِ فرق کے قیاس کو باطل کرنا ہے۔[1]

قصر کے لیے مسافت کا تعین: علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں امت کے لیے قصر اور افطار کے لیے مسافت کی کوئی حد متعین نہیں کی گئی، بلکہ مطلق سفر «ضَرْب فِي الْأَرْض» کے لیے اس حکم کو عام رکھا ہے جیسے کہ تیمّم کا حکم ہر سفر میں مطلق رکھا ہے۔ اور جن روایات میں ایک، دو یا تین دن کی تحدید وارد ہے تو ان میں سے کوئی بھی درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ اسم جس کی لغت یا شریعت میں کوئی خاص تعریف موجود نہیں، اس کے لیے عرف کی طرف رجوع ہوگا، سو جو مسافت لوگوں کے عرف عام میں سفر ہے، اسی سفر پر شارع نے اپنا یہ حکم لگایا ہے۔

محدث البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ مسافت جس میں نماز قصر کرنا مشروع ہے، اس میں علماء کا بڑا اختلاف ہے۔ اس میں تقریباً بیس قول آئے ہیں۔ ہم نے امام ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ سے جو نقل کیا ہے، یہ صواب کے قریب تر اور شرعی حکمتوں کے لائق تر ہے۔ لوگوں کو قصر کے لیے ایک دن یا تین دن وغیرہ کی مسافت میں محدود و معین کر دینے سے لازم آتا ہے کہ یہ لوگ سفر سے پہلے اپنے پیش آمدہ سفر کی مسافتوں سے آگاہ ہوں، جبکہ اکثر لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے، بالخصوص جب سفر کسی ایسے علاقے کا ہو جہاں وہ پہلے کبھی گیا ہی نہ ہو۔

حدیثِ انس، جو آگے آرہی ہے، میں ایک اور علمی فائدہ یہ بھی ہے کہ قصر کی ابتدا شہر سے نکل کر ہوتی ہے۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں: بعض علمائے کوفہ کا یہ خیال ہے کہ مسافر جب اپنے سفر کا ارادہ کر لے تو دو رکعتیں پڑھ لے، چاہے وہ اپنے گھر ہی میں ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ جب سوار ہو تو قصر کرے۔ علامہ ابن منذر نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے، اس لیے کہ اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اپنی بستی کے گھروں سے

[1] وبل الغمام على شفاء الأوام:1/349-350 بتحقيق المؤلف. [2] زاد المعاد:1/463.

نکل کر قصر کرنا درست ہے، جبکہ اس سے پہلے قصر کرنے میں اختلاف ہے، پس چاہیے کہ اصل کے اعتبار سے مکمل نماز پڑھے حتی کہ قصر کرنا اس کے لیے صحیح طور پر ثابت ہو جائے۔ مزید کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ نبی ﷺ نے اپنے کسی سفر میں مدینے سے نکلنے سے پہلے قصر کی ہو بلکہ آپ ﷺ مدینے سے نکلنے کے بعد قصر کرتے تھے۔[1]

علامہ البانی فرماتے ہیں: اس معنی کی احادیث بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے کچھ کی میں نے إرواء الغلیل میں تخریج کی ہے، مثلاً: انس، ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کی احادیث۔[2]

جناب شعبہ، یحییٰ بن یزید ہنائی سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے قصر کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ کی مسافت پر جانے کے لیے نکلتے تو دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔[3]

محدث البانی رحمہ اللہ الصحیحۃ (308,307/1) میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث دلیل ہے کہ مسافر جب تین فرسخ (تقریباً 24,23 کلومیٹر) کی مسافت پر جا رہا ہو تو اس کے لیے قصر کرنا جائز ہے۔ امام خطابی رحمہ اللہ معالم السنن (49/2) میں کہتے ہیں: حدیث اگر ثابت ہو جائے تو اس مسافت کی حد تین فرسخ ہو گی جس میں نماز قصر کی جا سکتی ہے۔ مگر میں کسی فقیہ کو نہیں جانتا جو اس کا قائل ہو۔

لیکن امام خطابی کی یہ آخری بات کئی اعتبار سے محل نظر ہے:

① حدیث ثابت ہے اور اس کے ثابت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔

② اگر کسی کو اس حدیث کے مطابق کسی فقیہ کے فتویٰ دینے کا علم نہ ہو تو اس سے حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ علم نہ ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ سرے سے وہ بات ہی موجود نہیں۔

③ اس کے راوی انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل ہیں اور ان سے روایت کرنے والے یحییٰ بن یزید ہنائی نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔[4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یہ حدیث اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح اور مفصل ہے اور اس کے مخالف نے اسے اس معنی پر محمول کیا ہے کہ اس سے وہ مسافت مراد ہے جس کے بعد قصر کی ابتدا ہو گی، نہ کہ انتہائے سفر، مگر

[1] نیل الأوطار: 235/3. [2] السلسلة الصحيحة: 311,310/1. مزید دیکھیے إرواء الغلیل، حدیث: 565. [3] [صحیح] مسند أحمد: 129/3. 3 فرسخ ہیں یا 3 میل، اس بارے میں شعبہ کو شک ہے۔ [4] السلسلة الصحيحة: 308,307/1.

اس مفہوم میں جو بُعد ہے، وہ بالکل واضح ہے۔[1]

تردد والی حالت میں قصر: شخص اپنی کسی ضرورت کے تحت کہیں ٹھہرے لیکن باقاعدہ اقامت کا ارادہ نہ ہو بلکہ تردد والی حالت ہو تو جب تک وہ اس حالت پر ہے، قصر کرتا رہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تبوک میں بیس دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔[2]

اگر انیس (19) دن سے زیادہ اقامت کا عزم کر لیا جائے تو پوری نماز پڑھنی چاہیے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو آپ وہاں انیس دن ٹھہرے رہے اور دو دو رکعتیں پڑھتے رہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب ہم سفر پر جاتے ہیں اور کسی جگہ انیس دن ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں، اگر اس سے زیادہ قیام ہو تو پوری نماز پڑھتے ہیں۔[3]

سفر میں نفل نماز: امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سفر کے دوران میں نبی ﷺ کا اسوۂ مبارک یہ ہے کہ آپ صرف فرض نمازیں ہی پڑھا کرتے تھے، کہیں یہ ثابت نہیں ہو سکا ہے کہ آپ نے فرضوں سے پہلے یا بعد سنتیں پڑھی ہوں، سوائے وتر یا فجر کی سنتوں کے، آپ انھیں حضر یا سفر میں کبھی ترک نہیں کرتے تھے۔[4]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کا مصاحب رہا ہوں، آپ دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے حتی کہ آپ وفات پا گئے، پھر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مصاحب رہا، انھوں نے (دوران سفر میں) دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حتی کہ وہ وفات پا گئے اور میں عمر رضی اللہ عنہ کا مصاحب رہا، انھوں نے بھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حتی کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر میں عثمان رضی اللہ عنہ کا مصاحب رہا، انھوں نے بھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حتی کہ ان کی وفات ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''بلاشبہ تمھارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''[5]

اس کے بعد ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مگر آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے یہ ثابت ہے کہ آپ اپنی سواری کی پشت پر، جدھر بھی اس کا رخ ہوتا، نفل پڑھا کرتے تھے۔[6]

---

[1] فتح الباري: 568,567/2. [2] [صحيح] سنن أبي داود، صلاة السفر، باب إذا أقام بأرض العدو يقصر، حديث: 1235، ومسند أحمد: 295/3. [3] صحيح البخاري، التقصير، باب ماجاء في التقصير وكم يقيم حتى يقصر، حديث: 1080، ومسند أحمد: 315/1. [4] زاد المعاد: 473/1. [5] صحيح البخاري، التقصير، باب من لم يتطوع في السفر دبر الصلاة، حديث: 1101، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 689. [6] زاد المعاد: 474/1.

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر نوافل پڑھا کرتے تھے، جدھر بھی اس کا رخ ہوتا۔[1]

جمعے کے دن سفر کے لیے نکلنا: علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سنت سے کہیں ایسی بات ثابت نہیں ہے کہ جمعے کے دن سفر کے لیے نکلنا مطلقاً منع ہو، بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام جمعے کے دن علی الصباح سفر کے لیے روانہ ہوئے تھے، مگر یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔[2]

جناب اسود بن قیس رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو سفر کے لیے تیار معلوم ہوتا تھا، پھر سنا کہ وہ کہہ رہا تھا: اگر آج جمعہ نہ ہوتا تو میں روانہ ہو جاتا۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چلے جاؤ، جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔[3]

علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: زہری کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعے کے دن سفر کیا، اگرچہ مرسل ہے مگر معنوی طور پر صحیح ہے کہ جب تک آدمی (جمعے کی) اذان نہ سنے (سفر کے لیے نکل سکتا ہے لیکن) جب اذان سن لے تو اس کے لیے جمعے کو آنا واجب ہے۔[4]

سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا: سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر پر روانہ ہو جاتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کر لیتے، پھر اترتے اور ان دونوں نمازوں کو جمع کر لیتے اور اگر روانہ ہونے سے پہلے سورج ڈھل چکا ہوتا تو ظہر پڑھتے، پھر سوار ہوتے۔[5]

معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ غزوۂ تبوک (کے سفر کے دوران) میں اگر سورج ڈھلنے سے پہلے روانہ ہو چکے ہوتے تو ظہر کو مؤخر کرتے حتی کہ اسے عصر کے ساتھ جمع کر کے پڑھتے اور اگر سورج ڈھلنے کے بعد روانہ ہوتے تو ظہر اور عصر دونوں اکٹھی پڑھ لیتے، پھر روانہ ہوتے۔ جب مغرب سے پہلے روانہ ہوتے تو مغرب کو مؤخر کرتے حتی کہ اسے عشاء کے ساتھ پڑھتے اور جب غروب کے بعد روانہ ہوتے تو عشاء کو جلدی کر کے مغرب کے ساتھ پڑھ لیتے۔[6]

[1] صحيح البخاري، الوتر، باب الوتر في السفر، حديث: 1000، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جواز صلاة النافلة على الدابة في السفر حيث توجهت، حديث: 700. [2] السلسلة الضعيفة: 387,386/1. [3] السنن الكبرى للبيهقي: 187/3، والمصنف لابن أبي شيبة: 105/2. [4] المصنف لعبدالرزاق: 251/3، حديث: 5540. دیکھیے تمام المنة، ص: 320. [5] صحيح البخاري، التقصير، باب إذا ارتحل بعد مازاغت الشمس صلى الظهر ثم ركب، حديث: 1112، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب جواز الجمع بين الصلاتين في السفر، حديث: 704. [6] [صحيح] سنن أبي داود، صلاة المسافر، باب الجمع بين الصلاتين، حديث: 1206، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في الجمع بين الصلاتين، حديث: 553، ومسند أحمد: 241/5، نیز دیکھیے الإرواء، حديث: 578.

مقیم آدمی کا دو نمازیں جمع کرنا: امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ائمہ کی ایک جماعت مقیم آدمی کے لیے بوقت ضرورت دو نمازیں جمع کرنے کے جواز کی قائل ہے، بشرطیکہ وہ اسے اپنی عادت نہ بنالے۔ یہ قول ابن سیرین کے علاوہ اصحاب مالک میں سے اشہب سے منقول ہے اور علامہ خطابی نے بروایت قفال اور شاشی کبیر، جو اصحاب شافعی میں سے ہیں، ابو اسحاق مروزی سے اور انھوں نے اصحاب الحدیث کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ علامہ ابن منذر کی بھی یہی ترجیح ہے۔[1]

اس مذہب کی تائید ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں بغیر کسی خوف یا سفر کے ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھیں۔ ابو زبیر کہتے ہیں کہ میں نے سعید سے سوال کیا: آپ نے ایسے کیوں کیا؟ انھوں نے کہا: تمھاری طرح میں نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تھا تو انھوں نے کہا تھا: آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان کی امت میں کسی کے لیے مشقت وحرج نہ ہو۔[2]

دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر عصر اور مغرب عشاء کی نمازیں مدینہ منورہ میں بغیر کسی خوف یا بارش کے جمع کر کے پڑھیں۔ (ابوکریب کی روایت میں ہے کہ) میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کیوں کیا؟ جواب ملا: تاکہ آپ کی امت کو مشقت نہ ہو۔[3]

مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت دو نمازیں جمع کر لینا جائز ہے جیسا کہ نمازیں جمع کرنے کے سبب کے متعلق پوچھا گیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اپنی امت کو حرج میں نہ ڈالیں۔ اور انھوں نے جمع کرنے کے لیے کسی بیماری یا کسی اور سبب کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہی کہا کہ امت کو تنگی اور مشقت نہ ہو۔ تو جب یہ بات، یعنی حرج ومشقت ہو تو (بوقت ضرورت) دو نمازیں جمع کر لینا جائز ہے۔

جمع بین الصلاتین میں اذان ایک اور اقامتیں دو ہوں گی اور ان کے درمیان نفل نہیں ہوں گے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں دو نمازیں پڑھائیں جس میں اذان ایک اور اقامتیں دو ہوئیں۔ مزدلفہ آئے تو وہاں مغرب اور عشاء بھی ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائیں اور ان کے درمیان کوئی سنت یا نفل نماز نہیں پڑھی، پھر آپ لیٹ گئے حتی کہ فجر طلوع ہوگئی۔[4]

[1] شرح صحيح مسلم: 305/5، حديث: 706,705. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، حديث: 705. [3] صحيح مسلم، حديث: 705 بعد الحديث: 706. [4] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ: 1218، وسنن النسائي، مناسك الحج، باب الجمع بين الصلاتين بالمزدلفة، حديث: 3032.

نماز عیدین

نماز عید کا حکم: نماز عید واجب ہے کیونکہ رسالت مآب علیہ السلام نے اس کی ہمیشہ پابندی فرمائی اور ساتھ ساتھ اس کے لیے نکلنے کا حکم بھی دیا ہے۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم عید فطر اور اضحیٰ میں نوجوان اور ماہواری والی عورتوں اور پردے میں بیٹھی دوشیزاؤں کو بھی ساتھ ہی نکال لے چلیں، البتہ ماہواری والی نماز سے (اور دوسرے لفظوں میں ہے: عیدگاہ سے) دور رہیں مگر اس موقع پر خیر اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس پردے کی چادر نہ ہو تو؟ فرمایا: ''چاہیے کہ اس کی بہن اسے اپنی چادر اوڑھا کر لے جائے۔''[1]

نماز عید کا وقت: صحابیِ رسول عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ عید فطر یا اضحیٰ کے دن عید کے لیے نکلے۔ امام نے تاخیر کر دی۔ انھوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا: ''ہم تو اس وقت تک فارغ بھی ہو جاتے تھے'' اور یہ ضحیٰ کا وقت تھا۔[2]

یہ حدیث دلیل ہے کہ عید کا وقت سورج طلوع ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے لیے جلدی نکلا جائے، زیادہ تاخیر کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

عید کے لیے اذان ہے نہ اقامت اور نہ یہ اعلانِ عام ہی کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ: سیدنا ابن عباس اور جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ عید فطر یا اضحیٰ کے لیے اذان نہیں کہی جاتی تھی...... جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عید فطر کی نماز کے لیے کوئی اذان نہیں ہے، امام کے نکلنے پر نہ اس کے پہنچ جانے کے بعد، نہ کوئی اقامت ہے، نہ کوئی اعلان، نہ کوئی اور شے![3]

[1] صحیح البخاري، العیدین، باب خروج النساء والحیض إلی المصلی، حدیث: 974، وصحیح مسلم، صلاة العیدین، باب ذکر إباحة خروج النساء في العیدین إلی المصلی......، حدیث: 890. [2] [صحیح] سنن أبي داود، الصلاة، باب وقت الخروج إلی العید، حدیث: 1135، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب في وقت صلاة العیدین، حدیث: 1317.
[3] صحیح البخاري، العیدین، باب المشي والرکوب إلی العید والصلاة قبل الخطبة وبغیر أذان ولا إقامة، حدیث: 960، وصحیح مسلم، صلاة العیدین، باب کتاب صلاة العیدین، حدیث: 886.

نماز عید کی رکعتیں اور تکبیریں: نماز عید کی دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں بھی قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں، علاوہ تکبیر انتقال، کہی جاتی ہیں۔اور ہر دو تکبیروں کے درمیان معمولی سا سکتہ کیا جاتا ہے لیکن ان کے درمیان کوئی معین ذکر آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت نہیں، تاہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان تکبیروں کے درمیان اللہ کی حمد وثنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درود پڑھا جائے۔[1] خلال نے اس کا ذکر کیا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید فطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں، ان سے پہلے کچھ پڑھا نہ بعد میں۔[2]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فطر اور اضحیٰ میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیرات کہتے تھے جو رکوع کی تکبیرات کے علاوہ ہوتی تھیں۔[3]

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلتَّكْبِيرُ فِي الْفِطْرِ سَبْعٌ فِي الْأُولٰى وَخَمْسٌ فِي الْآخِرَةِ وَالْقِرَاءَةُ بَعْدَهُمَا كِلْتَيْهِمَا»

"نماز فطر کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں اور قراءت دونوں رکعتوں میں تکبیرات کے بعد ہے۔"[4]

عیدین میں قراءت: عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ نے بتایا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن کیا قراءت کی تھی؟ میں نے بتایا کہ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ اور ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝﴾[5]

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعے میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝﴾ کی تلاوت کیا کرتے تھے اور جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تب بھی دونوں نمازوں میں انھی کی قراءت کرتے تھے۔[6]

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي:3/292,291. [2] صحيح البخاري، العيدين، باب الخطبة بعد العيد، حديث:964، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب ترك الصلاة، قبل العيد وبعدها في المصلى، حديث: 884 بعد الحديث: 890. [3] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب التكبير في العيدين، حديث: 1150,1149، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في كم يكبر الإمام في صلاة العيدين، حديث: 1280. [4] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب التكبيرفي العيدين، حديث: 1151، وإرواء الغليل: 3/109,108. [5] صحيح مسلم، صلاة العيدين، باب ما يقرأ في صلاة العيدين، حديث: 891. [6] صحيح مسلم، الجمعة، باب مايقرأ في صلاة الجمعة، حديث: 878.

خطبہ نماز عید کے بعد ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں عید کے مواقع پر رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ حاضر رہا ہوں، یہ سب حضرات نماز خطبے سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبے سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ [2]

جب عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں: جب عید جمعے کے دن آجائے تو جس شخص نے عید پڑھ لی ہو، اس پر جمعہ واجب نہیں رہتا۔ وہ جمعے کی بجائے تنہا نماز ظہر پڑھ سکتا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدِ اجْتَمَعَ فِي يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيدَانِ، فَمَنْ شَاءَ أَجْزَأَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ»

''تمھارے آج کے اس دن میں دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں، تو جو چاہے اس کے لیے عید جمعے سے کفایت کر جائے گی مگر ہم جمعہ پڑھیں گے۔'' [3]

عطاء بن ابو رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس عید کے دن جو جمعے کے دن تھی، دن کے پہلے حصے میں نماز پڑھا دی، پھر ہم جمعے کے لیے آئے، وہ نہ نکلے تو ہم نے اکیلے ہی نماز پڑھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما (ان دنوں) طائف میں تھے۔ وہ آئے تو ہم نے یہ بات ان سے کہی۔ انھوں نے کہا: عبداللہ بن زبیر نے سنت کے مطابق عمل کیا ہے۔ [4]

کسی سے عید کی نماز رہ جائے تو وہ دو رکعتیں پڑھ لے: جناب عبیداللہ بن ابوبکر، جو خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ اگر کبھی امام کے ساتھ نماز عید نہ پڑھ سکتے تو وہ اپنے گھر والوں کو جمع کر کے ان کے ساتھ امام کی نماز کی طرح عید پڑھ لیا کرتے تھے۔ [5]

علامہ ابن منذر بھی یہی کہتے ہیں کہ جس سے نماز عید فوت ہو جائے، وہ امام کی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھ لے۔ [6]

---

[1] صحيح البخاري، العيدين، باب الخطبة بعد العيد، حديث: 962، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب كتاب صلاة العيدين، حديث: 884. [2] صحيح البخاري، العيدين، باب الخطبة بعد العيد، حديث: 963، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب كتاب صلاة العيدين، حديث: 888. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إذاوافق يوم الجمعة يوم عيد، حديث: 1073، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيما إذا اجتمع العيدان في يوم، حديث: 1311. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، حديث: 1071، نیز ملاحظہ ہو صحيح سنن أبي داود. [5] السنن الكبرى للبيهقي: 305/3، والبخاري، معلقًا، نحوه مجزومًا به، (فتح الباري: 474/2) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تغليق التعليق (387,386/2) میں اس کے طرق وشواہد ذکر کیے ہیں۔ [6] الإقناع: 110/1.

اگر عید کی خبر زوال کے بعد ملے تو اگلی صبح نماز کے لیے نکلا جائے: جناب ابوعمیر بن انس اپنے چچاؤں سے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک قافلے والے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے گواہی دی کہ ہم نے گزشتہ روز چاند دیکھا ہے، تو آپ نے صحابہ کو روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہ کل صبح عیدگاہ کی طرف نکلیں۔ [1] اور علامہ ابن منذر کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ [2]

عید کے دن کے مستحب اعمال: (1) **زیب و زینت اور خوبصورت لباس زیب تن کرنا:** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بازار میں ایک ریشمی جبہ فروخت کیا جا رہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ خرید لیجیے اور عید اور وفود کے آنے کے موقع پر اسے زیب تن کیجیے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا هٰذِهِ لِبَاسُ مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهُ» "یہ لباس ان لوگوں کا ہے جن کا کوئی حصہ نہیں ہے۔" [3]

(2) **عید کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلنا:** ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف نکلا کرتے تھے اور سب سے پہلی چیز جس سے آپ ابتدا فرماتے، وہ نماز ہوتی۔ نماز کے بعد لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے جبکہ لوگ اپنی صفوں پر بیٹھے ہوتے تھے۔ آپ انھیں وعظ و وصیت کرتے اور کوئی حکم دیتے۔ اگر کوئی مہم روانہ کرنی ہوتی تو اسے روانہ کرتے یا کوئی بات کہنی ہوتی تو اس کا حکم صادر فرماتے، پھر وہاں سے واپس آتے۔ [4]

(3) **راستہ بدل کے واپس آنا:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن راستہ بدل کے آتے جاتے تھے۔ [5]

(4) **عید الفطر میں کچھ کھا کر اور عید الاضحیٰ میں بغیر کچھ کھائے نکلنا چاہیے:** حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إذالم يخرج الإمام للعيد من يومه يخرج من الغد، حديث: 1157، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ماجاء في الشهادة على رؤية الهلال، حديث: 1653، نیز دیکھیے إرواء الغليل:3/103,102. [2] الإقناع: 110/1. [3] صحيح البخاري، العيدين، باب في العيدين والتجمل فيه، حديث:948، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم لبس الحرير وغير ذلك للرجال، حديث:2068. اس سے ثابت ہوا کہ عید کے لیے اچھا خوبصورت لباس پہننا پسندیدہ ہے، نبی ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کی اصل بات پر رد نہیں کیا، آپ ﷺ نے رد و انکار اس جبے کے ریشمی ہونے کی بنا پر کیا کیونکہ ریشم مردوں کے لیے جائز نہیں۔ (عبدالولی) [4] صحيح البخاري، العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، حديث:956، وصحيح مسلم، صلاة العيدين، باب كتاب صلاة العيدين، حديث: 889. [5] صحيح البخاري، العيدين، باب من خالف الطريق إذا رجع يوم العيد، حديث:986.

اللہ ﷺ عید الفطر کے دن کچھ کھجوریں تناول کر کے ہی عید کے لیے نکلا کرتے تھے۔ [1]

بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن کچھ تناول کر کے ہی عید کے لیے نکلا کرتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن کچھ نہیں کھاتے تھے حتی کہ نماز پڑھ لیتے۔ [2]

(5) **عیدین میں تکبیرات:** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

''اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو۔'' [3]

یہ عید الفطر کے بارے میں ہے جبکہ عید الاضحیٰ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ ﴾ ''اور گنتی کے چند دنوں میں تم اللہ کو یاد کرو۔'' [4]

اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ ﴾

''اسی طرح اس نے ان (چوپایوں) کو تمھارے تابع کر دیا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت دی۔'' [5]

ان تکبیرات کا وقت عید الفطر میں عیدگاہ کی طرف نکلنے سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک ہے۔

جناب زہری رحمہ اللہ کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے لیے نکلتے تو تکبیر کہتے حتی کہ عیدگاہ پہنچ جاتے اور نماز سے فارغ ہو جاتے تو اس کے بعد تکبیر چھوڑ دیتے۔ [6]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین میں فضل بن عباس، عبداللہ بن عباس، علی، جعفر، حسن، حسین، اسامہ بن زید، زید بن حارثہ اور ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر نکلتے اور اونچی آواز سے تہلیل و تکبیر کہتے ہوئے لوہاروں کے راستے سے عیدگاہ پہنچتے اور جب فارغ ہو جاتے تو جفت سازوں (موچیوں) کے راستے سے واپس گھر آتے۔ [7]

عید الاضحیٰ میں تکبیرات کا وقت یوم عرفہ (9 ذوالحج) کی صبح سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن (13 ذوالحجہ کی) عصر تک ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ وہ یوم عرفہ کی فجر سے لے کر ایام تشریق

---

[1] صحيح البخاري، العيدين، باب الأكل يوم الفطر قبل الخروج، حديث: 953. [2] [حسن] جامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في الأكل يوم الفطر قبل الخروج، حديث: 542، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب في الأكل يوم الفطر قبل الخروج، حديث: 1756. [3] البقرة 2:185. [4] البقرة 2:203. [5] الحج 22:37. [6] المصنف لابن أبي شيبة: 2/164، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 171. [7] السنن الكبرٰى للبيهقي: 3/279.

کے آخری دن کی نماز عصر تک تکبیریں کہا کرتے تھے بلکہ عصر کے بعد بھی تکبیریں کہا کرتے تھے۔ اسے ابن ابی شیبہ (165/2) نے دو سندوں سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک جید ہے۔ پھر انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اور مستدرک حاکم (300/1) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

* تکبیروں کے الفاظ میں وسعت ہے: علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اللہ اکبر میں تشفیع، یعنی ڈبل کہنا ثابت ہے۔ وہ ایام تشریق میں یوں کہا کرتے تھے: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ» ابن ابی شیبہ (167/2) نے اسے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے مگر دوسرے مقام پر انھوں نے اسی سند سے یہ روایت ذکر کی تو وہاں تکبیر تین بار بتائی ہے۔ اور ایسے ہی بیہقی (315/3) نے یحییٰ بن سعید عن الحکم (ابن فروخ ابو بکار) عن عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے تین بار اللہ اکبر کہنا روایت کیا ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔[2]

نماز خوف

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ﴾

''اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی، وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ ساتھ لے اور اپنے ہتھیار لگائے رکھے۔''[3]

نماز خوف کی اقسام

1 امام ہر گروہ کو ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھائے: اس بارے میں جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اور نماز کے

[1] إرواء الغليل: 125/3. [2] إرواء الغليل: 125/3. [3] النسآء 4:102.

لیے اذان کہی گئی تو آپ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ پیچھے چلے گئے، پھر آپ نے دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور قوم کی دو دو رکعتیں۔[1]

[2] دونوں گروہ امام کے ساتھ شریک رہیں، پہلا پیچھے ہو جائے اور دوسرا آگے آ جائے اور سب لوگ اکٹھے سلام پھیریں: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز خوف میں حاضر تھا۔ ہم نے دو صفیں بنائیں۔ ایک صف رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھی، جبکہ دشمن ہمارے اور قبلے کے درمیان تھا، تو نبی ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم سب نے بھی تکبیر کہی، پھر رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ہم سب نے بھی سر اٹھا لیا، پھر آپ اور آپ کے ساتھ متصل صف والے سجدے کے لیے جھک گئے اور پچھلی صف والے دشمن کے سامنے کھڑے رہے، جب نبی ﷺ نے اور آپ کے ساتھ والی صف والوں نے سجدے کر لیے تو پچھلی صف والے سجدے میں چلے گئے جبکہ پہلی صف والے کھڑے ہو گئے، پھر پچھلی صف والے آگے آ گئے اور پہلی والے پیچھے چلے گئے، پھر نبی ﷺ نے رکوع کیا اور ہم سب نے بھی رکوع کیا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی سر اٹھا لیا، پھر آپ اور آپ کے ساتھ متصل صف والے سجدے کے لیے جھک گئے اور دوسری صف والے دشمن کے سامنے کھڑے رہے، جب نبی ﷺ نے اور آپ کے ساتھ متصل صف والوں نے سجدے کر لیے تو پچھلی صف والے سجدے میں گئے اور انھوں نے اپنے سجدے کیے، پھر نبی ﷺ نے سلام پھیرا تو ہم سب نے بھی سلام پھیر دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے (مثال دیتے ہوئے) فرمایا: جس طرح تمھارے یہ پہریدار اپنے امراء کے ساتھ کرتے ہیں۔[2]

[3] امام ہر گروہ کو ایک ایک رکعت پڑھائے اور پھر ہر گروہ اپنی ایک ایک رکعت ادا کر دے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھائی، اس طرح کہ ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھائی جبکہ دوسرا گروہ دشمن کے سامنے رہا، پھر یہ لوگ ہٹ گئے اور اپنے ساتھیوں کی جگہ پر دشمن کے مقابل ہو گئے اور وہ آ گئے تو ان کو بھی نبی ﷺ نے ایک رکعت پڑھائی، پھر نبی ﷺ نے سلام پھیرا، تب اس گروہ نے باقی ایک رکعت پڑھی اور دوسرے گروہ نے بھی پڑھی۔[3]

[4] دونوں گروہ امام کے ساتھ قیام اور سلام میں شریک رہیں: جناب مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرّقاع، حديث: 426، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 843. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 840. [3] صحيح البخاري، صلاة الخوف، باب صلاة الخوف، حديث:942، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث:839.

نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز خوف پڑھی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! انھوں نے پوچھا: کب؟ جواب دیا: غزوۂ نجد کے سال۔ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا جبکہ دوسرا گروہ دشمن کے مقابل رہا اور ان کی کمریں قبلے کی طرف تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تکبیر کہی، اور ان لوگوں نے بھی تکبیر کہی جو آپ کے ساتھ تھے اور جو دشمن کے بالمقابل تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا پہلا رکوع اور آپ کے ساتھ متصل گروہ نے بھی رکوع کیا، پھر سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ متصل گروہ نے بھی سجدہ کیا، جبکہ دوسرے لوگ دشمن کے مقابل کھڑے رہے، پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو وہ گروہ بھی اٹھ کھڑا ہوا جو آپ کی معیت میں تھا۔ پھر وہ لوگ دشمن کے سامنے چلے گئے اور وہ گروہ جو دشمن کے سامنے تھا، آ گیا، اب اس گروہ کے افراد نے آ کر رکوع اور سجدہ کیا جبکہ رسول اللہ ﷺ (اس دوران) اسی حالت میں کھڑے رہے، پھر جب وہ لوگ (سجدوں سے فارغ ہوکر) کھڑے ہوئے تو آپ نے رکوع کیا دوسری رکعت کا رکوع، ان لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ رکوع کیا، پھر اس کے بعد آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر وہ گروہ آ گیا جو دشمن کے سامنے تھا، تو انھوں نے اپنا رکوع اور سجدہ کیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ والے بیٹھے رہے، جب سلام کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ اور سب لوگوں نے سلام پھیرا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ اور ہر دو گروہ کے ہر فرد کی دو دو رکعتیں ہو گئیں۔[1]

(5) امام ہر گروہ کو ایک رکعت پڑھائے اور انتظار کرے کہ ہر گروہ کے افراد ایک رکعت پڑھ لیں: جناب صالح بن خَوَّات ایک شخص سے جس نے غزوۂ ذات الرقاع[2] کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز خوف پڑھی تھی، روایت کرتے ہیں کہ ایک گروہ نے آپ ﷺ کے ساتھ صف بنائی[3] جبکہ دوسرا گروہ دشمن کے سامنے ڈٹا رہا، آپ نے اپنے ساتھ والوں کو ایک رکعت پڑھائی، پھر آپ کھڑے رہے اور ان لوگوں نے اپنے طور پر نماز پوری کی اور فارغ ہو کر دشمن کے سامنے آ گئے، پھر دوسرا گروہ آیا تو آپ نے ان کو اپنی بقیہ ایک رکعت پڑھائی، پھر آپ بیٹھے رہے حتی کہ انھوں نے اپنی نماز پوری کی، پھر آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔[4]

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، صلاة السفر، باب من قال يكبرون جَميعًا، حديث: 1240، وسنن النسائي، صلاة الخوف، حديث: 1544. [2] غزوۂ ذات الرقاع وہ معروف غزوہ ہے جو نجد میں غطفان کے علاقے میں 5 ہجری میں ہوا تھا اور اسے ''ذات الرقاع'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاؤں جوتے نہ ہونے کی وجہ سے زخمی ہو گئے، تو انھیں ان پر کپڑے اور پٹیاں لپیٹنی پڑی تھیں اور یہی بات اس کی وجہ تسمیہ میں زیادہ صحیح ہے۔ [3] اکثر نسخوں میں «صَفَّتْ مَعَهُ» ''انھوں نے آپ کے ساتھ صف بنائی'' آیا ہے جب کہ کچھ میں «صَلَّتْ مَعَهُ» ''یعنی انھوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔'' یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ [4] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حديث: 4129، صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 842.

یہ سب صورتیں جائز ہیں کیونکہ یہ مختلف مقامات اور مختلف احوال میں پیش آئی ہیں۔ جو بھی صورت نبی ﷺ سے منقول ہے، اس میں سے جو آسان لگے، اسے مصلحت کے مطابق اختیار کرنا جائز ہے اور جب خوف بہت زیادہ ہو، گھمسان کا رن پڑ رہا ہو تو سوار، پیدل (سب لوگ اپنے اپنے طور پر) پڑھ لیں، چاہے قبلہ رخ نہ بھی ہوں، خواہ اشارے ہی سے نماز پڑھنی پڑے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں آیا ہے: اگر خوف اس سے بھی شدید تر ہو تو اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، یا سوار، نماز پڑھ لیں، چاہے قبلہ رخ ہوں یا نہ ہوں۔ [1]

نماز جمعہ

وجوب جمعہ: جمعہ عورت، غلام، مسافر اور مریض کے علاوہ ہر مکلّف پر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

’’اے ایمان والو! جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعے کے دن، تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کرنا چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔‘‘ [2]

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَّمْلُوكٌ أَوِ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيضٌ»

’’جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ حق واجب ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے: غلام، عورت، بچہ اور مریض۔‘‘ [3]

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ﴾، حديث: 4535، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 839. [2] الجمعة 62:9. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الجمعة للمملوك والمرأة، حديث: 1067. امام ابو داود فرماتے ہیں کہ طارق نے نبی ﷺ سے نہیں سنا ہے۔ امام حاکم نے اسے المستدرک (288/1) میں روایت کیا اور فرمایا: ’’یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اسے صحیحین میں درج نہیں کیا ہے۔ بلاشبہ ہریم بن سفیان سے انھوں نے حجت لی ہے، ابن عیینہ نے اسے ابراہیم بن محمد بن منتشر سے روایت کیا ہے اور انھوں نے اس میں ابو موسیٰ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور طارق بن شہاب کا شمار صحابہ میں ہوتا ہے۔‘‘ بیہقی نے بھی سنن کبریٰ (183/3) میں اسی حدیث کو ذکر کیا ««

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«رَوَاحُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ» ”جمعے کے لیے جانا ہر بالغ پر واجب ہے۔“ [1]

نماز جمعہ کا التزام (پابندی کے ساتھ) کرنا اور جلدی آنا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَّاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ»

”جس نے جمعے کے دن غسلِ جنابت کی طرح غسل کیا اور جمعے کے لیے جلدی گیا، اس نے گویا ایک اونٹ قربان کیا۔ جو دوسری گھڑی میں آیا، اس نے گویا ایک گائے قربان کی۔ جو تیسری گھڑی میں آیا، اس نے گویا سینگوں والا دُنبہ قربان کیا۔ جو چوتھی گھڑی میں آیا، اس نے گویا مرغی صدقہ کی۔ جو پانچویں گھڑی میں آیا، اس نے گویا انڈہ صدقہ کیا، اور جب امام آجاتا ہے تو فرشتے بھی ذکر سننے کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں۔“ [2]

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنَ الطُّهْرِ، وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى»

« ہے اور فرمایا ہے: یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے مگر عمدہ قسم کی ہے، طارق جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، اور ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے مگر آپ سے سنا نہیں، اس حدیث کے اور بھی شواہد موجود ہیں۔ الغرض حدیث صحیح ہے۔ واللہ أعلم. امام زیلعی نے نصب الرایۃ (199/2) میں امام نووی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ صحابی کی مرسل حدیث ہے اور وہ حجت ہوتی ہے۔ (عبدالولی) [1] [صحيح] سنن النسائي، الجمعة، باب إيجاب الجمعة، حديث: 1372۔ مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے، اس لیے کہ نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حج، جہاد وغیرہ کے لیے سفر کیے، تعداد زیادہ ہونے کے باوجود بھی ان اہلِ سفر نے جمعے کی نماز نہیں پڑھی، اس کی بجائے ظہر کی نماز پڑھی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے إرواء الغليل، حديث: 594، والموسوعة الفقهية لحسين بن عودة: 367/2. (عبدالولی) [2] صحيح البخاري، الجمعة، باب فضل الجمعة، حديث: 881، وصحيح مسلم، الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، حديث: 850.

”جو آدمی جمعے کے دن غسل کرے، اور حتی المقدور طہارت و پاکیزگی اختیار کرے، اور اپنے تیل میں سے یا جو گھر میں خوشبو میسر ہو اسے لگائے، پھر نکلے (مسجد کی طرف) اور کسی دو میں تفریق نہ کرے، اور جتنی توفیق ہو نماز پڑھے، پھر جب امام گفتگو کرے (خطبہ دے) تو خاموشی سے سنے تو اس کے لیے ایک جمعے سے لے کر دوسرے جمعے تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔“ [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ، فَصَلّٰى مَا قُدِّرَ لَهُ، ثُمَّ أَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى، وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ»

”جس نے غسل کیا، پھر جمعے کے لیے آیا اور جتنی توفیق ہوئی نماز پڑھی، پھر خاموش رہا حتی کہ امام خطبے سے فارغ ہو گیا، پھر اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے لیے اس جمعے سے دوسرے جمعے تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں بلکہ مزید تین دن کے بھی!“ [2]

نماز جمعہ سے سستی کرنے پر وعید: عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَّدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ، أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ»

”لوگ اپنے جمعے چھوڑنے سے باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر یہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔“ [3]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق جو جمعے سے پیچھے رہتے ہیں، فرمایا:

«لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُّصَلِّي بِالنَّاسِ، ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَّتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوتَهُمْ»

”میں ارادہ کرتا ہوں کہ ایک آدمی کو حکم دوں کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر ان لوگوں کی (گھروں میں)

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب الدُّهن للجمعة، حديث: 883. [2] صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل من استمع وأنصت في الخطبة، حديث: 857. [3] صحيح مسلم، الجمعة، باب التغليظ في ترك الجمعة، حديث: 865.

موجودگی میں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں جو جمعے سے پیچھے رہتے ہیں۔'' [1]

ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللهُ عَلَى قَلْبِهِ»

''جس نے جمعے کو معمولی اور ہلکا جانتے ہوئے تین جمعے چھوڑ دیے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔'' [2]

نماز جمعہ کا وقت ظہر والا ہی ہے: چونکہ یہ نماز ظہر کا بدل ہے تو اس کا وقت بھی ظہر والا ہی ہے، تاہم بعض روایات سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ زوال سے پہلے بھی جائز ہے، مثلاً: سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھا کرتے تھے، پھر جب ہم (فارغ ہوکر) واپس ہوتے تو دیواروں کا سایہ اتنا (زیادہ) نہ ہوتا کہ ہم اس سے سایہ حاصل کریں۔ [3]

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جمعے کے لیے بہت جلدی جایا کرتے تھے اور قیلولہ نماز جمعہ کے بعد کیا کرتے تھے۔ [4]

سہل بن سعد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم قیلولہ جمعے کے بعد کرتے تھے اور دوپہر کا کھانا بھی جمعے کے بعد ہی کھایا کرتے تھے۔ [5]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ پڑھتے تھے، پھر لوگ اپنے اونٹوں کے پاس جاتے اور انھیں آرام کے لیے چھوڑ دیتے تھے حتی کہ سورج ڈھل جاتا۔ [6]

عام نمازوں میں جماعت امام کے علاوہ ایک مقتدی سے منعقد اور درست ہوتی ہے۔ اور جمعہ بھی نماز ہی ہے، لہٰذا جمعے کی نماز بھی کم از کم امام اور ایک مقتدی سے منعقد ہو جاتی ہے۔ اور جو لوگ اس سے زیادہ تعداد کی شرط لگاتے ہیں، ان کے ذمے دلیل لانا ہے جبکہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ۔ نیل الاوطار میں امام شوکانی نے اور الضعیفة (1204) میں شیخ البانی نے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد فى التخلف عنها وأنها فرض كفاية، حديث: 652، ومسند أحمد: 402/1. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب التشديد في ترك الجمعة، حديث: 1052، و مسند أحمد: 424/3. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4168، وصحيح مسلم، الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، حديث: 860. [4] صحيح البخاري، الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس، حديث: 905. [5] صحيح البخاري، الجمعة، باب قول الله تعالىٰ: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَوٰةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾، حديث: 939، وصحيح مسلم، الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، حديث: 859. [6] صحيح مسلم، الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، حديث: 858.

خطبۂ جمعہ میں آپ ﷺ کا طریق کار: 1 افتتاح خطبہ کے لیے آپ ﷺ سے منقول الفاظ: صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنا خطبہ (اور اہم گفتگو) خطبۂ حاجت سے شروع فرمایا کرتے تھے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝﴾

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝﴾

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ»

''بلاشبہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفوس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ جسے سیدھی راہ پر چلا دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ پھسلا دے تو اس کے لیے کوئی ہادی نہیں۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

''اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔'' [1]

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو، اور رشتے توڑنے سے ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔'' [2]

[1] آل عمرٰن 102:3. [2] النسآء 1:4.

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔ وہ تمھارے عمل درست کردے گا اور تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا، اور جو اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرے، تو یقیناً اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی۔‘‘ [1]

اما بعد: بلاشبہ سب سے سچی بات کتاب اللہ کی ہے، اور بہترین نمونہ محمد ﷺ کی سیرت طیبہ ہے، (دین میں) سب سے برے کام وہی ہیں جو نئے ایجاد کیے جاتے ہیں اور (دین میں) ہر نئی ایجاد بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام آگ ہے۔‘‘ [2]

(2) **نماز لمبی اور خطبہ مختصر:** عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے:

«إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ، وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ، مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهِ، فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا»

’’بلاشبہ نماز کا لمبا کرنا اور خطبے کا مختصر رکھنا آدمی کی سمجھ داری کی علامت ہے، سو نماز لمبی اور خطبہ مختصر رکھا کرو، اور بعض بیان جادو ہوا کرتے ہیں۔‘‘ [3]

(3) **جمعے کا خطبہ منبر پر دیا جائے:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: «مَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ، فَلْيَغْتَسِلْ» ’’جو جمعے کے لیے آئے، وہ غسل کرے۔‘‘ [4]

معلوم رہے کہ منبر میں سنت یہ ہے کہ اس کی سیڑھیاں صرف تین ہوں، اس سے زیادہ نہ ہوں، اضافہ بدعت

---

[1] الأحزاب 33:70,71. [2] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 867، و مسند أحمد: 3/310,311، و سنن الدارمي، حديث: 210، و كتاب الأسماء والصفات للبيهقي، حديث: 137 وغیرہ، طیالسی (حدیث: 338) نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا اور یہ اضافہ کیا ہے کہ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسحق سے پوچھا: کیا یہ خطبۂ نکاح کے علاوہ دوسرے مواقع حاجات میں بھی ہے؟ تو انھوں نے کہا: یہ تو ہر ہر ضرورت میں ہے۔ علامہ البانی اپنے رسالے خطبة الحاجة (ص: 12) میں لکھتے ہیں: یہ مبارک خطبہ چھ صحابۂ کرام سے مروی ہے، یعنی عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، نبیط بن شریط اور عائشہ رضی اللہ عنہم اور ایک تابعی زہری رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے، پھر البانی صاحب نے اس سیاق پر مفصل بحث کی ہے اور آخر میں (ص: 31 میں) لکھتے ہیں: گزشتہ احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انھی الفاظ سے تمام خطبوں کا افتتاح ہونا چاہیے، چاہے خطبۂ نکاح ہو یا خطبۂ جمعہ۔ یہ الفاظ خطبۂ نکاح سے مخصوص نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر باور کیا جاتا ہے بلکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں اس کی تصریح بھی آئی ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اور اسے سلف صالح کے عمل کی تائید حاصل ہے کہ وہ حضرات انھی کلمات سے اپنے خطبات کی ابتدا کیا کرتے تھے......‘‘ الخ۔ [3] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 869. [4] صحيح البخاري، الجمعة، باب الخطبة على المنبر، حديث: 919.

ہے۔ بسا اوقات یہ چیز صف کاٹنے کا باعث بنتی ہے، اور اس مشکل سے بچنے کے لیے اسے مسجد کے مغربی کونے میں بنانا یا محراب میں بنانا ایک اور بدعت ہے، یا اسے جنوبی جانب دیوار میں بالکونی کی طرح بنانا ایک تیسری بدعت ہے جس پر دیوار کے ساتھ جڑی ہوئی سیڑھی کے ذریعے سے چڑھتے ہیں۔

4. خطیب کھڑے ہو کر خطبہ دے اور خطبوں کے درمیان بیٹھے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے، پھر بیٹھتے اور پھر کھڑے ہو جاتے تھے جیسا کہ تم اب کرتے ہو۔[1]

5. خطبۂ جمعہ قرآن کریم کی آیات پر بھی مشتمل ہونا چاہیے: حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: ﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ ﴾[2]

"اور وہ (داروغۂ جہنم کو) پکاریں گے: اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے، وہ کہے گا: بے شک تم تو ہمیشہ (اسی عذاب میں) رہو گے۔"[3]

ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سورۂ قٓ نبی ﷺ ہی کی زبان سے (سن کر) یاد کی ہے۔ آپ اسے ہر جمعے میں خطبہ دیتے ہوئے منبر پر پڑھا کرتے تھے۔[4]

6. خطبے میں حسب ضرورت آواز بلند کرنی چاہیے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور غصہ شدید ہو جاتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہوں کہ گویا صبح گئے یا شام گئے تم پر حملہ ہوا چاہتا ہے۔[5]

7. خطیب کو چاہیے کہ لوگوں میں سے کسی کو معین طور پر نشانہ بنائے بغیر ان کی تقصیر پر متنبہ کرے: جناب شبیب ابوروح ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرآن کریم کی قراءت خلط ملط ہو گئی، جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّونَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُونَ الطُّهُورَ، فَإِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ أُولٰئِكَ»

"لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور وضو بھی درست نہیں کرتے، چنانچہ یہ لوگ قرآن

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب الخطبة قائمًا، حديث: 920، وصحيح مسلم، الجمعة، باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة وما فيهما من الجلسة، حديث: 861. [2] الزخرف 43:77 [3] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ ﴾، حديث: 4819، وصحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 871. [4] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 873. [5] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 867.

کو ہمارے اوپر خلط ملط کر دیتے ہیں۔" [1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی ﷺ نے روزوں میں وصال شروع کر دیا (درمیان میں روزہ افطار نہ کرتے تھے)، کچھ صحابہ نے بھی آپ کی دیکھا دیکھی وصال شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا:

«مَا بَالُ رِجَالٍ يُوَاصِلُونَ، إِنَّكُمْ لَسْتُمْ مِثْلِي . . . .»

"لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وصال کرنے لگے ہیں، تم میری طرح نہیں ہو......" [2]

8 خطبہ دیتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اشارہ نہ کیا جائے: جناب عمارہ بن رُوَیبہ رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ منبر پر اپنے ہاتھ بلند کیے ہوئے تھا، انھوں نے کہا: اللہ ان ہاتھوں کو رسوا کرے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اپنا ہاتھ اس سے زیادہ نہ اٹھاتے تھے، اور انھوں نے اپنی انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کر کے دکھایا۔ [3]

9 خطیب منبر کے پاس دعا کے لیے رکے نہ منبر پر چڑھنے میں تاخیر کرے، نہ لوگوں کی طرف رخ کرنے اور سلام کہنے سے پہلے قبلہ رخ ہو کر دعا میں مشغول ہو: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منبر پر آنے کے بعد امام کا دعا میں مشغول ہونا ایسا عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ [4]

خطبے کے دوران میں کسی کو نیند آنے لگے تو اسے چاہیے کہ اپنی جگہ بدل لے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي مَجْلِسِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ إِلٰى غَيْرِهِ»

"جمعے کے دن جب کسی کو اپنی جگہ پر نیند آنے لگے تو وہ اپنی جگہ بدل لے۔" [5]

خطبے کے دوران میں گفتگو حرام ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ : أَنْصِتْ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَقَدْ لَغَوْتَ»

"جمعے کے دن جب تو اپنے ساتھی سے کہے "چپ رہ" جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغو کام کیا۔" [6]

---

[1] [حسن] سنن النسائي، الافتتاح، باب القراءة في الصبح بالروم، حديث: 948. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث: 1104. [3] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 874. [4] الاختيارات: 440/4، ضمن الفتاوى الكبرٰى. [5] [صحيح]جامع الترمذي، الجمعة، باب فيمن ينعس يوم الجمعة أنه يتحول من مجلسه، حديث: 526، ومسند أحمد: 22/2. [6] صحيح البخاري، الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة، والإمام يخطب، حديث: 934، وصحيح مسلم، الجمعة، باب في الإنصات يوم الجمعة في الخطبة، حديث:851 واللفظ له .

جس نے جمعے کی ایک رکعت پا لی اس نے جمعہ پا لیا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْجُمُعَةِ أَوْ غَيْرِهَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ»

''جس نے جمعہ یا کسی دوسری نماز کی ایک رکعت پا لی تو اس کی نماز (بقیہ کے ملانے سے) پوری ہوئی۔'' [1]

نماز جمعہ میں مسنون قراءت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھا کرتے تھے۔ [2]

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ عیدین اور جمعے میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝﴾ اور ﴿هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝﴾ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ [3]

نماز جمعہ کے بعد سنتیں پڑھنا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا»

''جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھے تو چاہیے کہ اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔'' [4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسالت مآب ﷺ جمعے کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ [5]

جمعے کے لیے آنے والا امام کے آنے سے پہلے پہلے جس قدر چاہے نفل پڑھ سکتا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْتَسَلَ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ، فَصَلّٰى مَا قُدِّرَ لَهُ، ثُمَّ أَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى، وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ»

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، المواقيت، باب من أدرك ركعة من الصلاة، حديث: 558، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيمن أدرك من الجمعة ركعة، حديث: 1123. [2] صحيح مسلم، الجمعة، باب مايقرأ في يوم الجمعة، حديث: 879. [3] صحيح مسلم، الجمعة، باب مايقرأ في صلاة الجمعة، حديث: 878. **بعض خطیبوں کا نماز جمعہ میں ان سورتوں کی آخری چند آیات پر اکتفا کرنا، اسے معمول بنا لینا اور یہ سمجھنا کہ اس طرح مسنون قراءت پر عمل ہو جاتا ہے، ٹھیک بات نہیں۔ (مترجم)**

[4] صحيح مسلم، الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، حديث: 881، وسنن أبي داود، الصلاة، باب الصلاة بعد الجمعة، حديث: 1131. [5] صحيح البخاري، الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها، حديث: 937، وصحيح مسلم، الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، حديث: 882. **جمعے کے بعد چار رکعت پڑھنا مذکورہ بالا قولی حدیث کی وجہ سے افضل ہے، خواہ گھر میں پڑھے یا مسجد میں، جبکہ گھر میں صرف دو رکعت پڑھنا بھی مذکورہ بالا فعلی حدیث کی وجہ سے مشروع اور سنت ہے۔ (عبدالولی)**

”جس نے غسل کیا، پھر جمعے کے لیے آیا اور جتنی اسے توفیق ہوئی نماز پڑھی، پھر خاموش رہا حتی کہ امام اپنے خطبے سے فارغ ہو گیا، پھر اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے لیے اس جمعے سے لے کر اگلے جمعے تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، بلکہ مزید تین دن کے بھی۔“[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (جمعے کے روز) جب بلال رضی اللہ عنہ اذان دے لیتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ شروع فرما دیا کرتے تھے اور کوئی بھی شخص دو رکعتیں پڑھنے کے لیے نہیں اٹھتا تھا، اور اذان بھی ایک ہی ہوا کرتی تھی۔ تو یہ لوگ (مزعومہ) سنتیں کب پڑھا کرتے تھے؟[2]

جمعے کے لیے جامع مسجد میں پہنچنے کا اہتمام کرنا چاہیے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ جمعے کے لیے اپنے گھروں سے متواتر آیا کرتے تھے اور عوالی (مدینہ منورہ کی بالائی جانب کی دور کی آبادیوں) سے بھی۔“[3]

اگر جمعہ اور عید ایک دن میں جمع ہو جائیں؟ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کسی ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں جب ایک دن میں دو عیدیں (جمعہ اور عید) اکٹھی ہو گئی ہوں؟ انھوں نے کہا: ہاں! آپ نے پہلے پہر عید پڑھی اور پھر جمعے سے رخصت دے دی، فرمایا:

«مَنْ شَاءَ أَنْ يُجَمِّعَ فَلْيُجَمِّعْ»

”جو جمعہ پڑھنا چاہتا ہے، وہ پڑھ لے۔“[4]

عید کے دن جمعے کا اہتمام: امام کے لیے جمعے کا اہتمام کرنا مستحب ہے تاکہ جو شخص عید کے لیے نہ آسکا ہو وہ جمعے میں آ جائے، اسی طرح وہ لوگ جو عید کی نماز پڑھ چکے ہوں اگر وہ جمعہ پڑھنا چاہیں تو وہ بھی شامل ہو سکیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدِ اجْتَمَعَ فِي يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيدَانِ، فَمَنْ شَاءَ أَجْزَأَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ وَإِنَّا مُجَمِّعُونَ»

”تمھارے آج کے دن میں دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں، سو جو چاہے اس کے لیے عید جمعے سے کفایت کرنے

[1] صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل من استمع وأنصت في الخطبة، حديث: 857. [2] زاد المعاد: 431/1. حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی بات کا مقصد یہ ہے کہ بعض لوگ جو جمعے سے پہلے چار سنتیں بتاتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (عبدالولی) [3] صحيح البخاري، الجمعة، باب من أين تؤتى الجمعة......، حديث: 902، وصحيح مسلم، الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال وبيان ما أمروا به، حديث: 847. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، حديث: 1070، ومسند أحمد: 372/4 واللفظ له.

والی ہے، اور ہم جمعہ پڑھیں گے۔" [1]

جمعے کے دن مستحب اذکار اور دعائیں: (1) **نبی ﷺ پر کثرت سے درود و سلام پڑھنا:** حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ» . فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُولَ اللهِ ! كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ ؟ يَعْنِي بَلِيتَ - وَقَالَ : «إِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ»

"تمھارے افضل دنوں میں سے جمعے کا دن بڑی فضیلت رکھتا ہے، اس دن آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اس دن (قیامت کا) نفخہ (صور) ہے اور اسی دن صعقہ (مدہوشی) ہو گی تو اس دن مجھ پر کثرت سے صلاۃ (درود) پڑھا کرو، بلاشبہ تمھاری یہ صلاۃ مجھ پر پیش کی جاتی ہے۔" ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہماری یہ صلاۃ آپ پر کیسے پیش کی جائے گی، حالانکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: "اللہ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بدن کھانا حرام کر دیا ہے۔" [2]

(2) **سورۂ کہف کی تلاوت:** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"جس نے جمعے کے دن سورۂ کہف پڑھ لی، اس کے لیے اگلے جمعے تک نور، یعنی روشنی رہے گی۔" [3]

(3) **قبولیت کی گھڑی کی موافقت کی امید پر بہت زیادہ دعائیں کرنا:** ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جمعے کے دن ایک گھڑی ہوتی ہے، جو مسلمان اسے پا لے جبکہ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ سے کسی خیر کا سوال کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ (خیر) عطا فرما دے گا۔" آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ "یہ گھڑی تھوڑی سی (مدت کی) ہوتی ہے۔" [4]

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، حديث: 1073، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيما إذا اجتمع العيدان في يوم، حديث: 1311. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، حديث: 1531، و مسند أحمد: 8/4، و المستدرك للحاكم: 278/1، و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب في فضل الجمعة، حديث: 1085 واللفظ له. [3] [صحيح] المستدرك للحاكم: 368/2، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 249/3 و صححه الألباني في الإرواء، حديث: 626. [4] صحيح البخاري، الجمعة، باب الساعة التي في يوم الجمعة، حديث: 935، وصحيح مسلم، الجمعة، باب في الساعة التي في يوم الجمعة، حديث: 852، ومسند أحمد: 230/2.

نماز باجماعت

نماز باجماعت کا شرعی حکم: ① **نماز باجماعت کے وجوب کے دلائل:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، ثُمَّ أَنْطَلِقَ مَعِي بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حُزَمٌ مِنْ حَطَبٍ، إِلٰى قَوْمٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنَّارِ»

”منافقوں کے لیے دو نمازیں سب سے بھاری ہیں: عشاء اور فجر کی نماز۔ اگر انھیں معلوم ہو کہ ان میں کیا (اجر وفضیلت) ہے تو ان نمازوں کے لیے ضرور آتے، چاہے انھیں اپنے کولھوں کے بل گھسٹ کر آنا پڑتا۔ بلاشبہ میرا جی چاہتا ہے کہ نماز کا حکم دوں، اس کی اقامت کہی جائے، پھر کسی سے کہوں کہ نماز پڑھائے، اور خود کچھ لوگوں کو ساتھ لوں جن کے پاس لکڑیوں کے گٹھے ہوں اور ان کے تعاقب میں جاؤں جو نماز پڑھنے نہیں آتے، پھر میں ان کے گھروں کو ان کی موجودگی میں آگ سے جلا ڈالوں۔“[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینے آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا کوئی رہبر نہیں ہے جو میرا ہاتھ پکڑے اور مجھے مسجد تک لے آئے، اس نے عرض کیا کہ مجھے رخصت مرحمت فرمایئے کہ میں گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کروں، آپ نے اسے اجازت دے دی، جب اس نے پیٹھ پھیری (اور واپس جانے لگا) تو آپ نے اسے بلایا اور دریافت فرمایا: «هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ؟» ”کیا اذان سنتے ہو؟“ اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: «فَأَجِبْ» ”تب (مسجد) آؤ۔“[2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کو دیکھا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص جماعت سے پیچھے نہ رہتا

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، حديث: 657، وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها وأنها فرض كفاية، حديث: 651 واللفظ له. [2] صحيح مسلم، المساجد، باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء ، حديث: 653، وسنن النسائي، الإمامة، باب المحافظة على الصلوات حيث ينادي بهن، حديث: 851.

تھا سوائے کسی منافق کے جس کا نفاق صاف ظاہر ہوتا اور ایسا بھی ہوتا کہ کسی کو دو آدمیوں کا سہارا دے کر لایا جاتا اور اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔ [1]

[2] **نماز باجماعت کے سنت ہونے کے دلائل:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ عَلٰى صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِينَ دَرَجَةً»

''جماعت کی نماز، تنہا نماز سے ستائیس درجے افضل ہوتی ہے۔'' [2]

محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نابینا تھے اور وہ اپنی قوم کی امامت کرایا کرتے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! تاریکی اور بارش کا پانی ہوتا ہے، نیز میں نابینا آدمی ہوں، لہٰذا اے اللہ کے رسول! میرے گھر میں نماز پڑھیے تاکہ میں اس جگہ کو اپنے لیے جائے نماز بنا لوں، چنانچہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام ان کے ساتھ تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا:

«أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ؟» فَأَشَارَ إِلٰى مَكَانٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَصَلّٰى فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ»

''تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟'' تو انھوں نے گھر میں ایک جگہ کا اشارہ کیا، چنانچہ آپ نے وہاں نماز پڑھی۔'' [3]

مِحْجَن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ نماز کے لیے اذان کہی گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، نماز پڑھی، پھر واپس تشریف لائے اور دیکھا کہ محجن اسی جگہ بیٹھے ہیں اور انھوں نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے پوچھا:

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب صلاة الجماعة من سنن الهدى، حديث: 654، ومسند أحمد: 382/1. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، حديث:645، و صحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة، و بيان التشديد في التخلف عنها وأنها فرض كفاية، حديث: 650، ومسند أحمد: 65/2 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب الرخصة في المطر والعلة أن يصلي في رحله، حديث: 667، وصحيح مسلم، المساجد، باب الرخصة في التخلف عن الجماعة لعذر، حديث: 33 بعد الحديث: 657. مرد کے لیے باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو، بعض لوگوں نے جماعت کے واجب نہ ہونے پر ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ منفرد کی نماز صحیح ہے، جیسا کہ مؤلف صاحب نے بھی ایسا ہی کیا ہے، حالانکہ مذکورہ حدیثوں سے منفرد کی نماز کا صحیح ہونا اور اس کے لیے ایک درجے کا ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ وجوب کے منافی نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مجموع الفتاوی: 232/23 اور شیخ البانی رحمہ اللہ کی تمام المنة، ص: 277. (عبدالولی)

«مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ، أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ؟ فَقَالَ: بَلٰى، يَارَسُولَ اللهِ! وَلٰكِنِّي قَدْ صَلَّيْتُ فِي أَهْلِي، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا جِئْتَ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ، وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ»

''تجھے کیا رکاوٹ تھی کہ تو نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ کیا تو مسلمان نہیں ہے؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! دراصل میں اپنے گھر میں نماز پڑھ کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

''جب تم آؤ تو لوگوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھ لیا کرو، چاہے تم نے (پہلے) نماز پڑھ ہی لی ہو۔''[1]

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ فَأَبْعَدُهُمْ مَّمْشًى، وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ»

''نماز کے اجر میں سب سے بڑھ کر وہی ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آیا ہے، اور جو نماز کا انتظار کرتا ہے حتی کہ امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے، وہ زیادہ اجر والا ہے بہ نسبت اس آدمی کے جو نماز پڑھ کے سو جاتا ہے۔''[2]

الغرض گزشتہ احادیث کی روشنی میں جماعت کے ساتھ مل کر نماز ادا کرنا نہایت مؤکد طریقہ ہے، یہ اسلام کے عظیم ترین نشانات اور شعائر میں سے ہے اور اللہ رب العزت کے حضور تقرب کے افضل اعمال میں سے ہے۔

خواتین مسجد میں آ سکتی ہیں مگر ان کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «إِذَا اسْتَأْذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا»

''جب تم میں سے کسی کی بیوی اس سے مسجد جانے کی اجازت چاہے تو وہ اسے مت روکے۔''[3]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُورًا، فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ»

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، الإمامة، باب إعادة الصلاة مع الجماعة بعد صلاة الرجل لنفسه، حديث:858، و مسند أحمد: 34/4، والموطأ للإمام مالك:35/1 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة الفجر في جماعة، حديث: 651، و صحيح مسلم، المساجد، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، حديث:662. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب استئذان المرأة زوجها في الخروج إلى المسجد وغيره، حديث:5238، و صحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة وأنها لا تخرج مطيبة، حديث:442 واللفظ له.

”جس عورت نے خوشبو لگائی ہو، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں ہرگز نہ آئے۔“ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ»

”اپنی عورتوں کو مسجدوں (میں آنے) سے مت روکو۔ تاہم ان کے گھر ان کے لیے بہت بہتر ہیں۔“ [2]

جناب عبداللہ بن سوید انصاری اپنی پھوپھی ام حمید رضی اللہ عنہا زوجۂ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام حمید رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”مجھے معلوم ہے کہ تمھیں میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند ہے مگر وہ نماز جو تم اپنے گھر (کے کمرے) میں پڑھو، افضل ہے اس نماز سے جو تم اپنے حجرے میں پڑھو، اور وہ نماز جو تم اپنے حجرے میں پڑھو، وہ افضل ہے تمھاری اس نماز سے جو تم اپنے بڑے احاطے میں پڑھو اور تمھاری وہ نماز جو تم اپنے بڑے احاطے میں پڑھو، افضل ہے اس نماز سے جو تم اپنی قوم کی مسجد میں پڑھو، اور تمھاری وہ نماز جو تم اپنی قوم کی مسجد میں پڑھو، افضل ہے اس نماز سے جو تم میری مسجد میں پڑھو۔“ عبداللہ بن سوید فرماتے ہیں: چنانچہ ام حمید رضی اللہ عنہا نے حکم دیا تو ان کے لیے گھر کے آخری حصے میں ایک اندھیری جگہ میں جائے نماز بنا دی گئی، چنانچہ وہ زندگی بھر وہیں نماز پڑھتی رہیں حتی کہ اللہ سے جا ملیں۔ [3]

نماز کی جماعت دو آدمیوں سے بھی ہو جاتی ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں ایک رات (اپنی خالہ) میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں سو گیا۔ اس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انھی کے ہاں قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے، میں بھی آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھے پکڑا اور اپنی داہنی جانب کر لیا۔ [4]

جماعت میں جس قدر افراد زیادہ ہوں اسی قدر ثواب زیادہ ہوتا ہے: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، پھر دریافت فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذالم يترتب عليه فتنة، وأنها لا تخرج مطيبة، حديث:444، وسنن أبي داود، الترجل، باب في طيب المرأة للخروج، حديث:4175. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد، حديث:567. [3] [صحيح] مسند أحمد: 371/6، و صحيح ابن خزيمة: 95/3، حديث: 1689. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الإمام فحوّله الإمام إلى يمينه لم تفسد صلاتهما، حديث: 698، و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ و دعائه بالليل، حديث:763.

«أَشَاهِدٌ فُلَانٌ؟» قَالُوا: لَا. قَالَ: «أَشَاهِدٌ فُلَانٌ؟» قَالُوا: لَا. قَالَ: «إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ، وَلَوْ تَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَيْتُمُوهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ، وَإِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيلَتُهُ لَابْتَدَرْتُمُوهُ، وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ، وَصَلَاتَهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ، وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ»

''کیا فلاں حاضر ہے؟''لوگوں نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا:''کیا فلاں حاضر ہے؟'' لوگوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ یہ دو نمازیں منافقوں کے لیے بہت بھاری ہیں۔ اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ ان میں کیا کچھ (اجر وثواب اور فضیلت) ہے تو تم ان میں ضرور آؤ، چاہے تمھیں گھٹنوں کے بل گھسٹ کر ہی آنا پڑے، اور پہلی صف فرشتوں کی صف کی مانند ہے۔ اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ اس کی فضیلت کیا ہے تو تم ضرور اس کی طرف لپک کر آنے لگو، اور آدمی کی دوسرے آدمی کی معیت میں (پڑھی جانے والی) نماز اکیلے کی نماز سے بہت عمدہ ہوتی ہے، اور دو آدمیوں کی معیت والی نماز ایک آدمی کی معیت والی نماز کی نسبت بہت عمدہ ہوتی ہے، اور جس قدر آدمی زیادہ ہوں، وہ اللہ عزوجل کو بہت زیادہ محبوب ہے۔''[1]

مسجد کی جانب سکون و وقار سے جانا چاہیے: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے لوگوں کے دوڑ دوڑ کر آنے کی صدائیں سنیں۔ جب نماز پڑھ چکے تو آپ نے دریافت فرمایا: «مَا شَأْنُكُمْ؟» ''کیا بات تھی؟'' انھوں نے کہا: ہم نماز کے لیے جلدی جلدی آ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«فَلَا تَفْعَلُوا، إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَافَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا»

''اس طرح مت کیا کرو، جب نماز کے لیے آؤ تو سکون سے آیا کرو، جو پالو پڑھ لو، اور جو رہ جائے اس کی تکمیل کرلو۔''[2]

[1] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب في فضل صلاة الجماعة، حديث: 554، وسنن النسائي، الإمامة، باب الجماعة إذا كانوا اثنين، حديث: 844، ومسند أحمد: 140/5. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب قول الرجل: فاتتنا الصلاة، ◄◄

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ، وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ وَلَا تُسْرِعُوا فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا»

"جب تم اقامت سنو تو نماز کے لیے چلو، سکون اور وقار کو ملحوظ خاطر رکھو، بھاگتے ہوئے نہ آؤ، جو پاؤ پڑھ لو، اور جو رہ جائے اسے مکمل کر لو۔" [1]

جب گھر سے نکلے تو کیا پڑھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص (گھر سے نکلتے ہوئے) یہ کلمات کہہ لے: «بِسْمِ اللّٰهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» "اللہ کے نام کے ساتھ میں نکل رہا ہوں، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی حرکت اور قوت نہیں۔" تو اس سے کہہ دیا جاتا ہے: تیری کفایت ہو گئی اور تجھے بچا لیا گیا۔ اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔" [2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور آپ کو نماز کی خبر دی، آپ اٹھے، نماز پڑھائی اور آپ کی دعا یہ تھی:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا، وَفِي بَصَرِي نُورًا، وَفِي سَمْعِي نُورًا، وَعَنْ يَمِينِي نُورًا، وَعَنْ يَسَارِي نُورًا، وَفَوْقِي نُورًا، وَتَحْتِي نُورًا، وَأَمَامِي نُورًا، وَخَلْفِي نُورًا، وَعَظِّمْ لِي نُورًا»

"اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے، میری آنکھ میں نور کر دے، میرے کان میں نور کر دے، میرے دائیں نور کر دے، میرے بائیں نور کر دے، میرے اوپر نور کر دے، میرے نیچے نور کر دے، میرے آگے نور کر دے، میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لیے نور میں اضافہ فرما۔" [3]

حديث: 635، وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب إتيان الصلاة بوقاروسكينة......حديث: 603، ومسند أحمد: 306/5. [1] صحيح البخاري، الأذان، باب لا يسعى إلى الصلاة وليأتها بالسكينة والوقار، حديث: 636، وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار و سكينة......، حديث: 602. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول إذاخرج من بيته ، حديث: 5095، وجامع الترمذي، الدعوات، باب ما جاء ما يقول إذا خرج من بيته، حديث: 3426 واللفظ له. [3] صحيح مسلم ، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث: 763، وسنن أبي داود، التطوع، باب في صلاة الليل، حديث: 1353.

مسجد میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کی دعا: فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہونے لگتے تو کہتے تھے:

«بِسْمِ اللهِ، وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ»

''اللہ کے نام سے (داخل ہوتا ہوں) سلام ہو اللہ کے رسول پر، اے اللہ! میرے گناہ معاف کردے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔''

اور جب نکلنے لگتے تو کہتے تھے:

«بِسْمِ اللهِ، وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ»

''اللہ کے نام سے (میں نکلتا ہوں) سلام ہو اللہ کے رسول پر، اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔'' [1]

تحیّۃ المسجد: ابوقتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ»

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔'' [2]

مسجد حرام کا تحیہ: اہل مکہ کے علاوہ کوئی بھی فرد بحالت احرام مسجد حرام میں داخل ہو تو اسے طواف سے ابتدا کرنی چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج میں کیا تھا۔ احادیث میں ایسی کوئی بات نہیں آئی جو مسجد حرام کو دیگر مساجد کے عام ادب سے ماورا رکھے، جس کا تذکرہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث میں آیا ہے۔ مسجد حرام کے لیے دیگر مساجد سے الگ کوئی خاص تحیہ نہیں ہے۔ ایک مشہور روایت ہے کہ بیت اللہ کا تحیہ طواف ہے لیکن اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ محدث البانی رحمہ اللہ نے الضعیفۃ (1012) میں اس کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ مجھے کوئی ایسی قولی سنت ملی ہے نہ فعلی جو اس مفہوم کی شاہد ہو، بلکہ حقیقت یہی ہے کہ مسجد حرام بھی

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء مايقول عندخوله المسجد، حديث: 314، وسنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب الدعاء عند دخول المسجد، حديث: 771 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب:إذا دخل المسجد فليركع ركعتين، حديث: 444، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد بركعتين، وكراهة الجلوس قبل صلاتهما......، حديث: 714.

رسالت مآب ﷺ کے فرمان عام کے زمرے ہی میں آتی ہے، یعنی مسجد میں بیٹھنے سے پہلے نماز پڑھو۔ یہ کہنا کہ مسجد حرام کا تحیہ طواف ہے، ابھی تک محتاجِ ثبوت ہے اور ثبوت کے بغیر کوئی دعویٰ قابلِ قبول نہیں۔ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ بعض اوقات بالخصوص حج کے ایام میں، مسجد حرام میں آنے والے کے لیے طواف کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ سو بے حد حمد ہو اس اللہ کی جس نے اس معاملے میں وسعت رکھی ہے۔

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ ''اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔''[1]

تاہم آگاہ رہنا چاہیے کہ یہ عام حکم اس آدمی کے لیے ہے جو مُحرِم نہ ہو۔ اگر مُحرِم ہو تو اس کے لیے یہی راہِ عمل ہے کہ طواف سے ابتدا کرے، پھر اس کے بعد دو رکعتیں پڑھے۔

خطبۂ جمعہ کے دوران میں مسجد میں آنے والے کے لیے ہدایت: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سُلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعے کے دن آئے جبکہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، چنانچہ وہ بیٹھ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«يَا سُلَيْكُ! قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَتَجَوَّزْ فِيهِمَا، ثُمَّ قَالَ: إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا»

''اے سلیک! اٹھو دو رکعتیں پڑھو اور مختصر کر کے پڑھو۔'' پھر فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی جمعے کے روز آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ مختصر سی دو رکعتیں پڑھے۔''[2]

جب کوئی مسجد میں آئے اور نماز کے لیے اقامت کہہ دی گئی ہو: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ»

''جب نماز کھڑی کر دی جائے تو فرضوں کے علاوہ اور کوئی نماز (جائز) نہیں۔''[3]

امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ کی فضیلت: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَتَانِ: بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ»

[1] الحج 22:78. [2] صحيح البخاري، الجمعة، باب إذا رأى الإمام رجلا جاء وهو يخطب أمره أن يصلي ركعتين، حديث: 930، وصحيح مسلم، الجمعة، باب التحية والإمام يخطب، حديث: 875 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن في إقامة الصلاة.....، حديث: 710.

''جو شخص اللہ کے لیے چالیس دن باجماعت نماز پڑھے اس طرح کہ تکبیر اولیٰ پا لے، تو اس کے لیے دو براء تیں لکھ دی جاتی ہیں: ایک جہنم سے براءت اور دوسری نفاق سے براءت۔''[1]

تاخیر سے آنے والا جماعت میں کب شامل ہو؟ پیچھے رہنے والا جماعت میں امام کے ساتھ مل جائے، چاہے امام کسی حالت میں ہو، اور جس رکعت کا رکوع نہ پا سکے اسے شمار نہ کرے، سیدنا علی بن ابی طالب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ»

''جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہ اسی طرح کرے جس طرح امام کر رہا ہے۔''[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَنَحْنُ سُجُودٌ فَاسْجُدُوا وَلَا تَعُدُّوهَا شَيْئًا، وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»

''جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدے میں شامل ہو جاؤ، اور اسے کچھ شمار نہ کیا کرو، اور جس نے ایک رکعت پالی، اس نے نماز پالی۔''[3]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ»

''جس نے امام کے ساتھ نماز کی رکعت پالی تو بلاشبہ اس نے نماز پالی۔''[4]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں غزوۂ تبوک کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقی قافلے سے پیچھے رہ گیا۔ آپ قضائے حاجت کے لیے گئے، پھر آپ نے وضو کیا اور لوگوں کی طرف آئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز فجر پڑھا رہے تھے (اور ایک رکعت پڑھا چکے تھے) تو آپ نے لوگوں کے ساتھ مل کر ایک

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في فضل التكبيرة الأولى، حديث: 241، نیز دیکھیے الصحيحة، حديث: 2652. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الجمعة، باب ماذكر في الرجل يدرك الإمام وهو ساجد كيف يصنع، حديث: 591، نیز دیکھیے الصحيحة، حديث: 1188. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يدرك الإمام ساجدًا كيف يصنع، حديث: 893 بعد الحديث: 888. [4] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب من ادرك من الصلاة ركعة، حديث: 580، و صحيح مسلم، المساجد، باب من ادرك ركعة......، حديث: 607 واللفظ له.

رکعت ادا فرمائی۔ جب عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو آپ کھڑے ہو گئے اور نماز مکمل کی۔ جب آپ نماز مکمل کر چکے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: «قَدْ أَحْسَنْتُمْ وَأَصَبْتُمْ» ”تم نے صحیح عمل کیا اور خوب کیا۔“
آپ ان کے عمل سے خوش ہو رہے تھے کہ انھوں نے بروقت نماز ادا کی ہے۔[1]

(جگہ نہ ہو تو) صف کے پیچھے اکیلے مرد کی نماز جائز ہے: اس مسئلے میں وارد مختلف احادیث میں جمع و تطبیق کی یہی صورت ہے۔[2]

علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو صف کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو آپ نے اس سے فرمایا:

«اِسْتَقْبِلْ صَلَاتَكَ، فَلَا صَلَاةَ لِرَجُلٍ فَرْدٍ خَلْفَ الصَّفِّ»

”اپنی نماز دوبارہ پڑھو، صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی۔“[3]

جناب وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنی نماز دہرائے۔[4]

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد پہنچے تو آپ رکوع میں تھے، انھوں نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا، یہ بات آپ کو بتائی گئی تو آپ نے فرمایا:

«زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ» ”اللہ تیری حرص اور زیادہ کرے، پھر ایسا نہ کرنا۔“[5]

---

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب الرجل يوضِّئُ صاحبه، حديث: 182، وصحيح مسلم، الصلاة، باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الإمام......، حديث: 274 بعد الحديث: 421، ومسند أحمد: 249/4 واللفظ له. [2] اگر اگلی صف میں جگہ ہے اور اس کے باوجود مرد نمازی صف کے پیچھے اکیلے کھڑا ہو تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے إرواء الغليل: 329/2، حديث: 541 علاوہ ازیں سنن الدارمي: 211/1، حديث: 1285 میں حسن سند کے ساتھ یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو نماز لوٹانے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ «وَلَمْ يَتَّصِلْ بِالصُّفُوفِ» ”وہ اگلی صف میں شامل نہیں ہوا تھا۔“ (عبدالولی) [3] [حسن] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، حديث: 1003، ومسند أحمد: 23/4 واللفظ له. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يصلي وحده خلف الصف، حديث: 682، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الصلاة خلف الصف وحده، حديث: 230، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، حديث: 1004. [5] صحيح البخاري، الأذان، باب إذا ركع دون الصف، حديث: 783، وسنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يركع دون الصف، حديث: 683. اس حدیث سے مذکورہ مسئلہ ثابت کرنا درست نہیں، اس لیے کہ اس شخص نے نماز میں شامل ہونے اور صف میں ملنے کے لیے ایسا کیا تھا، اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے منع بھی فرمایا ہے۔ لہٰذا اس سے دلیل پکڑنا صحیح نہیں، دیکھیے: الموسوعة الفقهية: 243/2. (عبدالولی)

نماز ہلکی پڑھانے کا حکم: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ، وَإِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ»

''جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ بلاشبہ نمازیوں میں کمزور، بیمار اور بڑی عمر کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور جب اپنی نماز پڑھے تو جس قدر جی چاہے لمبی کر لے۔''[1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي، مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ»

''میں نماز شروع کرتا ہوں اور لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ ہوتا ہے، مگر کسی بچے کا رونا سنتا ہوں تو اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں، اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کو کس قدر پریشانی ہوتی ہے۔''[2]

انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ مختصر مگر مکمل نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے علاوہ کسی امام کے پیچھے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جو ہلکی بھی ہو اور مکمل بھی۔[3]

امام پہلی رکعت لمبی پڑھائے: ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز کی اقامت ہو جاتی تھی اور کوئی جانے والا بقیع کی طرف جاتا، قضائے حاجت سے فارغ ہو کر وضو کرتا اور واپس آتا تو رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت کو لمبا کرنے کی وجہ سے ابھی پہلی ہی رکعت میں ہوتے تھے۔[4]

امام کی پیروی: امام کی متابعت کرنا، یعنی اس کے پیچھے پیچھے رہنا واجب ہے، اس سے آگے بڑھنا منع ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ما شاء، حديث: 703، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 467، سنن أبي داود، الصلاة، باب تحفيف الصلاة، حديث: 794 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي، حديث: 709، و صحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 470. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب الإيجاز في الصلاة وإكمالها، حديث: 708,706، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 469. [4] صحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر، حديث: 454، وسنن النسائي، الافتتاح، باب تطويل القيام في الركعة الأولى من صلاة الظهر، حديث: 974.

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا! لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ» «وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ»

''امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، اس سے اختلاف نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے، پھر تم بھی تکبیر کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہے، پھر تم «اَللّٰهُمَّ! رَبَّنَا! لَكَ الْحَمْدُ» کہو۔ جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب لوگ بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ اور نماز کے دوران میں صف سیدھی رکھو، بلاشبہ صف سیدھی رکھنا نماز کی خوبصورتی ہے۔''[1]

* میری رائے کے مطابق آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ حکم ''امام جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔'' منسوخ ہے اور اس کی تنسیخ درج ذیل حدیث سے ثابت ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی بیماری کے دنوں میں لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ وہی پڑھاتے رہے۔

جناب عروہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں کچھ افاقہ محسوس فرمایا تو باہر تشریف لے آئے جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کرا رہے تھے۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ فرمایا کہ رکے رہو، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہلو میں بیٹھ گئے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کرنے لگے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتدا کرتے رہے۔[2]

* انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي إِمَامُكُمْ، فَلَا تَسْبِقُونِي بِالرُّكُوعِ وَلَا بِالسُّجُودِ، وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْقُعُودِ وَلَا بِالْانْصِرَافِ»

''اے لوگو! میں تمھارا امام ہوں۔ رکوع کرنے، سجدے میں جانے، قیام کرنے، بیٹھنے یا سلام پھیرنے میں

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصلاة، حديث: 722، وصحيح مسلم، الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، حديث: 414 واللفظ له، ومسند أحمد: 2/230. البتہ قوسین والے آخری الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ [2] صحيح البخاري، الأذان، باب من قام إلى جنب الإمام لعلة، حديث: 683، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض لهٗ عذر من مرض وسفر وغيرها۔ من يصلي بالناس......، حديث: 418.

مجھ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔“ [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ»

”جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے، کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ مبادا اللہ اس کا سر گدھے کا سر بنا دے۔“ [2]

امامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً، فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً، فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ، وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلٰى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ»

”قوم کی امامت وہ شخص کرائے جو ان سب سے بڑھ کر کتاب اللہ کا قاری ہو، اگر وہ قراءت میں برابر ہوں تو وہ جو سنت کا سب سے بڑھ کر عالم ہو۔ اگر وہ سنت کے علم میں برابر ہوں تو وہ جو ہجرت کرنے میں ان سب سے قدیم ہو۔ اگر وہ ہجرت میں برابر ہوں تو وہ جو اسلام قبول کرنے میں قدیم ہو۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے حلقۂ اقتدار میں ہرگز اس کی امامت نہ کرائے اور نہ اس کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر اس کی مسند پر بیٹھے۔“

الأشج کی روایت میں ”اسلام“ کی بجائے ”عمر“ کا ذکر ہے۔ [3]

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بركوع أوسجود ونحوهما، حديث: 426، ومسند أحمد: 102/3 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب إثم مَن رفع رأسه قبل الإمام، حديث: 691، وصحيح مسلم، الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بركوع أوسجود ونحوهما، حديث: 427 واللفظ له. درج بالا حدیثوں سے «إِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا» والی حدیث کو منسوخ کہنا درست نہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے پڑھ سکتے ہیں، تاہم بیٹھنا بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جمہور اصولیین کے نزدیک فعل سے قول کی تنسیخ نہیں ہو سکتی، علاوہ ازیں تنسیخ کا حکم لگانے سے پہلے جمع و تطبیق کا درجہ ہے۔ (عبدالولی) [3] صحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة؟ حديث: 673، ومسند أحمد: 118/4.

بچے کا امامت کرانا: جناب عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں تیزی دکھائی، چنانچہ میرے والد نے بھی اپنی قوم کے ساتھ جلدی کی۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے تو کہا کہ میں ایک سچے نبی کے پاس سے تمھاری طرف آیا ہوں۔ انھوں نے فرمایا ہے: فلاں نماز فلاں وقت پر اور فلاں نماز فلاں وقت پر پڑھا کرو، سو جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے، اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو، وہ تمھاری امامت کرائے۔

چنانچہ انھوں نے دیکھا تو مجھ سے بڑھ کر کسی کو قرآن پڑھنا نہ آتا تھا، کیونکہ میں قافلوں کے لوگوں سے (قرآن) سیکھتا رہتا تھا۔ پس انھوں نے مجھے آگے کر دیا جبکہ میری عمر چھ یا سات سال تھی اور میں نے ایک چھوٹی سی اونی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ میں جب سجدہ کرتا تو وہ سکڑ جاتی تھی۔ قبیلے کی ایک عورت بول اٹھی: کیا تم ہم سے اپنے قاری کی دبر نہیں چھپا سکتے؟ چنانچہ انھوں نے کپڑا خریدا اور مجھے ایک قمیص بنوا دی، مجھے یہ قمیص ملنے کی جو خوشی ہوئی، اس جیسی خوشی کسی اور چیز کے ملنے پر نہیں ہوئی۔[1]

نابینے کی امامت: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں دو بار اپنی نیابت مرحمت فرمائی جبکہ وہ نابینے تھے۔[2]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب (مکے سے) ابتدائی مہاجرین آئے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تشریف نہ لائے تھے، تو ان لوگوں نے قباء کے قریب عُصبہ مقام پر پڑاؤ کیا۔ اس وقت جناب سالم رضی اللہ عنہ جو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، ان لوگوں کی امامت کرایا کرتے تھے، اور یہ ان لوگوں میں سب سے بڑھ کر قرآن کے حافظ تھے، جبکہ ان میں عمر بن خطاب اور ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔[3]

عورتوں کی امامت مرد ہی کرائے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ان کی نانی ملیکہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر بلایا جو انھوں نے آپ کے لیے تیار کیا تھا۔ آپ نے ان کی ضیافت کا کھانا تناول فرمایا، پھر کہا: «قُومُوا فَلِأُصَلِّيَ لَكُمْ» ''اٹھو تاکہ میں تمھیں نماز پڑھاؤں۔''

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک چٹائی لے آیا جو زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی۔ میں نے اس پر پانی چھڑکا، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام اس پر کھڑے ہو گئے، میں اور ایک یتیم نے آپ کے پیچھے اور میری بوڑھی نانی نے

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: 54، حديث: 4302، وسنن أبي داود، الصلاة، باب من أحق بالإمامة؟ حديث: 585. [2] [حسن] سنن أبي داود، الصلاة، باب إمامة الأعمٰى، حديث: 595، و مسند أحمد: 192/3. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب إمامة العبد والمولى، حديث: 692، وسنن أبي داود، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، حديث: 588.

ہمارے پیچھے صف بنائی۔ آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں، پھر آپ تشریف لے گئے۔ [1]

اس روایت میں جس یتیم کا ذکر آیا ہے، وہ ضمیر بن سعد حمیری رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور بڑھیا سے مراد انس رضی اللہ عنہ کی نانی ملیکہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ [2]

نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض اور فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنا صحیح ہے: امام اگر نفل پڑھ رہا ہو تو فرض پڑھنے والے کو اس کی اقتدا کرنا درست ہے اور فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والے کی اقتدا بھی صحیح ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، پھر اپنی قوم میں واپس جا کر انھیں وہی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ [3]

نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے نفل پڑھنے کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک ہے، یعنی آپ نے رات کو نماز شروع کی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی آپ کے ساتھ نماز شروع کر دی۔ [4] ایسے ہی انس، یتیم اور بڑھیا کو آپ نے نماز پڑھائی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی مثالیں ہیں اور یہ سب صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

جناب یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ یزید ان دنوں نوجوان تھے، جب آپ نماز پڑھ چکے تو مسجد میں ایک طرف دو آدمیوں کو دیکھا جنھوں نے نماز نہیں پڑھی تھی، آپ نے انھیں بلوایا۔ انھیں لایا گیا تو ان کے پٹھے لرز رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا:

«مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا؟ قَالَا : قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا ، فَقَالَ : لَا تَفْعَلُوا ، إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فِي رَحْلِهِ ثُمَّ أَدْرَكَ الْإِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ فَلْيُصَلِّ مَعَهُ فَإِنَّهَا لَهُ نَافِلَةٌ»

"تمھیں کس چیز نے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا ہے؟" انھوں نے کہا کہ ہم نے نماز اپنے پڑاؤ پر پڑھ لی ہے۔ آپ نے فرمایا: "اس طرح مت کیا کرو، جب تم میں سے کوئی اپنی منزل میں نماز پڑھ چکا ہو، پھر امام کو پائے کہ اس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تو اس کے ساتھ مل کر پھر نماز پڑھ لے، یہ نماز اس کے لیے نفل ہو جائے گی۔" [5]

---

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب وضوء الصبيان، ومتى يجب عليهم الغسل والطهور وحضورهم الجماعة والعيدين والجنائز، وصفوفهم، حديث: 860و380. وصحيح مسلم، المساجد، باب جواز الجماعة في النافلة، والصلاة على حصير و خمرة......، حديث: 658. [2] تفصیل کے لیے دیکھیے: منة المنعم شرح صحيح مسلم، حديث: 658 کے تحت (عبدالولی)

[3] صحيح البخاري، الأذان، باب: إذا صلى ثم أم قومًا، حديث: 711، وصحيح مسلم، الصلاة، باب القراءة في العشاء، حديث: 465. [4] صحيح البخاری، الوضوء، باب التخفيف في الوضوء، حديث: 138. [5] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب فيمن صلى في منزله ثم أدرك الجماعة يصلي معهم، حديث: 575، وجامع الترمذي، الصلاة، باب »

جو ایسے لوگوں کا امام بنے جو اسے ناپسند کرتے ہوں: جناب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

«ثَلَاثَةٌ لَّا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُمْ صَلَاةً: مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَّهُمْ لَهُ كَارِهُونَ......»

”تین قسم کے لوگوں کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا (اور ان میں سے) ایک وہ ہے جو قوم (نمازیوں) کے آگے ہو جائے، جبکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں......۔“ [1]

ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَّا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ آذَانَهُمْ: اَلْعَبْدُ الْآبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ، وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ، وَإِمَامُ قَوْمٍ وَّهُمْ لَهُ كَارِهُونَ»

”تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے کانوں سے آگے نہیں بڑھتی: بھاگا ہوا غلام حتی کہ لوٹ آئے، ایسی عورت جو اس حال میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس پر غصے ہو اور کسی قوم کا امام، جسے اس قوم کے لوگ ناپسند کرتے ہوں۔“ [2]

صفوں کو بالکل سیدھا اور درست کرنا، خوب جڑ کر کھڑے ہونا اور صفوں میں درمیانی خلا پُر کرنا واجب ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ»

”اپنی صفیں برابر رکھا کرو، بلاشبہ صفیں برابر رکھنا نماز کی تکمیل کا حصہ ہے۔“ [3]

جناب انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام تکبیر کہنے سے پہلے ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا کرتے تھے:

«تَرَاصُّوا وَاعْتَدِلُوا» ”خوب مل جاؤ، برابر ہو جاؤ۔“ [4]

» ماجاء في الرجل يصلي وحده ثم يدرك الجماعة، حديث: 219. [1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، حديث: 593. [2] [حسن] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في من أم قومًا وهم له كارهون، حديث: 360، امام ترمذی نے اس کے بارے میں فرمایا: هٰذا حديث حسن غريب، جبکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الترغیب (حدیث: 486) میں حسن کہا ہے۔ [3] صحيح البخاري، الأذان، باب: إقامة الصف من تمام الصلاة، حديث: 723، وصحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منها......، حديث: 433 واللفظ له. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب إقبال الإمام على النّاس عند تسوية الصفوف، حديث: 719، و مسند أحمد: 3/125 واللفظ له.

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں اس قدر سیدھی کرایا کرتے تھے گویا اس کے ذریعے سے تیر سیدھا کیا جائے گا، حتی کہ آپ جان گئے کہ ہم نے آپ سے یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لی ہے۔ پھر ایک دن آپ تشریف لائے اور امامت کے لیے کھڑے ہوئے، تکبیر کہنے ہی والے تھے کہ آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے آگے نکلا ہوا تھا، آپ نے فرمایا:

«عِبَادَ اللهِ! لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ»

"اے اللہ کے بندو! تم اپنی صفیں سیدھی کرلو، ورنہ اللہ تمھارے چہروں میں اختلاف ڈال دے گا (تم ایک دوسرے سے منہ پھیر لو گے۔)"[1]

صف سیدھی کرنے کا طریقہ: انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِّنْ وَّرَاءِ ظَهْرِي»

"اپنی صفیں درست رکھا کرو، بلاشبہ میں تمھیں اپنی پیٹھ پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔"

چنانچہ ہم میں سے ہر آدمی اپنا کندھا دوسرے ساتھی کے کندھے کے ساتھ اور اپنا پاؤں اپنے ساتھی کے پاؤں کے ساتھ جوڑ کر کھڑا ہوتا تھا۔[2]

نماز میں مردوں کی پہلی صف اور عورتوں کی آخری صف افضل ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا، وَشَرُّهَا آخِرُهَا، وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا، وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»

"مردوں کی صفوں میں بہترین صف پہلی صف ہے، اور کمتر درجے والی آخری صف ہے جبکہ عورتوں کی صفوں میں بہترین صف آخری صف ہے اور کمتر درجے والی پہلی صف ہے۔"[3]

پہلی صفوں اور ان کے داہنی اطراف کی فضیلت: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منها......، حديث: 436، ومسند أحمد: 276/4. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب إلزاق المنكب بالمنكب، والقدم بالقدم في الصف، حديث: 725. [3] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منها......، حديث: 440، وسنن أبي داود، الصلاة، باب صف النساء والتأخر عن الصف الأول، حديث: 678.

ہماری صفوں میں ایک جانب سے دوسری جانب چلتے اور ہمارے سینوں اور کندھوں کو چھوتے جاتے اور فرماتے تھے: «لَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ»

''صف میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمھارے دلوں میں اختلاف (پیدا) ہو جائے گا۔''

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصُّفُوفِ الْأُوَلِ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ پہلی صفوں والوں پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے ان لوگوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔''[1]

براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم پسند کرتے تھے کہ آپ کی داہنی جانب کھڑے ہوں۔ آپ اپنا رخ زیبا ہماری طرف کرتے تھے۔ تو ایک دن میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: «رَبِّ! قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ»

''اے میرے رب! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا، اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچائے رکھنا۔'' یا تَبْعَثُ کی جگہ آپ نے تَجْمَعُ (تو جمع کرے گا) کا لفظ بولا۔[2]

عقل مند اور سمجھ دار لوگ ہی صف اول کے حق دار ہیں: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے ہمارے کندھے چھوا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

«اِسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا؛ فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ، وَلْيَلِنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»

''برابر ہو جاؤ، اختلاف نہ کرو ورنہ تمھارے دلوں میں اختلاف آ جائے گا، چاہیے کہ تمھارے عقل مند اور سمجھ دار لوگ میرے قریب ہو کر کھڑے ہوں، پھر وہ لوگ جو ان سے قریب ہیں، اور ان کے بعد وہ لوگ جو ان سے قریب ہیں۔''[3]

مقتدیوں کا ستونوں کے درمیان صفیں بنا لینا مکروہ ہے: جناب عبدالحمید بن محمود نے بیان کیا کہ ایک بار

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب تسوية الصفوف، حديث: 664. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب يمين الإمام، حديث: 709. [3] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول منها......، حديث: 432، ومسند أحمد: 122/4. اس حدیث میں عقل مند اور بڑی عمر کے لوگوں کو حکم ہے کہ وہ پہلے پہلے آ کر امام کے قریب پہلی صف میں کھڑے ہوں، واللہ أعلم. (عبدالولی)

ہم نے اپنے ایک حاکم کے پیچھے نماز پڑھی تو لوگوں نے ہمیں مجبور کر دیا، چنانچہ ہمیں دو ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھنا پڑی۔ جب ہم نماز پڑھ چکے تو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہم اس حالت سے بچا کرتے تھے۔[1]

اکیلا آدمی ستونوں کے درمیان نماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ اسامہ بن زید اور بلال رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ جناب عثمان بن طلحہ الحجبی رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے کعبے کا دروازہ (اندر سے) بند کیے رکھا، آپ کچھ دیر اندر رہے۔ جب باہر تشریف لائے تو میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ نے اندر کیا عمل کیا؟ انھوں نے بتایا کہ آپ نے ایک ستون اپنی داہنی جانب کیا اور دوسرا بائیں جانب، اور تین ستون اپنے پیچھے، پھر نماز پڑھی۔ بیت اللہ ان دنوں چھ ستونوں پر تھا۔[2]

وہ عذر جن کی بنا پر مسجد میں جماعت کی نماز چھوڑی جا سکتی ہے: (1) **سخت سردی اور بارش:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مؤذن کو حکم دیتے، اور وہ اذان میں کہتا: «صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ» ''اپنے اپنے پڑاؤ (منزل یا گھروں) میں نماز پڑھ لو۔'' ایسا عمل سفر کے دوران میں ہوتا تھا جب رات بہت زیادہ ٹھنڈی ہوتی یا رات کو بارش ہو رہی ہوتی تھی۔[3]

(2) **جب کھانا حاضر ہو:** حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ وَإِنْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ»

''جب تم میں سے کوئی کھانے پر ہو (کھانے میں مشغول ہو) تو جلدی نہ کرے حتی کہ کھانا کھا لے، چاہے نماز کھڑی ہو چکی ہو۔''[4]

(3) **جب بول و براز کی حاجت ہو:** ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب الصفوف بين السواري، حديث: 673، ومسند أحمد: 131/3. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة بين السواري في غير جَمَاعَةٍ، حديث :505، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره، والصلاة فيها، والدعاء في نواحيها كلها، حديث : 1329. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب الأذان للمسافرين إذا كانوا جماعة والإقامة، وكذلك بعرفة وجمع، حديث: 632، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الصلاة في الرحال في المطر، حديث: 697 واللفظ له. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب:إذا حضر الطعام و أُقيمت الصَّلاةُ، حديث:674.

«لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ»

''کھانا حاضر ہو تو نماز نہیں اور اس وقت بھی نہیں جب وہ دونجاستوں کو روکے ہوئے ہو، یعنی پیشاب یا پاخانہ۔''[1]

جنائز کا بیان

مریض کو اپنے رب کریم سے حسن ظن رکھنا چاہیے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے ان کی وفات سے تین دن پہلے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ بِاللهِ الظَّنَّ»

''تم میں سے کسی کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ وہ اپنے اللہ کے ساتھ بہترین گمان رکھے ہوئے ہو۔''[2]

ہر مسلمان بالخصوص مریض کو چاہیے کہ اللہ سے توبہ کرتا رہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتُوبُوٓا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

''اور اے مومنو! تم سارے کے سارے اللہ سے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''[3]

﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا تُوبُوٓا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور خالص توبہ کرو، قریب ہے کہ تمھارا رب تم سے تمھارے گناہ مٹا دے۔''[4]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ، مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ، وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتٰى شَجَرَةً، فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا، قَدْ أَيِسَ مِنْ رَّاحِلَتِهِ، فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ هُوَ بِهَا، قَائِمَةً عِنْدَهُ، فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ، أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ»

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال وكراهة الصلاة مع مدافعة الحدث ونحوه، حديث: 560، وسنن أبي داود، الطهارة، باب أيصلي الرجل وهو حاقن؟ حديث: 89. [2] صحيح مسلم، الفتن، باب الأمر بحسن الظن بالله تعالىٰ عند الموت، حديث: 2877. [3] النور 24:31. [4] التحريم 66:8.

''جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے، تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے بے انتہا خوش ہوتا ہے حتی کہ اس آدمی سے بھی بڑھ کر جو اپنی سواری پر کسی جنگل بیابان میں گیا ہو، جہاں اس کی سواری گم ہو جائے، اور اس کا کھانا اور پانی بھی اس پر ہو، پھر وہ سواری (کی بازیابی) سے مایوس ہو جائے، کسی درخت کے پاس آ کر اس کے سائے تلے لیٹ جائے جبکہ وہ اپنی سواری کے ملنے سے بالکل مایوس ہو چکا ہو۔ وہ اسی پریشانی کی حالت میں ہو کہ اچانک وہ اپنی سواری کو اپنے پاس کھڑا پائے، اس کی باگ تھام لے اور خوشی کے مارے یوں کہہ دے: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں، یعنی بے انتہا خوشی کی وجہ سے اس کی زبان غلطی کر جائے۔''[1]

مریض پر جو حقوق عائد ہیں ان تمام سے بری الذمہ ہو جائے اور اپنی وصیت لکھ لے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا حَقُّ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ»

''جو مسلمان کسی چیز کے متعلق وصیت کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے روا نہیں کہ وہ دو راتیں بھی یوں گزارے کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔''[2]

مریض کی عیادت کرنا سنت ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ»

''کسی مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازوں میں شرکت کرنا، دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کو (الحمد للہ کہنے پر) جواب دینا۔''[3]

قریب المرگ کو کلمۂ شہادت کی تلقین کرنا سنت ہے: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ»

---

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب التوبة، حديث: 6309، وصحيح مسلم، التوبة، باب في الحض على التوبة والفرح بها، حديث: 2747 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصايا، حديث: 2738، وصحيح مسلم، الوصية، باب: وصية الرجل مكتوبة عنده، حديث: 1627 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، حديث: 1240، وصحيح مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، حديث: 2162.

”اپنے قریب الموت آدمیوں کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ کی تلقین کیا کرو۔“ [1]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کے متعلق محسوس ہو کہ اس کی موت قریب ہے تو اسے کلمۂ توحید یاد دلاؤ، یعنی اس کے پاس کلمۂ توحید پڑھ کر اسے کلمۂ توحید کی تلقین کرو۔

جب موت واقع ہو جائے تو مرنے والے کی آنکھیں بند کر دی جائیں اور اس کے لیے دعا کی جائے:

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میرے سابق شوہر) ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اس وقت ابوسلمہ کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئی تھیں، آپ نے اس کی آنکھیں بند کر دیں اور فرمایا:

«إِنَّ الرُّوحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ». فَضَجَّ نَاسٌ مِّنْ أَهْلِهِ فَقَالَ: «لَا تَدْعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلٰى مَا تَقُولُونَ». ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ! وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ»

”جب روح قبض کی جاتی ہے تو نظر بھی اس کے پیچھے جاتی ہے۔“ گھر کے لوگ چیخ اٹھے۔ آپ نے فرمایا: ”اپنے متعلق خیر ہی کی دعا کرو، بلاشبہ جو کچھ تم بولتے ہو، اس پر فرشتے آمین پکارتے ہیں۔“ پھر فرمایا: ”اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما، ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کے درجات بلند کر دے، اور اس کے پیچھے رہنے والوں میں تو ہی اس کا خلیفہ بن، اور اے رب العلمین! ہماری اور اس کی مغفرت فرما، اور اس کی قبر کو فراخ اور منور کر دے۔“ [2]

میت کا سارا جسم کپڑے سے ڈھانپنا سنت ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، آپ کو ”حِبرہ“ یعنی ایک دھاری دار چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔ [3]

حِبَرَۃٌ اونی کپڑوں کی ایک خاص قسم کا نام ہے جو یمن میں بنتا تھا۔

تجہیز و تکفین اور تدفین میں جلدی کی جائے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ، فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً، فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا إِلَيْهِ، وَإِنْ تَكُ غَيْرَ ذٰلِكَ، فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِّقَابِكُمْ»

---

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب تلقين الموتى: لا إله إلا الله، حديث: 916. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب في إغماض الميت والدعاء له، إذا حضر، حديث: 920. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه، حديث: 1242,1241، وصحيح مسلم، الجنائز، باب تسجية الميت، حديث: 942.

”جنازے کے لیے جلدی کرو، اگر وہ نیک ہے تو تم اسے خیر اور بھلائی کے سپرد کرتے ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو وہ ایک شر ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتار رہے ہو۔“ [1]

میت کا قرض ادا کرنے میں جلدی کرنی چاہیے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ، حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ»

”مسلمان کی جان اس کے قرض کے ساتھ اٹکی رہتی ہے، حتی کہ اسے اس کی طرف سے ادا کر دیا جائے۔“ [2]

میت کا چہرہ دیکھنا اور اسے بوسہ دینا جائز ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے جناب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا جبکہ ان کی وفات ہو چکی تھی، حتی کہ میں نے آپ کے آنسو بہتے دیکھے۔ [3]

میت کے عزیز و اقارب پر لازم ہے کہ صبر کا دامن تھامیں: اللہ کی تقدیر پر رضامندی کا اظہار کریں اور ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾

”اور ہم تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے ضرور آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔“ [4]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے، وہ ایک قبر کے پاس

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب السرعة لجنازة، حديث: 1315، وصحيح مسلم، الجنائز، باب الإسراع بالجنازة، حديث: 944 واللفظ له. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء أن نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه، حديث: 1079,1078، وسنن ابن ماجه، الصدقات، باب التشديد في الدين، حديث: 2413. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في تقبيل الميت، حديث: 3163، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في تقبيل الميت، حديث: 989.
[4] البقرة2:155-157.

بیٹھی رو رہی تھی، آپ نے اس سے فرمایا: ''اللہ کا تقویٰ اختیار کر اور صبر کر۔'' وہ بولی: چلے جاؤ، تم پر مجھ جیسی مصیبت نہیں پڑی۔ دراصل وہ آپ کو پہچان نہیں سکی۔ اسے بتایا گیا کہ یہ تو نبی ﷺ تھے، تو وہ آپ کے دروازے پر آئی، وہاں کوئی دربان نہ پایا۔ اس نے آپ سے کہا کہ میں آپ کو پہچان نہ پائی تھی۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى» ''صبر تو صدمے کی ابتدا ہی میں ہوتا ہے۔''[1]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے (ایک بار) رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ سے تعلق و استفادہ میں مرد حضرات ہم سے آگے ہیں، لہٰذا آپ ہمیں بھی کوئی دن دیجیے، تو آپ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرما لیا۔ آپ ان سے ملے اور وعظ کیا، اس میں آپ نے ان سے فرمایا:

«مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِّنْ وَّلَدِهَا إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِّنَ النَّارِ» فَقَالَتِ امْرَأَةٌ: وَاثْنَيْنِ؟ فَقَالَ: «وَاثْنَيْنِ»

''تم میں سے جس عورت کے تین بچے (نابالغی میں) فوت ہو جائیں تو وہ اس کے لیے آگ سے اوٹ بن جائیں گے۔'' ایک عورت نے کہا: اور اگر دو ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: ''دو بھی۔''[2]

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«مَا مِنْ مُّسْلِمٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ فَيَقُولُ مَا أَمَرَهُ اللهُ: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اَللّٰهُمَّ! أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا - إِلَّا أَخْلَفَ اللهُ لَهُ خَيْرًا مِّنْهَا»

''جس مسلمان کو بھی کوئی مصیبت پہنچے، اور وہ وہی کہے جس کا اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔ (یعنی) ''ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت کا اجر و ثواب عنایت فرما، اور اس جانے والی چیز کا نعم البدل عنایت فرما'' تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر بدل عنایت فرما دیتا ہے۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو میں نے (جی میں) کہا: مسلمانوں میں ابوسلمہ سے بڑھ کر بہتر اور کون ہو سکتا ہے؟ یہ تو اولین گھرانہ ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی ہے۔ بہرحال پھر بھی میں نے یہ کلمات کہہ لیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے (ابوسلمہ کے بہترین نعم البدل) رسول اللہ ﷺ عنایت فرما دیے۔[3]

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب زيارة القبور، حديث: 1283. [2] صحيح البخاري، العلم، باب هل يجعل للنساء يوما على حدة في العلم، حديث: 101، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، حديث: 2633.
[3] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند المصيبة، حديث: 918.

میت کے اقارب کے لیے درج ذیل افعال حرام ہیں: (1) بین اور نوحہ کرنا: ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: اَلْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالِاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ». وَقَالَ: «اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا، تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ، وَدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ»

''میری امت میں جاہلیت والے چار کام ہوں گے جنھیں لوگ نہیں چھوڑیں گے: خاندانی شرافت پر فخر کرنا، نسب میں عیب لگانا، ستاروں کے حساب سے بارش طلب کرنا اور میت پر بین اور نوحہ کرنا۔'' اور فرمایا: ''میت پر رونے والی نے اگر اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کی تو اسے ایسی حالت میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر گندھک کی قمیص اور خارش کا کرتہ ہوگا۔''[1]

(2) منہ پیٹنا اور کپڑے پھاڑنا: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، أَوْ شَقَّ الْجُيُوبَ، أَوْ دَعَا بِدَعْوَى أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ»

''وہ ہم میں سے نہیں جو اپنے رخسار پیٹے، دامن پھاڑے یا اہل جاہلیت کی پکار پکارے۔''[2]

(3) بال منڈوا دینا: جناب ابوبردہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو سخت درد ہوا حتی کہ ان پر غشی طاری ہوگئی، جبکہ ان کا سر ان کے گھر کی کسی عورت کی گود میں تھا، اس صورتحال پر گھر کی عورتوں میں سے کوئی عورت چیخنے لگی، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ہمت نہ ہو سکی کہ اسے منع کریں۔ بعد میں جب انھیں افاقہ ہوا تو کہا: میں بری ہوں اس سے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بری ہیں۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بری ہیں اس عورت سے جو بین کرے، اپنے بال منڈوائے اور اپنے کپڑے پھاڑے۔[3]

(4) بال بکھیرنا (بالوں کو پراگندہ کرنا): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والی ایک خاتون سے روایت ہے کہ نیکی کے وہ کام جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم ان میں آپ کی نافرمانی نہ کریں، وہ یہ تھے کہ ہم چہرہ نہ نوچیں گی، ہائے وائے نہیں کریں گی (ہائے میری ہلاکت)، گریبان نہیں پھاڑیں

---

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب التشديد في النياحة، حديث: 934. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب ليس منا من ضرب الخدود، حديث: 1297، وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود وشق الجيوب والدعاء بدعوى الجاهلية، حديث: 103. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب ماينهى من الحلق عند المصيبة، حديث: 1296، وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود وشق الجيوب والدعاء بدعوى الجاهلية، حديث: 104.

گی اور نہ بال بکھیریں گی۔ [1]

فوت شدہ مسلمان کو غسل دینا زندہ لوگوں پر واجب ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی اپنے اونٹ سے گر گیا، اس کی گردن ٹوٹ گئی جبکہ وہ احرام باندھے ہوئے تھا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ نے فرمایا:

«اِغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ، وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ، وَلَا تُمِسُّوهُ طِيبًا وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّ اللهَ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا»

''اسے بیری کے پتے ملے پانی سے غسل دو، دو کپڑوں میں کفن دو، خوشبو نہ لگانا اور نہ اس کا سر ڈھانپنا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اٹھائے گا تو یہ لبیک پکار رہا ہوگا۔'' [2]

بہتر ہے کہ شوہر متوفیہ بیوی کو یا بیوی متوفی شوہر کو غسل دے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع کی طرف سے واپس آئے تو آپ نے مجھے اس حال میں پایا کہ میرے سر میں درد تھا اور میں کہہ رہی تھی کہ ہائے میرا سر! تو آپ نے فرمایا:

«بَلْ أَنَا، يَا عَائِشَةُ وَارَأْسَاهُ!» ثُمَّ قَالَ: «مَا ضَرَّكِ لَوْ مِتِّ قَبْلِي فَقُمْتُ عَلَيْكِ فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ وَصَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ»

''بلکہ میں ہوں اے عائشہ کہ کہوں، ہائے میرا سر۔'' پھر فرمایا: ''اگر تو مجھ سے پہلے مر گئی تو تیرا کیا نقصان ہے میں تیرا اہتمام کروں گا۔ میں تجھے غسل دوں گا، کفن دوں گا، تیرا جنازہ پڑھوں گا اور دفن کروں گا۔'' [3]

بیری کے پتے ملے پانی کے ساتھ تین یا پانچ یا اس سے زیادہ بار غسل دیا جائے اور آخر میں کافور لگایا جائے: حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی تو آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''اسے تین یا پانچ بار غسل دو، یا اگر تمھیں ضرورت محسوس ہو تو زیادہ بار بھی، ایسے پانی کے ساتھ جس میں بیری کے پتے ملے ہوں اور آخر میں کچھ کافور بھی لگانا۔ جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر کرنا۔'' چنانچہ ہم فارغ ہو گئے اور آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے ہمیں اپنی نیچے والی چادر دی اور

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في النوح، حديث: 3131، والسنن الكبرى للبيهقي: 64/4. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب كيف يكفن المحرم؟ حديث: 1267، وصحيح مسلم، الحج، باب مايفعل بالمحرم إذامات؟ حديث: 1206. [3] [صحيح] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في غسل الرجل امرأته وغسل المرأة زوجها، حديث: 1465، وسنن الدار قطني: 74/2.

فرمایا: ''اسے اس کے جسم کے ساتھ لپیٹ دو۔'' اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہم نے اس کے بالوں کو کنگھی کی اور تین لٹیں بنا دیں۔[1]

غسل دینے کے لیے قرابت دار زیادہ بہتر ہیں: مرد کو مرد اور عورت کو عورت غسل دے بالخصوص جب وہ غسل کے آداب سے بخوبی آگاہ ہو، حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا، اور میں دیکھنے لگا کہ میت کے ساتھ جو (آلائش) ہوتی ہے (وہ دکھائی دے تو دھو ڈالوں) مگر مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام اپنی زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور مرنے کے بعد بھی![2]

غسل میں داہنے اطراف پہلے دھونے چاہئیں: ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو غسل دینے کی ہدایات دیتے ہوئے ہمیں فرمایا: «اِبْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا» ''اس کے داہنی اطراف سے اور وضو کے اعضاء سے شروع کرو۔''[3]

شہید کو غسل نہ دیا جائے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد میں سے دو شہیدوں کو ایک ایک کپڑے میں یکجا کرتے تھے اور پوچھتے تھے: ''ان میں سے قرآن کا زیادہ حافظ کون ہے؟'' جب کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ اسے لحد میں آگے رکھتے اور فرماتے: ''میں ان کے لیے گواہ رہوں گا۔'' آپ نے انھیں ان کے خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا، ان کا جنازہ پڑھا نہ انھیں غسل دیا۔[4]

ضروری وضاحت: امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ایسے شہداء جو کفار سے لڑائی کے علاوہ کسی اور صورت میں وفات پا جائیں، مثلاً: پیٹ کی تکلیف میں، یا طاعون زدہ ہو کر یا کسی دیوار کے نیچے دب کر یا دردزہ میں مرنے والی عورت تو ایسے تمام افراد کو غسل دیا جائے گا اور جنازہ بھی پڑھا جائے گا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔[5] اسی طرح المہدی نے بھی ان کے غسل پر اجماع لکھا ہے۔[6]

میت کو ایسا کفن دینا واجب ہے جو اسے ڈھانپ لے، چاہے اس کے علاوہ وہ کسی چیز کا مالک نہ ہو: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور اپنے صحابہ میں سے

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب غسل الميت ووضوئه بالماء والسدر، حديث: 1253، وصحيح مسلم، الجنائز، باب في غسل الميت، حديث: 939. [2] [صحيح] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في غسل النبيﷺ، حديث: 1467، والمستدرك للحاكم: 362/1 اور کہا: «صحيح على شرط الشيخين» علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس کی سند متصل معروف ہے۔
[3] صحيح البخاري، باب التيمن في الوضوء والغسل، حديث: 167. [4] صحيح البخاري، الجنائز، باب من يقدم في اللحد، حديث: 1347. [5] المجموع: 224/5. [6] البحر: 96/1.

ایک صحابی کا ذکر کیا جو فوت ہو گیا تھا، مگر اسے معمولی کفن دے کر راتوں رات ہی دفن کر دیا گیا تھا۔ آپ نے اس بات پر ڈانٹا اور خبردار کیا کہ کسی کو رات کے وقت دفن نہ کیا جائے حتی کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، سوائے اس کے کہ کوئی مجبوری ہو، آپ نے یہ بھی فرمایا: «إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحَسِّنْ كَفَنَهُ»

''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو چاہیے کہ اچھا کفن دے۔''[1]

جناب خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، چنانچہ ہمارا اجر اللہ کے ہاں ہے۔ تاہم ہم میں سے کچھ وہ ہیں جو فوت ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنے اجر میں سے کچھ نہیں کھایا، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ انھی میں سے ہیں۔ اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کا پھل تیار ہو گیا اور وہ اسے توڑ رہے ہیں۔ جناب مصعب رضی اللہ عنہ احد کے دن شہید ہو گئے تو ہمیں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس میں انھیں کفن دیں، سوائے ان کی اپنی اونی چادر کے، جب ہم اس سے ان کا سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے، پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ان کا سر ڈھانپ دو اور ان کے پاؤں پر اِذْخِر گھاس ڈال دو۔[2]

کفن کو قیمتی بنائے بغیر اس میں کوئی چیز بڑھائی جائے تو کوئی حرج نہیں: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں (اپنے والد) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئی تو انھوں نے پوچھا: تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا تھا؟ میں نے کہا: تین سوتی کپڑوں میں، ان میں کوئی قمیص یا پگڑی نہیں تھی۔ پھر پوچھا: رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کس روز ہوئی تھی؟ میں نے کہا: سوموار کے دن۔ بولے کہ آج کون سا دن ہے؟ میں نے کہا: سوموار ہے۔ کہنے لگے: میں (بھی) امید کرتا ہوں کہ رات تک (میرا معاملہ تمام ہو جائے گا)، پھر انھوں نے اپنے کپڑے پر نظر ڈالی، جسے بیماری کے دنوں میں انھوں نے اوڑھے رکھا تھا۔ اس پر زعفران کے کچھ دھبے بھی تھے۔ فرمایا: میرا یہ کپڑا دھو دو، دو کپڑے اور ملا لینا اور مجھے انھی میں کفن دے دینا۔ میں نے عرض کیا: یہ تو پرانا ہے۔ فرمایا: زندہ آدمی (نئے کپڑے کا) میت کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہے، یہ تو بس مہلت کے لیے ہے۔ منگل کی رات آنے تک آپ وفات پا گئے اور صبح ہونے سے پہلے دفن کر دیے گئے۔[3]

سفید کفن ہو تو بہتر ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِلْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ»

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب في تحسين كفن الميت، حديث: 943. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب إذالم يجد كفنا إلاما يواري رأسه أوقدميه غطى به رأسه، حديث: 1276، وصحيح مسلم، الجنائز، باب في كفن الميت، حديث: 940. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب موت يوم الاثنين، حديث: 1387.

''سفید کپڑے پہنا کرو، بلاشبہ یہ تمھارے کپڑوں میں سب سے بہتر ہیں اور انھی میں اپنی میتوں کو کفن دیا کرو۔'' [1]

شہید اپنے اسی لباس میں کفن دیا جائے جس میں وہ شہید ہوا ہو: اس کی دلیل جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو قبل ازیں ''شہید کو غسل نہ دیا جائے'' کے تحت گزر چکی ہے۔ [2]

میت کا جنازہ پڑھنا واجب ہے: مسلمان کی میت کا جنازہ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے عمل سے ثابت اور معروف ہے، تاہم یہ فرض کفایہ ہے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنی میتوں کے جنازے پڑھتے تھے اور بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھی نہیں دیتے تھے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالے رنگ کی عورت یا مرد مسجد کی صفائی کیا کرتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی موت کی خبر نہیں دی گئی۔ آپ نے ایک دن اس کا تذکرہ کیا اور پوچھا: ''فلاں کا کیا ہوا؟'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ فوت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' انھوں نے کہا: اس کا قصہ تو ایسا ویسا ہی تھا، یعنی اس کے معاملے کو ان لوگوں نے حقیر جانا تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کی قبر بتاؤ۔'' چنانچہ آپ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ [3]

بچے یا شہید کی نماز جنازہ واجب نہیں: بچے کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند ابراہیم فوت ہو گیا جبکہ اس کی عمر اٹھارہ ماہ تھی، تو آپ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ [4]

اور شہید کے بارے میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث ہے جو قبل ازیں ''شہید کو غسل نہ دیا جائے'' کے تحت گزر چکی ہے۔

بچے اور شہید کے جنازے کا عدم وجوب اس کے جواز کے منافی نہیں ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطب، باب في الكحل، حديث: 3878، وسنن ابن ماجه، اللباس، باب البياض من الثياب، حديث: 3566. [2] اسی طرح مسند احمد: 431/5 میں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا: «زَمِّلُوهُمْ فِي ثِيَابِهِمْ» ''انھیں ان کے کپڑوں میں لپیٹ دو۔'' [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على القبر بعد مايدفن، حديث: 1337، وصحيح مسلم، الجنائز، باب الصلاة على القبر، حديث: 956. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في الصلاة على الطفل، حديث: 3187، ومسند أحمد: 267/6 حافظ ابن حجر الإصابة میں کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ اور ابن حزم (المحلّٰی: 158/5 میں) کہتے ہیں کہ یہ خبر صحیح ہے۔ نیز ملاحظہ ہو أحكام الجنائز للألباني، ص: 104.

کرتی ہیں کہ انصاریوں کا ایک بچہ فوت ہو گیا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس کا جنازہ پڑھایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: مبارک ہو اسے، یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے، اس نے کوئی برائی کی نہ برائی کی عمر کو پہنچا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَ غَيْرُ ذٰلِكَ يَا عَائِشَةُ؟ خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الْجَنَّةَ وَخَلَقَ لَهَا أَهْلًا ، وَخَلَقَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ النَّارَ وَخَلَقَ لَهَا أَهْلًا ، وَخَلَقَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ»

''معاملہ اس کے علاوہ ہے۔ اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کی ہے، اس کے لیے لوگ بھی پیدا کیے ہیں، انھیں پیدا کیا جبکہ وہ اپنے باپوں کی پیٹھوں میں تھے۔ آگ پیدا کی اور اس کے لیے لوگ بھی پیدا کیے ہیں، انھیں پیدا کیا جبکہ وہ اپنے باپوں کی پیٹھوں میں تھے۔'' [1]

شداد بن ہاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدّو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ پر ایمان لایا، آپ کا متبع ہوا، اور کہنے لگا: میں آپ کے ساتھ ہجرت کرتا ہوں۔ آپ نے اس کے بارے میں ایک صحابی سے فرمایا کہ اس کی خدمت کرو اور اس کا خیال رکھو، چنانچہ جب غزوۂ خیبر ہوا اور اموالِ غنیمت حاصل ہوئے، تو آپ نے انھیں تقسیم کر کے اس نومسلم بدّو کا بھی حصہ لگایا اور اس کا حصہ اس کے ساتھیوں کے حوالے کر دیا، یہ بدّو، صحابہ کے اونٹ چرایا کرتا تھا، جب وہ آیا تو اس کے ساتھیوں نے اس کا حصہ اس کے حوالے کیا۔ اس نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ تمھارا حصہ ہے جو نبی ﷺ نے دیا ہے۔ اس نے وہ حصہ وصول کیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ میں نے تمھارا حصہ نکالا ہے۔'' اس نے کہا: میں اس غرض سے آپ کا پیرو نہیں بنا۔ میں تو اس لیے آپ کے ساتھ آیا ہوں کہ مجھے اس جگہ تیر لگے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ اور میں مر جاؤں اور جنت میں جا پہنچوں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ بھی تمھارے ساتھ صداقت کا معاملہ فرمائے گا۔'' چنانچہ کچھ وقت گزرا، وہ دشمن سے قتال کے لیے اٹھے اور کچھ دیر بعد چند صحابہ رضی اللہ عنہم اسے اٹھائے ہوئے آئے اور نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اسے تیر لگا تھا اور اسی جگہ پیوست ہوا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: ''کیا یہ وہی (بدّو) ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''اس نے اللہ سے سچی بات کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔'' چنانچہ نبی ﷺ نے اس کو اپنے

[1] صحيح مسلم، القدر، باب معنٰى كل مولود يولد على الفطرة وحكم موتٰى أطفال الكفار وأطفال المسلمين، حديث: 2662، ومسند أحمد: 208/6، وسنن النسائي، الجنائز، باب الصلاة على الصبيان، حديث: 1949 واللفظ له. مزید ملاحظہ ہو امام شوکانی رحمہ اللہ کا رسالہ «أطفال الكفار في الآخرة» مطبوعہ دار البيان الحديثة.

جبے میں کفن دیا، پھر اسے آگے کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس نماز میں سنا گیا، یعنی آپ نے یوں دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا عَبْدُكَ، خَرَجَ مُهَاجِرًا فِي سَبِيلِكَ، فَقُتِلَ شَهِيدًا، وَأَنَا شَهِيدٌ عَلٰى ذٰلِكَ»

''اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے، تیری راہ میں ہجرت کر کے نکلا ہے اور شہید ہوا ہے اور میں اس کے لیے گواہ ہوں۔''[1]

نماز جنازہ پڑھنے اور کثرتِ تعداد کی فضیلت: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ شَهِدَ الْجِنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهُ قِيرَاطَانِ» قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ: «مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ»

''جو شخص کسی کے جنازے میں حاضر ہو حتی کہ اس پر نماز پڑھ لی جائے تو اس کے لیے ایک قیراط (اجر) ہے۔ اور جو اتنی دیر تک حاضر رہا کہ میت کو دفن کر دیا گیا تو اس کے لیے دو قیراط ہیں۔'' پوچھا گیا کہ دو قیراط کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا: ''دو بڑے پہاڑوں کے مانند۔''[2]

مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ يَّمُوتُ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ بَلَغُوا أَنْ يَّكُونُوا ثَلَاثَةَ صُفُوفٍ إِلَّا غُفِرَ لَهُ»

''کوئی مومن فوت ہو جاتا ہے اور اس کے لیے مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت نماز جنازہ پڑھتی ہے کہ تین صفیں ہو جائیں، تو اسے بخش دیا جاتا ہے۔''

چنانچہ مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ جب دیکھتے کہ کسی جنازے میں لوگ کم ہیں تو وہ ان کی تین صفیں بنا دیتے تھے۔[3]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مَّيِّتٍ يُّصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُونَ مِائَةً، كُلُّهُمْ يَشْفَعُونَ لَهُ، إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ»

[1] [صحيح] سنن النسائي، الجنائز، باب الصلاة على الشهداء، حديث: 1955، والمصنف عبدالرزاق، حديث: 9597، والمستدرك للحاكم: 596,595/3. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب من انتظر حتى تدفن، حديث: 1325، وصحيح مسلم، الجنائز، باب فضل الصلاة على الجنازة واتباعها، حديث: 945. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في الصف على الجنازة، حديث: 3166، وجامع الترمذي، الجنائز، باب كيف الصلاة على الميت والشفاعة لهُ، حديث: 1028، ومسند أحمد: 79/4.

''جس مسلمان میت کی نماز جنازہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت پڑھے کہ ان کی تعداد سو تک ہو اور وہ سب اس کے لیے شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔''[1]

جب مردوں اور عورتوں کے کئی جنازے اکٹھے ہو جائیں تو ان سب کے لیے ایک ہی نماز جنازہ ہو گی: مردوں کی میتیں، چاہے وہ چھوٹے بچے ہی ہوں، امام کی طرف ہوں گی اور عورتوں کی قبلے کی طرف: جناب نافع سے منقول ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نو میتوں کی اکٹھے ہی نماز جنازہ پڑھائی، مردوں کو امام کی طرف اور عورتوں کو قبلے کی طرف رکھا، اور ان سب کی ایک ہی صف بنا دی، علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم جو عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، انھیں اور ان (ام کلثوم) کے زید نامی بیٹے کا جنازہ اکٹھے رکھا گیا اور ان دنوں سعید بن عاص امام، یعنی امیر تھے۔ حاضرین میں ابن عباس، ابو ہریرہ، ابو سعید اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ لڑکے کی میت امام کی طرف رکھی گئی تھی۔ ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اس کا انکار کیا اور جناب ابن عباس، ابو ہریرہ، ابو سعید اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا، اور پوچھا: یہ کیا ہے؟ ان سب نے کہا: یہی سنت ہے۔[2]

امام کے لیے جائز ہے کہ متعدد جنازے ہوں تو ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھائے: کیونکہ یہی اصل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حکم دیا، چنانچہ انھیں ایک اونی چادر سے ڈھانپ دیا گیا، پھر آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور اس میں نو تکبیریں کہیں، پھر باری باری دوسرے مقتولوں کو لایا گیا، ان کے لیے صفیں بنائی جاتی تھیں، آپ ان کی نماز جنازہ پڑھتے اور ساتھ ہی حمزہ رضی اللہ عنہ پر بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔[3]

جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ازواج نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے پیغام بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لایا جائے تاکہ ہم بھی ان کے جنازے میں شریک ہو جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ان کے جنازے کو ان کے حجروں کے پاس رکھا گیا اور انھوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، اور اسے باب الجنائز سے، جو لوگوں کی بیٹھک کی طرف تھا، نکالا گیا۔ پھر ازواج رضی اللہ عنہن کو خبر ملی کہ

---

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب من صلى عليه مائة شفعوا فيه، حديث: 947، ومسند أحمد: 40/6. [2] [صحيح] سنن النسائي، الجنائز، باب اجتماع جنائز الرجال والنساء، حديث: 1980. [3] [حسن] معاني الآثار للطحاوي: 290/1 نیز دیکھیے: أحكام الجنائز للألباني، ص: 106. یہ بات محل نظر ہے اور ان احادیث کے ثبوت میں کلام ہے۔ (عبدالولی)

کچھ لوگوں نے یہ عمل برا جانا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جنازے مسجد میں نہیں لائے جاتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگیں: لوگ کس قدر جلدی بھولنے لگے ہیں، اور ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ جنازہ مسجد میں لایا گیا ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد ہی کے اندر پڑھا تھا۔[1]

افضل یہ ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھی جائے اور اس کے لیے جگہ مخصوص ہو: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی، نبی علیہ السلام کے پاس اپنے ایک مرد اور عورت کا مسئلہ لے کر آئے، جنھوں نے بدکاری کی تھی، آپ نے انھیں سزا دینے کا حکم دیا، چنانچہ انھیں مسجد کے قریب جہاں جنازے پڑھے جاتے تھے، رجم کیا گیا۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اس امر کی دلیل ہے کہ جنازے پڑھنے کے لیے جگہ مخصوص تھی۔ اس روایت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ بعض جنازوں کے بارے میں جو بیان آیا ہے کہ وہ مسجد میں پڑھے گئے، وہ کسی اتفاقی سبب کی بنا پر تھا یا شاید ایسا یہ بتانے کے لیے کیا گیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی ضرورت پیش آ جائے تو اس کا جواز موجود ہے۔[3]

جنازہ پڑھانے کے لیے امام، مرد میت کے سر اور عورت میت کی کمر کے مقابل کھڑا ہو: جناب ابوغالب کا بیان ہے کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مرد کا جنازہ پڑھا، تو انس اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد لوگ ایک قریشی عورت کا جنازہ لے آئے اور انھیں کہا کہ اے ابوحمزہ! اس کا جنازہ پڑھا دیجیے۔ اس پر وہ وسط چارپائی کے مقابل کھڑے ہوئے۔ علاء بن زیاد نے ان سے پوچھ لیا: کیا آپ نے نبی ﷺ کو اسی طرح دیکھا تھا کہ آپ بھی اسی طرح کھڑے ہوئے تھے جس طرح اس عورت اور اس مرد کے جنازے کے لیے آپ کھڑے ہوئے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں، فارغ ہوئے تو فرمایا: یہ مسئلہ یاد کرلو۔[4]

نماز جنازہ کا طریقہ: (1) اس میں چار تکبیریں کہی جائیں: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اصحمہ نجاشی رحمہ اللہ کا جنازہ پڑھایا تو اس میں چار تکبیریں کہیں۔[5]

---

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد، حديث: 973، وسنن أبي داود، الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد، حديث: 3189. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على الجنائز بالمصلى والمسجد، حديث: 1329. [3] فتح الباري: 3/199. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب أين يقوم الإمام من الميت إذا صلى عليه، حديث: 3194، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء أين يقوم الإمام من الرجل والمرأة، حديث: 1034 واللفظ له. [5] صحيح البخاري، الجنائز، باب التكبيرة على الجنازة أربعًا، حديث: 1334، و صحيح مسلم، الجنائز، باب في التكبيرة على الجنائز، حديث: 952.

2 پانچ تکبیریں: جناب عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ زید رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک بار ایک جنازے پر انھوں نے پانچ تکبیریں کہیں تو میں نے ان سے وضاحت چاہی۔ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تکبیر کہا کرتے تھے۔[1]

3 چھ تکبیریں: جناب عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا تو اس پر چھ تکبیریں کہیں، پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: یہ بدری (صحابی) ہیں۔

جناب شعبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ علقمہ شام سے آئے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ شام میں آپ کے بھائی (صحابہ یا ائمہ) جنازوں پر پانچ تکبیریں کہتے ہیں۔ اگر آپ ہمارے لیے کوئی ایک صورت متعین کر دیں تو ہم اسی پر آپ کی پیروی کریں۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے لمحے بھر کے لیے اپنا سر نیچے کیا، پھر کہا: اپنے جنازے دیکھو اور ان پر وہی تکبیریں کہو جو تمھارے امام کہتے ہیں۔ اس میں تعین وتحدید کی کوئی بات نہیں ہے۔[2]

4 سات تکبیریں: جناب موسیٰ بن عبداللہ بن یزید سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا تو اس پر سات تکبیریں کہیں، اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے۔[3]

5 نو تکبیریں: اس کی دلیل پیچھے ''امام کے لیے جائز ہے کہ متعدد جنازے ہوں تو ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ نماز جنازہ پڑھائے'' کے تحت گزر چکی ہے۔

6 پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے، یعنی رفع الیدین کرے۔[4]

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سنت میں ہمیں ایسی کوئی دلیل نہیں ملی جس میں (جنازے میں) پہلی تکبیر کے علاوہ کسی اور میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہو۔ نہ ہم اس کو مشروع سمجھتے ہیں۔ حنفیہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے، نیز علامہ شوکانی اور دیگر محققین نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ اسی طرف گئے ہیں اور کہا ہے کہ جنازے میں رفع الیدین، پہلی تکبیر کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔[5]

7 دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر اور پنجہ کلائی پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھے جائیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب الصلاة على القبر، حديث: 957. [2] [صحيح] المحلّٰى لابن حزم: 126/5، انھوں نے فرمایا کہ اس کی سند انتہائی صحیح ہے۔ [3] [صحيح] شرح معاني الآثار للطحاوي: 496/1، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 36/4. [4] شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق جنازے کی تکبیرات میں سے پہلی تکبیر کے سوا رفع الیدین کرنا مرفوعاً ثابت نہیں، البتہ السنن الكبرٰى للبيهقي: 44/4 میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً ثابت ہے، اس بنا پر تکبیرات میں رفع الیدین کرنا درست ہے۔ (عبدالولی) [5] المحلّٰى: 128/5 دیکھیے أحكام الجنائز، ص: 148.

روایت ہے کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

«إِنَّا مَعْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا بِتَعْجِيلِ فِطْرِنَا، وَتَأْخِيرِ سُحُورِنَا، وَأَنْ نَضَعَ أَيْمَانَنَا عَلٰى شَمَائِلِنَا فِي الصَّلَاةِ»

''ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کیا کریں اور نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا کریں۔''[1]

(8) پہلی تکبیر کے بعد دعائے استفتاح، فاتحہ اور کوئی سورت پڑھی جائے: طلحہ بن عبیداللہ بن عوف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے ایک جنازہ پڑھا، تو آپ نے اس میں فاتحہ کی قراءت (بلند آواز سے) کی اور فرمایا: (میں نے ایسا اس لیے کیا ہے) تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔[2]

سنن نسائی کے الفاظ اس طرح ہیں: انھوں نے فاتحہ اور سورت پڑھی اور آواز بلند رکھی حتی کہ ہمیں سنوایا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور وضاحت چاہی تو انھوں نے فرمایا: یہ سنت ہے اور حق ہے۔[3]

(9) فاتحہ اور سورت کی قراءت خاموشی سے کی جائے: ابو امامہ سعد بن سہل بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ام القرآن (فاتحہ) خاموشی سے پڑھے، پھر تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے۔[4]

(10) دوسری تکبیر کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لیے درود پڑھا جائے: جناب ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابن مسیب نے کہا: نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر کہو اور فاتحہ پڑھو، پھر نبی ﷺ کے لیے درود شریف پڑھو، پھر میت کے لیے اخلاص سے دعا کرو اور قراءت صرف پہلی تکبیر کے بعد ہے، پھر خاموشی سے دائیں جانب سلام کہو۔[5]

(11) پھر باقی تکبیریں کہی جائیں اور ان میں میت کے لیے دل سوزی سے دعائیں کی جائیں: جیسا کہ پیچھے ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

---

[1] [صحيح] صحيح ابن حبان (موارد)، حديث: 885، والمعجم الكبير للطبراني، حديث: 10851. [2] صحيح البخاري، حديث: 1335. [3] [صحيح] سنن النسائي، الجنائز، باب الدعاء، حديث: 1989. [4] [صحيح] سنن النسائي، الجنائز، عدد التكبير على الجنازة، حديث: 1991. [5] [صحيح] المصنف لعبدالرزاق، حديث: 6428، والمنتقى لابن الجارود، حديث: 540.

12 دعائیں وہ اختیار کرنی چاہییں جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پڑھایا اور اس میں یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا ، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا ، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا ، وَ شَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا . اَللّٰهُمَّ! مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِيمَانِ، وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِسْلَامِ. اَللّٰهُمَّ! لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ، وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ»

"اے اللہ! ہمارے زندہ رہنے والوں، فوت ہو جانے والوں، چھوٹوں بڑوں، مردوں عورتوں اور یہاں حاضر و موجود اور غائب سب کی بخشش فرما۔ اے اللہ! ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے، اسے ایمان کے ساتھ زندہ رکھ اور جسے تو ہم میں سے موت دینا چاہے، اسے اسلام پر موت دے۔ اے اللہ! ہمیں اس (مرنے والے) کے اجر سے محروم نہ فرما اور نہ اس کے بعد گمراہ کر۔" [1]

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو سنا، آپ ایک جنازے میں یہ دعا کر رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ ، وَاعْفُ عَنْهُ ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ، وَأَهْلًا خَيْرًا مِّنْ أَهْلِهِ، وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهِ ، وَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ»

"اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما، اسے معاف کر دے، اسے ہر طرح سے آرام دے، اور اس کی بہترین مہمانی فرما اور اس کے داخل ہونے کی جگہ کشادہ کر دے، اور اسے پانی، برف اور اولوں کے ساتھ دھو ڈال۔ اس کی غلطیوں سے اسے اس طرح صاف کر دے جیسے تو نے سفید کپڑے کو میل سے پاک صاف کیا ہے۔ اسے (دنیا کے) گھر سے بڑھ کر بہترین گھر، اس کے اہل سے بڑھ کر بہترین اہل اور اس کے رفیق زندگی سے بڑھ کر رفیق زندگی عنایت فرما۔ اسے قبر کے فتنے اور آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔"

عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اس میت کے لیے اس طرح کی دعا فرمائی تو مجھ میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش! یہ میت میری ہی ہوتی۔ [2]

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الدعاء للميت، حديث: 3201، وجامع الترمذي، الجنائز، باب مايقول في الصلاة على الميت، حديث: 1024. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب الدعاء للميت في الصلاة، حديث: 963، وسنن النسائي، الجنائز، باب الدعاء، حديث: 1986.

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جس میں ہم بھی موجود تھے۔ میں نے سنا کہ آپ یوں دعا فرما رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِي ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ ، فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ، وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ، اَللّٰهُمَّ ! فَاغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ»

''اے اللہ! فلاں بن فلاں تیری امان میں ہے، تیری ہمسائیگی میں ہے، اسے قبر کے فتنے (سوال جواب اور اس کے بھینچنے) سے بچا اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ تو شایانِ وفا اور حق والا ہے، اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما، بلاشبہ تو بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''[1]

(13) دائیں بائیں دونوں طرف سلام پھیرا جائے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین باتیں رسول اللہ ﷺ کے معمولات ہیں مگر لوگوں نے انھیں چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے ایک جنازے میں نماز کی طرح سلام پھیرنا ہے۔[2]

(14) پہلے سلام پر اکتفا بھی جائز ہے: جیسا کہ پہلے ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''دوسری تکبیر کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لیے درود پڑھا جائے'' کے تحت گزر چکا ہے۔

(15) تین مکروہ اوقات جن میں نماز جنازہ سمیت کوئی نماز جائز نہیں: اس مسئلے کی تفصیل ''اوقات نماز'' میں عنوان ''اوقاتِ کراہت، جن میں نماز پڑھنا منع ہے، پانچ ہیں'' کے ذیل میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہو چکی ہے۔[3]

جنازہ تیزی سے لے جانا سنت ہے: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دیگر لوگوں سمیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور ہم لوگ اس کیفیت کے قریب تھے کہ جنازہ لے کر رمل کر رہے ہوں۔[4]

جنازے کے ساتھ چلنا سنت ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] [صحیح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الدعاء للميت، حديث: 3202، ومسند أحمد: 491/3. [2] [حسن] السنن الكبرٰى للبيهقي: 43/4. [3] عین طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور عین دوپہر کے وقت۔ البتہ فجر کی نماز اور عصر کے بعد مجبوری کی صورت میں نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔ [4] [صحیح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الإسراع بالجنازة، حديث: 3182، وسنن النسائي، الجنائز، باب السرعة بالجنازة، حديث: 1914. یہ حدیث بھی اس مسئلے کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ» ''جنازے کو جلد لے چلو۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1315)

«مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِّثْلُ أُحُدٍ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ»

''جو شخص ایمان اور اجر و ثواب کے جذبے سے کسی مسلمان کے جنازے میں شریک ہو اور اس کے ساتھ رہے حتی کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور تدفین ہو گئی تو ایسا شخص دو قیراط اجر کے ساتھ واپس آتا ہے، ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہو گا۔ اور جس شخص نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے دفن ہونے سے پہلے ہی لوٹ آیا تو وہ ایک قیراط کے ساتھ واپس آیا۔'' [1]

جنازہ اٹھانا سنت ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى أَعْنَاقِهِمْ فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ: قَدِّمُونِي، وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ: يَاوَيْلَهَا! أَيْنَ تَذْهَبُونَ بِهَا؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَهُ صَعِقَ»

''جب جنازہ تیار کر دیا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں تو اگر وہ میت نیک ہو تو کہتی ہے: مجھے آگے لے چلو، اگر نیک نہ ہو تو کہتی ہے: ہائے افسوس! اسے لے کر کہاں جا رہے ہو؟ اس کی یہ آواز انسانوں کے علاوہ سب مخلوق سنتی ہے، اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔'' [2]

جنازے کے آگے یا پیچھے چلنے والے سب برابر ہیں: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلرَّاكِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ، وَالْمَاشِي حَيْثُ شَاءَ مِنْهَا، وَالطِّفْلُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ»

''سوار آدمی میت کے پیچھے چلے اور پیدل چلنے والا جہاں چاہے، اور بچے کا جنازہ بھی پڑھا جائے۔'' [3]

امام شوکانی فرماتے ہیں: چاہے جنازے کے آگے چلنا افضل نہ ہو، بہرحال اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ پیچھے چلنے کے برابر ہے اور کسی صحیح یا حسن حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے اور اس بارے میں صحابہ کے اقوال مختلف ہیں۔ [4]

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب اتباع الجنائز من الإيمان، حديث: 47، وصحيح مسلم، الجنائز، باب فضل الصلاة على الجنازة واتباعها، حديث: 945. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب حمل الرجال الجنازة دون النساء، حديث: 1314. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب المشي أمام الجنازة، حديث: 3180، وسنن النسائي، الجنائز، باب مكان الراكب من الجنازة، حديث: 1944. [4] وبل الغمام على شفاء الأوام: 1/388. جنازے کے آگے پیچھے چلنا جائز ہے لیکن افضل »

جنازے کے ساتھ سوار ہونا ناپسندیدہ عمل ہے: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے کے ساتھ تھے، آپ کو سواری پیش کی گئی۔ آپ نے سوار ہونے سے انکار فرما دیا، اور جب واپس آ رہے تھے تو پھر سواری پیش کی گئی، آپ سوار ہو گئے اور اسے قبول کر لیا۔ آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

«إِنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانَتْ تَمْشِي فَلَمْ أَكُنْ لِأَرْكَبَ وَهُمْ يَمْشُونَ فَلَمَّا ذَهَبُوا رَكِبْتُ»

''فرشتے چل رہے تھے، مجھے زیب نہ دیتا تھا کہ میں سوار ہو جاؤں جبکہ فرشتے پیدل چل رہے تھے، جب وہ چلے گئے تو میں سوار ہو گیا۔''[1]

جنازے کو کسی چھکڑے یا جنازے کی مخصوص گاڑی میں لے جانا اور لوگوں کا اپنی اپنی سواریوں پر اس کے ساتھ جانا: یہ عمل درج ذیل وجوہات کی بنا پر کسی طرح شرعی عمل قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ غیر شرعی ہے:

1. کیونکہ یہ کفار کا طرز عمل ہے جبکہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ کفار کے اطوار اپنانا کسی طرح بھی جائز نہیں جیسا کہ بہت سی احادیث میں آیا ہے۔
2. اس سے ایک شرعی عبادت میں نہ صرف بدعت شامل ہو جاتی ہے، بلکہ جنازہ اٹھانے کی سنت ضائع ہوتی ہے۔ اس طرح کے جو بھی نئے کام ہوں، باتفاق علمائے کرام گمراہی ہوتے ہیں۔
3. اس سے جنازہ اٹھانے اور جنازے کے ساتھ چلنے کا اصل مقصد ضائع ہو جاتا ہے، یعنی موت کی یاد اور فکر پیدا نہیں ہونے پاتی۔
4. اس سے جنازے کے ساتھ چلنے اور ثواب پانے والوں کی تعداد بہت حد تک کم ہو جاتی ہے کیونکہ سب لوگوں کی یہ استطاعت نہیں ہوتی کہ گاڑی حاصل کر سکیں۔
5. یہ مظاہر نہ صرف ہماری آسان شریعت کے مزاج کے خلاف ہیں بلکہ یہ رسم و رواج کے زمرے میں آتے ہیں اور شریعت ان سے بہت بعید ہے بالخصوص موت جیسے المناک موقع پر![2]

میت کے بارے میں مبالغہ آمیز تشہیر اور اعلانات ممنوع ہیں: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کے متعلق آتا

« پیچھے چلنا ہی ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے «وَاتَّبِعُوا الْجَنَائِزَ» فرمایا ہے اور اتباع پیچھے چلنے کو کہتے ہیں، یعنی جنازوں کے پیچھے چلو۔ (صحیح الأدب المفرد: 518) علی رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی اس مسئلے کی تائید ہوتی ہے۔ دیکھیے أحكام الجنائز للألباني، ص: 96 (عبدالولی) [1] [صحیح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الركوب في الجنازة، حديث: 3177. [2] أحكام الجنائز للألباني، ص: 100,99.

ہے کہ انھوں نے کہا: جب میں مر جاؤں تو میرے متعلق اعلان نہ کرنا، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کہیں نعی (ممنوع اعلان) نہ ہو جائے، بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نعی سے منع فرماتے تھے۔[1]

* نعی کا مفہوم: نعی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے مرنے کی خبر دینا مگر جاہلیت کی سی نعی حرام ہے۔ قدیم عربوں میں جب کوئی شرف اور مرتبے والا آدمی مر جاتا یا قتل ہو جاتا تھا تو وہ کسی سوار کو قبیلوں میں بھیجتے تھے جو انھیں اس کے مرنے کی اطلاع دیتا اور کہتا: «نَعَاءِ فُلَانًا» یا «يَانَعَاءِ الْعَرَبَ» یعنی فلاں ہلاک ہو گیا ہے، یا فلاں کی موت سے عرب ہلاک ہو گئے۔

اعلانِ وفات جائز ہے بشرطیکہ نعیِ جاہلیت کے مشابہ نہ ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن نجاشی کی وفات ہوئی تو رسالت مآب ﷺ نے اس کی موت کی خبر دی، جنازہ گاہ کی طرف نکلے، صحابہ کی صفیں بنائیں اور جنازے میں چار تکبیریں کہیں۔[2] کبھی یہ اعلانِ وفات لازم ہو جاتا ہے، مثلاً: جب غسل، تکفین اور تدفین کے لیے کوئی نہ ہو۔

میت پر نوحہ کرنا حرام ہے: جیسا کہ پہلے عنوان ”میت کے اقارب کے لیے درج ذیل افعال حرام ہیں“ کے تحت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا ہے۔

جنازے کے ساتھ آگ لے جانا حرام ہے: حضرت ابو بردہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جناب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا، وصیت فرمائی کہ میری میت کے ساتھ آگ نہ لے جانا۔ لوگوں نے پوچھا: کیا آپ نے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ کہا: ہاں، رسول اللہ ﷺ سے (ممانعت سنی ہے۔)[3]

یاد رکھیے! جنازے کے ساتھ کسی طرح کا ذکر کرتے ہوئے آواز بلند کرنا بدعت ہے جیسا کہ جناب قیس بن عباد کا بیان ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ جنازوں کے قریب آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔[4]

مزید برآں اس میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ وہ لوگ اس موقع پر اپنی انجیل یا دوسرے اذکار

[1] [حسن] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية النعي، حديث: 986، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في النهي عن النعي، حديث: 1476، و مسند أحمد: 385/5. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، حديث: 1245، وصحيح مسلم، الجنائز، باب في التكبير على الجنازة، حديث: 951 اسی طرح نبیٔ اکرم ﷺ نے موتہ کے دن زید بن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کے قتل ہونے کی خبر دی۔ صحيح البخاري، حديث: 1246. (عبدالولی) [3] [حسن] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في الجنازة لا تؤخر إذا حضرت ولا تتبع بنار، حديث: 1487، ومسند أحمد: 397/4. [4] [صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي: 74/4.

بلند آواز سے اور حزنیہ لہجے میں پڑھتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: درست اور افضل بات، جس پر ہمارے سلف صالح کاربند تھے، یہی ہے کہ جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے خاموشی اختیار کی جائے اور کسی قسم کی قراءت یا ذکر میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس کی حکمت ظاہر ہے کہ اس موقع کی مناسبت سے انسان کو موت اور آخرت کے بارے میں سوچ بچار کا موقع ملتا ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ اس کی ہرگز پروا مت کریں کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کے برعکس عمل کرتی ہے۔

جناب ابوعلی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا قول بھی اسی کے ہم معنی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہدایت کی راہ اختیار کریں، اور اس راہ پر چلنے والوں کی قلت تعداد سے مت گھبرائیں، گمراہی کے راستے سے بہر طور بچیں، ہلاک ہونے والوں کی کثرت سے دھوکا مت کھائیں۔ اس کے بعد انھوں نے قیس بن عباد کا قول بتایا جو اوپر آچکا ہے۔ دمشق میں اکثر جاہل قاری صاحبان جنازوں پر لحن اور لے کے ساتھ قراءتیں کرتے ہیں، یہ سب باجماع علماء حرام ہے۔[1]

سنت یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ آنے والا اس کے رکھے جانے سے پہلے نہ بیٹھے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا، فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدْ حَتّٰى تُوضَعَ»

''جب تم جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، اور جو اس کے ساتھ جائے، اس کے رکھے جانے سے پہلے مت بیٹھے۔''[2]

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانا منسوخ ہے: بہت سی صحیح احادیث اس بارے میں آئی ہیں کہ اگر بیٹھے ہوئے آدمی کے پاس سے جنازہ گزرے تو وہ کھڑا ہو جائے، مثلاً: عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا حَتّٰى تُخَلِّفَكُمْ»

''جب تم جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ تم سے گزر جائے۔''[3]

قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں: علمائے سلف کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کی حدیث منسوخ ہے۔ اور اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم (حدیث: 962) میں واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ

[1] الأذكار: 4/183، الفتوحات الربانية. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب من تبع جنازة فلا يقعد حتى توضع عن مناكب الرجال فإن قعد أمربالقيام، حديث: 1310، وصحيح مسلم، الجنائز، باب القيام للجنائز، حديث: 958. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب القيام للجنازة، حديث: 1307، وصحيح مسلم، الجنائز، باب القيام للجنازة، حديث: 958.

سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بنو سلمہ کے علاقے میں ایک جنازے میں حاضر ہوا تو (جنازہ دیکھ کر) میں کھڑا ہوگیا تو نافع بن جبیر نے مجھ سے کہا: بیٹھ جاؤ، میں تمھیں اس بارے میں درست بات کی خبر دیتا ہوں۔ نافع نے کہا: مجھے مسعود ابن حکم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوا کرتے تھے مگر پھر بعد میں بیٹھنے لگے تھے۔

قبرستان میں داخل ہوتے یا اس کے پاس سے گزرتے ہوئے دعا کرنا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں آئے تو کہا:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ . وَإِنَّا ، إِنْ شَاءَ اللهُ ، بِكُمْ لَاحِقُونَ»

"اس گھر کے مومن باسیو! تم پر سلامتی ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے آ ملنے والے ہیں۔" [1]

بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکھایا کرتے تھے کہ جب قبرستان جاؤ تو یوں کہو:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ ، وَإِنَّا ، إِنْ شَاءَ اللهُ ، لَلَاحِقُونَ ، أَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»

"تم پر سلامتی ہو، اس گھر کے مومن و مسلم باسیو! اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے آ ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تم سب کے لیے آرام و راحت کا سوال کرتے ہیں۔" [2]

میت کو اتنی گہری قبر میں دفن کیا جائے کہ وہ درندوں سے محفوظ رہے: حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ (مجاہدین کو) بہت زیادہ زخم آئے ہیں، اس لیے ہر شخص کے لیے الگ قبر بنانا مشکل ہے، اس پر آپ نے فرمایا:

«اِحْفِرُوا وَأَوْسِعُوا وَأَحْسِنُوا وَادْفِنُوا الِاثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرٍ وَّاحِدٍ وَّقَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا»

"(شہداء کے لیے) قبریں کھودو، کھلی اور عمدہ بناؤ۔ اور ایک ایک قبر میں دو دو اور تین تین میتوں کو دفن کر دو، اور آگے اسے رکھو جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔"

[1] صحيح مسلم، الطهارة، القيام باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء، حديث: 249، وسنن النسائي، الطهارة، باب حلية الوضوء ، حديث: 150. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حديث: 975، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء فيما يقال إذا دخل المقابر، حديث: 1547.

ہشام کہتے ہیں کہ میرے والد بھی شہید ہو گئے تھے اور انھیں دو آدمیوں سے آگے رکھا گیا تھا۔ [1]

قبر کو کھڈے کی صورت میں بنائیں تو جائز ہے مگر لحد بہتر ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا» ''لحد ہمارے لیے ہے اور شق دوسروں کے لیے۔'' [2]

میت کو قبر میں اس کی پائینتی کی طرف سے داخل کیا جائے: ابو اسحق سبیعی سے روایت ہے کہ حارث نے وصیت کی کہ میرا جنازہ عبداللہ بن یزید خطمی رضی اللہ عنہما پڑھائیں، چنانچہ انھوں نے جنازہ پڑھایا، پھر میت کو قبر کی پائینتی کی طرف سے اندر اتارا اور کہا کہ یہی سنت ہے۔ [3]

میت کو لحد میں اتارنے اور رکھنے والے کی مسنون دعا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب میت کو قبر میں رکھتے تو کہا کرتے تھے: «بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ» ''اللہ کے نام سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق رکھتا ہوں۔'' [4]

میت کو اس کے دائیں پہلو پر لٹایا جائے اور اس کا چہرہ قبلے کی طرف رکھا جائے: سر قبلے سے دائیں جانب اور پاؤں بائیں جانب ہوں، اس کی دلیل یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک اہل اسلام اس طریقے پر عمل کر رہے ہیں۔

مستحب ہے کہ شریک جنازہ ہر شخص قبر پر کم از کم تین مٹھی مٹی ڈالے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت کے لیے نماز پڑھائی، پھر قبر پر آئے اور اس کے سر کی جانب سے قبر پر تین مٹھی مٹی ڈالی۔ [5]

قبر کو ایک بالشت سے زیادہ اونچا نہ کیا جائے: ابو ہیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مجھ سے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا؟ وہ

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في دفن الشهداء، حديث: 1713، وسنن النسائي، الجنائز، باب مايستحب من إعماق القبر، حديث: 2012. سنن نسائی میں یہ اضافہ بھی ہے: «وَأَعْمِقُوا» ''اور ان (قبروں) کو گہرا کرو۔''
[2] [حسن] سنن أبي داود، الجنائز، باب في اللحد، حديث: 3208، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في قول النبي ﷺ «اللحدلنا والشق لغيرنا»، حديث: 1045. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب كيف يدخل الميت قبره، حديث: 3211. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب في الدعاء للميت إذا وضع في قبره، حديث: 3213، وجامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء مايقول إذا أدخل الميت القبر، حديث: 1046. [5] [صحيح] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في حثو التراب في القبر، حديث: 1565.

یہ کہ جہاں کوئی مورتی پاؤ تو اسے مٹا ڈالنا اور جہاں کوئی قبر اونچی نظر آئے، اسے برابر کر دینا۔[1]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو لحد بنائی گئی، اس میں کچی اینٹیں لگائی گئیں اور اسے زمین سے ایک بالشت اونچا کیا گیا۔[2]

قبر کو کوہان دار بنایا جائے: جناب سفیان تمار رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر دیکھی جو کوہان دار تھی۔[3]

قبر پر کسی پتھر وغیرہ کی علامت رکھنا: جناب مطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، ان کا جنازہ لایا گیا اور دفن کر دیا گیا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ایک پتھر لاؤ مگر اس شخص سے پتھر نہ اٹھایا جا سکا، چنانچہ آپ خود اس کی طرف گئے، اپنی آستین چڑھائیں، یہ منظر دیکھنے والے نے بیان کیا ہے کہ گویا میں آج بھی آپ علیہ السلام کے (آستین چڑھانے کا منظر اور آپ کے) بازوؤں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے وہ پتھر اٹھایا، قبر کے سرہانے کی طرف رکھا اور فرمایا: ''اس (نشانی) سے مجھے اپنے بھائی کی قبر کی پہچان رہے گی، اور اپنے اہل میں سے جو فوت ہوگا، اسے اس کے پاس دفن کروں گا۔''[4]

تدفین کے بعد قبر کے پاس ٹھہرے اور متوفی کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرے: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو فرماتے:

«اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَاسْأَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ»

''اپنے بھائی کے لیے بخشش مانگو اور اس کی ثابت قدمی کی دعا کرو، بلاشبہ اب اس سے سوال ہونے والے ہیں۔''[5]

قبروں کی زیارت کے لیے جانا: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَزُورُوهَا»

''میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، مگر (اب) ان کی زیارت کے لیے جایا کرو۔''[6]

---

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، حديث: 969، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في تسوية القبر، حديث: 3218. [2] [صحيح] صحيح ابن حبان، حديث: 6601. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي ﷺ وأبي بكر و عمر رضي الله عنهما، حديث: 1390. [4] [حسن] سنن أبي داود، الجنائز، باب في جمع الموتى في قبر و القبر يعلم، حديث: 3206. [5] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، حديث: 3221، والمستدرك للحاكم: 370/1. [6] صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه عزوجل في زيارة قبر أمه، حديث: 977.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی، خود بھی روئے، اردگرد موجود اپنے ساتھیوں کو بھی رلایا اور فرمایا:

«اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ لِي، فَزُورُوا الْقُبُورَ، فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ»

''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی مگر مجھے اجازت نہیں دی گئی اور ان کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت دے دی گئی۔ پس قبروں کی زیارت کیا کرو، بلاشبہ وہ تمھیں موت یاد دلاتی ہے۔'' [1]

مرد ہوں یا عورتیں، زیارتِ قبور سبھی کے لیے مستحب ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:

1. اول تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان: «فَزُورُوا الْقُبُورَ» ''قبروں کی زیارت کیا کرو۔'' عام حکم ہے، اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔

2. وہ سبب جس کی بنا پر مردوں کو یہ اجازت دی گئی ہے، اس میں عورتیں بھی مردوں کی شریک ہیں، یعنی: « فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ» ''بلاشبہ قبروں کی زیارت تمھیں موت یاد دلاتی ہے۔''

3. ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (زیارت قبور کے موقع پر) قبر والوں کے لیے میں کیا کہا کروں؟ فرمایا: ''کہا کرو:

«اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَيَرْحَمُ اللهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، وَإِنَّا، إِنْ شَاءَ اللهُ، بِكُمْ لَلَاحِقُونَ»

''سلام ہو ان گھروں (قبروں) کے مومن اور مسلمان مکینوں پر۔ اور اللہ ہم میں سے پہلے جانے والوں اور بعد میں جانے والوں پر رحم فرمائے۔ اور بلاشبہ ہم بھی اگر اللہ نے چاہا تو ضرور تم سے ملنے والے ہیں۔'' [2]

4. جناب عبداللہ بن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ ایک دن ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا قبرستان کی طرف سے آ رہی تھیں، تو میں نے پوچھ لیا کہ اے ام المؤمنین! آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟ فرمایا: میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی قبر سے آ رہی ہوں۔ میں نے عرض کیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا ہے؟ فرمایا: ہاں،

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه عزوجل في زيارة قبر أمه، حديث: 976. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حديث: 974.

آپ نے منع فرمایا تھا مگر بعد ازاں زیارت قبور کا حکم دے دیا تھا۔[1]

عورتوں کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ قبروں پر جا کر روئیں دھوئیں یا زینت کا مظاہرہ کریں۔ قبرستان کو سیر گاہ بنا لینا بھی بہت بری بات ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر بہت زیادہ جاتی ہوں۔[2]

کسی کافر کی قبر کی زیارت صرف جائز ہے، جیسا کہ قبل ازیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں گزرا ہے۔[3]

جو شخص قبرستان جائے، مسنون یہ ہے کہ وہ وہی دعائیں پڑھے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، جیسا کہ یہ ''قبرستان میں داخل ہوتے یا اس کے پاس سے گزرتے ہوئے دعا کرنا'' اور ''قبروں کی زیارت کے لیے جانا'' کے تحت مذکور ہوئی ہیں۔

قبر کی زیارت کرنے والے کے لیے قبلہ رخ ہونا مستحب ہے: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے میں گئے، ہم قبر تک پہنچے تو اس کی لحد اس وقت تک تیار نہیں ہوئی تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔[4]

اہلِ میت سے تعزیت کرنا مسنون ہے: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ کے پاس پیغام بھیجا۔ اس وقت اسامہ، سعد اور ابی رضی اللہ عنہم آپ کے پاس تھے، ہمارا خیال ہے کہ صاحبزادی نے عرض کیا تھا کہ میرا بیٹا نزع کی کیفیت میں ہے، آپ تشریف لے آئیں، آپ نے جواب میں سلام کہلوایا اور فرمایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى، فَلْتَحْتَسِبْ وَلْتَصْبِرْ». فَأَرْسَلَتْ تُقْسِمُ عَلَيْهِ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقُمْنَا، فَرُفِعَ الصَّبِيُّ فِي حَجْرِ

[1] [صحيح] المستدرك للحاكم: 376/1. [2] [حسن] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية زيارة القبور للنساء، حديث: 1056، ومسند أحمد: 337/2. [3] صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه عزوجل في زيارة قبر أمه، حديث: 977. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب كيف يجلس عندالقبر، حديث: 3212، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في الجلوس في المقابر، حديث: 1548. مؤلف کا یہ کلام مبہم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ قبر کی زیارت کرنے والا دعا کرتے وقت قبلہ رخ ہو اور دعا کرتے وقت قبر کی طرف چہرہ کرنا جائز نہیں ہے۔ دیکھیے أحكام الجنائز للألباني، ص: 247 واقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية، ص: 399 جبکہ صرف زیارت کرنا ہو تو قبر کی طرف منہ کرنا درست ہے اور قبرستان میں ویسے انسان بیٹھا ہو تو اس کے لیے قبلہ رخ ہونا مستحب ہے۔ (عبدالولی)

النَّبِيِّ ﷺ وَنَفْسُهُ تَقَعْقَعُ، فَفَاضَتْ عَيْنَا النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ: مَا هٰذَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «هٰذِهِ الرَّحْمَةُ وَضَعَهَا اللهُ فِي قُلُوبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهِ، وَلَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ إِلَّا الرُّحَمَاءَ»

"اللہ ہی کے لیے ہے جو وہ لے لے اور جو وہ عنایت فرمائے اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے، اسے چاہیے کہ اللہ سے اجر کی امید رکھے اور صبر کرے۔" صاحبزادی نے دوبارہ پیغام بھیجا اور قسم دے کر عرض کیا کہ ضرور تشریف لائیں، نبی ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ پھر بچے کو آپ کی گود میں رکھ دیا گیا۔ اس وقت بچے کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ یہ الم انگیز سماں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ کیا؟ آپ نے فرمایا: "یہ رحمت ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے، جسے چاہتا ہے، اس کے دل میں اسے رکھ دیتا ہے، اور اللہ اپنے بندوں میں سے انھی پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوں۔" [1]

اہلِ میت کے لیے کھانا تیار کرنا سنت ہے: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ»

"آلِ جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، انھیں ایک ایسا معاملہ درپیش ہے جس نے انھیں مصروف کر دیا ہے۔" [2]

قبر کو سجدہ گاہ بنانا اسے مزین کرنا یا اس پر کچھ لکھنا حرام ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے مرض وفات میں فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى، اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

"اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔" [3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے، اس پر بیٹھنے اور اس پر کچھ تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [4]

[1] صحيح البخاري، المرض، باب عيادة الصبيان، حديث: 5655، وصحيح مسلم، الجنائز، باب البكاء على الميت، حديث: 923. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، حديث: 3132. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب مايكره من اتخاذ المساجد على القبور، حديث: 1330، وصحيح مسلم، المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور، واتخاذ الصور فيها، والنهي عن اتخاذ القبور مساجد، حديث: 529. [4] صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، حديث: 970، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في البناء على القبر، حديث: 3225، ومسند أحمد: 3/399.

قبر پر بیٹھنا حرام ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَأَنْ يَّجْلِسَ أَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهُ، فَتَخْلُصَ إِلٰى جِلْدِهِ، خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ»

''تم میں سے کوئی انگارے پر بیٹھ جائے، وہ اس کے کپڑے جلا دے اور پھر اس کا اثر اس کے بدن تک پہنچ جائے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے۔'' [1]

قبر کے پاس قبر کی طرف منہ کیے بغیر بھی نماز حرام ہے: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْحَمَّامَ وَالْمَقْبَرَةَ»

''ساری زمین سجدہ گاہ ہے سوائے حمام اور مقبرے کے۔'' [2]

قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے: ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: «لَا تُصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ، وَلَا تَجْلِسُوا عَلَيْهَا»

''قبروں کی طرف منہ کر کے نماز مت پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔'' [3]

قبرستان کو میلہ گاہ بنانا حرام ہے اور جن ایام میں لوگ وہاں کوئی تقریب مناتے ہوں، قبروں پر جانا منع ہے: عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُّعْبَدُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلٰى قَوْمٍ، اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ»

''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بننے دینا کہ اس کی عبادت کی جانے لگے۔ ان لوگوں سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوا ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔'' [4]

جو لوگ فوت ہو چکے ہوں انھیں برا کہنا حرام ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلٰى مَا قَدَّمُوا»

[1] صحيح مسلم ، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، حديث:971، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في كراهية القعود على القبر، حديث:3228. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب في المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة، حديث:492. [3] صحيح مسلم، الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، حديث:972.
[4] [صحيح] الموطأ للإمام مالك:122/1.

''جو لوگ فوت ہو چکے ہوں، انھیں برا مت کہو۔ بلاشبہ جو کچھ انھوں نے آگے بھیجا، وہ اس کی طرف پہنچ چکے ہیں۔''[1]

میت کو کس چیز سے فائدہ پہنچتا ہے؟ (1) کوئی مسلمان اس کے لیے دعا کرے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾

''اور (مالِ فَے ان کے لیے ہے) جو ان (مہاجرین و انصار) کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

مزید برآں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ - بِظَهْرِ الْغَيْبِ - مُسْتَجَابَةٌ، عِنْدَ رَأْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ، كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِخَيْرٍ، قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ: آمِينَ، وَلَكَ بِمِثْلٍ»

''مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی کے لیے غائبانہ دعا قبول ہوتی ہے (اور) دعا کرنے والے کے سر کے پاس ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے، جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو وہ مقرر کردہ فرشتہ کہتا ہے: آمین، اور تیرے لیے بھی اسی کے مثل ہو۔''[3]

(2) **صدقات جاریہ:** ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین صورتوں کے: جاری رہنے والا صدقہ، ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب ما ينهى من سب الأموات، حديث: 1393. [2] الحشر 59:10. [3] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب، حديث: 2733، وسنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء بظهر الغيب، حديث: 1534. [4] صحيح مسلم، الوصية، باب مايلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631، وسنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الصدقة عن الميت، حديث: 2880.

③ میت کے ذمے اگر نذر کے کوئی روزے ہوں تو ولی اس کی طرف سے وہ روزے رکھے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ»

”جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے کوئی روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے وہ روزے رکھے۔“ [1]

④ میت کی طرف سے اس کا قرضہ ادا کیا جائے، چاہے ولی ادا کرے یا کوئی اور: احادیث میں آتا ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک میت کی طرف سے اس کے دو دینار ادا کیے تھے۔ [2]

⑤ نیک اولاد جو بھی نیک اعمال کرے، مومن ماں باپ کو بھی اس سے فائدہ ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ ”اور یہ کہ انسان کے لیے بس وہی کچھ ہے جس کی اس نے سعی کی۔“ [3]

عمارہ بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ میری پھوپھی کی سرپرستی میں ان (کے خاندان) کا ایک یتیم بچہ تھا، وہ کچھ کمائی بھی کیا کرتا تھا، پھوپھی صاحبہ اس کی کمائی میں سے کچھ کھانے میں حرج سمجھتی تھیں، انھوں نے اس بارے میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا تو انھوں نے بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ، وَإِنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ»

”بہترین چیز جو آدمی کھاتا ہے، وہی ہے جو اس کی اپنی کمائی سے ہو، اور آدمی کی اولاد اسی کی اپنی کمائی ہے۔“ [4]

”جنازوں کے مواقع پر بہت سی بدعات رواج پا گئی ہیں، ان پر نظر رکھنی چاہیے تاکہ انسان ان سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی خبردار کر سکے۔ ان بدعات کی نشاندہی علامہ محدث محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف ”أحكام الجنائز و بدعها“ میں کی ہے۔ (ص: 305-336)

---

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب من مات وعليه صوم، حديث: 1952، وصحيح مسلم، الصيام، باب قضاء الصوم عن الميت، حديث: 1147. [2] مسند أحمد: 3/330. [3] النجم 53:39. [4] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب الرجل يأكل من مال ولده، حديث: 3528، ومسند أحمد: 6/31 و127 و193.

3

روزے کے احکام ومسائل

﴿يَاۤأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾

(البقرة2:183)

رمضان کے روزے واجب ہونے کا بیان

صوم کا لغوی معنیٰ: صوم کا لغوی مطلب ہے ''رک جانا'' نابغہ ذبیانی کا ایک شعر ہے:

«خَيْلٌ صِيَامٌ وَّخَيْلٌ غَيْرُ صَائِمَةٍ
تَحْتَ الْعَجَاجِ وَأُخْرٰى تَعْلُكُ اللُّجُمَا»

''کچھ گھوڑے رکے ہوئے تھے اور کچھ غبار میں متحرک تھے اور کچھ لگام چبا رہے تھے۔''

جب گھوڑے نہ چل رہے ہوں، رکے ہوئے ہوں، ٹھہرے ہوئے ہوں تو کہا جاتا ہے: صَامَتِ الْخَيْلُ.

اور جب ہوا بند ہو، رکی ہوئی ہو، چل نہ رہی ہو تو کہتے ہیں: صَامَتِ الرِّيحُ.

صوم کا شرعی اور اصطلاحی مطلب: عبادت کی نیت سے طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور مباشرت (جماع) سے رکے رہنے کو صوم (روزہ) کہا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں صوم کا لفظ دو معنوں میں آیا ہے: ایک یہی معروف شرعی معنی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ ''تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے۔''[1]

نیز ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

''پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے۔''[2]

اور دوسرے معنی ہیں: خاموش رہنا، بولنے سے باز رہنا۔[3]

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾

''میں نے اللہ کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، یعنی خاموش رہوں اور بات نہ کروں۔''

انھی معنوں میں ہے۔

[1] البقرۃ 2:183. [2] البقرۃ 2:185. [3] لسان العرب: 12/351,350.

روزے کا حکم: ماہ رمضان میں روزے رکھنا اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''[1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: یہ گواہی، دینا کہ اللہ کے سوا کوئی حق معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، حج اور رمضان کے روزے رکھنا۔''[2]

روزے کی فضیلت

روزہ قربِ الٰہی کے حصول کا باعث: قرآن کریم کی بہت سی آیات کریمہ میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے روزے رکھنے کی ترغیب اور اس کی زبردست فضیلت آئی ہے، مثلاً:

﴿ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾

''اور تمھارا روزہ رکھنا تمھارے لیے کہیں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔''[3]

''روزہ رکھنا زبردست فوائد و برکات کا حامل ہے، اس میں انسان کو اپنے ارادے کو پکا اور عزیمت کو صحیح بنانے کا سبق ملتا ہے۔ تاکہ انسان اپنی ذات میں مشکل اور مشقت برداشت کرنے والا بنے، اللہ کی عبادت کو اپنے آرام و راحت پر ترجیح دینے والا ہو۔ روزے دار کے لیے بشرطیکہ مریض نہ ہو، ظاہری صحت کے لحاظ سے بھی اس میں بہت سے فوائد ہیں، چاہے اس حالت میں روزے دار کو کوئی مشقت بھی جھیلنی پڑے۔''[4]

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ

[1] البقرة 2:183. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم......، حديث: 8، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام ودعائمه العظام، حديث: 16. [3] البقرة 2:184. [4] في ظلال القرآن، البقرة 2:184.

﴿فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○﴾

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزے دار مرد اور روزے دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''[1]

روزہ کفارہ ہے: قرآن مجید کی بعض آیات میں مذکور ہے کہ بعض صورتوں میں روزہ بعض اعمال اور جرائم کا کفارہ ہے، مثلاً: حالتِ احرام میں بیماری وغیرہ کے عذر سے اگر سر منڈوا دے یا قربانی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، یا کوئی کسی ذمی کو غلطی سے قتل کر بیٹھے، یا قسم توڑ بیٹھے یا حالتِ احرام میں شکار کر لے یا اپنی بیوی سے ظہار کا مرتکب ہو (خاوند اپنی بیوی کو کہہ دے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو) وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ٝ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○﴾

''اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تمھیں (راستے میں) روک دیا جائے تو قربانی کے لیے جو میسر ہو (وہ قربان کر دو) اور اپنے سر نہ منڈاؤ حتی کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچ جائے، پھر اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوا لے) تو فدیے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، پھر جب تمھیں امن مل جائے (اور تم حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو تم میں سے جس نے حج (کے احرام) تک عمرے کا فائدہ اٹھایا، وہ (احرام کھول کر) جو میسر ہو قربانی کرے، پھر جو شخص (قربانی) نہ پائے تو وہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات اس وقت جب تم گھر لوٹ آؤ، یہ پورے دس (روزے) ہیں۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''[2]

[1] الأحزاب 35:33. [2] البقرة 196:2.

مزید فرمایا:

﴿ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ﴾

اور اگر وہ (مقتول) ایسی قوم میں سے ہو کہ تمھارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا، پھر جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے، یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔" [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

"اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا لیکن ان قسموں پر ضرور پکڑے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں، چنانچہ اس کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا انھیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن (غلام) آزاد کرانا ہے، پھر جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے تین دن کے روزے رکھنے ہیں۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔" [2]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ ﴾

"اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو، اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو، اسے اس کے برابر ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں گے، یہ (فدیہ) بطور قربانی کعبہ پہنچایا

[1] النسآء 4:92. [2] المآئدة 5:89.

جائے گا۔ یا اس کا کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے، تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا، وہ اللہ نے معاف کیا، اور جو کوئی دوبارہ وہی حرکت کرے تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے۔'' [1]

اور ظہار کے سلسلے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

''اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں، تو ایک گردن آزاد کرنی ہے، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، اس (حکم) کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ اس سے باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ پھر جو شخص نہ پائے (غلام) تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنے ہیں اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص ہمت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' [2]

روزہ اور قرآن سفارش کریں گے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ»

''روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کے لیے سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے دن میں کھانے پینے اور شہوانی جذبات سے باز رکھا، پس میری اس کے بارے میں سفارش قبول فرمالے۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کو سونے نہیں دیا، اس لیے اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرمالے۔ چنانچہ ان دونوں کی سفارشیں مان لی جائیں گی۔'' [3]

روزے داروں کے لیے ایک مخصوص دروازہ ''باب الریان'' ہے: حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

[1] المآئدة 5:95. [2] المجادلة 58:3،4. [3] [صحيح] مسند أحمد: 174/2، والمستدرك للحاكم: 554/1.

کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ: اَلرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: أَيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُومُونَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ، فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ»

''جنت کا ایک دروازہ ہے جسے ''الریان'' کہا جاتا ہے جس سے قیامت کے دن روزے داروں کے علاوہ اور کوئی نہیں گزرے گا۔ کہا جائے گا: روزے دار کہاں ہیں؟ وہ اٹھیں گے، اس سے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں گزرے گا، جب یہ گزر جائیں گے تو اسے بند کر دیا جائے گا، اس سے کوئی اور داخل نہیں ہو سکے گا۔''[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللهِ، نُودِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ: يَاعَبْدَ اللهِ! هٰذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ»

''جو شخص اللہ کی راہ میں کسی چیز کا ایک جوڑا خرچ کرے گا، اسے جنت کے دروازوں سے ندا دی جائے گی: اے اللہ کے بندے! یہ بہت بہتر ہے، چنانچہ جو نماز والوں میں سے ہوگا، اسے نماز کے دروازے سے پکار آئے گی، جو جہاد والوں میں سے ہوگا، اسے جہاد کے دروازے سے پکارا جائے گا۔ جو روزے داروں میں سے ہوگا، اسے باب الریان سے پکار آئے گی، اور جو صدقہ والوں میں سے ہو، اسے صدقے کے دروازے سے پکار کر بلایا جائے گا۔'' ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اس کی ضرورت تو نہیں کہ کسی کو سب دروازوں سے پکارا جائے لیکن کیا اللہ کے ایسے بندے بھی ہوں گے جن کو سب دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: «نَعَمْ؛ وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ»

''ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم انھی میں سے ہو گے۔''[2]

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب الريان للصائمين، حديث: 1896، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: 1152. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب الريان للصائمين، حديث: 1897، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل من ضم إلى الصدقة غيرها من أنواع البر، حديث: 1027.

روزہ مسلمان کے لیے آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہوگا: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ»

"جس نے اللہ کی راہ میں (یا اللہ کے لیے) ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے اور آگ کے درمیان ایک خندق بنا دے گا (وہ اس قدر چوڑی اور گہری ہوگی) جس قدر آسمان اور زمین کا درمیانی فاصلہ ہے۔" [1]

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِّنَ الْقِتَالِ»

"روزہ آگ سے ڈھال ہے جس طرح کہ تم میں سے کسی کی ڈھال لڑائی میں کام دیتی ہے۔" [2]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ زَحْزَحَهُ اللهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا»

"جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو آگ سے ستر سال کے فاصلے تک دور کر دے گا۔" [3]

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مَّا لَمْ يَخْرِقْهَا»

"روزہ ڈھال ہے، جب تک کہ اس میں وہ شخص چھید نہ کر دے۔" [4]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ فَمَنْ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلَا يَجْهَلْ يَوْمَئِذٍ، وَإِنِ امْرُؤٌ جَهِلَ عَلَيْهِ فَلَا يَشْتِمْهُ وَلَا يَسُبَّهُ وَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِّيحِ الْمِسْكِ»

---

[1] [حسن] جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الصوم في سبيل الله، حديث: 1624. [2] [حسن] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على محمد بن أبي يعقوب في حديث أبي أمامة في فضل الصائم، حديث: 2232، ومسند أحمد: 22/4. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل الصوم في سبيل الله، حديث: 2840، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام في سبيل الله لمن يطيقه، بلا ضرر ولا تفويت حق، حديث: 1153. [4] [حسن] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على محمد بن أبي يعقوب في حديث أبي أمامة في فضل الصائم، حديث: 2235.

''روزہ آگ سے ڈھال ہے۔ جو روزے کی حالت میں صبح کرے تو وہ اس دن میں کوئی جہالت کی بات نہ کرے، اگر کوئی اس سے اس طرح کی بات کرے تو یہ اس سے گالی گلوچ نہ کرے، بلکہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! البتہ روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔'' [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ زَحْزَحَهُ اللهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا»

''جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اسے آگ سے ستر سال کے فاصلے تک دور کر دے گا۔'' [2]

روزہ روزے دار کو جنت میں لے جائے گا: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ کوئی ایسی بات ارشاد فرمائیں جو میں آپ سے خصوصیت کے ساتھ حاصل کرلوں، فرمایا:

«عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَا مِثْلَ لَهُ» ''روزے رکھا کرو، اس جیسا کوئی عمل نہیں۔'' [3]

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے کا سہارا دیا، تو آپ نے فرمایا: ''جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے «لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ» کہا، اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے ایک دن کا روزہ رکھا اور اس پر اس کا خاتمہ ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس نے اللہ کی راہ میں کوئی صدقہ دیا اور اس پر اس کا خاتمہ ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' [4]

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على محمد بن أبي يعقوب في حديث أبي أمامة في فضل الصائم، حديث: 2236. اور حدیث میں وارد الفاظ «الخُلُوف» اور خِلفة (خ کے کسرے کے ساتھ) کا مفہوم ہے ''منہ کی مہک کا بدل جانا۔'' اصل میں یہ لفظ نباتات کے بارے میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ نباتات میں بوٹیاں ایک دوسری کے بعد اگتی ہیں، اس طرح پہلی مہک بدل جانے کے بعد دوسری بو آ جاتی ہے۔ [النهاية في غريب الأثر: 143/2، مادة: خ. ل. ف.] [2] [صحيح] جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الصوم في سبيل الله، حديث: 1622، ومسند أحمد: 357/2، نیز دیکھیے صحيح الترغيب والترهيب، حديث: 989. [3] [صحيح] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على محمد بن أبي يعقوب في حديث أبي أمامة في فضل الصائم، حديث: 25-2222، ومسند أحمد: 248/5. [4] [صحيح] مسند أحمد: 391/5، نیز دیکھیے صحيح الترغيب والترهيب، حديث: 985.

روزے داروں کو بے حساب اجر ملے گا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، اَلْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ، وَلَخُلُوفُ فِيهِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِّيحِ الْمِسْكِ»

''ابن آدم کا ہر عمل بڑھایا جاتا ہے۔ ایک نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مگر روزہ، سو بے شک وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ میری خاطر ہی بندہ اپنے جذبات اور کھانا پینا ترک کرتا ہے۔'' روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی اسے روزہ کھولنے کے وقت ملتی ہے اور دوسری خوشی اسے اس وقت ملے گی جب اس کی اپنے رب سے ملاقات ہوگی۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری سے بڑھ کر ہوتی ہے۔'' [1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب هل يقول:إني صائم، إذا شتم، حديث: 1904، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: 1151 واللفظ له. عبادات ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہیں اور وہی ان کی جزا دینے والا ہے۔ مگر روزے کے بارے میں خصوصیت سے فرمایا گیا ہے کہ یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اس ارشادِ گرامی کا پس منظر یہ ہے کہ نماز، حج، صدقہ، اللہ کی طرف یکسو ہونا، اعتکاف، دعا اور قربانی وغیرہ جتنی بھی عبادات ہیں، ان کے ذریعے سے مشرک لوگ اپنے معبودوں کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن مشرکین کی تاریخ میں کبھی نہیں سنا گیا کہ انھوں نے روزے کے ذریعے سے اپنے کسی معبود کا تقرب حاصل کیا ہو۔ روزہ ایک ایسی منفرد عبادت ہے جو صرف اور صرف شرعی حوالوں ہی سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''روزہ میرے لیے ہے'' یعنی اس کے ذریعے سے کسی نے میرے ساتھ شرک نہیں کیا، نہ اس کے ذریعے سے کسی غیر کی عبادت کی گئی ہے، لہٰذا اس خصوصیت کی بنا ہی پر میں اس کی جزا دوں گا اور خود دوں گا، نہ کہ کوئی مقرب فرشتہ یا کوئی اور۔ جامع الأصول: 9/454. (مؤلف) یہ بات محلِ نظر ہے، ہندو مشرکین کے ہاں روزے کا تصور ہے اور قدیم سے چلا آرہا ہے جسے وہ بُرت کا نام دیتے ہیں۔ حدیث کا مطلب محقق علمائے کرام نے یہ بیان کیا ہے کہ دوسرے اعمال کی جزا اور اجر کا اجمالاً علم انسان کو ہے جبکہ روزے کے متعلق اجمالاً علم بھی انسان کو نہیں، سارے کا سارا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ دوسرا مطلب، جو زیادہ راجح ہے، یہ ہے کہ دوسرے اعمال وعبادات میں ریا کا دخل ممکن ہے جبکہ روزہ ایسی عبادت ہے کہ اس میں ریا کا کوئی دخل نہیں، اس لیے کہ دیگر اعمال کے برعکس اس کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہے۔ دیکھیے منة المنعم شرح صحيح مسلم، تحت حديث: 1151 (عبدالولی)

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ، هُوَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَخُلْفَةُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِّيحِ الْمِسْكِ»

''ابن آدم کے تمام اعمال اس کے لیے ہیں مگر روزہ، وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔'' (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:) قسم ہے اس ذات کی کہ محمد کی جان جس کے ہاتھ میں ہے، روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔''[1]

جناب محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی ﷺ سے اور آپ ﷺ رب تعالیٰ سے روایت کرتے تھے: ''ہر عمل کا بدلہ ہے، مگر روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اور روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہے۔''[2]

روزہ صنفی جذبات کو کمزور کرنے میں مدد دیتا ہے: عبدالرحمٰن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں علقمہ اور اسود کے ساتھ تھا، ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے، انھوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے جبکہ ہم نوجوان تھے اور کچھ میسر نہ تھا، یعنی گھر بسانے کی کوئی شکل نہ تھی، چنانچہ رسالت مآب ﷺ نے ہم سے ارشاد فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ، فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو، وہ شادی کر لے، بلاشبہ اس سے نظر نیچی اور عصمت محفوظ رہتی ہے، اور جسے ہمت نہ ہو، وہ روزے رکھے، یہ اس کے جذبات کو توڑ دیں گے۔''[3]

ماہ رمضان میں عمل کی فضیلت

رمضان قرآن کا مہینہ ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ﴾

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب مايذكر في المسك، حديث:5927، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: 1151.
[2] صحيح البخاري، التوحيد، باب ذكر النبي ﷺ وروايته عن ربه، حديث:7538. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، حديث: 5066، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ووجدمؤنة، واشتغال من عجز عن المؤن بالصوم، حديث: 1400.

کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں ہیں۔'' [1]

اللہ عزوجل نے اپنی یہ عظیم کتاب اپنے عظیم نبی ﷺ پر ماہ رمضان میں لیلۃ القدر میں نازل فرمائی۔ جو لوگوں کے دلوں کے لیے ہدایت، حق و باطل میں امتیاز، راہ خیر کا نشان اور گمراہی سے انتباہ ہے۔

جنت کے دروازے کھلنے کا مہینہ: رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سرکش جنوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ، فَرَضَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ، تُفْتَحُ فِيهِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَتُغْلَقُ فِيهِ أَبْوَابُ الْجَحِيمِ، وَتُغَلُّ فِيهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِينِ، لِلّٰهِ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ»

''تمھارے پاس رمضان آیا ہے۔ یہ بڑی برکت والا مہینہ ہے۔ اللہ نے اس میں تم پر روزے فرض کیے ہیں۔ اس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ اللہ نے اس میں ایک رات رکھی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ جو اس کی خیر سے محروم ہوا، وہ بہت بڑی خیر سے محروم ہوا۔'' [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ»

''جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔'' [3]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا رَمَضَانُ قَدْ جَاءَكُمْ تُفَتَّحُ فِيهِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَتُغَلَّقُ فِيهِ أَبْوَابُ النَّارِ، وَتُسَلْسَلُ فِيهِ الشَّيَاطِينُ»

---

[1] البقرة 2:185. [2] [حسن] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على معمر فيه، حديث: 2108، ومسند أحمد: 230/2 و385. [3] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، حديث: 3277، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل شهر رمضان، حديث: 1079.

”یہ رمضان تمھارے پاس آ گیا ہے، اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور اس مہینے میں شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔“ [1]

جناب عرفجہ کہتے ہیں کہ ہم عتبہ بن فرقد کی عیادت کے لیے ان کے پاس گئے۔ ہمارے درمیان ماہ رمضان کا ذکر چھڑ گیا۔ انھوں نے پوچھا: کس کی بات کر رہے ہو؟ ہم نے کہا: ماہ رمضان کی۔ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے:

«تُفْتَحُ فِيهِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَتُغْلَقُ فِيهِ أَبْوَابُ النَّارِ، وَتُغَلُّ فِيهِ الشَّيَاطِينُ، وَيُنَادِي مُنَادٍ كُلَّ لَيْلَةٍ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ! هَلُمَّ، وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ! أَقْصِرْ»

”اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ آگ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو طوق پہنا دیے جاتے ہیں۔ اور ہر رات ایک منادی کرنے والا اعلان کرتا ہے: اے خیر کے تلاش کرنے والے! آگے بڑھ، اور اے برائی کے چاہنے والے! باز آ جا۔“ [2]

رمضان گناہوں کی معافی کا مہینہ ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

”جس نے ایمان کی بنیاد پر رمضان کے روزے رکھے اور اجر و ثواب کی نیت رکھی، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“ [3]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ، إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ»

”پانچ نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعے تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان کے درمیان ہونے

[1] [صحيح] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على الزهري فيه، حديث: 2105، ومسند أحمد: 236/3.

[2] [حسن] سنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على معمر فيه، حديث: 2109، ومسند أحمد: 411/5. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان، حديث: 38 و2014، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 760. حدیث میں وارد إيماناً واحتساباً (ایمان اور اجر وثواب کی نیت سے روزے رکھنے) کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ پر ایمان اور اس کی تصدیق کی بنا پر روزے رکھے، خوش دلی سے رکھے اور ثواب کا امیدوار ہو کسی طرح انھیں ناپسند نہ کرنے والا ہو۔ نہ انھیں دشوار گردانے، نہ ان دنوں کو زیادہ طویل سمجھے۔ (شرح السنة: 218/6).

والے گناہوں کا کفارہ ہیں بشرطیکہ وہ کبائر سے بچے۔‘‘ [1]

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ، فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَى دَرَجَةً، قَالَ: آمِينَ، فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ قَالَ: آمِينَ. فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ قَالَ: آمِينَ. فَلَمَّا نَزَلَ، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ! لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَّا كُنَّا نَسْمَعُهُ قَالَ: إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَرَضَ لِي فَقَالَ: بُعْدًا لِّمَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ، قُلْتُ: آمِينَ، فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّانِيَةَ قَالَ: بُعْدًا لِّمَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ. قُلْتُ: آمِينَ، فَلَمَّا رَقِيتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: بُعْدًا لِّمَنْ أَدْرَكَ أَبَوَاهُ الْكِبَرَ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: آمِينَ»

’’منبر کے پاس آ جاؤ‘‘ ہم حاضر ہو گئے۔ جب آپ نے اس کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو کہا: آمین۔ دوسری پر قدم رکھا تو کہا: آمین۔ تیسری پر قدم رکھا تو کہا: آمین۔ جب آپ نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج ہم نے آپ سے ایسی چیز سنی ہے جو اس سے پہلے نہیں سنی، فرمایا: ’’جبرئیل علیہ السلام نے میرے پاس آ کر کہا تھا: دوری ہو اس کے لیے جس نے رمضان پایا اور پھر اس کی مغفرت نہ ہو۔ تو میں نے کہا: آمین۔ جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو اس نے کہا: دوری ہو اس کے لیے جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور پھر وہ آپ کے لیے درود نہ پڑھے۔ میں نے کہا: آمین۔ جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو اس نے کہا: دوری ہو اس کے لیے جس نے اپنے ماں باپ کو یا کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انھوں نے اسے جنت میں داخل نہ کیا۔ میں نے کہا: آمین۔‘‘ [2]

جو شخص توحید و رسالت کی شہادت دے، فرض نمازوں کی پابندی کرے، زکاۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے، وہ صدیقین اور شہداء میں شمار ہو گا: حضرت عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک شخص نبی علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فرمائیے کہ اگر میں اللہ کے ایک ہونے اور آپ کے

---

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن ما اجتنبت الكبائر، حديث: 233، ومسند أحمد: 400/2. اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ اگر بندہ کبیرہ گناہوں سے دور رہنے والا ہو تو اللہ اس کے صغیرہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اہل السنہ کا یہی مذہب ہے۔ اور کبیرہ گناہوں کی تلافی توبہ سے ہوتی ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل اور خاص دستگیری فرما دے۔ (تحفة الأحوذي: 535/1) [2] [صحيح] المستدرك للحاكم: 154,153/4.

رسول اللہ ہونے کی گواہی دوں، پانچ نمازیں پڑھوں، زکاۃ دوں، رمضان کے روزے رکھوں اور اس کا قیام کروں تو میں کن لوگوں میں سے ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: ''صدیق اور شہید لوگوں میں!'' [1]

سخاوت اور تلاوت سبھی ایام میں مستحب ہیں مگر رمضان میں ان کی پُر زور تاکید ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ لوگوں میں سب سے بڑھ کر امور خیر میں خرچ کرنے والے تھے۔ اور رمضان میں جب آپ سے جبریل علیہ السلام کی ملاقات ہوتی تو آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ اور رمضان میں آپ سے جبریل علیہ السلام کی ملاقات ہر رات ہوتی تھی، حتی کہ رمضان نکل جاتا تھا، نبی علیہ السلام انھیں قرآن سناتے تھے۔ جب جبریل علیہ السلام آپ سے ملتے تو آپ خیر کے کاموں میں خرچ کرنے میں آندھی سے بھی زیادہ تیز ہو جاتے تھے۔ [2]

روزہ افطار کرانے کا اجر: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا»

''جو شخص کسی روزے دار کا روزہ افطار کرائے گا، افطار کرانے والے کو روزے دار کے برابر اجر ملے گا اور روزے دار کے اجر میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ ہوگی۔'' [3]

آخری عشرے میں عملِ خیر میں بہت زیادہ کوشش کی ترغیب: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہو جاتا تو نبی ﷺ اپنی کمر کس لیتے، رات کو قیام کرتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ [4]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری عشرے میں جس قدر مشقت سے عبادت کرتے تھے، اس قدر مشقت دوسرے دنوں کی عبادت میں نہیں اٹھاتے تھے۔ [5]

---

[1] [صحیح] صحیح ابن حبان (الموارد)، حدیث: 19، نیز دیکھیے: صحیح الترغیب، والترهیب، حدیث: 1003. [2] صحیح البخاري، الصوم، باب أجود ماكان النبيﷺ يكون في رمضان، حديث: 1902 وصحيح مسلم، الفضائل، باب جوده ﷺ، حديث: 2308. [3] [صحيح] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في فضل من فطر صائمًا، حديث: 807. [4] صحيح البخاري، فضل ليلة القدر، باب العمل في العشر الأواخر من رمضان، حديث: 2024، وصحيح مسلم، الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان، حديث: 1174، حدیث کے الفاظ شَدَّ مِئْزَرَهُ (آپ اپنی کمر کس لیتے/ چادر کس لیتے) اس میں یہ کنایہ بھی ہے کہ اس دوران میں آپ اپنے اہل سے علیحدہ رہتے تھے۔ اور یہ مفہوم بھی ہے کہ آپ عبادت میں کمر بستہ رہتے تھے اور کسی طرح کی سستی کو پاس نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ (النهاية في غريب الحديث: 47/1. مادة: أزر.) [5] صحيح مسلم، الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان، حديث: 1174، وجامع الترمذي، الصوم، باب منه، حديث: 796.

روزے بتدریج فرض ہوئے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نماز تین مراحل میں فرض ہوئی ہے اور اسی طرح روزے بھی۔ رسول اللہ ﷺ ہر مہینے میں تین دن اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ ﴾

”تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ (روزے) گنتی کے چند دن ہیں، پھر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔“ [1]

یہ ایک مرحلہ تھا، پھر یہ حکم ربانی آ گیا:

تو جو روزے رکھنا چاہتا، رکھ لیتا اور جو روزے چھوڑنا اور ہر دن مسکین کو کھانا کھلانا چاہتا تو یہ اسے کفایت کر جاتا۔

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ ﴾

”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں ہیں، پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔“ [2]

چنانچہ روزے ان لوگوں کے لیے لازم ہو گئے جو اس مہینے میں حاضر (مقیم) ہوں۔ اور مسافر کے ذمے یہ رہا کہ قضا دے۔ اور جو بہت بوڑھے ہوں، روزہ رکھنے کے قابل نہ ہوں، ان کے ذمے رہا کہ کھانا کھلائیں۔ [3]

روزے کی شرطیں: (1) مسلمان ہونا: کافر کا روزہ صحیح نہیں۔ (2) عقل مند ہونا: کوئی شخص پاگل ہو تو اس کا روزہ بھی صحیح نہیں۔ (3) رات کو نیت کرنا: فرض روزے کے لیے رات ہی کو نیت کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر روزہ صحیح نہیں ہوتا۔ (4) کوئی مانع نہ ہو: مثلاً حیض اور نفاس والی عورت کا روزہ صحیح نہیں۔ (5) روزہ پورے وقت پر محیط ہونا

---

(1) البقرة 2 :184,183. (2) البقرة 2 :185. (3) [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان، حديث: 507.

چاہیے: یعنی صبح صادق سے لے کر سورج غروب ہونے تک۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ»

''تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سوئے ہوئے سے حتی کہ جاگ جائے، نابالغ بچے سے حتی کہ بالغ ہو جائے اور مجنون سے حتی کہ عقل مند ہو جائے۔'' [1]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟» قُلْنَ: بَلٰى، قَالَ: «فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا»

''کیا یہ بات نہیں کہ عورت جب خاص ایام کے مرحلے میں ہوتی ہے تو نماز پڑھتی ہے نہ روزے رکھتی ہے؟'' عورتوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: ''یہ اس کے دین کی کمی میں سے ہے۔'' [2]

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ»

''جس شخص نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہیں کی تو اس کا کوئی روزہ نہیں۔'' [3]

ایک عادل آدمی بھی چاند دیکھ لے تو رمضان کا روزہ واجب ہو جاتا ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ چاند دیکھنے لگے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے۔ تو آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ [4]

یا شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں تو روزہ رکھنا واجب ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، یا یوں کہا کہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أويصيب حدًا، حديث:4403، ومسند أحمد:100/6.
[2] صحيح البخاري، الحيض، باب ترك الحائض الصوم، حديث:304، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بنقص الطاعات......، حديث:79. [3] [حسن] سنن أبي داود، الصيام، باب النية في الصوم، حديث:2454، و جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء لاصيام لمن لم يعزم من الليل، حديث:730. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان، حديث:2342، و سنن الدارقطني:156/2.

«صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمِّيَ عَلَيْكُمُ الشَّهْرُ، فَعُدُّوا ثَلَاثِينَ»

”چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو، اگر مہینہ (چاند) تم سے اوجھل ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو۔“ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر کیا اور فرمایا:

«لَا تَصُومُوا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ، وَلَا تُفْطِرُوا حَتّٰى تَرَوْهُ، فَإِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوا لَهُ»

”چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو اور اسی طرح جب تک دیکھ نہ لو چھوڑو نہیں، اگر مہینہ (چاند) تم سے اوجھل ہو جائے تو اس کے لیے اندازہ لگا لو (حساب کرلو)۔“ [2]

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے لیے رخصت: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایسے بوڑھے مرد اور عورتیں جو روزہ رکھنے کی طاقت بھی رکھتی ہوں، انھیں اجازت دی گئی ہے کہ اگر چاہیں تو چھوڑ دیں اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، اور ان پر قضا نہیں ہے۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور یہ حکم آیا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط﴾

”پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے۔“ [3]

تاہم ایسے بوڑھے مرد اور عورتیں جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں جب انھیں خوف لاحق ہو جائے، ان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ افطار کریں اور روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ [4]

اس حکم میں، جس کا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا ہے، صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تائید دیگر صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حاملہ عورت کو کوئی اندیشہ ہو یا دودھ پلانے والی کو رمضان میں اپنے بچے کی صحت کے بارے میں کوئی فکر ہو تو یہ افطار کر سکتی ہیں اور یہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ ان پر روزے کی قضا نہیں ہے۔ [5]

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ: (إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا)، حديث: 1909، وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال والفطر لرؤية الهلال......، حديث: 1081. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ: (إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا)، حديث: 1906، وصحيح مسلم، الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال......، حديث: 1080. [3] البقرة 2:185. [4] [صحيح] تفسير الطبري، البقرة 2:184، حديث: 2260، وابن الجارود، حديث: 381. [5] [صحيح] تفسير الطبري، البقرة 2:184، حديث: 2265.

ان سے مزید مروی ہے کہ انھوں نے اپنی ایک ام ولد کو دیکھا جو حاملہ تھی یا بچے کو دودھ پلاتی تھی، اس سے فرمایا: تیری مثال اس شخص جیسی ہے جو روزے کی طاقت نہیں رکھتا، تجھے چاہیے کہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کر، تجھ پر کوئی قضا نہیں ہے۔[1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ایسی عورت جو حمل سے ہو اور اسے اپنے بچے پر نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کے روزے کا کیا حکم ہے تو انھوں نے فرمایا: وہ روزہ افطار کرے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو ایک مد گندم دے دیا کرے۔[2]

تفسیر طبری (جامع البیان) اور دارقطنی میں بھی ان کے یہ فتوے آئے ہیں کہ ایسی عورتیں روزہ چھوڑ سکتی ہیں، وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں، ان پر کوئی قضا نہیں۔[3]

اسی طرح جناب سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ط﴾[4] کی تفسیر میں مروی ہے کہ بڑی عمر کا آدمی جو روزے رکھتا رہا ہو لیکن اب بہت بوڑھا اور عاجز ہو گیا ہو، اس پر اور حاملہ پر روزہ نہیں ہے۔ یہ ہر روزے کے بدلے ایک مد گندم دیا کریں حتی کہ رمضان گزر جائے۔[5]

انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے شہسواروں نے ہم پر حملہ کر دیا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«اُدْنُ فَكُلْ» فَقُلْتُ: إِنِّي صَائِمٌ، فَقَالَ: «اُدْنُ أُحَدِّثْكَ عَنِ الصَّومِ أَوِ الصِّيَامِ: إِنَّ اللهَ تَعَالٰى وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ [الصَّوْمَ وَ] شَطْرَ الصَّلَاةِ، وَعَنِ الْحَامِلِ أَوِ الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ أَوِ الصِّيَامَ» وَاللهِ! لَقَدْ قَالَهُمَا النَّبِيُّ ﷺ كِلَيْهِمَا أَوْ إِحْدَاهُمَا، فَيَا لَهْفَ نَفْسِي! أَنْ لَّا أَكُونَ طَعِمْتُ مِنْ طَعَامِ النَّبِيِّ ﷺ

''نزدیک آؤ، اور کھاؤ۔'' میں نے عرض کیا کہ میں روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''قریب آ جاؤ، میں تمھیں روزے کے متعلق بتاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے مسافر پر روزہ اور آدھی نماز، اور حاملہ اور دودھ پلانے والی خاتون پر سے روزہ معاف کر دیا ہے۔'' قسم اللہ کی! نبی ﷺ نے یہ دونوں باتیں، یا ان میں سے ایک ارشاد فرمائی ہے۔ افسوس! میں نے آپ علیہ السلام کے کھانے سے کچھ کھانا کیوں نہ کھایا!''[6]

[1] [صحيح] تفسير الطبري، حديث: 2266، و سنن الدارقطني: 206/2. [2] [صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي: 230/4. [3] [حسن] سنن الدار قطني: 206/2، وتفسير الطبري، حديث: 2267. [4] البقرة 2:184. [5] [حسن] تفسير الطبري، حديث: 2270. [6] [حسن] سنن أبي داود، الصيام، باب اختيار الفطر، حديث: 2408، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في الرخصة في الإفطار للحبلٰى والمرضع، حديث: 715.

ایک شہر والے چاند دیکھ لیں تو دوسرے شہروں پر بھی ان کی موافقت لازم ہے: اس بارے میں صریح احادیث وارد ہیں کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھا جائے اور چاند دیکھ کر افطار کیا جائے جیسا کہ پہلے اس کے ذکر میں ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی احادیث بیان ہو چکی ہیں۔ اور یہ پوری امت سے خطاب عام ہے۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں میں سے جو شخص کہیں بھی کسی مقام پر چاند دیکھ لے تو یہ شہادت سب کے لیے کافی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ رؤیت سب کے لیے ہے۔ جناب کریب سے روایت ہے کہ ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے ان کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام کی طرف بھیجا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں شام پہنچا اور وہاں ام الفضل کا جو کام تھا، اسے پورا کیا۔ ابھی میں شام ہی میں تھا کہ رمضان کا چاند طلوع ہو گیا، اور یہ جمعے کی رات تھی جب چاند دیکھا گیا۔ پھر میں مہینے کے آخر میں مدینہ واپس آیا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے حال احوال پوچھا اور چاند کا معلوم کیا کہ تم نے کب دیکھا تھا۔ میں نے بتایا کہ ہم نے اسے جمعے کی رات کو دیکھا تھا۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا تم نے خود دیکھا تھا، میں نے کہا: جی ہاں، میرے علاوہ اور لوگوں نے بھی دیکھا تھا، انھوں نے روزہ رکھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی رکھا۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے تو ہفتے کی رات چاند دیکھا تھا۔ اور ہم اسی کے حساب سے روزے رکھیں گے حتی کہ تیس پورے ہو جائیں، یا (اس سے پہلے) چاند نظر آ جائے۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیکھنے اور روزہ رکھنے کو کافی نہیں سمجھتے؟ فرمایا: نہیں، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔[1]

محدث البانی رحمہ اللہ نے (تمام المنة، ص: 398 میں) سابقہ حدیث اور اس روایت میں بہت عمدہ تطبیق دی ہے۔ کہتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت اس شخص کے بارے میں ہے جس نے اپنے علاقے میں چاند دیکھا ہو، پھر اسے رمضان کے دوران میں اطلاع ملے کہ دوسرے شہر والوں نے ان سے پہلے چاند دیکھ لیا ہے، تو اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ اپنے شہر والوں کے ساتھ (جہاں مقیم ہے) روزے جاری رکھے حتی کہ تیس روزے پورے کیے جائیں، یا انھیں انتیس کو چاند نظر آ جائے۔ اس طرح اشکال کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا عموم بھی برقرار رہتا ہے، اور اس کا اطلاق ہر اس فرد پر ہوتا ہے جسے چاند نظر آنے کی خبر مل جائے، خواہ کسی شہر اور کسی بھی ملک میں نظر آئے، قطع نظر اس سے کہ ان شہروں میں کس قدر فاصلہ یا مسافت ہے، جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔[2]

[1] صحیح مسلم، الصیام، باب بیان أن لکل بلد رؤیتهم......، حدیث: 1087. [2] فتاوٰی لابن تیمیة: 107/25. یہ فتویٰ جمہور علماء کے مسلک کے موافق ہے جو اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کرتے جبکہ برصغیر کے بہت سے محققین اختلاف مطالع کا اعتبار کر کے اپنے مطلع کا لحاظ کرتے ہیں۔ (عبدالولی)

فرض روزے کے لیے فجر سے پہلے نیت کرنا لازم ہے: ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ لَّمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ»

''جس شخص نے فجر سے پہلے روزے کا عزم نہ کیا ہو، اس کا کوئی روزہ نہیں۔'' [1]

نفلی روزے کے لیے زوال سے پہلے تک نیت کی جا سکتی ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور دریافت فرمایا:

«هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟» ''کیا تمھارے پاس کچھ ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا:

«فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ» ''سو بیشک تب تو میں روزے دار ہوں۔''

اسی طرح آپ ایک اور موقع پر تشریف لائے، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمیں حَیس بطور ہدیہ بھیجا گیا ہے، آپ نے فرمایا:

«أَرِينِيهِ، فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا» ''مجھے دکھاؤ، میں نے تو روزے کی حالت میں صبح کی تھی۔''

چنانچہ آپ نے اسے تناول فرمالیا۔ [2]

وہ امور جن سے روزہ باطل ہو جاتا ہے

جان بوجھ کر کھانا پینا: جان بوجھ کر کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، مگر بھول کر ایسا ہو جائے تو معاف ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا نَسِيَ فَأَكَلَ وَشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ»

''جب کوئی شخص بھولے چوکے کچھ کھا پی لے، اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے، یہ تو اسے اللہ نے کھلایا پلایا ہے۔'' [3]

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الصيام، باب النية في الصوم، حديث:2454، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء لاصيام لمن لم يعزم من الليل، حديث: 730. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب جواز صوم النافلة بنية من النهار قبل الزوال......، حديث:1154. «فَإِنِّي إِذَنْ صَائِمٌ» اسی وقت سے إنشاءِ صَوم (روزہ شروع کرنے) میں صریح نہیں ہے۔ جبکہ «فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا» سے ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی تائید ہی ہو رہی ہے اور حفصہ رضی اللہ عنہا کی حدیث عام اور صریح ہے۔ نفلی روزے کے استثنا کے لیے بھی واضح صریح حدیث ہونی چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ ہر قسم کے روزے کے لیے نیت طلوعِ فجر سے پہلے ہونی چاہیے۔ (عبد الولی)

[3] صحيح البخاري، الصوم، باب الصائم إذا أكل أوشرب ناسيًا، حديث: 1933، وصحيح مسلم، الصيام، باب أكل »

جان بوجھ کر جماع کرنا: جانے بوجھے جماع کرنے سے بلاخلاف روزہ باطل ہو جاتا ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ کے پاس ایک آدمی آ کر کہنے لگا:

«يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَكْتُ، قَالَ: «مَا لَكَ؟» قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟» قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَكَثَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذٰلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيهَا تَمْرٌ - وَالْعَرَقُ: الْمِكْتَلُ - قَالَ: «أَيْنَ السَّائِلُ؟» فَقَالَ: أَنَا، قَالَ: «خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ»، فَقَالَ الرَّجُلُ: عَلٰى أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَوَاللهِ! مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا - يُرِيدُ الْحَرَّتَيْنِ - أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ»

"اے اللہ کے رسول! میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا: "کیا ہوا؟" اس نے کہا: میں نے اپنی اہلیہ سے ہم بستری کر لی جبکہ میں روزے سے تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا تو کوئی گردن ایسی پاتا ہے کہ اسے آزاد کر دے؟" اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: "کیا اتنی طاقت ہے کہ تو دو مہینے متواتر روزے رکھ سکے؟" اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: "کیا اتنی ہمت ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے؟" وہ بولا: نہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر وہ نبی ﷺ کے پاس ٹھہرا رہا، ابھی ہم اسی حال میں تھے کہ آپ کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا، اس میں کھجوریں تھیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: "سائل کہاں ہے؟" اس نے کہا: میں ہوں۔ آپ نے فرمایا: "یہ لو اور صدقہ کر دو۔" وہ کہنے لگا: کیا اپنے سے زیادہ محتاجوں پر، اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ان دو پتھریلے محلوں کے درمیان میرے گھر والوں سے بڑھ کر اور کوئی گھر فقیر نہیں ہے۔ یہ بات سن کر نبی ﷺ کو ہنسی آ گئی حتی کہ آپ کے نوکیلے دانت نظر آنے لگے، پھر آپ نے فرمایا: "اسے اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دے۔" [1]

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا:

◄ الناسي وشربه وجماعه لا يفطر، حديث: 1155. [1] صحيح البخاري، الصوم، باب إذا جامع في رمضان ولم يكن له شيءٌ فتصدق عليه فليُكفِّر، حديث: 1936، وصحيح مسلم، الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع في نهار رمضان على الصائم...... حديث: 1111.

«وَصُمْ يَوْمًا مَّكَانَهُ» ”اور اس کے بدلے ایک دن روزہ رکھ۔“ [1]

جان بوجھ کر قے کرنا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ ذَرَعَهُ قَيْءٌ وَّهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ، وَإِنِ اسْتَقَاءَ فَلْيَقْضِ»

”جو روزے دار ہو، اسے زور سے قے آ جائے تو اس پر قضا نہیں، اگر جان بوجھ کر خود قے کرے تو قضا دے۔“ [2]

روزوں میں وصال کرنا حرام ہے: یعنی دو یا تین دن کا مسلسل روزہ رکھنا اور افطار نہ کرنا حرام ہے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر شفقت فرماتے ہوئے انھیں روزوں میں وصال کرنے سے منع فرمایا تو لوگوں نے کہا: آپ تو وصال کرتے ہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا:

«إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي»

”میں تمھاری طرح نہیں ہوں، مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔“ [3]

انزالِ منی: انزالِ منی سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، کیونکہ ایسا بالعموم شہوانی جذبات کے زیر اثر ہوتا ہے، اور یہ اچھل کر نکلتی ہے، خواہ بیوی سے کھیل کود کے ذریعے سے ہو، مشت زنی سے ہو یا فکر اور نظر سے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ، فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ، وَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ - مَرَّتَيْنِ - وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِّيحِ الْمِسْكِ. يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي، اَلصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا»

”روزہ ڈھال ہے، روزے دار کو شہوانی باتیں نہیں کرنی چاہییں، نہ کوئی اور جہالت کی بات کرنی چاہیے۔ اگر کوئی اس سے لڑنے کی کوشش کرے یا گالی گلوچ پر اتر آئے تو چاہیے کہ وہ اسے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ دو بار کہے۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! روزے دار

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب كفارة من أتى أهله في رمضان، حديث: 2393، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ماجاء في كفارة من أفطر يومًا من رمضان، حديث: 1671. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب الصائم ليستقي عامدًا، حديث: 2380، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ما جاء في الصائم يقيء، حديث: 1676. [3] صحيح البخاري، الصوم، باب الوصال، حديث: 1964، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث: 1105.

کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بڑھ کر ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) آدمی اپنا کھانا، پینا اور شہوت میرے لیے چھوڑتا ہے، روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، اور ایک نیکی کا عوض دس گنا ہے۔'' [1]

دوسری روایت میں ہے:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ، اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللهُ: إِلَّا الصِّيَامَ فَهُوَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ الطَّعَامَ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ الشَّرَابَ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ لَذَّتَهُ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ زَوْجَتَهُ مِنْ أَجْلِي، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ حِينَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ»

''ابن آدم کے سب عمل اس کے لیے (واضح) ہیں، ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سوائے روزے کے، یہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، بندہ میرے لیے اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے، میرے لیے اپنی ہر لذت سے دستبردار ہوتا ہے، اپنی بیوی کو میرے لیے چھوڑتا ہے۔'' روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بڑھ کر ہے، روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی روزہ افطار کرنے کے وقت اور دوسری خوشی تب ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملے گا۔'' [2]

اس حدیث شریف کے یہ الفاظ کہ ''روزے دار اپنی شہوت (جذبات) کو میرے لیے چھوڑ دیتا ہے۔'' سے یہ استدلال کیا گیا ہے۔ اس جملے کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ روزہ رکھنے والا جہاں لذت کام و دہن سے پرہیز کرتا ہے وہیں جسم وجنس کے مطالبوں کو بھی خیر باد کہہ دیتا ہے اور دوران روزہ میں لذت وشہوت کے کام نہیں کرتا اور شہوت سے مراد شرم گاہ کی شہوت ہے اور اس کا مطلب منی کا انزال ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو، تو جب منی کا انزال ہو جائے تو اس کا روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا کرتے تھے۔ ساتھ لیٹ جایا کرتے تھے۔ مگر وہ اپنے جذبات پر پوری طرح قابو رکھنے والے تھے۔ [3]

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب فضل الصوم، حديث: 1894، وصحيح مسلم، الصيام، باب حفظ اللسان للصائم، حديث: 1151. [2] [صحيح] صحيح ابن خزيمة، حديث: 1897. [3] صحيح البخاري، الصوم، باب المباشرة، حديث: 1927، وصحيح مسلم، الصيام، باب بيان أن القبلة في الصوم ليست محرمة على من لم تحرك شهوته، حديث: 1106.

اور ایک دوسری روایت میں ہے: تم میں سے کون ہے جو اپنے جذبات پر قابو رکھ سکے جس طرح رسول اللہ ﷺ قابو رکھتے تھے۔[1]

اور اس روایت سے یہ استدلال کرنا کہ روزے دار شوہر کے لیے بوسہ لینا یا ساتھ لیٹ جانا جائز ہے تو اس کے نتیجے میں اگر انزال منی ہو تب بھی روزہ باطل نہ ہوگا، بالکل غلط ہے۔ کیونکہ نص میں بوسہ اور ساتھ لیٹ جانے کی اجازت سے آگے شرمگاہ کی شہوت ولذت کا حرام ہونا واضح ہے۔

حدیث میں وارد لفظ "أَرَب" اور "إِرْب" یعنی ہمزہ پر زبر اور زیر دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کے معنی حاجت نفس ہیں۔ تاہم "أَرَب" ہمزہ پر زبر ہو تو اس کا معنی عضو بھی ہے۔[2]

امام مازری رحمہ اللہ المعلم بفوائد مسلم (34,33/2:) میں لکھتے ہیں: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ نبی علیہ السلام صرف بوسے کی حد تک رہتے تھے، ان میں کامل خوداعتمادی تھی کہ وہ اس حد سے آگے نہیں جائیں گے۔ اس کے برعکس دیگر افرادِ امت میں سے کوئی شخص اس قدر اعتماد کا دعوی نہیں کر سکتا، لہٰذا چاہیے کہ بوسہ لینے والے کی حالت کا اعتبار کیا جائے۔ اگر اس کے اس عمل سے یہ نتیجہ مرتب ہو کہ اسے انزال ہو جائے گا، تو یہ اس کے لیے حرام ہوگا۔ کیونکہ انزال جو کسی تکلف اور عمد سے ہو، روزے دار کے لیے بہر حال حرام ہے۔ حتی کہ ودی یا مذی نکل آنے کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ قضا دے تو جو ان امور سے قضا واجب کہتے ہیں، ان کے نزدیک بوسے سے بھی دور رہنا واجب ہے۔ اور جو قضا مستحب سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک بوسہ نہ لینا مستحب ہوگا۔ اور اگر کسی کے لیے ایسی کوئی صورت واقع نہیں ہوتی، اس کے لیے کوئی ممانعت نہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ ممنوع عمل کا ذریعہ اور سبب بھی منع ہوتا ہے، پس اس جانب سے ممانعت لازم ٹھہرے گی۔

ایسے تمام آثار جن سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ انزال کے باعث روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ان کی دلالت غیر مسلم ہے، مثلاً:

1. حکیم بن عقال سے مروی ہے کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جب میں روزے سے ہوں تو مجھ پر میری بیوی کے وجود سے کیا حرام ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: اس کی شرم گاہ۔[3]
2. جناب مسروق کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ روزے دار مرد کے لیے اس کی بیوی کی

---

[1] صحيح مسلم، الصيام، باب بيان أن القبلة في الصوم ليست محرمة على من لم تحرك شهوته، حديث: 1106. [2] معالم السنن للخطابي: 98/2. [3] [صحيح] شرح معاني الآثار للطحاوي: 95/2، والسلسلة الصحيحة، حديث: 221.

ذات سے کیا حلال ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: سب کچھ، سوائے جماع کے۔ [1]

ان دونوں آثار سے جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی اور اس کے بدن سے تمتع کر سکتا ہے بشرطیکہ جماع کی حد تک نہ پہنچے۔ اور یہ سوال بھی بڑا واضح ہے کہ مرد کے لیے اپنی بیوی کے وجود سے کیا حلال ہے اور کیا حرام۔ یہاں یہ بات نہیں پوچھی گئی کہ آدمی اپنی ذات سے کہاں تک جا سکتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔ [2]

جناب عکرمہ سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک اعرابی آیا اور (بحالت روزہ) بیوی سے تعلقات کی حدود پوچھیں تو آپ نے اسے بوسہ لینے، ساتھ لیٹ جانے اور ہاتھ رکھ لینے کی رخصت دی، بشرطیکہ اس سے تجاوز نہ کرے۔ [3]

ان دونوں آثار میں بوسہ لینے اور ساتھ لیٹنے کی حد تک کا جواز ہے۔ اگر اس سے آگے پیش قدمی کی جائے اور انزال ہو جائے تو یہ معاملہ مباح کی حد سے نکل کر صریحًا حرام ہو جاتا ہے۔ اور روزے دار کے لیے انزال حرام ہے تو اگر جان بوجھ کر یہ کام کرتا ہے تو اس کا روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ جابر بن زید رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے رمضان میں اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور جذبات کی شدت کے تحت اسے انزال ہو گیا، تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا؟ تو انھوں نے کہا: نہیں، وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ [4]

اس اثر سے جو چیز نمایاں ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر محض دیکھنے ہی سے انزال ہو جاتا ہے، اس نے عمدًا یہ کام نہیں کیا تو اس کا روزہ صحیح ہے اور اس پر کوئی قضا نہیں ہے۔ جو عمدًا انزال کرے، اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کے ذمے قضا ہے، جماع والا کفارہ نہیں ہے، کیونکہ کفارہ صرف جماع کی صورت میں ثابت ہے۔ اور انزال منی کو جماع پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ جیسے کہ مذی یا ودی روزے کو فاسد نہیں کرتی کیونکہ ان کے نکلنے میں کسی طرح کی لذت نہیں اور نہ یہ زور سے اچھل کر نکلتی ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب «إرشاد الأمة إلى فقه الكتاب والسنة» (جزء الصوم) ملاحظہ فرمائی جائے تا کہ آپ ان اقوال سے آگاہ ہو سکیں جو اس بارے میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ پر ہمارے جوابات بھی واضح ہو جائیں گے۔ [5]

---

[1] [صحيح] المصنف لعبدالرزاق، حديث: 8439، و السلسلة الصحيحة، حديث: 221. [2] [صحيح] المصنف لعبدالرزاق، حديث: 8415. [3] المصنف لابن أبي شيبة: 62/3، والسلسلة الصحيحة، حديث: 221. [4] [حسن] صحيح البخاري، معلقًا، الصوم، باب المباشرة للصائم، حديث: 1927 [5] یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ کسی حدیث میں وجودِ شہوت یا انزالِ منی کو مفسدِ صوم نہیں قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں صرف جماع کو مفسدِ صوم قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ قول کہ »

روزہ جلدی افطار کرنا چاہیے: سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ»

''لوگ خیر میں رہیں گے جب تک کہ روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے۔''[1]

کس چیز سے افطار کرنا مستحب ہے؟ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز (مغرب) سے پہلے تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کیا کرتے تھے، تازہ کھجوریں میسر نہ ہوتیں تو چند عدد خشک کھجوریں کھا لیتے تھے، یہ بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیا کرتے تھے۔[2]

سحری تاخیر سے کھانا مستحب ہے: سحری کھانے کا عمل صبح صادق سے ذرا پہلے مکمل ہونا چاہیے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کی، پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، راوی نے پوچھا: آپ کی اذان اور سحری میں کتنا فرق تھا؟ کہا: تقریباً پچاس آیات پڑھنے کا۔[3]

روزے کی قضا کے احکام ومسائل

شرعی عذر کی بنا پر چھوڑے جانے والے روزے کی قضا ضروری ہے: جس نے شرعی عذر، یعنی سفر، مرض اور حیض وغیرہ سے روزہ چھوڑا ہو، اس پر واجب ہے کہ اس کی قضا دے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾

''پھر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے۔''[4]

»» انزال منی بغیر جماع کے مفسد صوم نہیں، الگ بات ہے اور روزے دار کا اپنی بیوی سے مباشرت (بوس وکنار) کرنا دوسری چیز ہے۔ جو لوگ شدید الشہوہ ہوں اور اپنے آپ پر کنٹرول نہ کر سکنے والے ہوں، ان کے لیے ایسی مباشرت سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ البتہ جماع کے بغیر انزال منی سے روزے کا ٹوٹنا محل نظر ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے تمام المنة، ص: 418، والسلسلة الصحيحة، حديث: 219-221 کے تحت، امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں اور امام ابن حزم نے المحلى: 175/6 میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ بغیر جماع کے انزال منی سے روزہ نہیں ٹوٹتا، تاہم یہ عمل بذات خود کیسا ہے، اس میں تفصیل ہے۔ (عبدالولی) [1] صحيح البخاري، الصوم، باب تعجيل الإفطار، حديث: 1957، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور وتأكيد استحبابه واستحباب تأخيره وتعجيل الفطر، حديث: 1098. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب مايفطر عليه، حديث: 2356، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء مايستحب عليه الإفطار، حديث: 696. [3] صحيح البخاري، الصوم، باب قدر كم بين السحور و صلاة الفجر؟ حديث: 1921، وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور وتأكيد استحبابه، واستحباب تأخيره وتعجيل الفطر، حديث: 1097. [4] البقرة 2:184.

حضرت معاذہ ؒ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے ام المؤمنین عائشہ ؓ سے پوچھا کہ ہم عورتیں اپنے مخصوص ایام کی نمازوں کی قضا دیں؟ تو انھوں نے کہا: کیا تو حروری فرقے (خوارج) سے ہے؟ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے دور میں یہ ایام آتے تھے مگر ہمیں ان (نمازوں) کی قضا دینے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ اور صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ میں یوں ہے کہ ہمیں یہ صورت حال پیش آتی تھی تو ہمیں روزوں کی قضا دینے کا حکم دیا جاتا تھا مگر نمازوں کی قضا دینے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔[1]

حَروری فرقہ ایک خارجی فرقہ ہے جس کی نسبت حروراء کی طرف ہوتی ہے۔ حروراء دراصل کوفہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ خارجی لوگوں کا پہلا اجتماع یہیں ہوا تھا تو ام المؤمنین عائشہ ؓ کے استفسار کا مفہوم یہ ہے کہ خارجی لوگ حائضہ عورتوں پر ایام حیض کی نمازوں کی قضا دینا لازم قرار دیتے تھے، ان کا یہ عمل حدیث نبوی اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے: ام المؤمنین عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی ؓ کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، انھوں نے نبی ﷺ سے پوچھا: کیا میں سفر میں روزہ رکھوں؟ آپ نے فرمایا:

«إِنْ شِئْتَ فَصُمْ، وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ» ''اگر چاہو تو رکھ لو اور چاہو تو چھوڑ دو۔''[2]

مجاہد کے لیے سفر جہاد میں روزہ چھوڑنا افضل ہے: اگر مسافر، سفر جہاد میں ہو اور اسے اپنے ہلاک ہونے یا قتال میں کمزوری کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑنا عین مطلوب ہے۔ ابوسعید ؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مکہ کی طرف سفر کیا، ہم روزے سے تھے، ہم نے ایک منزل پر پڑاؤ کیا، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ قَدْ دَنَوْتُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ، وَالْفِطْرُ أَقْوٰى لَكُمْ»، فَكَانَتْ رُخْصَةً، فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ أَفْطَرَ، ثُمَّ نَزَلْنَا مَنْزِلًا آخَرَ، فَقَالَ: «إِنَّكُمْ مُّصَبِّحُو عَدُوِّكُمْ، وَالْفِطْرُ أَقْوٰى لَكُمْ، فَأَفْطِرُوا» وَكَانَتْ عَزْمَةً، فَأَفْطَرْنَا، ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا نَصُومُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بَعْدَ ذٰلِكَ، فِي السَّفَرِ»

[1] صحيح البخاري، الحيض، باب لا تقضي الحائض الصلاة، حديث: 321، وصحيح مسلم، الحيض، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة، حديث: 335. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب الصوم في السفر والإفطار، حديث: 1943، وصحيح مسلم، الصيام، باب التخيير في الصوم والفطر في السفر، حديث: 1121.

''تم اپنے دشمن کے قریب آ گئے ہو، تمھارا روزہ چھوڑنا تمھارے لیے زیادہ تقویت کا باعث ہے۔'' یہ بات ہمارے لیے ایک رخصت تھی، ہم میں سے کچھ نے روزہ رکھا، کچھ نے افطار کیا، پھر ہم ایک دوسرے پڑاؤ پر اترے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا صبح کو دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے، اور روزہ نہ رکھنا تمھارے لیے زیادہ تقویت کا موجب ہے، لہٰذا روزہ چھوڑ دو۔'' آپ کا یہ فرمان ہمارے لیے عزیمت (وجوب) کا تھا، اس لیے ہم نے روزہ چھوڑ دیا، پھر ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے لوگوں کو دیکھا ہے کہ اس کے بعد بھی ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سفر میں روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔''[1]

روزوں کی فوری قضا دینا واجب نہیں بلکہ اس میں وسعت ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مجھ سے رمضان کے روزے رہ جاتے تھے اور میں شعبان کے علاوہ کسی اور وقت ان کی قضا نہ دے پاتی تھی۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں دلیل ہے کہ رمضان کی قضا دینے میں تاخیر جائز ہے، خواہ عذر کی بنا پر ہو یا بلا عذر۔[3] تاہم خیال رہے کہ اس بارے میں جلدی کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ عمل خیر میں جلدی کرنے اور ٹال مٹول سے بچنے کے عمومی دلائل کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد عالی ہے:

﴿ وَسَارِعُوٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''اور اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو۔''[4]

اور فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ ﴾

''یہی لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں، اور وہ ان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔''[5]

اسی طرح قضا دینے میں تسلسل بھی ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾ ''دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔''[6]

متفرق ایام میں یہ گنتی پوری کر لی جائے تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

امام ابو داود رحمہ اللہ کی کتاب ''المسائل'' (ص:95) میں آیا ہے، کہتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا۔ اس وقت ان سے رمضان کے روزوں کی قضا کے متعلق پوچھا گیا تھا، انھوں نے فرمایا: چاہے تو متفرق ایام میں دے یا مسلسل طور پر۔'' اور جس نے دیر کر دی حتی کہ دوسرا رمضان شروع ہو گیا، تب بھی اس کے ذمے انھی ایام کی

[1] صحيح مسلم، الصيام، باب أجر المفطر في السفر إذا تولى العمل، حديث: 1120، وسنن أبي داود، الصيام، باب الصائم يفطر، حديث: 2406. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب متى يقضى قضاء رمضان؟ حديث: 1950، وصحيح مسلم، الصيام، باب جواز تأخير قضاء رمضان مالم يجئ رمضان آخر......، حديث: 1146. [3] فتح الباري: 4/191. [4] آل عمران 3:133. [5] المؤمنون 23:61. [6] البقرة 2:185.

قضا ہے، خواہ یہ تاخیر اس کی تقصیر سے ہوئی ہو یا بلا تقصیر، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾ اس میں سوائے قضا دینے کے اور کچھ نہیں۔ اور ان دنوں سے زیادہ کی قضا اپنے ذمے لازم کرنا شریعت میں اضافہ ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو شریعت نے نہیں کہی اور آیت کریمہ کو اس کے ظاہر مفہوم سے پھیرنے والا کوئی قرینہ موجود نہیں۔ آیت کریمہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ قضا دینی واجب ہے۔ اس میں وسعت ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں۔ نہ قضا کے لیے کوئی آخری وقت متعین کیا گیا ہے۔

جس کے ذمے روزوں کی قضا ہو اس کے لیے نفلی روزے رکھنا جائز ہے: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ ﴾

”پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔“ [1]

یہ آیت دلیل ہے کہ قضائے رمضان میں وسعت ہے۔ جو مسلمان نفلی روزے رکھنا چاہے، مثلاً: عرفہ، عاشورہ یا ایام بیض وغیرہ کے روزے، جبکہ اس کے ذمے فرضی روزوں کی قضا بھی ہو، تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔ علمائے احناف اور شافعیہ یہی کہتے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح آئی ہے۔ البتہ نیک عمل اور واجب کی قضا دینے میں جلدی کرنا زیادہ پسندیدہ ہے اور جو روزے اس کے ذمے قرض ہیں، ان کی ادائیگی پہلے کرنا اولیٰ ہے۔

جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی یہ روزے رکھے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ»

”جو شخص فوت ہو گیا اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔“ [2]

ایسا شخص جو روزے رکھ سکتا ہو نہ قضا دے سکتا ہو، فدیہ دے: بہت بوڑھا جو روزے رکھ سکتا ہو نہ قضا دے سکتا ہو، وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے جناب عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ آیت پڑھتے سنا:

---

[1] البقرة 2:185. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب من مات وعليه صوم، حديث: 1952، وصحيح مسلم، الصيام، باب قضاء الصوم عن الميت، حديث: 1147. محققین کے نزدیک یہ نذر روزوں کے بارے میں ہے کہ اگر کسی نے روزوں کی نذر مانی ہو، پھر اس کی وفات ہو جائے تو ولی اس کی طرف سے نذر کے روزوں کی قضا دے۔ یہی بات عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ امام احمد، ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور شیخ البانی رحمہم اللہ سے بھی منقول ہے۔ دیکھیے: أحكام الجنائز للألباني، ص: 215 والموسوعة الفقهية الميسرة لحسين بن عودة: 330/3. (عبدالولی)

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ط﴾

''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔''[1]

انھوں نے کہا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد بڑی عمر کے بوڑھے مرد اور عورتیں ہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، تو ان کے لیے یہی ہے کہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے دیا کریں۔[2]

نفلی روزوں کا بیان

وہ روزے جو مستحب ہیں

شوال کے چھ روزے: جناب عمر بن ثابت خزرجی، ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال میں چھ روزے رکھے، اس نے گویا زندگی بھر روزے رکھے۔''[3]

وبل الغمام :1/520 میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ چھ روزے ماہ شوال میں ہونے چاہئیں، خواہ اس کے شروع میں ہوں یا درمیان میں یا آخر میں۔ ایسی کوئی شرط نہیں کہ یہ رمضان سے بالکل متصل ہوں، سوائے عید کے دن کے، اگرچہ بہتر یہی ہے۔ کیونکہ الفاظ حدیث اتباع (رمضان کے بعد) کا مفہوم سبھی صورتوں کو شامل ہے۔ اور بلا فصل متصل روزے رکھنے کی صورت میں عید کا دن شامل نہیں ہے کیونکہ عید کے دن کا روزہ کسی طرح جائز نہیں۔ اور یہ سمجھنا کہ مذکورہ اجر اسے ہی ملے گا جو یہ روزے شوال کے شروع میں رکھے تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شوال کے آخر میں بھی روزے رکھ لے تو اس نے یہ (حسب الفاظ نبوی) رمضان کے بعد شوال ہی میں رکھے ہیں، اور مطالبہ بھی یہی ہے۔''

ذوالحجہ کے نو روزے: ہنیدہ بن خالد رضی اللہ عنہ اپنی بیوی سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی سے روایت کرتی

[1] البقرة 2:184. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا...﴾، حديث: 4505. [3] صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صوم ستة أيام من شوال اتباعًا لرمضان، حديث: 1164، وسنن أبي داود، الصيام، باب في صوم ستة أيام من شوال، حديث: 2433.

ہیں: رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ کے نو، عاشورۂ محرم کا اور ہر مہینے تین دن، نیز ہر مہینے کی پہلی سوموار اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ [1]

محرم کے روزے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ، شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ، وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ، صَلَاةُ اللَّيْلِ»

''رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔ اور فرضوں کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔'' [2]

شعبان کے روزے: جناب ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے روزوں کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا: آپ اس طرح روزے رکھا کرتے تھے کہ ہم سمجھتے کہ اب نہیں چھوڑیں گے، پھر آپ چھوڑے رکھتے اور ہم کہتے کہ اب نہیں رکھیں گے۔ اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ شعبان سے بڑھ کر کسی اور مہینے میں زیادہ روزے رکھتے ہوں۔ آپ چند دنوں کے علاوہ گویا سارے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔ [3]

سوموار اور جمعرات کا روزہ: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ سوموار اور جمعرات کے روزے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ [4]

ایام بیض کے روزے: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثٌ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ، فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ»

''ہر مہینے تین روزے اور رمضان سے رمضان تک، یہ زمانے بھر (زندگی بھر) کے روزے ہیں۔'' [5]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب في صوم العشر، حديث: 2437. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب فضل صوم المحرم، حديث: 1163، وسنن أبي داود، الصيام، باب في صوم المحرم، حديث: 2429. [3] صحيح مسلم، الصيام، باب صيام النبي ﷺ في غير رمضان واستحباب أن لا يخلي شهر من صوم، حديث: 1156. [4] [صحيح] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في صوم يوم الاثنين والخميس، حديث: 745، ومسند أحمد: 6/80و89و106. [5] صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر......، حديث: 1162، وسنن أبي داود، الصيام، باب في صوم الدهر تطوعا، حديث: 2425، وسنن النسائي، الصيام، باب ذكر الاختلاف على أبي عثمان في حديث أبي هريرة في صيام ثلاثة أيام من كل شهر، حديث: 2410. مستحب ہے کہ مہینے کے تین روزے ایام بیض کے ہوں، نبی ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «يَا أَبَا ذَرٍّ! إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ» ''اے ابوذر! جب تم مہینے کے تین دن کے روزے رکھو تو 13، 14 اور 15 تاریخ کے روزے رکھو۔'' (جامع الترمذي، حديث: 761) (عبدالولی)

ایام بیض: ہر قمری مہینے کی وہ راتیں جو سفید، یعنی چاندنی راتیں ہوتی ہیں، ان کے دن ایام بیض کہلاتے ہیں۔ اور وہ ہر قمری مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ ہے۔

نفلی روزہ ایک دن رکھنا اور ایک دن افطار کرنا افضل ہے: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، شَطْرُ الدَّهْرِ، صُمْ يَوْمًا وَّأَفْطِرْ يَوْمًا»

"داود علیہ السلام کے روزوں سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں، آدھی زندگی کے روزے، لہٰذا تم ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔"[1]

یوم عرفہ اور عاشوراء کے روزے کی فضیلت: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ، وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ، وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ»

"یوم عرفہ کے روزے کے متعلق مجھے اللہ سے امید ہے کہ یہ اپنے سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد (کے گناہوں) کے لیے کفارہ ہوگا۔ اور یوم عاشوراء کے روزے کے متعلق مجھے اللہ سے امید ہے کہ یہ پچھلے سال (کے گناہوں) کے لیے کفارہ ہوگا۔"[2]

مکروہ روزے

صوم دہر: یعنی ہمیشہ لگا تار روزے رکھنا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے بارے میں اطلاع ملی کہ میں مسلسل روزے رکھتا ہوں اور رات بھر نماز پڑھتا رہتا ہوں۔ مجھے آپ نے بلوایا، یا میں خود آپ سے ملا۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُومُ وَلَا تُفْطِرُ وَتُصَلِّي؟ فَصُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَظًّا، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ وَأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَظًّا»

"(یہ) مجھے کیا خبر ملی ہے کہ تم روزے ہی رکھے جاتے ہو، افطار نہیں کرتے اور نماز ہی پڑھتے رہتے ہو؟

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم داود عليه السلام، حديث: 1980، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرربه، أوفوّت به حقا......، حديث: 1159. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر، وصوم يوم عرفة وعاشوراء والاثنين والخميس، حديث: 1162.

روزہ رکھو بھی اور افطار بھی کرو۔ قیام بھی کرو اور سویا بھی کرو۔ تمھاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمھاری جان کا اور گھر والوں کا تم پر حق ہے۔‘‘

میں نے عرض کیا: میں بلاشبہ اس کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

«فَصُمْ صِيَامَ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ» ’’تم داود علیہ السلام کا روزہ اختیار کرو۔‘‘

میں نے دریافت کیا: وہ کیسے؟ فرمایا: «كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا ، وَلَا يَفِرُّ إِذَا لَاقٰى»

’’وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ اور دشمن سے مڈبھیڑ کے وقت بھاگنے والے نہ تھے۔‘‘

میں نے کہا: میرے لیے اس (نہ بھاگنے کی خصلت) کا کون ضامن ہے؟ اے اللہ کے نبی! پھر نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْأَبَدَ»

’’جس نے ہمیشہ کا روزہ رکھا، اس نے کوئی روزہ نہیں رکھا (یہ آپ نے تین بار فرمایا۔)‘‘ [1]

صرف جمعے کے دن کا روزہ: محمد بن عباد کہتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے جمعے کے دن کے روزے سے منع کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ابو عاصم کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے کہا: یعنی اکیلا جمعے کے دن کا روزہ۔ [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَا يَصُومُ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ»

’’تم میں سے کوئی شخص (محض) جمعے کے دن کا روزہ نہ رکھے مگر اس طرح کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی ایک دن روزہ رکھے۔‘‘ [3]

ہفتے کے دن کا روزہ: صماء بنت بسر سلمی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب حقِّ الأهل في الصوم، حديث: 1977، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرربه أوفوت به حقا، أولم يفطر العيدين والتشريق، وبيان تفضيل صوم يوم وإفطار يوم، حديث: 1159.

[2] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم الجمعة، وإذا أصبح صائما يوم الجمعة فعليه أن يفطر، حديث: 1984، وصحيح مسلم، الصيام، باب كراهة إفراد يوم الجمعة بصوم لا يوافق عادته، حديث: 1143.

[3] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم الجمعة وإذا أصبح صائما يوم الجمعة فعليه أن يفطر، حديث: 1985، وصحيح مسلم، الصيام، باب كراهية إفراد يوم الجمعة بصوم لا يوافق عادته، حديث: 1144.

«لَا تَصُومُوا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ وَإِنْ لَّمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبٍ أَوْ عُودَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضَغْهُ»

''ہفتے کے دن کا روزہ مت رکھو، سوائے اس کے جو تم پر فرض کیا گیا ہے، اگر اس دن کسی کو صرف انگور کا چھلکا ملے یا کسی درخت کی کوئی شاخ میسر آئے تو اسے ہی چبالے۔''[1]

جن دنوں کا روزہ حرام ہے

عید کے دن کا روزہ: قزعہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سنی جو مجھے بہت بھلی معلوم ہوئی، میں نے ان سے پوچھا: کیا یہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے؟ تو انھوں نے کہا: کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسی بات کہوں گا جو میں نے نہیں سنی؟ میں نے آپ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے:

«لَا يَصْلُحُ الصِّيَامُ فِي يَوْمَيْنِ: يَوْمِ الْأَضْحٰى، وَيَوْمِ الْفِطْرِ مِنْ رَّمَضَانَ»

''دو دن ایسے ہیں کہ ان میں روزہ رکھنا درست نہیں، عید الاضحیٰ کے دن اور رمضان کے بعد عید الفطر کے دن۔''[2]

ایام تشریق (13,12,11 ذوالحجہ کے دن) کے روزے: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے فرزند اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں (کعب بن مالک رضی اللہ عنہ) اور اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ کو تشریق کے دنوں میں یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا: ''جنت میں مومن کے علاوہ اور کوئی داخل نہیں ہوگا اور منیٰ کے دن کھانے پینے کے دن ہیں۔''[3]

منیٰ کے دنوں سے مراد یہی یوم النحر (قربانی کا پہلا دن) اور اس کے بعد تشریق کے دن ہیں، یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ۔

حج تمتع والا قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ ایام تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے، سوائے اس

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب النهي أن يخص يوم السبت بصوم، حديث:2421، وجامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في صوم يوم السبت، حديث: 744. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم الفطر، حديث: 1991، وصحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم يومي العيدين، حديث: 827 بعد الحديث: 1138 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم أيام التشريق، و بيان أنها أيام أكل و شرب و ذكر الله عزوجل، حديث: 1142.

شخص کے جو قربانی نہ کر سکتا ہو۔ [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ جو شخص حج میں تمتع کرے اور قربانی (کی استطاعت) نہ پائے تو یوم عرفہ تک روزہ رکھ لے۔ اگر نہ رکھ سکا ہو تو منیٰ کے دنوں میں رکھ لے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [2]

شک کے دن کا روزہ رکھنا: جناب صلہ سے روایت ہے کہ ہم عمار رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ ان کے پاس بکری کا بھنا ہوا گوشت لایا گیا، انھوں نے کہا: کھاؤ، تو ایک آدمی ایک طرف ہو گیا اور بولا کہ میں روزے سے ہوں۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا، اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ [3]

رمضان کے استقبالی روزے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمًا، فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ»

”تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے ہرگز روزہ نہ رکھے، مگر اس صورت میں کہ کوئی اس دن کا روزہ رکھا کرتا ہو تو رکھ لے۔“ [4]

اعتکاف

اعتکاف کے مسنون ہونے کی دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ﴾

”اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھو تو اپنی عورتوں سے ہم بستری نہ کرو۔“ [5]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف کیا کرتے تھے حتی کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی، پھر آپ کی ازواج اعتکاف کرنے لگیں۔ [6]

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب صيام أيام التشريق، حديث: 1997، 1998. [2] صحيح البخاري، الصوم، باب صيام أيام التشريق، حديث: 1999. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الصيام، باب كراهية صوم يوم الشك، حديث: 2334، و جامع الترمذي، الصوم، باب ما جاء في كراهية صوم يوم الشك، حديث: 686. [4] صحيح البخاري، الصوم، باب لا يتقدم رمضان بصوم يوم ولا يومين، حديث: 1914، و صحيح مسلم، الصيام، باب لا تقدموا رمضان بصوم يوم ولا يومين، حديث: 1082. [5] البقرة 2:187. [6] صحيح البخاري، الاعتكاف، باب الاعتكاف في العشر الأواخر،

مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی میں کسی بھی وقت اعتکاف کیا جا سکتا ہے: جناب ابو وائل سے منقول ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: (یہ کیا بات ہے کہ) آپ کے اور ابو موسیٰ کے گھروں کے درمیان (مسجد کوفہ میں) اعتکاف ہو رہا ہے؟ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اعتکاف صرف تین مساجد میں ہے۔'' عبداللہ نے کہا: ممکن ہے آپ بھول رہے ہوں اور انھیں صحیح بات یاد ہو، یا کہا: شاید آپ کو بھول چوک ہو رہی ہو اور ان کا عمل درست ہو۔ [1]

اس کی سند شرط بخاری کے مطابق ہے اور بعض سلف نے اس پر عمل کیا ہے۔

چنانچہ مصنف عبدالرزاق (حدیث: 8019) میں جناب عطاء سے بسند صحیح مروی ہے کہ ''مسجد مکہ اور مسجد مدینہ کے علاوہ کہیں اعتکاف نہیں۔'' [2] اسی طرح ابن مسیب سے منقول ہے کہ اعتکاف کسی نبی ہی کی مسجد میں ہو سکتا ہے۔ [3] اور مسجد نبی سے مراد تین مساجد ہیں، یعنی بیت اللہ، مسجد نبوی اور بیت المقدس۔

رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا ایک تاکیدی عمل ہے: رمضان بالخصوص آخری عشرے میں اعتکاف کی بڑی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ یہ مسئلہ کچھ ہی پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بیان ہوا ہے۔

رمضان کے آخری عشرے میں عبادت کا خوب اہتمام کرنا چاہیے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آخری عشرہ شروع ہو جاتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کس لیتے تھے، راتوں کو جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ [4]

جن راتوں میں لیلۃ القدر ہونے کا غالب گمان ہو ان میں قیام کرنا مزید تاکیدی مستحب ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جس نے ایمان اور اجر وثواب کی نیت سے لیلۃ القدر کا قیام کر لیا، اس کے پچھلے گناہ معاف کر

---

[1] [صحیح] السنن الکبریٰ للبیهقي: 4/316، وسیر أعلام النبلاء للذهبي: 15/81. [2] المصنف لابن أبي شیبة: 2/338، والمصنف لعبد الرزاق، حدیث: 8008. [3] اعتکاف مسجد ہی میں مسنون ہے، سورۂ بقرہ کی آیت: 187 اس کی دلیل ہے، تاہم کامل اعتکاف اور زیادہ ثواب والا اعتکاف وہی ہے جو تین مساجد (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) میں سے کسی ایک میں ہو اور بشرط صحت حدیث حذیفہ کا یہی مطلب ہے، حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس حدیث کو بعض محققین نے سفیان بن عیینہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ واللّٰہ أعلم. (عبدالولی) [4] صحیح البخاري، فضل لیلة القدر، باب العمل في العشر الأواخر من رمضان، حدیث: 2024، وصحیح مسلم، الاعتکاف، باب اعتکاف العشر الأواخر من رمضان، حدیث: 1171.

دیے جاتے ہیں۔‘‘ [1]

لیلۃ القدر کی دعا: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! اگر مجھے لیلۃ القدر کا علم ہو جائے تو میں کیا دعا کروں؟ تو آپ نے فرمایا: تم یہ کہنا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ عَفُوٌّ [كَرِيمٌ] تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي»

’’اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے، بہت کرم کرنے والا ہے، معافی کو پسند فرماتا ہے، لہٰذا مجھے بھی معاف فرما دے۔‘‘ [2]

معتکف کے لیے مقام اعتکاف سے بلاضرورت باہر نکلنا ممنوع ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایام اعتکاف میں) مسجد میں ہوتے ہوئے اپنا سر میری طرف جھکا دیتے تھے اور میں کنگھی کر دیتی تھی۔ آپ صرف کسی حاجت ہی کی وجہ سے گھر میں آتے تھے۔ [3]

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب قيام ليلة القدر من الإيمان، حديث: 35، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 760. ‹‹ مسلم، الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمضان، حديث: 1174. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الدعوات، باب في فضل سؤال العافية والمعافاة، حديث: 3513، وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب الدعاء بالعفو والعافية، حديث: 3850. [3] صحيح البخاري، الاعتكاف، باب لا يدخل البيت إلا لحاجة، حديث: 2029، وصحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها و ترجيله و طهارة سؤرها......، حديث: 297.

زکاۃ کے احکام و مسائل

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ
(التوبة 9:103)

احکام زکاۃ

دین میں زکاۃ کی اہمیت: زکاۃ ایک شرعی فریضہ اور دین اسلام کا بنیادی رکن ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"[1]

زکاۃ کی فضیلت اور اس کی ترغیب: اس عبادت کا نام (زکاۃ) ہی بجائے خود اس کی فضیلت کی دلیل ہے، اس طرح کہ زکاۃ کے لفظی معنی ہی پاکیزگی اور بڑھوتری کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

"(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے جس کے ذریعے سے آپ انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کے لیے دعا کریں، بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔"[2]

انسان غنی ہو یا فقیر، زکاۃ اسے نفسیاتی طور پر پاک کرنے کے علاوہ اس کا مال بڑھانے کا باعث اور فلاح کی ضمانت ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿ وَمَاۤ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝﴾

"اور تم اللہ کا چہرہ چاہتے ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دو، تو ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔"[3]

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم......، حديث:8، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الإسلام و دعائمه العظام، حديث: 16 واللفظ له. [2] التوبة 103:9. [3] الروم 39:30.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، وَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ، حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ»

”جس نے حلال کمائی سے ایک کھجور برابر صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ حلال (اور) پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ کے ساتھ قبول کرتا ہے، پھر اسے دینے والے کے لیے پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنا بچھڑا پالتا ہے، حتی کہ وہ پہاڑ کی طرح بڑھ جائے گا۔“ [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِّلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ»

”صدقہ مال میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں کرتا اور معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو اللہ کے لیے تواضع اور انکساری اختیار کرے تو اللہ اس کا مقام بلند ہی کرتا ہے۔“ [2]

عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر جلدی سے اٹھے، گھر تشریف لے گئے، پھر فوراً ہی واپس آ گئے۔ میں نے عرض کیا، یا کسی اور نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ”میں گھر میں صدقے میں آیا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا چھوڑ آیا تھا، مجھے ناگوار گزرا کہ وہ رات بھر میرے ہاں رہے، اس لیے میں نے اسے تقسیم کر دیا۔“ [3]

صدقہ اور زکاۃ ہم معنی الفاظ ہیں: زکاۃ (بمعنی صدقہ) کا لفظ قرآن مجید میں تیس (30) بار آیا ہے۔ اور ستائیس (27) مقامات پر اسے نماز کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ [4]

صرف تین مقامات ایسے ہیں جہاں اس کا مجرد ذکر کیا گیا ہے:

سورۂ اعراف میں: ﴿فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ﴾

”چنانچہ جلد ہی میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں۔“ [5]

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب ......، حديث: 1410، وصحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و تربيتها، حديث: 1014. [2] صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حديث: 2588، وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في التواضع، حديث: 2029. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها، حديث: 1430. [4] دیکھیے: المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم، ص: 421,420. [5] الأعراف 156:7.

سورۂ روم میں: ﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ ﴾

''اور تم اللہ کا چہرہ چاہتے ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دو، تو ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔''[1]

سورۂ فصلت (حٰمٓ السجدة) میں: ﴿ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾

''جو زکاۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔''[2]

خیال رہے کہ ان سبھی تیس مقامات پر زکاۃ سے مراد وہی فرض زکاۃ ہے جس کا نصاب اور مقدار شریعت میں بتا دی گئی ہے۔ اور لفظ الصدقة اور الصدقات قرآن مجید میں تیرہ بار آیا ہے۔ پانچ بار صدقة، سات بار الصدقات اور ایک بار صدقاتکم۔ سورۂ بقرہ میں الصدقة مسکین کو کھانا کھلانے کے معنوں میں بھی آیا ہے، یعنی جب کوئی شخص حالتِ احرام میں اپنا سر منڈا لے تو اس کے ذمے یہ کفارہ ہے: ﴿ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ ﴾

''پس اس کے ذمے فدیہ ہے روزے یا صدقہ یا قربانی۔''[3]

* اور صدقہ بمعنی فرض زکاۃ بھی آیا ہے۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

''(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کے لیے دعا کریں، بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''[4]

* اور سورۂ توبہ میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

''زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے اور قرضہ داروں (کے قرض اتارنے) کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں، (یہ) اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔''[5]

اور دیگر تمام مقامات پر فرض اور نفل دونوں معانی میں آیا ہے۔ اسی طرح احادیث نبویہ میں غور کرنے سے بھی

[1] الروم 39:30. [2] حٰمٓ السجدة 7:41. [3] البقرة 196:2. [4] التوبة 103:9. [5] التوبة 60:9.

یہی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مقامات پر اس سے مراد فرض ہے اور کہیں فرض اور نفل دونوں مراد ہیں اور کہیں صرف نفل کے معنوں میں ہے۔ الغرض صدقہ اور زکاۃ بحیثیت نام کے دو الفاظ لیکن باعتبار مفہوم ایک ہی معنی کے حامل ہیں۔

زکاۃ کب فرض ہوئی؟ صدقے کے مفہوم میں زکاۃ آغازِ اسلام ہی میں واجب کر دی گئی تھی لیکن اس کا کوئی نصاب اور مقدار مقرر نہ تھی۔ اور ان معنوں میں مکی دور میں بہت سی آیات نازل ہوئی تھیں، مثلاً: سورۂ نمل کی ابتدائی آیات:

﴿ طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝﴾

"﴿ طٰسٓ ﴾، یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیات ہیں۔ (یہ) ہدایت اور بشارت ہے (ان) مومنوں کے لیے۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔"[1]

جب مدنی دور شروع ہوا تو ہجرت کے دوسرے سال موجودہ معروف زکاۃ فرض ہوئی جس کے لیے خاص نصاب اور مقدار متعین ہے۔

زکاۃ دینے کی ترغیب اور نہ دینے پر وعید: سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝﴾

"اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے بہت کچھ دیا ہے اور وہ اس میں کنجوسی کرتے ہیں تو وہ اس (بخل) کو اپنے لیے ہرگز بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے لیے بہت برا ہے۔ جس مال میں انھوں نے کنجوسی کی، قیامت کے دن اسی کے انھیں طوق پہنائے جائیں گے۔ اور آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ ہی کی ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔"[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو انھیں تاکید فرمائی:

«إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ

[1] النمل 27:1-3. [2] آل عمران 3:180.

أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»

''تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہے، انھیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی حق معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ یہ مان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ تیری یہ بات مان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مال داروں سے لے کر ان کے فقیروں میں واپس کر دیا جائے گا۔ اگر وہ تیری یہ بات مان لیں تو ان کے قیمتی مال سے دور رہنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، بلاشبہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔'' [1]

سورۂ توبہ میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝﴾

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو آپ انھیں درد ناک عذاب کی خبر سنا دیں۔ جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا:) یہ وہ (مال) ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا، لہٰذا (اب اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے رہے تھے۔'' [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ صَاحِبِ كَنْزٍ لَّا يُؤَدِّي زَكَاتَهُ إِلَّا أُحْمِيَ عَلَيْهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُجْعَلُ صَفَائِحَ، فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبَاهُ وَجَبِينُهُ، حَتّٰى يَحْكُمَ اللهُ بَيْنَ عِبَادِهِ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، ثُمَّ يُرٰى سَبِيلُهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ، وَمَا مِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ لَّا يُؤَدِّي زَكَاتَهَا إِلَّا بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، كَأَوْفَرِ مَا كَانَتْ، تَسْتَنُّ عَلَيْهِ، كُلَّمَا مَضٰى عَلَيْهِ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، حَتّٰى يَحْكُمَ اللهُ بَيْنَ عِبَادِهِ، فِي

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، حديث: 1395، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، حديث: 19، وسنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1584 واللفظ له. [2] التوبة 9:34، 35.

يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، ثُمَّ يُرٰى سَبِيلُهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ، وَمَا مِنْ صَاحِبِ غَنَمٍ لَا يُؤَدِّي زَكَاتَهَا، إِلَّا بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، كَأَوْفَرِ مَا كَانَتْ، فَتَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا وَتَنْطِحُهُ بِقُرُونِهَا، لَيْسَ فِيهَا عَقْصَاءُ وَلَا جَلْحَاءُ، كُلَّمَا مَضٰى عَلَيْهِ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا، حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَ عِبَادِهِ، فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ، ثُمَّ يُرٰى سَبِيلُهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ»

''جو خزانے والا اس کی زکاۃ نہ دیتا ہو، اس کا خزانہ جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس کی چپٹی سلیٹیں بنائی جائیں گی، پھر ان کے ساتھ اس کے پہلو اور ماتھا داغا جائے گا (اور اسے یہ عذاب ہوتا رہے گا) حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں اس دن فیصلہ فرمائے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، پھر اسے جنت یا جہنم کی طرف راہ دکھائی جائے گی۔ اور جس اونٹوں والے نے ان کی زکاۃ نہیں دی ہوگی، اسے ایک چٹیل میدان میں اوندھا لٹا دیا جائے گا، پھر اس کے اونٹ اسے روندیں گے، اور یہ اونٹ بھی پہلے کی نسبت خوب موٹے تازے اور بھاری ہوں گے، جب ان کی قطار ختم ہو جائے گی تو پھر دوبارہ شروع کر دی جائے گی حتی کہ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے بندوں کے فیصلے سے فارغ ہو جائے گا، جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، پھر اسے اس کی راہ دکھائی جائے گی جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔ اور جو بکریوں والا ان کی زکاۃ نہیں دیتا تو اسے صاف چٹیل میدان میں اوندھا لٹایا جائے گا اور وہ بکریاں آئیں گی جبکہ وہ اس سے زیادہ فربہ ہوں گی جتنی کہ وہ پہلے تھیں، وہ اسے اپنے کھروں سے روندیں گی اور اپنے سینگوں سے ماریں گی، ان میں نہ کوئی مڑے سینگوں والی ہوگی اور نہ بغیر سینگوں والی، جب ان کی پچھلی اس پر سے گزر جائے گی تو پہلی کو پھر اس پر لوٹا دیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے اس حساب سے جو تم شمار کرتے ہو، پھر اسے اس کی راہ دکھائی جائے گی، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔'' [1]

منکرِ زکاۃ کی سزا: زکاۃ اسلام کا بنیادی رکن اور اہم دینی فریضہ ہے، جس کی فرضیت پر امت کا اتفاق ہے۔ اگر کوئی اس کی فرضیت کا انکاری ہو تو وہ اسلام سے خارج ہے اور بطور کافر واجب القتل ہے، الا یہ کہ کوئی نومسلم ہو، اسے احکامِ اسلام کی کما حقہ معرفت نہ ہو، اسے اس کے عذر کی وجہ سے معاف کیا جا سکتا ہے، لیکن کوئی فرضیت زکاۃ

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، حديث: 987، ومسند أحمد: 383/2.

کا قائل ہوتے ہوئے زکاۃ ادا نہ کرتا ہو تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس کا یہ عمل اسے اسلام سے تو خارج نہیں کرے گا، لیکن مجاز حاکم کی ذمہ داری ہے کہ اس سے بزور قوت زکاۃ وصول کرے، بلکہ اس کا آدھا مال بھی بطور سزا اور جرمانہ ضبط کر لے۔ جناب بہز بن حکیم اپنے والد سے، وہ بہز کے دادا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فِي كُلِّ إِبِلٍ سَائِمَةٍ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ، لَا يُفَرَّقُ إِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا، مَنْ أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا فَلَهُ أَجْرُهَا، وَمَنْ أَبَى فَإِنَّا آخِذُوهَا، وَشَطْرَ إِبِلِهِ عَزْمَةٌ مِّنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا، لَا يَحِلُّ لِآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْهَا شَيْءٌ»

”ہر چالیس اونٹوں میں، جو چرنے والے ہوں، ایک بنت لبون (دو سالہ اونٹنی) ہے اور انھیں ان کے حساب سے جدا جدا نہ کیا جائے۔ جو شخص اللہ کی ذات عالی سے اجر و ثواب لینے کی نیت سے دے گا تو اس کے لیے اس کا اجر ہے۔ اور جو روکے گا تو ہم اس سے زکاۃ بھی وصول کریں گے اور مزید آدھے اونٹ بھی، یہ ہمارے رب تعالیٰ کے واجبات میں سے ایک لازمی حق ہے، آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں سے کچھ بھی حلال نہیں۔“[1]

اور اگر کسی قوم کے لوگ اس کی فرضیت کے قائل ہونے کے باوجود نہ دیں اور وہ ہٹ دھرم اور زور آور ہوں تو ان سے اس سلسلے میں جنگ ہوگی حتی کہ وہ ادا کرنے لگیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں حتی کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی حق معبود نہیں اور یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے تو مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کر لیں گے مگر یہ کہ اسلام کا کوئی حق ہو اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“[2]

[1] [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1575، وسنن النسائي، الزكاة، باب عقوبة مانع الزكاة، حديث: 2446 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾، حديث: 25، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله محمد رسول الله......، حديث: 22.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو عرب کے کچھ قبیلے کافر ہو گئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ تَعَالٰى»

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں حتی کہ وہ لا إله إلا الله کہہ دیں۔ تو جس نے لا إله إلا الله کہہ دیا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان محفوظ کر لی، الا یہ کہ اسلام کا کوئی حق ہو اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔''[1]

اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرے گا، بلاشبہ زکاۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر انھوں نے بکری کا وہ بچہ بھی روکا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں اس پر بھی ان سے جنگ کروں گا، عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم!، اللہ نے ابوبکر کا سینہ جنگ کے لیے کھول دیا، میں بھی اچھی طرح سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے۔

زکاۃ ادا کرنے کی برکات: قحط سے تحفظ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف تشریف لائے اور فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ! خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوذُ بِاللهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ .... وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا»

''اے جماعتِ مہاجرین! پانچ باتیں ہیں، اگر تم ان میں مبتلا ہو گئے اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم انھیں پاؤ...... اگر لوگوں نے اپنے مالوں کی زکاۃ روکی تو ان کے لیے آسمان سے پانی برسنا بند ہو جائے گا، اگر جانور نہ ہوں تو انھیں بارش (ہی) نہ دی جائے۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، حديث: 1400,1399، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله محمد رسول الله و يقيموا الصلوة ويؤتوا الزكاة، حديث: 20 واللفظ له. [2] [حسن] سنن ابن ماجه، الفتن، باب العقوبات، حديث: 4019، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 106. مکمل حدیث کا ترجمہ یہ ہے: ''جس قوم میں بدکاری پھیل جائے حتیٰ کہ وہ اسے سر عام کرنے لگیں تو ان میں طاعون پھیل جائے گا اور ایسی ایسی بیماریاں پھوٹ پڑیں گی جو ان سے پہلوں میں (کبھی) نہ آئی ہوں گی اور جس قوم میں ناپ تول کی کمی آ جائے، اس پر قحط مسلط ہو جائے گا، وہ حالات کی سختی سے »

نیکی کے حصول کا بہترین ذریعہ: سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾

''تم ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے جب تک ان چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جنھیں تم پسند کرتے ہو۔'' [1]

زکاۃ دینے والے کے لیے نعم البدل کا وعدہ: سورۂ سبا میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ ﴾

''اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو تو وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔'' [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»

''کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ لوگ اس میں صبح کرتے ہوں مگر دو فرشتے اترتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عنایت فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! روکنے والے (بخل کرنے والے) کا مال تلف کردے۔'' [3]

اللہ کی رحمت میں داخلہ: سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾

''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور ان کے لیے بھی جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' [4]

خسارے سے تحفظ: ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس پہنچا، آپ

» دوچار ہوگی اور اپنے حکام کے ظلم وستم کا نشانہ بنے گی اور اگر کوئی قوم اپنے اموال کی زکاۃ نہ دے گی تو اس کے لیے آسمان سے پانی روک لیا جائے گا۔ اگر جانور نہ ہوں تو بارش بالکل ہی نابود ہو جائے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا عہد توڑیں گے ان پر باہر سے دشمن مسلط کر دیا جائے گا جو ان کی جمع پونجی چھین لے گا۔ اور جب ان کے حکام کتاب اللہ کے ذریعے سے فیصلے نہیں کریں گے اور اللہ کے نازل کردہ احکام سے روگردانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے مابین لڑائی ڈال دے گا۔'' [1] آل عمرٰن 3:92. [2] سبا 34:39.

[3] صحیح البخاري، الزكاة، باب قول الله تعالى: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ ...﴾، حديث: 1442، وصحيح مسلم، الزكاة، باب في المنفق والممسك، حديث: 1010. [4] الأعراف 7:156

کعبہ کے سائے میں تھے اور کہہ رہے تھے:

«هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ! هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ!»، قُلْتُ: مَا شَأْنِي؟ أَيُرٰى فِيَّ شَيْءٌ؟ مَا شَأْنِي؟ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ - فَمَا اسْتَطَعْتُ أَنْ أَسْكُتَ - وَتَغَشَّانِي مَاشَاءَ اللهُ، فَقُلْتُ: مَنْ هُمْ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «اَلْأَكْثَرُونَ أَمْوَالًا إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا»

''یہی لوگ گھاٹے والے ہیں، اللہ کی قسم! یہی لوگ گھاٹے والے ہیں، اللہ کی قسم!'' میں نے دل میں سوچا میں نے کیا کیا ہے؟ کیا مجھ میں کوئی چیز دکھائی دی ہے؟ (آخر) میں نے کیا کیا ہے؟ (بہرحال) میں آپ کے پاس بیٹھ گیا اور آپ مسلسل یہی جملہ کہے جا رہے تھے، مجھ سے خاموش نہ رہا گیا اور اللہ کی منشا سے مجھ پر ایک کیفیت چھا گئی تھی، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، یہ کون ہیں (جو گھاٹے میں ہیں؟) آپ نے فرمایا: ''یہی جو زیادہ مال والے ہیں، (پھر دست مبارک سے دائیں بائیں اور آگے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:) سوائے اس کے جو یوں کرے اور جو یوں کرے اور یوں کرے ضرورت مندوں کو مال دے۔''[1]

زکاۃ کس پر واجب ہے؟ زکاۃ ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے جو نصاب کا مالک ہو اور اس نصاب پر ایک سال گزر جائے، سوائے نباتات کے، ان کی زکاۃ اس وقت لازم ہوتی ہے جب انھیں کاٹ لیا جائے اور ان کی مقدار نصاب کو پہنچتی ہو، سورۂ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ''اور ان کی کٹائی اور چنائی کے دن اس (اللہ) کا حق دے دیا کرو۔''[2]

حیوانات کی زکاۃ

اونٹوں کی زکاۃ اور ان کا نصاب

* اونٹ جب پانچ ہوں تو ان پر ایک بکری زکاۃ ہے اور اس کے بعد ہر پانچ پر ایک بکری ہے اور جب یہ پچیس ہو

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب: كيف كانت يمين النبيﷺ؟ حديث:6638، وصحيح مسلم، الزكاة، باب تغليظ عقوبة من لا يؤدي الزكاة، حديث:990. [2] الأنعام 141:6.

جائیں تو ان پر ایک بنتِ مَخاض ہے (ایک سالہ اونٹنی جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو)، یا ایک ابنِ لَبُون، یعنی دو سالہ اونٹ جبکہ وہ تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو اور چھتیس میں ایک بنتِ لَبُون ہے (دو سالہ اونٹنی جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو) اور چھیالیس میں ایک حِقَّة ہے (تین سالہ اونٹنی جو چوتھے سال میں داخل ہو چکی ہو) اور اِکسٹھ میں ایک جَذَعَة ہے (چار سالہ اونٹنی جو پانچویں سال میں پہنچ گئی ہو) اور چھہتر میں دو عدد بنت لبون ہیں۔ اور اکانوے سے ایک سوبیس تک دو حقہ ہیں۔ اور جب ان سے بڑھ جائیں تو ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ ہے۔

اونٹوں کا نصاب		واجب الادا زکاۃ
از	تا	
5	9	ایک بکری
10	14	دو بکریاں
15	19	تین بکریاں
20	24	چار بکریاں
25	35	ایک بنت مخاض
36	45	ایک بنت لبون
46	60	ایک حقہ
61	75	ایک جذعہ
76	90	دو بنت لبون
91	120	دو حقہ
121	129	تین بنت لبون
130	139	ایک حقہ اور دو بنت لبون
140	149	دو حقہ اور ایک بنت لبون
150	159	تین حقہ

160	169	چار بنت لبون
170	179	تین بنت لبون اور ایک حقہ
180	189	دو بنت لبون اور دو حقہ
190	199	تین حقہ اور ایک بنت لبون
200	209	چار حقہ یا پانچ بنت لبون

* مندرجہ بالا نصاب کی دلیل: انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں بحرین روانہ کیا تو یہ تحریر لکھ دی: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ وہ نصاب اور مقدار زکاۃ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض فرمائی ہے اور اللہ نے اس کا اپنے رسول کو حکم دیا ہے۔ مسلمانوں میں سے جس سے اس (تحریر) کے مطابق مطالبہ کیا جائے، وہ یہ ادا کرے اور جس سے اس سے زیادہ کا مطالبہ ہو، وہ نہ دے۔ چوبیس یا اس سے کم اونٹوں کی زکاۃ بکریوں کی صورت میں ہے۔ ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہے۔ جب وہ پچیس ہو جائیں یا پچیس سے پینتیس تک ہوں تو ان پر ایک بنت مخاض (ایک سالہ اونٹنی) ہے۔ جب چھتیس ہوں تو پینتالیس تک ان پر ایک بنت لبون (دو سالہ اونٹنی) ہے اور جب چھیالیس عدد سے ساٹھ تک ہوں تو ان پر ایک حقہ (تین سال سے زائد کی اونٹنی) ہے جو جفتی کے قابل ہو اور جب اکسٹھ سے پچھتر تک ہوں تو ان پر ایک جذعہ (چار سال سے اوپر کی اونٹنی) ہے اور جب چھہتر سے نوے تک ہوں تو ان پر دو بنت لبون ہیں۔ اور جب اکانوے سے ایک سو بیس تک ہوں تو ان میں دو حقہ ہیں جو جفتی کے قابل ہوں اور جب ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو ہر چالیس پر ایک بنت لبون اور ہر پچاس پر ایک حقہ ہے۔ اور جس کے پاس صرف چار اونٹ ہوں تو اس پر کوئی زکاۃ نہیں ہے الا یہ کہ ان کا مالک دینا چاہے۔ اور جب پانچ اونٹ ہوں تو ان پر ایک بکری واجب ہے۔[1]

گائیوں کا نصاب

گائیں جب تیس (30) کی تعداد میں ہوں تو ان پر ایک عدد ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی کی ادائیگی لازم ہے اور چالیس ہوں تو ان پر دو دانتا، یعنی دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی واجب ہے۔ اسی طرح آگے کا معاملہ ہے۔ درج ذیل جدول ملاحظہ ہو:

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الغنم، حديث: 1454.

گائیوں کی مقدار		واجب الاداز کاۃ
از	تا	
30	39	ایک بچھڑا یا بچھڑی ایک سالہ
40	59	ایک عدد دو دانتا بچھڑا یا بچھڑی (دو سالہ)
60	69	ایک سالہ بچھڑا، یا بچھڑی (دو عدد)
70	79	ایک عدد دو دانتا اور ایک عدد ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی
80	89	دو عدد دو دانتے بچھڑے، یا بچھڑیاں
90	99	تین عدد ایک سالہ بچھڑے، یا بچھڑیاں
100	109	ایک عدد دو دانتا اور دو عدد ایک سالہ بچھڑے، یا بچھڑیاں
110	119	دو عدد دو دانتے اور ایک عدد ایک سالہ بچھڑے، یا بچھڑیاں
120	129	تین عدد دو دانتے، یا چار عدد ایک سالہ بچھڑے، یا بچھڑیاں

مذکورہ بالا کی دلیل: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی ﷺ نے یمن روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ میں ہر تیس گائیوں پر سال بھر کا ایک بچھڑا، یا بچھڑی (بطور زکاۃ) وصول کروں اور ہر چالیس میں سے دو دانتا (بچھڑا، یا بچھڑی) اور اہلِ کتاب کے بالغ مرد سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری کپڑا بطورِ جزیہ وصول کروں۔[1]

بکریوں کا نصاب

چالیس بکریاں ہوں تو ان کی زکاۃ ایک بکری ہے، ایک سو بیس بکریوں تک ایک ہی بکری واجب الادا ہو گی مگر جب یہ تعداد ایک سو اکیس ہو جائے تو پھر دو بکریاں لازم ہوں گی۔ دو سو تک یہی شرح رہے گی۔ جب دو سو ایک ہو جائیں تو ان پر تین بکریاں واجب الادا ہوں گی، تین سو تک یہی مقدار زکاۃ ہو گی۔ تین سو ایک ہو جائیں تو ان پر چار بکریاں واجب الادا ہیں، چار سو تک یہی زکاۃ واجب رہے گی، پھر ہر سو پر ایک بکری زکاۃ ہے۔ مزید وضاحت کے لیے یہ نقشہ دیکھیے:

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1576، وجامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في زكاة البقر، حديث: 623.

بکریوں کا نصاب زکاۃ		واجب الادا زکاۃ
از		
1	39	زکاۃ سے مستثنیٰ ہیں، کچھ لازم نہیں
40	120	ایک بکری
121	200	دو بکریاں
201	399	تین بکریاں
400	499	چار بکریاں
500	599	پانچ بکریاں

اسی طرح ہر سو میں ایک بکری واجب ہے۔

متذکرہ بالا نصاب اور شرح کی دلیل: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب انھیں بحرین روانہ کیا تو انھیں ایک تحریر لکھ دی جس میں لکھا تھا: ایسی بکریاں جو خود چر کے گھاس وخوراک حاصل کرتی ہوں، ان کی تعداد 40 سے 120 تک ہو تو ان پر بطور زکاۃ ایک بکری واجب الادا ہو گی۔ جب ان کی تعداد 120 سے بڑھ جائے تو 120 سے لے کر 200 تک میں دو بکریاں بطور زکاۃ واجب الادا ہوں گی، جبکہ 201 سے لے کر 399 تک میں تین بکریاں بطور زکاۃ واجب الادا ہوں گی۔ جب تعداد تین سو (300) سے زیادہ ہو جائے (اور سو کا عدد مکمل ہو جائے) تو ہر 100 بکریوں پر ایک بکری زکاۃ دینا لازم ٹھہرے گا، کسی فرد کی خود چرنے والی بکریوں کی تعداد 40 سے ایک عدد بھی کم ہو تو ان پر کوئی صدقہ (زکاۃ) واجب نہیں الا یہ کہ ان بکریوں کا مالک برضا و رغبت خود کچھ دینا چاہے۔[1]

متفرق و الگ الگ ریوڑوں کو اکٹھا، یا مجتمع و اختلاط والے ریوڑوں کو الگ الگ کرنے کا معاملہ

ادائے زکاۃ سے بچنے کے لیے جدا جدا ریوڑوں کو اکٹھا کر لینا ناجائز ہے، اسی طرح اکٹھے ریوڑوں کو علیحدہ علیحدہ کر دینا بھی جائز نہیں۔

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک تحریر لکھ دی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الغنم، حديث :1454.

مقرر کردہ نصاب اس طرح درج تھا: ”علیحدہ علیحدہ جانوروں کو زکاۃ کے ڈر سے اکٹھا کیا جائے نہ اکٹھے جانوروں کو جدا جدا کیا جائے۔“ [1]

اکٹھے جانوروں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کی صورت: مثلاً: دو آدمیوں کی بکریاں دو سو ایک ہوں تو ان پر تین بکریاں واجب الادا ہیں۔ اگر وہ ان کو علیحدہ علیحدہ کر لیں تو ہر ایک کو ایک ایک بکری دینی ہوگی۔ (یہ عمل ناجائز ہے۔)

علیحدہ علیحدہ جانوروں کو اکٹھے کرنے کی صورت: مثلاً: تین آدمی ہوں اور ہر ایک کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہوں تو ہر ایک پر ایک ایک بکری آتی ہے۔ لیکن اگر وہ انھیں اکٹھی کر لیں تو ان پر صرف ایک ہی بکری زکاۃ بنے گی۔ (یہ عمل بھی ناجائز ہے۔)

نصاب سے کم پر زکاۃ ہے نہ کسر پر: گزشتہ صفحات میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان ہو چکی ہے کہ نصاب سے کم مال پر زکاۃ لاگو نہیں ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وَقَص (کسر) سے مراد وہ تعداد ہے جو دو مقداروں کے درمیان ہو (مثلاً: بکریوں کے نصاب میں چالیس سے لے کر 120 کے درمیان میں۔)

اس مسئلے میں بھی کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ معاذ رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث میں آیا ہے کہ کسروں میں کوئی زکاۃ نہیں۔ [2]

جن چرواہوں کے جانور اکٹھے ہوں، وہ زکاۃ کا حساب آپس میں برابر برابر کر لیں: جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث میں ہے کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں زکاۃ کا نصاب لکھ دیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا۔ اس میں ہے:

«وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ»

”اور جن کے جانور اکٹھے ہوں، وہ آپس میں برابر برابر (زکاۃ کا حساب) کر لیں۔“ [3]

دو شریکوں کی مثال: دو چرواہے ہیں، ان دونوں کی فی کس بیس بیس بکریاں ہیں تو تحصیلدار زکاۃ ان چالیس میں سے کسی ایک کی ایک بکری لے گا، تو دوسرا اپنے شریک کو اس کی آدھی قیمت ادا کر دے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشترک مال کو ایک آدمی کا مال تصور کر کے زکاۃ لی جائے گی۔ اور یہی حق ہے جیسا کہ

[1] [صحیح] مسند أحمد: 240/5. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب ما كان من خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية، حديث: 1451. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب لا يجمع بين متفرق ولا يفرق بين مجتمع، حديث: 1450.

دلائل سے ثابت ہے۔

زکاۃ میں ناقابلِ قبول جانور: (1) بہت بوڑھا جس کے دانت گر چکے ہوں۔

(2) کانا، یعنی جس کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی ہو۔

(3) نر، افزائش نسل کے لیے مخصوص بکرا، دنبہ یا سانڈ۔

(4) عیب دار جانور، اس کی دلیل انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت والی وہ تحریر ہے جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھ کر دی تھی۔ اور اس میں ہے:

«وَلَا يُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَّلَا ذَاتُ عَوَارٍ، وَلَا تَيْسٌ إِلَّا مَاشَاءَ الْمُصَّدِّقُ»

''زکاۃ میں کوئی بوڑھا، عیب دار اور (افزائش نسل والا) نر (جفتی کے لیے مخصوص) جانور نہ لیا جائے، سوائے اس کے کہ زکاۃ دینے والا چاہے۔''[1]

عمر رضی اللہ عنہ کے مکتوب میں بھی ایسا ہی ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

«لَا تُؤْخَذُ هَرِمَةٌ وَّلَا ذَاتُ عَيْبٍ» ''زکاۃ میں کوئی بوڑھا اور عیب دار جانور قبول نہ کیا جائے۔''[2]

(5) وہ جانور جو گوشت کے لیے پالا گیا ہو۔

(6) رُبّٰی، یعنی بچے کو جنم دینے والی بکری۔ بقول بعض جو دودھ کے لیے گھر میں بندھی ہو۔

(7) وہ جو قریب الولادت حاملہ ہو۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صدقے کی بکریاں لائی گئیں، انھوں نے ان میں ایک بھاری جسم والی بکری دیکھی جس کے تھن بڑے بڑے تھے، انھوں نے پوچھا: یہ بکری کیسی ہے؟ کہا گیا کہ یہ صدقے میں آئی ہے۔ فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا کہ گھر والوں نے اسے ہنسی خوشی دے دیا ہو۔ لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالا کرو، مسلمانوں کے عمدہ اور بہترین مال مت لیا کرو، جو ان کا رزق ہو، اس سے گریز ہی کیا کرو۔[3]

جناب سفیان بن عبداللہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو بحیثیت تحصیلدار زکاۃ روانہ کیا تھا۔ وہ لوگوں کے مویشیوں میں میمنوں، یعنی بکریوں کے بچوں کو بھی شمار کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب: لا يؤخذ في الصدقة هرمة ولا ذات عوار، ولا تيس الا ما شاء المصدق، حديث: 1455. یعنی اگر نر سانڈ کے بارے میں زکاۃ دینے والے کی مرضی ہو تو پھر لیا جا سکتا ہے۔ [2] [حسن] الموطأ للإمام مالك: 239,238/1، ومسند احمد: 15/2 واللفظ له. [3] [صحيح] الموطأ للإمام مالك: 246/1، حديث: 28.

بچوں کو بھی شمار کرتے ہیں مگر ان میں سے کچھ قبول نہیں کرتے، ایسا کیوں؟ جب وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھیں لوگوں کے اس سوال سے بھی مطلع کیا۔ انھوں نے فرمایا: ہاں، ان کے وہ بچے بھی شمار کرو جو چرواہا اٹھائے پھرتا ہے مگر زکاۃ میں قبول نہ کرو، نہ کوئی ایسی بکری جو گوشت یا دودھ کے لیے مخصوص ہو، نہ قریب الولادت حاملہ، نہ افزائش نسل والا بکرا۔ بلکہ جذعہ (ایک سالہ) یا دو دانتا وصول کرو، یہی میمنوں، یعنی بکری کے بچوں اور بڑے عمدہ جانوروں میں سے متوسط ہے۔[1]

سونے چاندی کی زکاۃ

سونے اور چاندی کی زکاۃ کے لیے شرائط: سونے چاندی کی زکاۃ کے لیے دو شرطیں ہیں: نصاب پورا ہونا اور سال گزرنا۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَّحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ، يَعْنِي فِي الذَّهَبِ، حَتّٰى تَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا، فَإِذَا كَانَتْ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا وَّحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا نِصْفُ دِينَارٍ»

”جب تیرے پاس (چاندی کے) دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم (زکاۃ) ہیں اور سونے میں تجھ پر کچھ (واجب) نہیں جب تک کہ بیس دینار نہ ہوں اور جب بیس دینار ہوں اور سال گزر جائے تو ان پر آدھا دینار (زکاۃ) ہے۔“[2]

چاندی کا نصاب اور شرحِ زکاۃ: چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے اور اس میں سے چالیسواں حصہ، یعنی اڑھائی فیصد زکاۃ ہے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث اوپر مذکور ہوئی۔ اسی طرح انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب ان کو بحرین کی طرف روانہ کیا تو انھیں ایک تحریر دی تھی، اس میں درج ہے کہ چاندی[3] میں چالیسواں حصہ ہے۔[4]

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب في زكاة السائمة، حديث: 1573. [2] چاندی خواہ ڈلی کی صورت میں یا کسی زیور وغیرہ کی شکل میں ہو۔ [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الغنم، حديث: 1454. [4] [حسن] الموطأ للإمام مالك: 244/1، حديث: 26.

موجودہ رائج الوقت وزن کے اعتبار سے اس کی تفصیل یہ ہے:

①	1 درہم	=	2.975 گرام
②	5 درہم	=	14.875 گرام
③	10 درہم	=	29.75 گرام
④	20 درہم	=	59.5 گرام
⑤	100 درہم	=	297.5 گرام
⑥	200 درہم	=	595 گرام

سونے کا نصاب اور شرحِ زکاۃ: سونے کا نصاب بیس دینار ہے۔ اس پر بھی چالیسواں حصہ، یعنی اڑھائی فیصد زکاۃ ہے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں بیان ہوا ہے۔

موجودہ معیار وزن کے اعتبار سے اس کی تفصیل یوں ہے:

①	ایک دینار	=	4.25 گرام
②	پانچ دینار	=	21.25 گرام
③	دس دینار	=	42.5 گرام
④	بیس دینار	=	85 گرام

موجودہ اوزان و مقادیر کے ساتھ تقابل کے لیے مؤلف کی تالیف «إيضاحات العصرية للمقاييس والمكاييل والأوزان الشرعية» ملاحظہ فرمائیے۔

جواہرات پر کوئی زکاۃ واجب نہیں: موتی، یاقوت، زمرد، الماس، لؤلؤ اور مرجان وغیرہ کے بارے میں ایسی کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی جو ان پر زکاۃ واجب کرتی ہو۔ اور براءۃ اصلیہ معروف فقہی قاعدہ ہے (انسان بنیادی طور پر کسی شرعی ذمہ داری کا اس وقت تک مکلّف نہیں جب تک کہ اس کا حکم ثابت نہ ہو۔)

کیا خواتین کے زیور پر معروف زکاۃ واجب ہے؟ سونے چاندی کے وہ زیور جو خواتین کے زیر استعمال ہوں، ان پر زکاۃ واجب نہیں بلکہ (مناسب مقدار میں) عام صدقہ واجب ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہلِ یمن کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اس کے ساتھ، اس کی بیٹی بھی تھی جس کے ہاتھ میں سونے کے دو بھاری بھاری کنگن تھے، آپ نے پوچھا:

«أَتُؤَدِّينَ زَكَاةَ هٰذَا؟» قَالَتْ: لَا . قَالَ: «أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللهُ عَزَّوَجَلَّ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَّارٍ؟» قَالَ: فَخَلَعَتْهُمَا فَأَلْقَتْهُمَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ ﷺ»

''کیا اس (سونے) کی زکاۃ بھی دیتی ہو؟'' اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ''کیا تجھے اچھا لگتا ہے کہ

اللہ عزوجل قیامت کے دن تجھے ان کے بدلے آگ کے کنگن پہنا دے؟'' چنانچہ اس نے انھیں اتارا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کیا: یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہیں![1]

جناب عبداللہ بن شداد بن ہاد کہتے ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ ؓ نے بیان کیا کہ (ایک بار) رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے، اس وقت میرے ہاتھوں میں چاندی کے دو کنگن تھے، آپ نے دریافت فرمایا:

«مَا هٰذَا يَاعَائِشَةُ؟» فَقُلْتُ: صَنَعْتُهُنَّ أَتَزَيَّنُ لَكَ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «أَتُؤَدِّينَ زَكَاتَهُنَّ؟» قُلْتُ: لَا، أَوْ مَا شَاءَ اللهُ، قَالَ: «هُوَ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ»

''عائشہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: یہ میں نے آپ کی خاطر پہنے ہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا:

''کیا ان کی زکاۃ دیتی ہو؟'' میں نے کہا: نہیں۔ یا جو اللہ نے چاہا وہ کہا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ تجھے آگ (تک پہنچانے) کے لیے کافی ہیں۔''[2]

یہ دونوں احادیث عورتوں کے سونے چاندی کے زیورات پر، جو ان کے زیر استعمال ہوں، زکاۃ واجب ہونے کی دلیل ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ معروف فرضی زکاۃ نہیں جس میں ان کے وزن کا نصاب مقرر اور سال گزرنا شرط ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

کنگن باعتبار وزن پورے نصاب کے نہیں ہوتے۔ رسالت مآب علیہ السلام نے ان سے سال گزرنے کے بارے میں نہیں پوچھا، یہ بھی واضح نہیں کہ ان پر سال گزر چکا تھا یا نہیں۔ بالخصوص ام المؤمنین عائشہ ؓ کی روایت میں تو واضح ہے کہ آپ ﷺ نے عین اسی موقع پر انھیں دیکھا تھا، ظاہر ہے کہ ان پر ایک سال نہیں گزرا تھا۔

* سونے چاندی پر زکاۃ کے سلسلے کی احادیث ایسے سونے چاندی کے بارے میں ہیں جو بطور مال اور نقدی موجود ہوں۔ لغت اور عرف میں بھی یہی معروف ہے، مطلق سونا چاندی مراد نہیں۔
* زیر استعمال زیور کی مثال اس اونٹ یا گائے کی طرح ہے جو آدمی کے استعمال میں ہو اور کاروبار زندگی کا حصہ ہو، مطلب یہ کہ اس پر زکاۃ عائد نہیں۔
* صحابۂ کرام ؓ کی اکثریت اس کی قائل ہے کہ زیر استعمال زیور پر زکاۃ نہیں ہے۔

[1] [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحُلِيِّ، حديث: 1563، وجامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في زكاة الحلي، حديث: 637. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الزكاة، باب الكنز ماهو؟ وزكاة الحُلِيِّ، حديث: 1565، والمستدرك للحاكم: 390,389/1.

* سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ مستعمل زیور کی زکاۃ یہی ہے کہ کسی ضرورت مند کو عاریتاً دینا پڑے تو دے دے۔

جناب نافع سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی بیٹیوں اور لونڈیوں کو زیور پہناتے تھے مگر ان کی زکاۃ نہیں دیتے تھے۔ [1]

جناب قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بھتیجیوں کی سرپرست تھیں، یعنی محمد بن ابی بکر کی بیٹیوں کی، وہ یتیم تھیں، ان بچیوں کے زیور بھی تھے اور وہ (عائشہ رضی اللہ عنہا) ان کی زکاۃ نہیں دیتی تھیں۔ [2]

* تجارتی مال کی زکاۃ: علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ اموالِ تجارت پر زکاۃ کے وجوب کا حکم کتاب وسنت سے ثابت نہیں۔ [3]

اور علامہ شوکانی رحمہ اللہ ابتدا میں اموالِ تجارت میں زکاۃ کے وجوب کے قائل تھے [4] مگر بعد میں انھوں نے ظاہریہ کی موافقت میں اس سے رجوع کر لیا۔ [5] جبکہ جمہور ان کے خلاف ہیں۔ [6]

نباتات کی زکاۃ

وہ غذائی اجناس (دانے) جن پر زکاۃ واجب ہے: ابوموسیٰ اشعری اور معاذ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

[1] [صحيح] الموطأ للإمام مالك: 231/1، حديث: 596. [2] [صحيح] الموطأ للإمام مالك: 231/1. اہلِ علم کے اقوال میں سے راجح قول یہی ہے کہ زیورات پر زکاۃ واجب ہے اور وہ معروف زکاۃ ہی ہے، اس لیے کہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں، جو احادیث میں ذکر شدہ لفظ زکاۃ کو اپنے معروف اصطلاحی معنی سے ہٹائے اور یہ کہنا کہ کنگن باعتبار وزن پورے نصاب کے نہیں ہوتے، محلِ نظر ہے، پورے نصاب کے کنگن بھی ہو سکتے ہیں، نیز اس خاتون کے پاس مزید سونے کی موجودگی کی نفی کہاں آئی ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سال کے بارے میں نہ پوچھنے کا دعویٰ درست نہیں کیونکہ یہ عدمِ ذکر ہے اور عدمِ ذکر سے عدم لازم نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ عدمِ ذکر کو ذکرِ عدم بنایا جائے۔ صحیح مرفوع احادیث کی موجودگی میں کسی کا بھی عمل قابلِ اعتنا نہیں۔ (عبدالولی) [3] تمام المنة، ص: 363. [4] نيل الأوطار: 154/4. [5] الدرر البهية في المسائل الفقهية اور اس کی شرح الدراري المضية: 49،48/1، والسيل الجرار: 762/1. [6] اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: المغني لابن قدامة: 4/248-262، ومجموع فتاوىٰ لشيخ الإسلام ابن تيمية: 45/25، وحاشية العدة للأمير صنعاني: 130/3، و بذل المجهود: 21/8 وغیرہ۔ ابوموسیٰ اور معاذ رضی اللہ عنہما سے منقول حدیث ضعیف ہے، اس لیے کہ اس میں ارسال، انقطاع، تدلیس اور راویوں کا ضعف ہے، لہٰذا قابلِ اعتبار نہیں، حق یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والے ہر پھل اور کھیتی میں زکاۃ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاویٰ علمائے حدیث: 56/7 و 122، وفقه الزكاة للقرضاوي: 355/1، ومرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، الزكاة، حديث: 1228. (عبدالولی)

نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«لَا تَأْخُذُوا فِي الصَّدَقَةِ إِلَّا مِنْ هٰذِهِ الْأَصْنَافِ الْأَرْبَعَةِ: الشَّعِيرِ، وَالْحِنْطَةِ وَالزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ»

''صرف انھی چار اصناف کا صدقہ وصول کرنا: جَو، گندم، کشمش اور کھجور۔'' [1]

غلے کی زکاۃ کا نصاب: غلے کی زکاۃ کا نصاب پانچ وسق ہے جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ»

''پانچ اونٹوں سے کم (تعداد) پر زکاۃ نہیں اور پانچ اوقیہ (چاندی) سے کم پر زکاۃ نہیں اور پانچ وسق سے کم (غلے) پر (بھی) زکاۃ نہیں۔'' [2]

عربی زبان میں ذود کا لفظ اونٹوں کے اس مجموعے کے لیے بولا جاتا ہے جس کی تعداد تین سے دس تک ہو۔

اوقیہ	=	40 درہم
پانچ اوقیہ	=	دوسو درہم
ایک وسق	=	60 صاع (جو بھر کے ماپا جاتا ہے)
ایک صاع	=	4 مد (بھر کے ماپا جاتا ہے)
ایک مد	=	544 گرام گندم بلحاظ وزن
ایک وسق	=	130.56 = 130560 = 544x4x60 کلوگرام
پانچ وسق	=	652.8 = 5x130.56 کلوگرام

ملاحظہ ہو مؤلف کی تالیف: الإيضاحات العصرية للمقاييس والمكاييل والأوزان الشرعية.

کس کھیتی پہ عشر ہے؟ جو کھیت دریا، نہر یا بارش سے سیراب ہوں، ان کی پیداوار پر عشر (دسواں حصہ) ہے اور جو رہٹ وغیرہ سے سیراب کیے جائیں، ان کی پیداوار کا بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے

[1] [حسن] المستدرك للحاكم: 401/1 نیز دیکھیے: إرواء الغليل: 278/3. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الورق، حديث: 1447، و صحيح مسلم، الزكاة، باب: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، حديث: 979.

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فِيمَا سَقَتِ الْأَنْهَارُ وَالْغَيْمُ الْعُشُورُ، وَفِيمَا سُقِيَ بِالسَّانِيَةِ نِصْفُ الْعُشْرِ»

''جو کھیتیاں نہروں سے سیراب ہوں یا بارش سے، ان کا (عشر) دسواں حصہ ہے اور جو اونٹ (مشین وغیرہ) کے ذریعے سے سیراب کی جائیں، ان کا بیسواں حصہ ہے۔''[1]

شہد پر زکاۃ ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فِي الْعَسَلِ فِي كُلِّ عَشْرَةِ أَزُقٍّ، زِقٌّ» ''شہد کی دس مشکوں پر ایک مشک زکاۃ ہے۔''[2]

زکاۃ مقامی فقراء میں تقسیم کی جائے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تو کہا:

«إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ، فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ إِلٰى أَنْ يَّشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ. فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»

''تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں، لہٰذا جب تم ان کے پاس جاؤ تو انھیں یہ دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں: اللہ کے سوا کوئی حق معبود نہیں اور بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس بات پر تمھاری اطاعت کر لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ہر دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پھر اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے لے کر ان کے فقراء میں بانٹا جائے گا، اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، بلاشبہ اس کے اور اللہ کے درمیان پردہ نہیں ہے۔''[3]

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب ما فيه العشر أو نصف العشر، حديث: 981، ومسند أحمد: 341/3. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في زكاة العسل، حديث: 629، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 126/4، وشرح السنة للبغوي: 44/6.
[3] صحيح البخاري، الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء، وترد في الفقراء حيث كانوا، حديث: 1496، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، حديث: 19.

ظالم بادشاہ کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا:

«إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً وَّأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا» . قَالُوا : فَمَا تَأْمُرُنَا يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ : «أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللهَ حَقَّكُمْ»

”تم میرے بعد پاؤ گے کہ لوگ اپنے آپ ہی کو ترجیح دیں گے اور بھی منکر (ناجائز) باتیں ہوں گی جنھیں تم عجیب و غریب پاؤ گے۔“ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! پھر آپ ہمیں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”انھیں ان کا حق دیتے رہنا اور اپنے حقوق کا اللہ سے سوال کرنا۔“ [1]

مصارفِ زکاۃ

زکاۃ کے مستحقین اور مصارف آٹھ ہیں: سورۂ توبہ میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۖ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ ۗ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○﴾

”صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پر چائے جاتے ہیں اور گردنیں چھڑانے کے لیے اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو (مسافروں) کے لیے، یہ فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔“ [2]

فقراء: فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمَسْأَلَةُ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ، لِذِي فَقْرٍ مُّدْقِعٍ، أَوْ لِذِي غُرْمٍ مُّفْظِعٍ، أَوْ لِذِي دَمٍ مُّوجِعٍ»

”تین قسم کے افراد کے علاوہ کسی کو سوال کرنا حلال نہیں: محتاج جو از حد لاچار ہو، مقروض جو از حد پریشان ہو، یا کوئی دیت والا ہو کہ (اگر دیت ادا نہ کی گئی تو نتیجہ) المناک ہو۔“ [3]

[1] صحيح البخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ: (سترون بعدي أمورا تنكرونها)، حديث: 7052، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة الأول فالأول، حديث: 1843. [2] التوبة 9:60. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الزكاة، باب ما تجوز فيه المسألة، حديث: 1641، ومسند أحمد: 3/127.

عبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے انھیں خبر دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے صدقے کا سوال کیا، تو آپ نے انھیں اپنی نظروں سے خوب جانچا اور انھیں بڑا تندرست و توانا پایا، آپ نے فرمایا: «إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَّلَا لِقَوِيٍّ مُّكْتَسِبٍ»

''اگر تم چاہو تو میں تمھیں دے دیتا ہوں مگر اس میں کسی غنی اور طاقت ور کے لیے جو خود کما سکتا ہو، کوئی حصہ نہیں ہے۔''[1]

مساکین: مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو مگر وہ اس کے لیے ناکافی ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا اللُّقْمَتَانِ، إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الَّذِي يَتَعَفَّفُ، اِقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ»

''مسکین وہ نہیں جسے ایک یا دو کھجوریں لوٹا دیں، یا ایک لقمہ یا دو لقمے لوٹا دیں بلکہ مسکین وہ ہے جو ہاتھ پھیلانے سے بچتا ہے، اگر چاہو تو یہ (آیت)[2] پڑھ کر دیکھ لو۔''[3]

اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے:

«لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلٰكِنِ الْمِسْكِينُ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ، وَلَا يَقُومُ فَيَسْأَلَ النَّاسَ»

''مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کے ہاں چکر لگاتا پھرتا ہو کہ اسے ایک لقمہ لوٹا دے یا دو لقمے۔ یا ایک کھجور لوٹا دے یا دو کھجوریں، بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اس قدر نہ ہو جو اسے بے پروا کر دے اور اس کی نسبت خیال بھی نہیں آتا ہو کہ اس پر صدقہ کیا جائے، نہ وہ کھڑا ہو سکے کہ لوگوں سے سوال ہی کر لے۔''[4]

زکاۃ جمع کرنے والے (تحصیلدار): ضروری ہے کہ وہ بنی ہاشم میں سے نہ ہوں، جناب عبدالمطلب بن

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الزكاة، باب من يعطى من الصدقة و حدُّ الغنىٰ، حديث: 1633، ومسند أحمد: 362/5. [2] البقرة 273:2. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾، حديث: 4539، وصحيح مسلم، الزكاة، باب المسكين الذي لا يجد غنى، ولايفطن لَهُ فيتصدق عليه، حديث: 1039. [4] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول اللّٰه عزوجل: ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾، حديث: 1479، وصحيح مسلم، الزكاة، باب المسكين الذي لا يجد غنى، ولا يفطن له فيتصدق عليه، حديث: 1039.

ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ»

''صدقہ آلِ محمد کے لائق نہیں ہے، یہ لوگوں کے میل (اور آلائشیں) ہے۔''

دوسری روایت میں ہے:

«وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ» ''یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد کے لیے حلال نہیں ہے۔'' [1]

بسر بن سعید سے روایت ہے کہ ابن سعدی مالکی نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے صدقے کا عامل بنایا، میں اس سے فارغ ہوا اور اسے ان کی خدمت میں پیش کر دیا تو انھوں نے مجھے اس کا عوضانہ دینے کا حکم دیا، میں نے کہا: یہ کام میں نے اللہ کے لیے کیا ہے! انھوں نے فرمایا: جو دیا جائے لے لو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ کام کیا تھا، تو آپ نے مجھے اس کا عوضانہ بھی عطا فرمایا تھا۔ میں نے بھی اس طرح کہا تھا جس طرح تم نے کہا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: «إِذَا أُعْطِيتَ شَيْئًا مِّنْ غَيْرِ أَنْ تَسْأَلَ فَكُلْ وَتَصَدَّقْ»

''جب تجھے بغیر مانگے کچھ دیا جائے تو کھا اور صدقہ کر۔'' [2]

مؤلفة القلوب (جن کے دل پر چائے جاتے ہیں): عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال آیا یا قیدی آئے، آپ نے انھیں تقسیم فرما دیا، آپ نے بعض کو نہ دیا، پھر آپ کو یہ اطلاع پہنچی کہ جن کو نہیں ملا وہ ناراض ہیں، آپ نے (خطبہ دیا) اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَوَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ، وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي، وَلٰكِنِّي أُعْطِي أَقْوَامًا لِّمَا أَرٰى فِي قُلُوبِهِمْ مِّنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ، وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلٰى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِّنَ الْغِنٰى وَالْخَيْرِ، فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ»، فَوَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ»

''اما بعد! اللہ کی قسم! میں ایک کو دیتا ہوں اور ایک کو چھوڑ دیتا ہوں اور جسے چھوڑ دیتا ہوں، وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جسے میں دیتا ہوں۔ میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جن کے متعلق محسوس

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبي ﷺ على الصدقة، حديث: 1072. [2] صحيح البخاري، الأحكام، باب رزق الحكام والعاملين عليها، حديث: 7163، وصحيح مسلم، الزكاة، باب جواز الأخذ بغير سؤال ولا تطلع، حديث: 1045.

کرتا ہوں کہ ان کے دلوں میں بے صبری اور حرص ہے اور دوسروں کو اس چیز کے حوالے کر دیتا ہوں جو ان کے دلوں میں بے پروائی اور خیر کے پیرائے میں اللہ نے رکھی ہے، ان میں ایک عمرو بن تغلب بھی ہے۔'' (عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا:) اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا کہ آپ نے میرے متعلق جو یہ کلمہ فرمایا ہے، اس کے بدلے مجھے سرخ اونٹ ملیں۔''[1]

جناب عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار کچھ تقسیم فرمایا، تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! فلاں کو بھی دیجیے، وہ مومن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَوْ مُسْلِمٌ» ''یا مسلمان ہے۔''

میں نے یہ بات تین بار دہرائی۔ اور آپ نے بھی ہر بار یہی فرمایا: ''یا مسلمان ہے۔'' پھر فرمایا: ''میں کسی کو دیتا ہوں، حالانکہ دوسرا (جسے نہیں دیتا) میرے نزدیک اس کی نسبت زیادہ محبوب ہوتا ہے، اسے اس اندیشے کے تحت دیتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے اوندھے منہ آگ میں نہ ڈال دے۔''[2]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے، جب وہ یمن میں تھے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا جو ابھی آلودہ اور مٹی ملا تھا، آپ نے اسے چار افراد: اقرع بن حابس حنظلی، عیینہ بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری جو بنی کلاب میں سے تھا اور زید الخیر طائی جو بنی نبہان میں سے تھا، میں تقسیم فرما دیا۔ کہتے ہیں کہ بعض اہل قریش اس پر ناراض ہوئے اور کہنے لگے: نجد کے بڑے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي إِنَّمَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ لِأَتَأَلَّفَهُمْ» ''میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ ان کے دل پرچاؤں۔''[3]

گردنیں چھڑانے کے لیے: گردنیں چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ غلام خرید کر آزاد کیے جائیں۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بدوی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے کسی ایسے عمل کی تعلیم دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے ذریعے سے جنت میں داخل فرما دے۔ تو آپ نے فرمایا: ''تمھارا خطبہ

---

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الثناء: أما بعد، حديث: 923، ومسند أحمد: 69/5.
[2] صحيح البخاري، الإيمان، باب إذا لم يكن الإسلام على الحقيقة وكان على الاستسلام أو الخوف من القتل، حديث: 27، وصحيح مسلم، الإيمان، باب تألف قلب من يخاف على إيمانه لضعفه والنهي عن القطع بالإيمان من غير دليل قاطع، حديث: 150. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا﴾، حديث: 3344، وصحيح مسلم، الزكاة، باب ذكر الخوارج و صفاتهم، حديث: 1064.

اگرچہ بڑا مختصر ہے مگر سوال بڑا عظیم ہے: روحیں آزاد کرو اور گردنیں چھڑایا کرو۔" اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں ہیں؟ فرمایا: "نہیں، روح آزاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ تو خود انفرادی طور پر اسے آزاد کرے اور گردن چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ اسے آزاد کرانے میں اس کی مدد کرے۔"[1]

مقروض: اس سے مراد وہ مقروض ہے جس پر اتنا بھاری قرض ہو کہ اسے وہ ادا نہ کر سکے۔ قبیصہ بن مُخارق ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک بار) میں نے ایک ضمانت لے لی، میں اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے سوال کیا، آپ نے فرمایا: "ٹھہرو یہاں تک کہ ہمارے پاس کوئی صدقہ آ جائے، ہم تمھارے لیے اس کا کہہ دیں گے (ہم اس میں سے تمھیں کچھ دے دیں گے۔)" پھر فرمایا: "اے قبیصہ! سوال کرنا حلال نہیں الا یہ کہ تین افراد میں سے کوئی ایک ہو، ایک وہ آدمی جس نے کوئی ضمانت دی ہو، اسے سوال کرنا حلال ہے یہاں تک کہ وہ اسے حاصل کر لے اور پھر رک جائے۔ دوسرا وہ جس پر کوئی آفت آ پڑی ہو اور اس کا سارا مال برباد ہو گیا ہو اسے سوال کرنا حلال ہے حتی کہ وہ زندگی کی گزران حاصل کر لے۔ اور تیسرا وہ آدمی جسے فاقہ پہنچا ہو۔ اور اس کی قوم کے تین عقلمند آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ اسے فاقہ پہنچا ہے تو اسے سوال کرنا حلال ہے حتی کہ وہ زندگی کا قوام اور درستی حاصل کر لے۔ ان کے علاوہ سب کے لیے سوال کرنا، اے قبیصہ! حرام ہے، مانگنے والا حرام کھائے گا!"[2]

اللہ کی راہ میں: اس سے مراد مجاہدین کی مدد کرنا یا حج کے مصارف میں تعاون کرنا ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ رَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْ غَارِمٍ، أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوْ مِسْكِينٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا، فَأَهْدَاهَا لِغَنِيٍّ»

"کسی غنی کے لیے صدقہ حلال نہیں سوائے پانچ بندوں کے لیے: صدقے کا عامل (جمع کرنے والا، تحصیلدار) ہو یا کسی نے صدقے کی چیز اپنے مال سے خریدی ہو، یا مقروض ہو، یا اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہو یا کوئی مسکین ہو کہ اسے اس میں سے صدقہ دیا گیا ہو اور وہ اسے کسی غنی کو ہدیہ دے دے۔"[3]

[1] [صحيح] الأدب المفرد للبخاري، حديث: 69، ومسند أحمد: 299/4. [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب من تحل له المسألة، حديث: 1044، وسنن أبي داود، الزكاة، باب ماتجوز فيه المسألة، حديث: 1640. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الزكاة، باب من تجوزله أخذ الصدقة وهو غني، حديث: 1636، ومسند أحمد: 56/3.

ام معقل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کیا، ہمارا ایک اونٹ تھا جو میرے شوہر ابو معقل رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں دے دیا، ہمیں بیماری نے آ لیا، ابو معقل فوت ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ حج کے لیے تشریف لے گئے، آپ حج سے فارغ ہو گئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے پوچھا:

«يَا أُمَّ مَعْقِلٍ! مَا مَنَعَكِ أَنْ تَخْرُجِي مَعَنَا؟» قَالَتْ: لَقَدْ تَهَيَّأْنَا فَهَلَكَ أَبُو مَعْقِلٍ، وَكَانَ لَنَا جَمَلٌ هُوَ الَّذِي نَحُجُّ عَلَيْهِ، فَأَوْصٰى بِهِ أَبُومَعْقِلٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، قَالَ: «فَهَلَّا خَرَجْتِ عَلَيْهِ؟ فَإِنَّ الْحَجَّ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَأَمَّا إِذْ فَاتَتْكِ هٰذِهِ الْحَجَّةُ مَعَنَا، فَاعْتَمِرِي فِي رَمَضَانَ فَإِنَّهَا كَحَجَّةٍ»، فَكَانَتْ تَقُولُ: اَلْحَجُّ حَجَّةٌ وَّالْعُمْرَةُ عُمْرَةٌ، وَقَدْ قَالَ هٰذَا لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ، مَا أَدْرِي أَلِيَ خَاصَّةً؟

''ام معقل! کیا رکاوٹ تھی کہ تو ہمارے ساتھ حج کے لیے نہیں گئی؟'' میں نے عرض کیا: ہم تیار تھے مگر (میرے شوہر) ابو معقل فوت ہو گئے، ہمارا ایک ہی اونٹ تھا، اس پر ہم سفر حج کر سکتے تھے۔ لیکن ابو معقل نے اسے فی سبیل اللہ دینے کی وصیت کر دی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''تو اس پر کیوں نہ چلی آئی؟ بلاشبہ حج بھی فی سبیل اللہ ہی ہے۔ سو ہمارے ساتھ حج تو تجھ سے رہ گیا ہے، اب رمضان میں عمرہ کر لینا، بلاشبہ یہ حج کی مانند ہے۔'' چنانچہ ام معقل کہا کرتی تھیں: حج حج ہے اور عمرہ عمرہ ہے تاہم رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہی فرمایا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ کیا یہ میرے لیے خاص ہے؟''[1]

مسافر: مسافر جو اپنے وطن کو واپس جانا چاہتا ہو مگر اس کا خرچ کم پڑ جائے اور اسے اپنی منزل تک پہنچنا دشوار ہو جائے۔

بنی ہاشم اور ان کے موالی کے لیے صدقہ حرام ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے راستے میں کھجور کا ایک دانہ گرا ہوا پایا تو فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ تَكُونَ مِنْ صَدَقَةٍ لَأَكَلْتُهَا» ''اگر یہ صدقے کا نہ ہوتا تو میں اسے کھا لیتا۔''[2]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب العمرة، حديث: 1989، وصحيح ابن خزيمة: 4/73,72. [2] صحيح البخاري، البيوع، باب يتنزّه من الشبهات، حديث: 2055، وصحيح مسلم، الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وعلى آله......، حديث: 1071.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کھجوریں توڑنے کا موسم آتا تو لوگ آپ کے پاس (صدقے کی) کھجوریں لاتے، یہ شخص اپنی کھجوریں لاتا اور وہ اپنی لاتا، حتی کہ آپ کے پاس ایک ڈھیر لگ گیا، حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ان کھجوروں سے کھیلنے لگے، ان میں سے کسی نے کھجور کا ایک دانہ اپنے منہ میں ڈال لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس کے منہ سے کھجور نکال دی اور فرمایا: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ آلِ محمد صدقہ نہیں کھاتی۔'' [1]

صدقہ کرنے والے کے لیے اپنی صدقہ کی ہوئی چیز دوبارہ خریدنا مکروہ ہے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو فی سبیل اللہ ایک گھوڑا دیا، اس نے اسے ضائع کر دیا (اور اس کی خدمت نہ کی)، میں نے چاہا کہ اسے خرید لوں، میرا یہی خیال تھا کہ وہ اسے بہت سستا بیچ رہا ہے، میں نے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا، تو آپ نے فرمایا:

«لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ، وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ»

''اسے مت خریدو اور اپنے صدقے میں رجوع مت کرو، چاہے وہ تجھے ایک درہم میں دے دے، اپنے صدقے میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے میں لوٹے۔'' [2]

عورت اپنے شوہر کو زکاۃ دے سکتی ہے: زینب زوجۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، چاہے تمھیں اپنے زیور ہی سے دینا پڑے۔'' وہ کہتی ہیں کہ میں واپس آئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا: آپ کا ہاتھ بڑا تنگ رہتا ہے (آپ کو مالی وسعت نہیں ہوتی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ان کے پاس جائیں اور پوچھ لیں، اگر (آپ کو صدقہ دینا) میرے لیے جائز ہو (تو بہتر) ورنہ میں کسی اور کو دے دوں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم خود ہی جاؤ۔ کہتی ہیں کہ میں گئی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ایک اور عورت کھڑی تھی، اس کی ضرورت بھی میرے جیسی ہی تھی۔ زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے صاحب رعب اور ہیبت والے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ ہماری طرف نکلے، ہم نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور انھیں بتاؤ کہ دروازے پر دو عورتیں کھڑی ہیں اور

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب أخذ صدقة التمر عند صرام النخل و هل يترك الصبيُّ فيَمسُّ تمر الصدقة، حديث: 1485، 1485، وصحيح مسلم، الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وعلى آله وهم بنو هاشم و بنو المطلب دون غيرهم، حديث: 1069. [2] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب لا يحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته، حديث: 2623، وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة شراء الإنسان ما تصدق به ممن تصدق عليه، حديث: 1620.

پوچھتی ہیں کہ اگر ہم اپنا صدقہ اپنے شوہروں کو دے دیں یا ان یتیموں پر خرچ کردیں جو ہماری سرپرستی میں ہیں، تو کیا یہ جائز ہوگا؟ اور رسالت مآب ﷺ کو مت بتانا کہ ہم کون ہیں؟ بلال رضی اللہ عنہ آپ کے پاس گئے اور پوچھا، تو آپ نے دریافت فرمایا:

«مَنْ هُمَا؟» فَقَالَ: اِمْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ وَزَيْنَبُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّ الزَّيَانِبِ؟» فَقَالَ: اِمْرَأَةُ عَبْدِ اللهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَهُمَا أَجْرَانِ: أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ»

''وہ کون ہیں؟'' بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک تو انصاری عورت ہے اور دوسری زینب ہے، آپ نے پوچھا: ''کونسی زینب؟'' انھوں نے بتایا کہ عبداللہ کی بیوی! اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کے لیے دو اجر ہیں، ایک رشتہ داری کا اور دوسرا صدقے کا۔'' [1]

صدقۂ فطر

صدقۂ فطر واجب ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو فرض قرار دیا ہے، یعنی کھجور یا جو ایک صاع دیا جائے، ہر مسلمان کی طرف سے، چاہے وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا اور حکم دیا کہ (عید کی) نماز کے لیے جانے سے پہلے پہلے اسے ادا کر دیا جائے۔ [2]

صدقۂ فطر کی حکمت: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر اس لیے فرض ٹھہرایا کہ اس کے ذریعے سے روزے دار کی لغویات اور نامناسب باتوں کا اثر زائل ہو جائے اور یہ پاکیزگی کا باعث بنے اور مساکین کو کھانا مل جائے۔ تو جس شخص نے اسے نماز سے پہلے ادا کر دیا تو اس کی زکاۃ مقبول ہے اور جس نے اسے نماز کے بعد دیا تو اس کے لیے یہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔ [3]

صدقۂ فطر ادا کرنے کا وقت: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ صدقۂ فطر لوگوں

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب الزكاة على الزوج والأيتام في الحجر، حديث: 1466، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين والزوج والأولاد و الوالدين ولو كانوا مشركين، حديث: 1000 . [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب زكاة الفطر على المسلين من التمر والشعير، حديث: 984-986 . [3] [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب زكاة الفطر، حديث: 1609، وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب صدقة الفطر، حديث: 1827، نیز دیکھیے: الإرواء، حديث: 843 .

کے نماز کے لیے نکلنے سے پہلے پہلے ادا کر دیا جائے۔[1]

صدقۂ فطر مستحقین کو عید سے ایک دو دن پہلے ادا کرنا چاہیے: نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اسے جمع کرنے والوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے اور وہ لوگ فطر سے ایک دو دن پہلے (ضرورت مندوں کو) پہنچا دیا کرتے تھے۔[2]

صدقۂ فطر کے مصارف: اس کے مصارف وہی ہیں جو فرض زکاۃ کے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسے ان تمام مدوں میں تقسیم کیا جائے جن کا آیت کریمہ میں ذکر ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ اسے مؤلفۃ القلوب اور عاملین پر خرچ نہ کیا جائے، کیونکہ مسلمان اسے خود دینے کا پابند ہے یا وہ شخص جسے وہ اپنا نمائندہ و مجاز بنائے۔[3]

اس لیے کہ سورۂ توبہ کی آیت کریمہ عام ہے:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِى سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾

"صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پرچائے جاتے ہیں۔ اور گردنیں چھڑانے کے لیے اور قرض داروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے، فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔"[4]

امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد اور ابن حزم رحمہم اللہ سبھی کا یہی مذہب ہے۔

خمس

خُمس نکالنا واجب ہے: قتال میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکالنا واجب

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، حديث: 1503، وصحيح مسلم، الزكاة باب الأمر بإخراج زكاة الفطر قبل الصلاة، حديث: 986. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب صدقة الفطر على الحر والمملوك، حديث: 1511، وسنن أبي داود، الزكاة، باب متى تؤدى، حديث: 1610. [3] صدقۂ فطر کا ایک ہی مصرف ہے اور وہ مساکین ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مساکین کی تخصیص آئی ہے، فرمایا: وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِينِ "یہ مساکین کی خوراک ہے۔" (المستدرك للحاكم: 409/1) سورۂ توبہ کی آیتِ صدقہ صدقاتِ اموال کے بارے میں ہے نہ کہ صدقۃ الفطر کے بارے میں۔ یہی قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، شیخ شوکانی اور امام البانی رحمہم اللہ کا ہے۔ دیکھیے الموسوعة الفقهية لحسين بن عودة: 168/3. (عبدالولی) [4] التوبة 9:60.

ہے جیسا کہ سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ﴾

''جان لو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔''[1]

کوئی (جاہلیت کا) دفینہ ملے تو اس میں بھی خمس ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَّفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ»

''حیوان (سے ہونے والا خون) ضائع ہے۔ کنویں اور معدنی کان (میں گرنے کے باعث ہونے والا خون) ضائع ہے اور (جاہلیت کا) دفینہ ملے تو اس میں پانچواں حصہ ہے۔''[2]

غنیمت اور دفینے کے خمس کا مصرف وہی ہے جو سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیت 41 میں بیان فرما دیا گیا ہے۔

[1] الأنفال 41:8. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب في الرِّكاز الخمس، حديث: 1499، وصحيح مسلم، الحدود، باب جرح العجماء والمعدن والبئر جبار، حديث: 1710.

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط

(آل عمران 3:97)

احکامِ حج

حج فرض ہے

حج کی تعریف: لغت میں حج کا مطلب قصد کرنا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾

''اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا قصد فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''[1]

اور بیت اللہ کا قصد کرنے کے مفہوم میں کوئی ابہام نہیں ہے، یعنی وہ ایک خاص نوعیت کی عبادت ہے۔

حج کس پر واجب ہے؟ ہر عاقل، بالغ، آزاد اور صاحبِ استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار حج مع عمرہ واجب ہے۔ سورۂ آل عمران میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾

''اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''[2]

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ» ''اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے۔''

یہ سن کر اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور دریافت کیا: کیا ہر سال؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر میں یہ کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا۔ حج ایک بار ہے اور جو زیادہ کرے تو وہ نفل ہے۔''[3]

سورۂ بقرہ میں ہے: ﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾ ''اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔''[4]

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] آل عمرٰن 3:97. [2] آل عمرٰن 3:97. [3] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب فرض الحج، حديث :1721، وسنن النسائي، مناسك الحج، باب وجوب الحج، حديث:2621. [4] البقرة 2:196.

«هٰذِهِ عُمْرَةٌ اسْتَمْتَعْنَا بِهَا ، فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَهُ الْهَدْيُ فَلْيَحِلَّ الْحِلَّ كُلَّهُ ، فَإِنَّ الْعُمْرَةَ قَدْ دَخَلَتْ فِي الْحَجِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''اس عمرے کا ہم نے (حج کے سفر میں) فائدہ حاصل کیا ہے، چنانچہ جس کے پاس قربانی نہ ہو، وہ پوری طرح حلال ہو جائے۔ بلاشبہ عمرہ قیامت تک کے لیے حج میں شامل ہو چکا ہے۔'' [1]

بچے کا حج صحیح ہے مگر بالغ ہونے پر حجِ اسلام اس کے ذمے رہے گا: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ کی خدمت میں اپنے بچے کو بلند کیا اور پوچھا کہ کیا اس پر بھی حج ہے؟ تو آپ نے فرمایا: «نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ» ''ہاں! اور اجر تیرے لیے ہے۔'' [2]

سائب بن یزید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میری عمر سات سال تھی، مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کرایا گیا۔ [3]

مسئلہ یہ ہے کہ بچے کا بچپن میں کیا ہوا حج اس کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس پر فرض حج بدستور واجب ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جسے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْغُلَامِ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يُفِيقَ»

''تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سوئے ہوئے سے حتی کہ جاگ جائے، بچے سے حتی کہ بالغ ہو جائے اور پاگل سے حتی کہ عقل مند ہو جائے۔'' [4]

حجِ بدل جائز ہے: کسی عاجز و کمزور کی طرف سے اس کا بیٹا، بھائی یا کوئی اور قریبی عزیز حج کرے تو جائز ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے باپ کو فریضۂ حج کی نوبت اس حال میں پہنچی ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہے، وہ اونٹ پر نہیں بیٹھ سکتا، آپ نے فرمایا: «فَحُجِّي عَنْهُ» ''اس کی طرف سے تم حج کر لو۔'' [5]

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب جواز العمرة في أشهر الحج، حديث: 1241، وسنن أبي داود، المناسك، باب في إفراد الحج، حديث: 1790. [2] صحيح مسلم، الحج، باب صحة حج الصبي......، حديث: 1336، وسنن أبي داود، المناسك، باب في الصبي يحج، حديث: 1736. [3] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج الصبيان، حديث: 1858، ومسند أحمد: 449/3. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا، حديث: 4398، ومسند أحمد: 101,100/6. [5] صحيح البخاري، الحج، باب وجوب الحج وفضله......، حديث: 1513، وصحيح مسلم، الحج، باب الحج عن العاجز لزمانة وهرم ونحوها......، حديث: 1335,1334.

جناب ابورزین عُقَیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے، حج وعمرہ نہیں کرسکتا بلکہ سواری کے بھی قابل نہیں ہے، آپ نے فرمایا:

«حُجَّ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ» ''تم اپنے باپ کی طرف سے حج بھی کرو اور عمرہ بھی۔''[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ حج نہیں کر سکی اور وہ فوت ہوگئی ہے، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ فرمایا:

«نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلٰى أُمِّكِ دَيْنٌ، أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ؟»

''ہاں! تم اس کی طرف سے حج کرلو، ذرا غور کرو اگر تمھاری ماں کے ذمے قرضہ ہوتا تو کیا تم ادا نہ کرتیں؟''[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی سے سنا وہ کہہ رہا تھا: میں شُبرُمہ کی طرف سے حاضر ہوں۔ آپ نے پوچھا:

«مَنْ شُبْرُمَةُ؟» قَالَ: أَخٌ لِّي - أَوْ قَرِيبٌ لِّي - قَالَ: «حَجَجْتَ عَنْ نَّفْسِكَ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «حُجَّ عَنْ نَّفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ»

''شبرمہ کون ہے؟'' اس نے کہا: میرا بھائی ہے یا (یہ کہا کہ) کوئی قریبی عزیز ہے۔ آپ نے پوچھا: ''کیا تو نے اپنا حج کرلیا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پہلے اپنی طرف سے حج کر، پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔''[3]

حج اور عمرے کی فضیلت: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ، لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»

''ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کی درمیانی مدت کے لیے کفارہ ہے اور خالص حج کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔''[4]

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، حديث: 1810، ومسند أحمد: 10/4. [2] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب الحج والنذور عن الميت......، حديث: 1852. [3] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، حديث: 1811، وسنن ابن ماجه المناسك، باب الحج عن الميت، حديث: 2903. [4] صحيح البخاري، أبواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها، حديث: 1773، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1349.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»

''حج اور عمرے بار بار کرو، بلاشبہ یہ فقیری اور گناہ یوں دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل صاف کر دیتی ہے اور خالص حج کا ثواب جنت ہی ہے۔'' [1]

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے:

«مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»

''جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں کوئی شہوانی عمل کیا نہ کوئی فسق والا کام کیا تو وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو کر اس دن کی طرح لوٹا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔'' [2]

نیت کے ذریعے سے حج کی نوعیت متعین کرنا ضروری ہے: حج کی تین صورتیں ہیں:

1. تمتع 2. قران 3. اِفراد

حج تمتع: یہ ہے کہ آفاقی آدمی (جو اہلِ حرم میں سے نہیں ہے) حج کے مہینوں میں عمرے کا احرام باندھے اور مکہ پہنچ کر عمرہ مکمل کرے، پھر احرام کھول دے اور ایامِ حج آنے تک اسی طرح حلال رہے اور اس کے ذمے قربانی ہے۔ جو جانور میسر ہو، اس کی قربانی کر دے۔

حج قِران: یہ ہے کہ آفاقی آدمی حج اور عمرے کا اکٹھا احرام باندھے، مکہ میں داخل ہو جائے، عمرہ کرے، پھر احرام ہی میں رہے حتی کہ اعمالِ حج سے فارغ ہو جائے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک بار طواف اور ایک بار سعی کرے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَجْزَأَهُ طَوَافٌ وَّاحِدٌ وَّسَعْيٌ وَّاحِدٌ عَنْهُمَا حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا»

''جس نے حج اور عمرے کا احرام باندھا ہو، اسے دونوں کی طرف سے ایک بار طواف اور ایک بار سعی کافی

---

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في ثواب الحج والعمرة، حديث: 810، وصحيح ابن خزيمة: 130/4، حديث: 2512. [2] صحيح البخاري، الحج، باب فضل الحج المبرور، حديث: 1521، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1350.

ہے، حتی کہ ان دونوں سے فراغت پا جائے۔‘‘ [1]

حج قِران کی دلیل: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے سال ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، ہم میں سے بعض افراد نے عمرے کا احرام باندھا، بعض نے حج اور عمرے کا اور بعض افراد نے صرف حج کا اور رسول اللہ ﷺ نے حج کا احرام باندھا تھا۔ اور جن لوگوں نے صرف حج یا حج اور عمرے کی نیت کی تھی، وہ حلال نہ ہوئے حتی کہ قربانی کا دن آ گیا۔ [2]

حج اِفراد: یہ ہے کہ آفاقی آدمی صرف حج کا احرام باندھے۔ اور یہ اس سے رمیِ جمرۂ عقبہ کے بعد فارغ ہوگا۔ اس کی دلیل مذکورہ بالا حدیثِ عائشہ ہے جو قِران کے ذیل میں بیان ہوئی ہے۔

* سب سے افضل حج تمتع ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کا احرام باندھا، جب ہم مکہ پہنچے تو آپ نے ہمیں احرام کھول دینے کا حکم دیا، نیز فرمایا کہ ہم اسے عمرہ بنا لیں۔ یہ بات ہم پر بڑی گراں گزری اور ہمارے سینے بہت تنگ ہوئے۔ نبی ﷺ کو یہ اطلاع پہنچی، معلوم نہیں کیسے؟ آسمان سے پہنچی یا لوگوں کے ذریعے سے تو آپ نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! أَحِلُّوا، فَلَوْلَا الْهَدْيُ الَّذِي مَعِي، فَعَلْتُ كَمَا فَعَلْتُمْ»

’’اے لوگو! احرام کھول دو اگر میرے ساتھ قربانی نہ ہوتی تو میں بھی تمھاری طرح کرتا۔‘‘

چنانچہ ہم نے احرام کھول دیے حتی کہ بیویوں سے ہم بستر بھی ہوئے اور وہ سب کچھ کیا جو احرام سے آزاد آدمی کرتا ہے، حتی کہ آٹھ ذوالحجہ کا دن آ گیا، ہم نے مکہ اپنی پیٹھ پیچھے کیا، یعنی منیٰ کا قصد کیا اور حج کا احرام باندھ لیا۔ [3]

احرام، میقات (مقررہ جگہوں) سے باندھا جائے

احرام کے لیے مقررہ مقامات: ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ’’رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ، اہلِ شام کے لیے جحفہ، اہلِ نجد کے لیے قرن المنازل اور اہلِ یمن کے لیے مقام یلملم متعین فرمایا۔ یہ مقامات یہاں کے لوگوں کے لیے ہیں اور ان دیگر لوگوں کے لیے بھی جو یہاں سے حج و عمرہ کے لیے گزریں اور

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء أن القارن يطوف طوافًا واحدًا، حديث: 948، وسنن ابن ماجه، المناسك، باب طواف القارن، حديث: 2975. [2] صحيح البخاري، الحج، باب التمتع والقِران والإفراد بالحج......، حديث: 1562، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث: 1211. [3] صحيح البخاري، باب التمتع والقِران والإفراد بالحج، حديث: 1568، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث: 1216.

جوان سے آگے (مکہ کی جانب میں) ہوں تو ان کے لیے مقامِ احرام ان کا گھر ہی ہے حتی کہ اہلِ مکہ وہیں (مکہ ہی) سے احرام باندھیں گے۔“ [1]

ذُوالْحُلَيْفَة: اہلِ مدینہ کا میقات ہے یہ بستی مکہ سے چار سو پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور یہ سب سے دور میقات ہے۔

جُحْفَة: یہ اہلِ شام کا میقات ہے۔ جو مکہ سے ایک سو ستاسی کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، یہ بستی اجڑ چکی ہے۔ اس لیے لوگ اس سے پہلے رابغ مقام سے احرام باندھتے ہیں جو مکہ سے دو سو چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

قَرْنُ الْمُنَازِل: یہ اہلِ نجد کا میقات ہے۔ اور مکہ سے چورانوے (94) کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

يَلَمْلَم: یہ اہلِ یمن کا میقات ہے جو مکہ سے چون 54 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

ذَاتُ عِرْق: یہ اہلِ عراق کا میقات ہے، یہ نجد اور تہامہ کے درمیان دیہی علاقہ ہے اور مکہ سے چورانوے94 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ [2]

نبی ﷺ کا سفرِ حج

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے ہاں گئے۔ انھوں نے سب لوگوں سے خیر و عافیت دریافت کی۔ میری باری آئی تو میں نے عرض کی کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں۔ انھوں نے اپنا ہاتھ میرے سر کی طرف بڑھایا، پھر میرے گریبان کا اوپر والا بٹن کھولا، پھر نیچے والا کھولا، پھر اپنا ہاتھ میری چھاتی پر رکھا، میں ان دنوں جوان لڑکا تھا، انھوں نے کہا: خوش آمدید اے میرے بھتیجے! پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو، تو میں نے ان سے پوچھا جبکہ وہ ان دنوں نابینے ہو چکے تھے اور نماز کا وقت ہو چلا تھا، وہ کھڑے ہو گئے، انھوں نے ایک چھوٹا سا کپڑا لپیٹ رکھا تھا، وہ جب بھی اسے اپنے کندھے پر ڈالتے تو اس کے کنارے کپڑا چھوٹا ہونے کے باعث گر پڑتے تھے جبکہ ان کی بڑی چادر کھونٹی پر لٹکی ہوئی تھی، انھوں نے ہمیں نماز پڑھائی۔ میں نے عرض کی کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے حج کے متعلق بتائیں۔ انھوں نے اپنے

---

[1] صحيح البخاري، الحج، باب مهل أهل الشام، حديث : 1526، وصحيح مسلم، الحج، باب مواقيت الحج، حديث: 1181. [2] دیگر محقق علماء نے ان مواقیت مکانیہ کی مکہ سے جو مسافتیں ذکر کی ہیں، وہ درج ذیل ہیں: * ذوالحلیفہ:420 کلومیٹر، * جحفہ:208 کلومیٹر جبکہ رابغ:186 کلومیٹر۔ * قرن المنازل:78 کلومیٹر۔ * یلملم :120 کلومیٹر۔ * ذات عرق:100 کلومیٹر۔ دیکھیے نيل المآرب في تهذيب شرح عمدة الطالب:2/173 - 175 ، والمنهاج للمعتمر والحاج لسعود الشريم، ص:54,53.

ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے نو(9) کے عدد کی گرہ بنائی اور کہا: رسول اللہ ﷺ نو سال تک رکے رہے، حج نہیں کیا، دسویں سال اعلان عام کر دیا کہ اللہ کے رسول حج کے لیے جانے والے ہیں، چنانچہ مدینے میں بہت سے لوگ آ گئے، سب کی آرزو تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کریں اور وہی کریں جو آپ کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم آپ کے ساتھ روانہ ہوئے حتی کہ ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ یہاں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابی بکر کو جنم دیا تو اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا:

«اِغْتَسِلِي وَاسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِي» ''غسل کرلو، کپڑے سے لنگوٹ باندھ کر احرام باندھ لو۔''

رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی، پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے۔ جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر میدان بیداء کے قریب آئی تو میں نے اپنے سامنے تاحد نظر پیدل اور سوار آدمی ہی آدمی دیکھے، آپ کے دائیں جانب بھی لوگ تھے، بائیں جانب بھی تھے اور پیچھے بھی اور آپ ہمارے درمیان تھے، آپ پر قرآن اترتا تھا اور آپ اس کی حقیقت خوب جانتے تھے۔ پس جو آپ کرتے تھے، وہی عمل ہم بھی کرتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے توحید کا آوازہ بلند کیا:

«لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ! لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ! إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ، وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ»

''میں بار بار حاضر ہوں اے اللہ! میں بار بار حاضر ہوں، میں بار بار حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں بار بار حاضر ہوں، ہر طرح کی حمد و ثنا تیرے ہی لائق ہے اور سب نعمتیں تیری ہی طرف سے ہیں اور سارا ملک تیرا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔''

اور لوگ یہ کلمات پکارنے لگے جو پکارتے ہیں اور آپ نے کسی کی تردید نہیں فرمائی بلکہ آپ اپنا تلبیہ کہتے رہے۔

جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ہماری نیت صرف حج کی تھی، ہم (حج کے ساتھ) عمرہ نہیں جانتے تھے حتی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ پہنچ گئے۔ آپ نے حجر اسود کا استلام کیا (بوسہ لیا اور ہاتھ لگایا)، پھر تین چکروں میں آہستہ آہستہ دوڑے اور چار چکروں میں عام چال سے چلے، پھر مقامِ ابراہیم کی طرف آئے اور یہ آیت پڑھی:

﴿ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ ''اور (حکم دیا کہ) تم مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔''[1]

[1] البقرۃ 2:125.

آپ نے مقامِ ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کیا۔

جعفر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد (محمد بن علی رحمہ اللہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ آپ ان دو رکعتوں میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام رکن (حجر اسود) کی طرف لوٹے اور اس کا استلام کیا، پھر صفا کی طرف نکلے، جب اس کے قریب ہوئے تو یہ آیت پڑھی: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''[1]

(اور فرمایا:) ''میں ابتدا کرتا ہوں اس سے جس سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے۔''

چنانچہ آپ نے صفا کی طرف سے ابتدا کی اور اس پر چڑھ گئے حتی کہ بیت اللہ کو دیکھا اور اس کی طرف رخ کیا اور اللہ کی توحید اور کبریائی بیان کی اور کہا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے، تعریف اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔ اللہ کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھلایا، اپنے بندے کی مدد کی اور سب جماعتوں کو اس اکیلے ہی نے پچھاڑ دیا۔''

پھر اس کے درمیان دعائیں کیں اور اسی طرح تین بار کہا، پھر مروہ کی طرف اترے، جب آپ وادی کے دامن میں پہنچے تو آپ دوڑے، جب چڑھائی آئی تو چلنے لگے حتی کہ مروہ پر پہنچ گئے اور وہاں بھی اسی طرح کیا جس طرح صفا پر کیا تھا حتی کہ آپ کا آخری چکر مروہ پر ختم ہوا، پھر آپ نے فرمایا:

«لَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ أَسُقِ الْهَدْيَ، وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ، وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً»

''اگر مجھے اپنے اس معاملے کا علم پہلے ہو جاتا جو بعد میں ہوا ہے تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا اور اسے عمرہ بنا لیتا، لہٰذا تم میں سے جس جس کے پاس قربانی نہیں ہے، وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنا لے۔''

سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ ہمارے اسی سال کے لیے

[1] البقرۃ 2:158.

ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کرتے ہوئے فرمایا:

«دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ» مَرَّتَيْنِ «لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ»

''عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔'' دو بار فرمایا، ''نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔''

علی رضی اللہ عنہ یمن سے نبی ﷺ کی قربانیاں لے کر آئے، انھوں نے (اپنی اہلیہ محترمہ) فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام میں نہیں ہیں بلکہ رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ لگا لیا ہے، علی رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میرے پدر گرامی نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ جب عراق میں تھے، تو کہا کرتے تھے کہ میں فاطمہ کے خلاف ابھارنے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ سے ان کے عمل کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے نبیِ اکرم ﷺ کو بتایا کہ میں نے فاطمہ کے اس عمل پر انکار کیا ہے (اور انھوں نے آپ کا حوالہ دیا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقَتْ صَدَقَتْ، مَاذَا قُلْتَ حِينَ فَرَضْتَ الْحَجَّ؟»

''اس نے ٹھیک کہا ہے، ٹھیک کہا ہے، تم نے حج کی نیت کے وقت کیا کہا تھا؟''

میں نے عرض کی کہ میں نے کہا تھا: اے اللہ! میں اسی طرح احرام باندھ رہا ہوں جس طرح تیرے رسول نے احرام باندھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلُّ» ''میرے ساتھ تو قربانی ہے، چنانچہ تم بھی احرام نہ کھولو۔''

اور بتایا کہ وہ قربانیاں جو علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے اور جو خود نبی ﷺ لائے تھے، وہ کل ایک سو تھیں، چنانچہ سب نے احرام کھول دیے اور اپنے بال ترشوا لیے، سوائے نبی ﷺ کے اور ان لوگوں کے جن کے ساتھ قربانیاں تھیں، پھر جب آٹھ ذوالحجہ کا دن آیا تو لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہونے لگے اور انھوں نے حج کے لیے احرام باندھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی سوار ہوئے (اور منیٰ پہنچے۔) وہاں آپ نے انھیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھائیں، (نویں کی صبح کو) آپ نے کچھ توقف فرمایا حتی کہ سورج طلوع ہو گیا، پھر حکم دیا کہ آپ کے لیے وادیِ نمرہ میں خیمہ لگا دیا جائے، خیمہ اون کا تھا۔ آپ (منیٰ سے) روانہ ہوئے، قریشیوں کو یقین تھا کہ آپ مشعر الحرام (مزدلفہ) پر رک جائیں گے جیسا کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے، مگر آپ علیہ السلام اس سے آگے بڑھ گئے حتی کہ عرفہ تک جا پہنچے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کے لیے وادیِ نمرہ میں خیمہ لگا دیا گیا ہے، آپ اس میں اترے۔ سورج ڈھل گیا تو آپ نے قصواء اونٹنی کی تیاری کا حکم دیا، اسے تیار کیا گیا، پھر آپ دامنِ وادی میں

تشریف لائے، لوگوں کو خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا:

«إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا، رِبَا عَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ، فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابَ اللهِ، وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟»

"بلاشبہ تمھارے خون، تمھارے مال ایک دوسرے پر حرام ہیں جس طرح تمھارا یہ دن، اس مہینے اور اس شہر میں محترم ہے۔ خبردار! جاہلیت کی ہر بات میرے قدموں تلے مٹائی جاتی ہے، جاہلیت کے تمام خون (قتل) معاف کیے جاتے ہیں اور سب سے پہلا خون جو میں اپنے خونوں میں سے معاف کر رہا ہوں، وہ ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے، یہ بنی سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا اور ہذیل نے اسے قتل کر ڈالا تھا اور (زمانہ) جاہلیت کا سب سود ختم کیا جاتا ہے اور سب سے پہلا سود جو میں کالعدم قرار دے رہا ہوں وہ ہمارا سود، عباس بن عبدالمطلب کا ہے، وہ سب کالعدم کر دیا گیا ہے، (لوگو!) عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ کی امان سے حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمے سے ان کی عصمتیں اپنے لیے حلال کی ہیں اور تمھارے لیے ان کے ذمے یہ ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر کسی کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند سمجھتے ہو۔ اگر وہ ایسی کوئی حرکت کریں تو انھیں سزا دو مگر ایسی سزا جو زخمی نہ کر دے اور ان کے لیے تمھارے ذمے یہ ہے کہ معروف انداز میں تم ان کی خوراک اور پوشاک کا اہتمام کرو۔ میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں جسے تم نے مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب۔ اور تم لوگوں سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟"

سب حاضرین نے جواب دیا: ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا، حق ادا کر دیا اور خیر خواہی فرمائی، (یہ سن کر) آپ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند فرمائی اور پھر اسے لوگوں کی طرف

جھکاتے ہوئے کہا: «اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ» ''اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔''
تین بار اسی طرح فرمایا، پھر اذان ہوئی، اقامت ہوئی اور نماز ظہر پڑھی، پھر اقامت ہوئی اور عصر پڑھی اور ان کے درمیان کچھ نہیں پڑھا، پھر آپ علیہ السلام اونٹنی پر سوار ہوئے حتی کہ وقوف کی جگہ تشریف لے آئے، اپنی اونٹنی قصواء کا پیٹ پتھروں کی طرف کر دیا، پیدل چلنے والوں کا راستہ آپ کے سامنے تھا، آپ نے قبلے کی طرف منہ کیا، پھر ٹھہرے رہے حتی کہ سورج غروب ہو گیا اور اس کی زردی معدوم ہو گئی حتی کہ ٹکیہ غائب ہو گئی۔ آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کیا اور عرفات سے روانہ ہو گئے، آپ نے قصواء کی باگ خوب کھینچی ہوئی تھی، اس کا سر مَورِک (کجاوے پر سوار کے پیر رکھنے کی جگہ) کو لگ رہا تھا۔ آپ اپنے داہنے ہاتھ سے اشارے فرما رہے تھے:

«أَيُّهَا النَّاسُ! اَلسَّكِينَةَ السَّكِينَةَ» ''لوگو! سکون سے، سکون سے۔''

آپ کسی چڑھائی کے پاس آتے تو اونٹنی کی باگ تھوڑی سی ڈھیلی کر دیتے حتی کہ وہ اوپر چڑھ جاتی۔ یوں آپ مزدلفہ پہنچے۔ یہاں آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں اور ان کے درمیان کوئی سنتیں نہیں پڑھیں۔ پھر آپ لیٹ گئے حتی کہ فجر طلوع ہو گئی، آپ نے نماز فجر ایک اذان اور اقامت کے ساتھ ادا فرمائی۔

پھر آپ قصواء پر سوار ہوئے، مشعر الحرام کے پاس آئے، قبلے کی طرف منہ کیا، دعا کی، اللہ کی تکبیر و تہلیل بیان فرمائی اور وہاں ٹھہرے رہے۔ جب خوب سفیدی ہو گئی تو سورج کے طلوع ہونے سے پہلے وہاں سے روانہ ہوئے، آپ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کر لیا، یہ بڑی خوبصورت زلفوں اور سفید رنگ کا بڑا حسین نوجوان تھا۔ وہاں سے روانہ ہوتے وقت ان کے پاس سے عورتیں دوڑتی ہوئی گزریں، فضل ان کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا تو فضل نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیرا اور انھیں دیکھنا شروع کر دیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ دوسری طرف سے پھیر کر فضل کے چہرے پر رکھ دیا تاکہ وہ اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لے حتی کہ آپ وادیٔ مُحَسِّر کے دامن میں پہنچ گئے، یہاں سے آپ کسی قدر تیزی سے گزرے، پھر وہ درمیانی راہ اختیار فرمائی جو جمرہ کبریٰ پر نکلتی ہے حتی کہ آپ اس جمرہ کے پاس پہنچ گئے جو درخت کے پاس ہے، آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں، آپ ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے تھے۔ کنکریاں چھوٹی چھوٹی تھیں، آپ نے کنکریاں وادی کے نشیب کی طرف سے ماریں، پھر آپ قربان گاہ کی طرف آ گئے، آپ نے اپنے ہاتھ سے تریسٹھ (63) قربانیاں نحر کیں اور بقیہ علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں اور ان کو اپنی قربانیوں میں شریک

فرمایا، پھر آپ نے ہر اونٹنی سے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لینے کا حکم دیا، چنانچہ وہ لے کر دیگ میں پکایا گیا، پھر دونوں نے اس سے تناول فرمایا اور اس کا شوربا بھی پیا۔

پھر آپ ﷺ سوار ہوئے، بیت اللہ تشریف لائے اور نماز ظہر مکہ میں ادا کی، پھر بنی عبدالمطلب کے پاس آئے، وہ چاہ زمزم سے پانی پلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«انْزِعُوا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! فَلَوْلَا أَنْ يَغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ»

”نکالو اے بنی عبدالمطلب! مجھے اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تمھاری اس خدمت پر تم پر غالب آ جائیں گے تو میں بھی تمھارے ساتھ نکالتا۔“

انھوں نے آپ کو ایک ڈول دیا اور آپ نے اس سے پانی پیا۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بڑی عظیم الشان حدیث ہے، اس میں بہت عمدہ علمی فوائد اور بڑے نفیس قواعد بیان ہوئے ہیں۔

قاضی عیاض کہتے ہیں: علماء نے اس میں سے بہت سے فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے، بلکہ امام ابوبکر بن منذر نے اس پر ایک بڑا جز تصنیف کیا ہے اور ڈیڑھ سو سے زیادہ مسائل کا استخراج کیا ہے۔[2]

ممنوعاتِ احرام

محرم کے لیے کون سا لباس جائز نہیں؟ محرم آدمی قمیص، پگڑی، ٹوپی دار جبہ یا شلوار نہیں پہن سکتا، نہ کوئی ایسا کپڑا جس پر ورس (ایک قسم کی خوشبو دار بوٹی) یا زعفران لگا ہوا ہو، نہ موزے، ہاں! اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر بطور جوتا پہن سکتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! مُحرِم آدمی کون سے کپڑے پہنے؟ آپ نے فرمایا:

«لَا يَلْبَسُ الْقُمُصَ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ، وَلَا الْبَرَانِسَ، وَلَا الْخِفَافَ إِلَّا أَحَدٌ لَّا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَّسَّهُ زَعْفَرَانٌ أَوْ وَرْسٌ»

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. [2] شرح النووي: 236/8 تحت الحديث: 1218.

''قمیص، پگڑی، شلوار یا ٹوپی دار جبہ نہ پہنے، نہ موزے، مگر جس کے پاس جوتے نہ ہوں، وہ موزے ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر پہن لے اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جسے زعفران لگی ہو یا وہ ورس سے رنگا گیا ہو۔'' [1]

حدیث میں وارد الفاظ ''بَرَانِس'' (جمع بُرْنُس) سے مراد ہر وہ کپڑا ہے جس میں سر کی ٹوپی اس کے ساتھ سلی ہوئی ہوتی ہے۔

''کَعْبَیْن'' (کَعْب کا تثنیہ ہے) اس سے مراد وہ دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پاؤں اور پنڈلی کے جوڑ کو ملاتی ہیں۔

''وَرْس'' ایک زرد رنگ کی خوشبو دار بوٹی کا نام ہے جو رنگنے کے کام آتی ہے۔ ایک اور لفظ عُصْفُر بھی آتا ہے، اس کے بھی یہی معنی ہیں۔

عورت چہرے پر نقاب ڈالے نہ دستانے پہنے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
«وَلَا تَنْتَقِبِ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ» ''محرم عورت نقاب نہ کرے، نہ دستانے پہنے۔'' [2]

احرام کی ابتدا کرتے ہوئے خوشبو نہ لگائے: صفوان بن یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ (میرے والد) یعلی رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے: کاش! میں نبی ﷺ کو اس حالت میں دیکھ پاؤں جب آپ پر وحی نازل ہوتی ہے، چنانچہ جب رسالت مآب ﷺ جِعْرَانَة میں تھے، ایک شخص نے آپ پر ایک کپڑے سے سایہ کر رکھا تھا اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے، ان میں عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے تو اس اثنا میں آپ کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے اون کا جبہ پہنا ہوا تھا جو خوشبو میں بسا ہوا تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس آدمی کو کیسا پاتے ہیں جس نے عمرے کا احرام ایک ایسے جبے میں باندھا ہو جو خوشبو میں بسا ہوا ہو؟ نبی ﷺ نے ایک لحظہ اس کی طرف دیکھا اور خاموش ہوگئے، پھر آپ پر وحی نازل ہوئی، عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کو ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا کہ اِدھر آؤ، چنانچہ یعلی رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے اپنا رخ نبی ﷺ کی طرف پھیر دیا۔ دیکھا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور آپ لحہ بھر کے لیے خراٹا سا لے رہے ہیں، پھر آپ کی یہ کیفیت دور ہو گئی تو آپ نے دریافت فرمایا:

«أَيْنَ الَّذِي سَأَلَنِي عَنِ الْعُمْرَةِ آنِفًا؟» فَالْتُمِسَ الرَّجُلُ، فَجِيءَ بِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

---

[1] صحيح البخاري، الحج، باب مالا يلبس المحرم من الثياب، حديث: 1542، وصحيح مسلم، الحج، باب ما يباح للمحرم بحج......، حديث: 1177. [2] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب ماينهى من الطيب للمحرم والمحرمة، حديث: 1838، ومسند أحمد: 119/2.

«أَمَّا الطِّيبُ الَّذِي بِكَ، فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَأَمَّا الْجُبَّةُ، فَانْزِعْهَا، ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ»

''کہاں ہے وہ جس نے ابھی مجھ سے عمرے کے متعلق پوچھا تھا؟'' اس آدمی کو ڈھونڈا گیا اور لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ''تجھ پر جو خوشبو لگی ہوئی ہے، اسے تین بار دھو ڈال، جبہ اتار دے اور اپنے عمرے میں وہی طرز عمل اختیار کر جو تو اپنے حج میں کرتا ہے۔'' [1]

احرام سے قبل لگائی جانے والی خوشبو کا حکم: اگر کسی نے احرام سے پہلے خوشبو لگائی ہو تو اسے باقی رکھنا جائز ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے احرام کے وقت، جب وہ احرام باندھنے کا ارادہ فرما رہے ہوتے، خوشبو لگاتی تھی، اسی طرح بیت اللہ کے طواف سے پہلے بھی جب کہ آپ احرام کھولتے۔ [2]

محرم اپنے ناخن نہ کاٹے: امام ابن منذر لکھتے ہیں: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ محرم کے لیے ناخن کاٹنا حرام ہے۔ [3]

بال مونڈنا یا تراشنا: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾

''اور اپنے سر نہ منڈاؤ حتی کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچ جائے۔'' [4]

اگر محرم کو اپنے بالوں سے اذیت ہو تو وہ انھیں تراش سکتا ہے یا مونڈ سکتا ہے مگر فدیہ دینا ہوگا: اللہ عزوجل کا حکم ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾

''پھر اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوا لے) تو وہ فدیے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔'' [5]

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھا کر لے جایا گیا، حالت یہ تھی کہ میرے چہرے پر جوئیں گر رہی تھیں، آپ نے فرمایا:

«مَا كُنْتُ أُرَى الْوَجَعَ بَلَغَ بِكَ مَا أَرَى، أَتَجِدُ شَاةً؟» فَقُلْتُ: لَا، قَالَ: «فَصُمْ ثَلَاثَةَ

[1] صحیح البخاري، فضائل القرآن، باب نزل القرآن بلسان قریش والعرب......، حدیث: 4985، وصحیح مسلم، الحج، باب مایباح للمحرم بحج......، حدیث: 1180 واللفظ له. [2] صحیح البخاري، الحج، باب الطیب عند الإحرام......، حدیث: 1539، وصحیح مسلم، الحج، باب استحباب الطیب قبیل الإحرام......، حدیث: 1189. [3] الإجماع، رقم: 148. [4] البقرة 196:2. [5] البقرة 196:2.

أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ»

''میں نہیں سمجھتا تھا کہ تجھے اس قدر تکلیف ہوگی جس قدر میں دیکھ رہا ہوں۔ کیا تو ایک بکری پاتا ہے؟'' میں نے عرض کی: نہیں، فرمایا: ''تو تین دن کے روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے، ہر مسکین کے لیے آدھا صاع ہو۔'' [1]

محرم کوئی شہوانی بات کرے نہ فسق کا مرتکب ہو اور نہ جھگڑا کرے: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾

''تو حج کے دوران میں وہ جنسی باتیں نہ کرے، اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور کسی سے جھگڑا نہ کرے۔'' [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»

''جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور کوئی شہوانی عمل نہ کیا اور نہ فسق کا مرتکب ہوا تو وہ اپنے گناہوں سے (پاک ہوکر) اس دن کی طرح لوٹا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔'' [3]

حافظ منذری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''رفث'' کا لفظ بول کر اس سے مراد جماع لیا جاتا ہے، یا کبھی یہ لفظ بے حیائی کے لیے بھی بولا جاتا ہے، یا اس کا اطلاق ایسی گفتگو پر بھی ہوتا ہے جو میاں بیوی کے مابین شہوانی جذبات کے سلسلے میں ہو۔ علمائے کرام کی ایک جماعت نے اس حدیث کی شرح میں یہ تینوں مفاہیم بیان کیے ہیں اور میرے نزدیک یہ سبھی باتیں حرام ہیں۔''

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ الرَّفَثُ ﴾ سے مراد عورتوں کے پاس آنا ہے، یعنی جماع کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ﴾

''تمھارے لیے روزے کی رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے۔'' [4]

اور ﴿ فُسُوقَ ﴾ سے مراد بتوں اور آستانوں کے لیے جانور ذبح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ﴾ ''یا وہ فسق ہو کہ (ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔'' [5]

---

[1] صحيح البخاري، المحصر، باب من قال على المحصر بدل، حديث: 1816، وصحيح مسلم، الحج، باب جواز حلق الرأس للمحرم إذا كان به أذى.........، حديث: 1201. [2] البقرة 2:197. [3] صحيح البخاري، الحج، باب فضل الحج المبرور، حديث: 1521، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حديث: 1350. [4] البقرة 2:187. [5] الأنعام 6:145.

حج میں جدال کی تفصیل یہ ہے کہ اہلِ قریش مزدلفہ میں مشعر الحرام کے پاس قُزح کے قریب ٹھہرا کرتے تھے۔ قُزح ایک پہاڑی ہے جس کے قریب امام مزدلفہ میں وقوف کرتا ہے۔[1]

دیگر عرب قبائل عرفات کے میدان میں وقوف کرتے تھے۔ ان کا آپس میں جھگڑا ہوتا تھا، کوئی کہتا تھا: ہم درست ہیں اور کوئی کہتا کہ ہم ٹھیک ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ﴾

''ہر امت کے لیے ہم نے طریق عبادت مقرر کیا ہے، وہ اس پر عمل پیرا ہیں، لہٰذا وہ اس امر میں آپ سے ہرگز جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیں، یقیناً آپ راہ راست پر ہیں۔''[2]

پس حج میں اس قسم کا جدال ممنوع ہے۔

محرم اپنا نکاح کرے نہ کسی دوسرے کا، نہ کسی کو نکاح کا پیغام دے: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ»

''احرام والا نہ خود نکاح کرے، نہ کسی دوسرے کا نکاح کرے اور نہ نکاح کا پیغام دے۔''[3]

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں جو آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ احرام میں نکاح کیا تھا، جبکہ (سند کے لحاظ سے) یہ حدیث صحیح ہے،[4] تو اس کے متعلق خود ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی اپنی وضاحت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھ سے نکاح کیا تو آپ احرام میں نہیں تھے۔[5]

ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہی راجح ہے کیونکہ محترمہ خود صاحب معاملہ ہیں، نیز عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق نبی ﷺ کا ارشاد گرامی بھی اسی کے مطابق ہے۔

مُحرم مرد کا سر ڈھانپنا: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی کو اپنی اونٹنی نے گرا کر اس کی گردن توڑ دی تو وہ مر گیا، وہ احرام میں تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] النهاية: 51/4، مادہ: ق ز ح۔ [2] الحج 22:67. لفظ ﴿فُسُوقَ﴾ مذکورہ بالا معنی کو بھی شامل ہے، جبکہ اپنے عموم کی وجہ سے حالتِ احرام میں اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت اس میں داخل ہے، اسی طرح ﴿جِدَالَ﴾ مذکورہ معنی کے علاوہ ہر جھگڑے کو بھی شامل ہے۔ دیکھیے تفسير القرطبي، البقرة 2:197. (عبدالولی) [3] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته، حديث: 1409، ومسند أحمد: 64/1. [4] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب تزويج المحرم، حديث: 1837، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم......، حديث: 1410. [5] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم......، حديث: 1411.

«اِغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ وَّكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ وَلَا تُخَمِّرُوا وَجْهَهُ وَلَا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا»

''اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، کفن بھی اس کے دو کپڑوں میں دو، اسے خوشبو نہ لگاؤ، اس کا چہرہ اور سر نہ ڈھانپنا، بلاشبہ یہ قیامت کے دن تلبیہ پکارتا ہوا اٹھے گا۔''

اور ایک روایت میں ہے: «وَلَا تُمِسُّوهُ بِطِيبٍ» ''اور اسے خوشبو بھی نہ لگاؤ۔'' [1]

مُحرم شکار نہیں کر سکتا: سورۂ مائدہ میں اللہ عزوجل کا حکم ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾

''اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو۔'' [2]

اور فرمایا: ﴿ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ﴾

''اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو، تمھارے لیے خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے۔'' [3]

قصداً شکار کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم: سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴾

''اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو، اسے اس کے برابر ایک جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں گے، یہ (فدیہ) بطور قربانی کعبہ پہنچایا جائے گا۔ یا اس کا کفارہ چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے، تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا، وہ اللہ نے معاف کیا اور جو کوئی دوبارہ وہی حرکت کرے تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے۔'' [4]

کسی نے محرم کے لیے شکار کیا ہو تو محرم اسے نہ کھائے: صعب بن جثّامہ لیثی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شکار شدہ زندہ جنگلی گدھا اس وقت پیش کیا جب آپ اَبواء یا وَدّان مقام پر تھے، آپ نے اسے واپس کر دیا جب آپ نے میرا چہرہ دیکھا تو فرمایا: ''ہم نے شکار اس لیے واپس کیا ہے کہ

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب الكفن في ثوبين، حديث: 1265، وصحيح مسلم، الحج، باب مايفعل بالمحرم إذامات، حديث: 1206 واللفظ له. [2] المآئدة 5:95. [3] المآئدة 5:96. [4] المآئدة 5:95.

ہم احرام میں ہیں۔"[1]

اگر شکار کرنے والا محرم نہ ہو اور اس نے محرم کے لیے شکار نہ کیا ہو تو اسے کھا لینا جائز ہے، جیسا کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے، لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ایک گروہ کو دوسری جانب سے روانہ کیا، ان میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے کہا کہ ساحلِ سمندر کی راہ لے لو حتی کہ ہم آپ سے جا ملیں، چنانچہ انھوں نے ساحل کی راہ لے لی۔ جب وہ لوٹے تو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب نے احرام باندھ رکھا تھا۔ وہ اسی طرح چلے جا رہے تھے کہ انھوں نے نیل گائیں دیکھیں۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر دیا تو ایک مادہ گائے زخمی ہو گئی، وہ سب اترے، انھوں نے اس کا گوشت کھایا، پھر کہنے لگے: ہم شکار کا گوشت کھا رہے ہیں جبکہ ہم احرام میں ہیں؟ چنانچہ جو گوشت بچ گیا تھا، وہ ہم نے ساتھ لے لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو انھیں بتایا کہ اے اللہ کے رسول! ہم احرام میں تھے مگر ابوقتادہ مُحرم نہیں تھے، ہم نے نیل گائیں دیکھیں تو ابوقتادہ نے ان پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں ایک گائے زخمی ہو گئی، ہم اترے اور اس کا گوشت کھا لیا، پھر خیال آیا کہ ہم گوشت کھا رہے ہیں، حالانکہ احرام میں ہیں، باقی گوشت ہم ساتھ لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "کیا تم میں سے کسی نے انھیں ان پر حملہ کرنے کا کہا تھا یا ان کی طرف اشارہ کیا (متوجہ کرایا) تھا؟" ہم نے عرض کی: نہیں، آپ نے فرمایا: "جو باقی ہے، تم وہ بھی کھا سکتے ہو۔"[2]

حرم کے درخت نہیں کاٹے جا سکتے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: "آج کے بعد کوئی ہجرت نہیں، مگر جہاد ہے اور عزم و نیت اور جب تمھیں جہاد کے لیے پکارا جائے تو نکل کھڑے ہو۔ اور جس دن سے اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا ہے، اسی دن سے یہ شہر محترم ٹھہرایا ہے۔ یہ اللہ کے محترم بنانے ہی سے محترم ہے اور قیامت تک محترم رہے گا۔ مجھ سے پہلے یہاں کسی کے لیے قتال کرنا حلال نہیں کیا گیا اور میرے لیے بھی صرف دن کی ایک گھڑی میں حلال کیا گیا ہے، سو یہ اللہ کے محترم ٹھہرانے ہی سے محترم ہے اور قیامت تک محترم ہے، اس کی جھاڑیاں نہ کاٹی جائیں، اس کا شکار نہ بھگایا جائے، نہ یہاں کی گری پڑی چیز اٹھائی جائے سوائے اس شخص کے جو اعلان کرے، نہ اس کے درخت کاٹے جائیں۔" عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مگر اذخر کہ یہ ان کے لوہار (اور سنار وغیرہ) کے لیے ہے اور ان کے گھروں کے لیے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب إذا أهدي للمحرم حمارًا وحشيا حيًّا لم يقبل، حديث: 1825، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم الصيد المأكول البري......، حديث: 1193. [2] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يشير المحرم إلى الصيد......، حديث: 1824، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم الصيد المأكول البري......، حديث: 1196.

بھی فرمادیا: «إِلَّا الْإِذْخِرَ» ”مگر اِذخر۔“ [1]

دورانِ طواف کے اعمال

طوافِ قدوم باوضو ہونا چاہیے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ پہنچے تو سب سے پہلا جو کام کیا، وہ یہ تھا کہ آپ نے وضو کیا، پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ [2]

طوافِ قدوم کے سات چکر ہیں: طوافِ قدوم کے سات چکروں میں سے پہلے تین چکروں میں رمل کیا جائے، یعنی تنے ہوئے شانوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے ہموار قدم اٹھاتے ہوئے تیز تیز چلے اور باقی پھیروں میں معمول کی عام چال سے چلے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ حج وعمرہ کا پہلا طواف کرتے تھے تو اس کے تین چکروں میں آہستہ آہستہ دوڑتے تھے اور باقی چار چکروں میں عام چال سے چلتے تھے، پھر آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے اور پھر صفا ومروہ کے درمیان چکر لگاتے تھے۔ [3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں (صحابہ کو) حکم دیا کہ (پہلے) تین چکروں میں رَمَل کرو (آہستہ آہستہ دوڑو) اور چار چکروں میں عام رفتار سے چلو اور رکنِ یمانی اور حجر اسود کے درمیان بھی عام رفتار سے قدم بڑھاؤ۔ [4]

حاجی، حجر اسود کو بوسہ دے: عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تو کہتے تھے: مجھے معلوم ہے تو ایک پتھر ہے، تو نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ کوئی نفع، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ [5]

اپنی لاٹھی سے حجر اسود کو چھو لے، پھر اس (لاٹھی) کو بوسہ دے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا، آپ اپنی کھونٹی سے رکن (حجر اسود) کا

[1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يحل القتال بمكة، حديث: 1834، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها......، حديث: 1353. [2] صحيح البخاري، الحج، باب الطواف على وضوء، حديث: 1641، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان أن المحرم بعمرة لا يتحلل بالطواف قبل السعي......، حديث: 1235. [3] صحيح البخاري، الحج، باب من طاف بالبيت إذا قدم مكة......، حديث: 1616، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب الرمل في الطواف في العمرة......، حديث: 1261. [4] صحيح البخاري، الحج، باب كيف كان بدء الرمل؟ حديث: 1602، و صحيح مسلم، الحج، باب استحباب استلام الركنين اليمانيين......، حديث: 1266. [5] صحيح البخاري، الحج، باب ماذكر في الحجر الأسود، حديث: 1597، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب تقبيل الحجر الأسود في الطواف، حديث: 1270.

استلام کرتے تھے۔[1]

حاجی رکن یمانی کو بھی ہاتھ لگائے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ یمن کی جانب کے صرف دو رکنوں ہی کو ہاتھ لگاتے تھے۔[2]

حج قران والے کے لیے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَجْزَأَهُ طَوَافٌ وَّاحِدٌ وَّسَعْيٌ وَّاحِدٌ عَنْهُمَا حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا»

''جس نے حج اور عمرے کا (اکٹھا) احرام باندھا ہو، اسے ان دونوں کی طرف سے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے حتی کہ وہ ان دونوں سے فارغ ہو جائے۔''[3]

حج میں حائضہ کے لیے حکم: حائضہ عورت وہ سب اعمال کرے جو حاجی کرتا ہے، البتہ وہ بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتی۔ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے، ہماری نیت حج ہی کی تھی حتی کہ جب ہم ''سَرِف'' مقام پر پہنچے یا اس کے قریب تھے کہ میرے ایام شروع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میں رو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تیرے ایام شروع ہو گئے ہیں؟'' میں نے کہا: ہاں! یہ سن کر آپ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ آدَمَ، فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ، غَيْرَ أَنْ لَّا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَغْتَسِلِي»

''یہ وہ چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دی ہے، تم وہی کچھ کرو جو حاجی کرتا ہے صرف طواف نہ کرنا جب تک کہ غسل نہ کر لو۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔[4]

[1] صحيح البخاري، الحج، باب استلام الركن بالمحجن، حديث: 1607، وصحيح مسلم،الحج، باب جواز الطواف على بعير وغيره......، حديث: 1272، صحیح مسلم کی دوسری روایت: 1275 جو ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے کہ ''پھر آپ اپنی کھونٹی کو بوسہ دیتے تھے۔'' مِحجَن (کھونٹی) اس عصا کو کہتے ہیں جس کا سرا مڑا ہوا ہوتا ہے۔ [2] صحيح البخاري، الحج، باب الرمل في الحج والعمرة، حديث: 1606، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان أن الأفضل أن يحرم حين تنبعث به راحلته......، حديث: 1187. [3] [صحيح] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء أن القارن يطوف طوافًا واحدًا، حديث: 948، وسنن ابن ماجه، المناسك، باب طواف القارن، حديث: 2975. [4] صحيح البخاري، الحيض، باب تقضي الحائض المناسك كلها ◄◄

طواف کے دوران مسنون اور خیر کے کلمات کہنے چاہئیں: عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان پڑھ رہے تھے:

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [1]

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔" [2]

طواف کے بعد کے اعمال: طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھے، پھر رکن (حجر اسود) کو ہاتھ لگائے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ مقامِ ابراہیم کے پاس پہنچے تو آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ "اور (حکم دیا کہ) تم مقامِ ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔" [3]

اور نماز کے وقت آپ نے اسے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کیا۔ (راویِ حدیث جعفر بن محمد کہتے ہیں:) میرے والد کہا کرتے تھے کہ آپ ان دو رکعتوں میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ پڑھا کرتے تھے، پھر حجر اسود کی طرف لوٹتے اور اسے ہاتھ لگاتے تھے۔ [4]

صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب ہے

صفا اور مروہ پہاڑی پر چڑھنا اور دعا کرنا: جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صفا پر کھڑے ہوتے تھے تو تین بار اللہ اکبر پکارتے تھے اور پڑھتے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»

"اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک (ساجھی) نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور تعریف بھی اسی کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔"

یہ بھی تین بار پڑھتے اور (ان کے درمیان میں) دعا فرماتے اور مروہ پر بھی اسی طرح کرتے تھے۔ [5]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہوئے، صفا کی طرف آئے، اس کے اوپر چڑھ گئے،

<< إلا الطواف بالبيت، حديث: 305، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث: 1211 واللفظ له. [1] البقرة 201:2. [2] [حسن] سنن أبي داود، المناسك، باب الدعاء في الطواف، حديث: 1892، ومسند أحمد: 411/3. [3] البقرة 125:2. [4] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. [5] [صحيح] سنن النسائي، مناسك الحج، باب التكبير عليها، حديث: 2988، والموطأ للإمام مالك: 343/1، حديث: 854 واللفظ له.

پھر بیت اللہ کو دیکھا، اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور اللہ کی حمد اور دعا کرنے لگے۔ [1]

صفا سے مروہ تک ایک چکر ہے: صفا سے مروہ کی طرف جانا ایک چکر ہوتا ہے، اسی طرح مروہ سے صفا کی طرف جانا بھی ایک چکر شمار ہوتا ہے اور یہ چکر متواتر ہونے چاہییں۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی حق ہے اور جو اس کے خلاف کرے، اس نے صریحاً غلطی کی، امت کے سلف اور خلف اسی کے قائل اور فاعل ہیں۔ [2]

رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ نے صفا سے ابتدا فرمائی جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ صفا کے قریب ہوئے تو آپ نے قرآن کریم کے یہ الفاظ پڑھے:

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ﴾ ”صفا و مروہ اللہ (کے دین) کی علامات میں سے ہیں۔“

پھر آپ نے فرمایا: ”میں اسی سے ابتدا کرتا ہوں جس سے اللہ نے ابتدا فرمائی ہے۔“

چنانچہ آپ نے صفا سے ابتدا کی۔ [3]

اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے کہ آپ کا آخری چکر مروہ پر ختم ہوا۔ اور ایک روایت میں ہے: جب مروہ پر آپ کا ساتواں چکر پورا ہوا تو فرمایا: ”اگر مجھے اپنے اس معاملے کا پہلے علم ہوتا جو بعد میں ہوا تو میں قربانی لے کر نہ آتا اور اسے عمرہ بنا لیتا، چنانچہ تم میں سے جس کے پاس قربانی نہیں ہے، وہ اسے عمرہ بنا لے۔“ [4]

اس پر امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ واضح بیان ہے کہ اگر سعی صفا سے مروہ اور پھر مروہ سے صفا کی طرف ایک چکر ہوتی تو اس طرح صفا و مروہ کے چودہ (14) چکر ہوتے، نہ کہ سات اور ان چکروں کا یکے بعد دیگرے مسلسل ہونا رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابہ کے تعامل سے ثابت ہے۔ [5]

حج تمتع کرنے والا سعی کے بعد ”حلال“ ہو جاتا ہے: یعنی احرام کھول دیتا ہے۔ جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانیاں ساتھ لے کر چلے تھے اور صحابہ نے صرف حج کا احرام باندھا تھا، آپ نے ان سے فرمایا: ”بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے حلال ہو جاؤ (احرام کھول دو) اور بال تراش لو، پھر حلال ہی رہو یہاں تک کہ جب آٹھویں تاریخ ہو تو حج کا احرام

[1] صحيح مسلم، الجهاد، باب فتح مكة، حديث : 1780. صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اسی کی مثل بات آئی ہے، صحيح مسلم، حديث: 1218 . [2] السيل الجرار بتحقيق المؤلف: 160/2 . [3] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218 . [4] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث : 1218. [5] السيل الجرار بتحقيق المؤلف : 161/2.

باندھ لینا اور اسے جو تم نے کیا ہے، متعہ بنا لینا۔'' صحابہ نے عرض کی: ہم اسے متعہ کس طرح بنائیں جبکہ ہم نے تو حج کا نام لیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''وہی کرو جس کا میں نے تمھیں حکم دیا ہے، اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو تمھیں کہہ رہا ہوں۔ لیکن میں اپنا احرام نہیں کھول سکتا جب تک کہ قربانی حلال ہونے کی جگہ نہ پہنچ جائے۔'' چنانچہ صحابہ نے اسی طرح عمل کیا۔ [1]

مناسکِ حج

نو ذوالحجہ کے دن ظہر سے پہلے عرفات کی طرف چلنا: وہاں خطبہ دینا اور ظہر و عصر کی نماز جمع تقدیم کے ساتھ ادا کرنا، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: آپ ﷺ آٹھ ذوالحجہ کو منیٰ تشریف لے گئے، وہاں رات گزارنے کے بعد، طلوعِ شمس ہونے پر وہاں سے چل پڑے، قریش کا خیال یہ تھا کہ مزدلفہ سے آگے نہیں بڑھیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزر کر عرفات آگئے، زوال کے بعد آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا، پھر اذان کہلوائی، اقامت کے بعد ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اقامت ہوئی تو عصر کی نماز پڑھائی، ان دو نمازوں کے درمیان اور کوئی نماز نہیں پڑھی۔ [2]

جان لو کہ حج عرفہ ہے: عبدالرحمٰن بن یعمر دیلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا جبکہ آپ عرفہ میں تھے، نجد کے لوگ آئے، انھوں نے اپنے ایک آدمی سے کہا، تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو ندا دی اور پوچھا کہ حج کیسے ہے؟ تو آپ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے بلند آواز سے ندا لگائی: حج عرفہ کے دن ہی ہے، جو شخص مزدلفہ کی رات کو نمازِ فجر سے پہلے پہلے یہاں آگیا، اس کا حج پورا ہوا۔ منیٰ کے دن تین ہیں۔ اور جو دو دنوں میں جلدی کرے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو تاخیر کرے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ایک آدمی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور وہ اس کی ندا لگانے لگا۔ [3]

وقوفِ عرفہ کا وقت: وقوفِ عرفہ کا وقت نویں تاریخ کے زوال سے لے کر قربانی کے دن کی فجر تک ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بہت سے علماء نے اس وقت پر اجماع کا ذکر کیا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جو مروی ہے کہ عرفہ کا سارا دن وقوف کا وقت ہے۔ [4] تو یہ اجماع ان سے پہلے ہی منعقد ہو چکا ہے، اس لیے ان کی بات قابل اعتنا

[1] صحيح البخاري، الحج، باب التمتع والقران والإفراد بالحج......، حديث: 1568، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث: 1216. [2] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبيﷺ، حديث: 1218. [3] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب من لم يدرك عرفة، حديث: 1949. [4] المغني: 443/3.

نہیں ہے۔ انھوں نے عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو استدلال کیا ہے، اس میں ہے: ”جو اس سے پہلے عرفہ میں رات یا دن میں وقوف کر چکا ہو......“ [1] تو اس ”مطلق دن“ کو اجماع نے مقید کر دیا ہے کہ اس سے مراد ”زوال“ ہے۔ [2]

عرفات سے مزدلفہ جانا اور وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع تاخیر سے پڑھنا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کیں، ان کے درمیان سنتیں یا نفل کچھ نہیں پڑھا، مغرب کی تین اور عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں۔ [3]

علاوہ ازیں جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں بھی وہی مفہوم ہے جو پہلے حدیث میں بیان ہوا ہے۔

مزدلفہ میں رات گزارنا، فجر کی نماز پڑھنا اور سورج نکلنے سے پہلے روانگی: جابر رضی اللہ عنہ کی طویل مفصل روایت میں ہے کہ جب فجر طلوع ہوئی تو آپ نے ایک اذان اور ایک اقامت سے نماز فجر ادا کی، پھر سوار ہوئے، مشعر الحرام کے پاس آئے، قبلہ رخ ہوئے اور دعا کی، اللہ کی تکبیر و تہلیل بیان کی، پھر کھڑے رہے حتی کہ سفیدی خوب نمایاں ہوگئی تو آپ سورج نکلنے سے پہلے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ [4]

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورج طلوع ہو جانے کے باوجود مشرکین مزدلفہ سے روانہ نہیں ہوتے تھے، وہ کہا کرتے تھے: ”اے ثَبیر! (پہاڑ) روشن ہوجا۔“ لیکن رسالت مآب ﷺ نے ان کے طرز عمل کی نفی فرما دی اور سورج نکلنے سے پہلے ہی روانہ ہوئے۔ [5]

مشعر الحرام کے پاس وقوف اور اللہ کا ذکر: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ﴾

”(پھر جب تم عرفات سے لوٹو) تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو۔“ [6]

جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسالت مآب ﷺ سوار ہوئے، مشعر الحرام کے پاس آئے، قبلے کی طرف رخ کیا، اللہ سے دعا کی، تکبیر و تہلیل اور توحید بیان کی، پھر ٹھہرے رہے حتی کہ خوب سفیدی ہوگئی۔ [7]

[1] صحيح ابن حبّان (ابن بلبان): 162/9، حديث: 3851. [2] السيل الجرار بتحقيق المؤلف: 165/2، 166. [3] صحيح البخاري، الحج، باب من جمع بينهما ولم يتطوع، حديث: 1673، و صحيح مسلم، الحج، باب الإفاضة من عرفات إلى المزدلفة......، حديث: 1288. [4] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218، وسنن أبي داود، المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، حديث: 1905. [5] صحيح البخاري، الحج، باب متى يدفع من جمع، حديث: 1684. [6] البقرة 198:2. [7] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218، وسنن أبي داود، المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، حديث: 1905.

جمرۂ عقبہ کو کنکریاں سورج نکلنے کے بعد ماری جائیں: جابر رضی اللہ عنہ ہی کی طویل حدیث ہے کہ آپ وادیِ مُحَسِّر کے دامن میں پہنچے تو کچھ تیزی سے چلے، پھر درمیانی راستہ اختیار فرمایا جو جمرۂ کبریٰ کی طرف نکلتا ہے حتی کہ اس جمرہ کے پاس آ گئے جو درخت کے پاس ہے، اسے سات کنکریاں ماریں۔ آپ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے، یہ کنکریاں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ [1]

وادیِ مُحَسِّر کا یہ نام اس لیے پڑا کہ اصحاب الفیل (لشکرِ ابرہہ) کا ہاتھی یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا، تھک گیا تھا اور عاجز آ گیا تھا۔ یہ لفظ قرآن مجید میں بھی انھی معنوں میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ﴾

''(تیری) نگاہ ذلیل و خوار ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی جبکہ وہ تھکی ماندی ہوگی۔'' [2]

جمرۂ کبریٰ جمرۂ عقبہ ہی ہے جسے کنکریاں ماری جاتی ہیں، یہ جگہ آپ ﷺ کے زمانے میں درخت کے قریب تھی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جمرۂ عقبہ کے پاس پہنچے اور اس طرح کھڑے ہوئے کہ بیت اللہ ان کے بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں جانب، پھر انھوں نے سات کنکریاں ماریں اور کہا: اس طرح اس شخصیت نے کنکریاں ماری تھیں جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ۔ [3]

بوڑھے اور کمزور لوگ آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے جا سکتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مزدلفہ کی رات ہی کو سامان کے ساتھ، یا فرمایا: کمزور افراد کے ساتھ، روانہ فرمایا تھا۔ [4]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا نے مزدلفہ کی رات ہی رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی، کیونکہ آپ بھاری بدن کی خاتون تھیں، (اور چاہتی تھیں) کہ وہ آپ سے پہلے اور لوگوں کے بھیڑ مچانے سے پہلے ہی روانہ ہو جائیں۔ آپ نے انھیں رخصت دے دی اور وہ آپ کے روانہ ہونے سے پہلے چلی گئیں، ہم رکے رہے حتی کہ آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ [5]

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبيﷺ، حديث: 1218. [2] الملك 4:67. [3] صحيح البخاري، الحج، باب رمي الجمار بسبع حصيات، حديث: 1748، وصحيح مسلم، الحج، باب رمي جمرة العقبة من بطن الوادي ......، حديث: 1296. [4] صحيح البخاري، الحج، باب من قدّم ضعفة أهله بليل......، حديث :1678,1677، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب تقديم دفع الضعفة من النساء وغيرهن......، حديث : 1293 ثَقَلٌ کے معنی ہیں: استعمال کا سامان اور اس کی جمع أثقال آتی ہے۔ اَلضَّعَفَۃُ، یہ ضَعِیفٌ کی جمع ہے۔ اور اس سے مراد آپ علیہ السلام کے گھرانے کے ضعیف افراد ہیں۔ [5] صحيح البخاري، الحج، باب من قدم ضعفة أهله بليل......، حديث : 1681، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب تقديم دفع الضعفة من «

سر کے بال مونڈنا یا تراشنا: انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تشریف لائے اور جمرہ کے پاس آ کر اسے کنکریاں ماریں، پھر منیٰ میں پڑاؤ کے بعد واپس آئے اور قربانی کی، پھر حجام سے فرمایا: ''ادھر سے لو۔'' اور اپنے سر کی دائیں جانب اشارہ کیا، پھر بائیں جانب...... اور اپنے بال لوگوں کو مرحمت فرمانے لگے۔ [1]

مردوں کے لیے سر منڈوانا افضل ہے، اس لیے کہ یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک ہے، اس کا تذکرہ پہلے بھی آ چکا ہے۔ مزید برآں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بھی فرمائی ہے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَلِلْمُقَصِّرِينَ؟ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ» قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! وَلِلْمُقَصِّرِينَ؟ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ» قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! وَلِلْمُقَصِّرِينَ؟ قَالَ: «وَلِلْمُقَصِّرِينَ»

''اے اللہ! سر منڈوانے والوں کی مغفرت فرما۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! بال کٹوانے والوں کی بھی۔ آپ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرِ لِلْمُحَلِّقِينَ» صحابہ نے (پھر) عرض کی: اے اللہ کے رسول! بال کٹوانے والوں کی بھی۔ آپ نے (پھر) فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِينَ» صحابہ نے (پھر) عرض کی: اے اللہ کے رسول ! در بال کٹوانے والوں کی بھی، تب آپ نے فرمایا: «وَلِلْمُقَصِّرِينَ» ''بال کٹوانے والوں کی بھی مغفرت فرما۔'' [2]

خواتین کو سر منڈانے کا حکم نہیں، وہ تھوڑے سے بال کتر لیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ الْحَلْقُ إِنَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيرُ»

''عورتیں سر نہ منڈوائیں، وہ صرف بال کتر لیں۔'' [3]

جو شخص جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار چکے اس کے لیے بیوی کے سوا ہر چیز حلال ہو جاتی ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رمیِ جمرہ کر لی جائے تو محرم کے لیے ہر چیز حلال ہو جاتی ہے سوائے بیوی کے۔ پوچھا گیا: اور خوشبو کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ کستوری میں بسے

◂◂ النساء وغيرهن...... حديث : 1290. [1] صحيح البخاري، الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، حديث: 171,170، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان أن السنة يوم النحر أن يرمي ثم ينحر ثم يحلق......حديث : 1305. [2] صحيح البخاري، الحج، باب الحلق والتقصير عند الإحلال، حديث : 1728، وصحيح مسلم، الحج، باب تفضيل الحلق على التقصير وجواز التقصير، حديث: 1302 واللفظ له. [3] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب الحلق والتقصير، حديث: 1985,1984، والمعجم الكبير للطبراني: 12/250، حديث : 13018.

ہوئے تھے، کیا یہ خوشبو (نہیں) ہے؟[1]

جو شخص رمیِ جمرہ سے پہلے سر منڈوا لے، قربانی کر لے یا طواف افاضہ کر لے تو اس کا کوئی حرج نہیں:

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے ہوئے تو لوگوں نے آپ سے سوالات شروع کر دیے۔ ایک آدمی نے کہا: مجھے معلوم نہیں تھا، میں نے ذبح سے پہلے ہی سر منڈوا لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ذبح کرو اور کوئی حرج نہیں۔'' دوسرا شخص آیا تو اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں تھا، میں نے رمی سے پہلے قربانی کر دی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''رمی کر لو اور کوئی حرج نہیں۔'' الغرض اس دن جو سوالات پوچھے گئے، جو اسی ذیل میں تھے کہ لوگوں نے کوئی عمل آگے پیچھے کر لیا تھا، آپ نے (یہی) فرمایا: ''کر لو، کوئی حرج نہیں۔''[2]

ایام تشریق کی راتیں منیٰ میں گزارنا: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ انھیں منیٰ کی راتیں مکہ میں گزارنے کی رخصت دی جائے کیونکہ وہ حاجیوں کو پانی پلاتے تھے، آپ نے انھیں اجازت دے دی۔[3]

اس حدیث میں دلیل ہے کہ تشریق کے دنوں اور راتوں کو منیٰ میں رہنا سنت ہے، البتہ اگر کوئی معذور ہو تو رخصت ہے۔ صاحبِ عذر کے لیے رخصت ہے کہ دو دنوں کی رمی ایک دن میں کر لے جیسا کہ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو رخصت دی تھی کہ وہ منیٰ سے باہر رات گزار لیں، قربانی کے دن رمی کریں، پھر اگلے دن (گیارہویں تاریخ کو) اس کے بعد اگلا دن چھوڑ کر روانگی والے دن دو دن کی رمی کر لیں۔''[4]

حاجی کے لیے جائز ہے کہ کعبہ کی زیارت کو جائے اور وہ منیٰ کے تمام دنوں میں اس کا طواف کر سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب تک منیٰ میں رہے ہر رات بیت اللہ کی زیارت (طواف)

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، مناسك الحج، باب مايحل للمحرم بعد رمي الجمار، حديث: 3086، وسنن ابن ماجه، المناسك، باب ما يحل للرجل إذا رمى جمرة العقبة، حديث :3041 ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ اس کے خوشبو ہونے میں کوئی شک نہیں، لہٰذا جو شخص رمی جمار کر چکا ہو تو اس کے لیے طواف سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے۔ [2] صحيح البخاري، الحج، باب إذا رمى بعد ما أمسى أوحلق قبل أن يذبح ناسيًا أوجاهلًا، حديث: 1735، وصحيح مسلم، الحج، باب جواز تقديم الذبح على الرمي......، حديث: 1306. [3] صحيح البخاري، الحج، باب سقاية الحاج، حديث: 1634، وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب المبيت بمنى......، حديث: 1315. [4] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب في رمي الجمار، حديث: 1975، وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في الرخصة للرعاة......، حديث: 955.

کے لیے جاتے تھے۔[1]

روزانہ تینوں جمرات کو کنکریاں مارے: جناب سالم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمرۂ صغریٰ (یا اولیٰ) کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے، پھر آگے کھلی جگہ پر آتے، قبلے کی طرف منہ کر کے لمبا قیام کرتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے، پھر اسی طرح درمیانے جمرہ کو کنکریاں مارتے، پھر بائیں طرف کھلی جگہ آ جاتے، قبلے کی طرف منہ کر کے لمبا قیام کرتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے، پھر جمرۂ عقبہ (کبریٰ) کو دامنِ وادی کی طرف سے کنکریاں مارتے مگر یہاں نہ رکتے۔ وہ کہا کرتے تھے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔[2]

قربانی کے دن خطبہ مستحب ہے: ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی والے دن خطبہ دیا اور فرمایا: «أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟» ''کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟''

ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے، ہمیں خیال گزرا کہ شاید آپ اس دن کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا: «أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟» ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟''

ہم نے عرض کی: جی ہاں، کیوں نہیں! آپ نے دریافت فرمایا:

«أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟» ''یہ کون سا مہینہ ہے؟''

ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، پھر آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوا کہ شاید آپ اس مہینے کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ ذُو الْحَجَّةِ؟» ''کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟''

ہم نے کہا: جی ہاں، کیوں نہیں! پھر آپ نے دریافت فرمایا: «أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟» ''یہ کون سا شہر ہے؟''

ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ بدستور خاموش رہے، ہمیں خیال ہوا کہ شاید آپ اس (شہر) کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ؟» ''کیا یہ بلد الحرام (حرمت والا شہر) نہیں ہے؟''

ہم نے عرض کیا: جی ہاں، کیوں نہیں! آپ نے فرمایا:

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 146/5، والطحاوي في مشكل الآثار: 491/1، والسلسلة الصحيحة: 439/2، حديث: 804.

[2] صحيح البخاري، الحج، باب رفع اليدين عند جمرة الدنيا والوسطٰى، حديث: 1752، ومسند أحمد: 152/2.

«فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، إِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟» قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: «اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ، فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»

''بلاشبہ تمھارے خون اور تمھارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمھارے اس دن کی، اس مہینے اور اس شہر میں حرمت ہے، یہ اس دن تک ہے جب تم اپنے رب سے ملو گے۔ خبردار! کیا میں نے تمھیں پیغامِ حق پہنچا دیا ہے؟'' سب نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہنا، چنانچہ جو یہاں حاضر ہے، وہ اسے پہنچا دے جو یہاں حاضر نہیں، اس لیے کہ بہت سے (پیغامِ حق) پہنچائے گئے ایسے بھی ہوں گے جو سننے والے سے بہتر یاد رکھیں گے۔ میرے بعد کہیں کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔'' [1]

ایام تشریق کے درمیانی دن بھی خطبہ مستحب ہے: بنو بکر کے دو آدمیوں سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ایام تشریق کے درمیانی دن میں خطبہ دیا، ہم آپ کی سواری کے قریب ہی تھے اور یہ آپ کا وہ خطبہ ہے جو آپ نے منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا۔ [2]

حاجی قربانی والے دن طوافِ افاضہ کرے: اسے طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی والے دن طوافِ افاضہ کیا، پھر واپس تشریف لے آئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قربانی والے دن بیت اللہ کے طواف کے لیے جایا کرتے اور نماز ظہر واپس آ کر منیٰ میں ادا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔ [3]

امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ طوافِ زیارت کے بارے میں اجماع ہے کہ یہ حج کا رکن ہے، جس سے یہ رکن رہ جائے، اس کا حج فوت ہو جاتا ہے، اس رکن کے بغیر حج صحیح نہیں ہوتا۔ [4]

حاجی طوافِ وداع کرے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حج کے بعد لوگ اپنے طور پر جدھر کا رخ ہوتا، چلے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص (اس طرح) واپس نہ جائے جب تک کہ اس کا آخری عمل

[1] صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، حديث: 1741. [2] [صحيح] سنن أبي داود، المناسك، باب أي يوم يخطب بمنى؟ حديث: 1952. [3] صحيح مسلم، الحج، باب استحباب طواف الإفاضة يوم النحر، حديث: 1308.
[4] السيل الجرار بتحقيق المؤلف: 186/2.

بیت اللہ کا طواف (پورا) نہ ہو۔''[1]

البتہ اگر کوئی عورت ایام میں ہو تو اسے یہ طواف معاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہیے، تاہم آپ نے ایام والی عورت کو اس سے مستثنیٰ فرما دیا۔[2]

* طوافِ وداع میں رمل نہیں ہے کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔
* طوافِ وداع ان لوگوں کے لیے ہے جو ساکنِ مکہ نہ ہوں۔ اہلِ مکہ چونکہ وداع نہیں ہوتے، اس لیے ان پر طوافِ وداع نہیں ہے۔
* اگر کوئی شخص طوافِ وداع کے بعد کئی دن کے لیے رک جائے تو اسے یہ طواف دوبارہ کرنا چاہیے کیونکہ رسالت مآب علیہ السلام کا ارشاد یہی ہے کہ لوگوں کا آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہیے۔[3]

حاجی کو اپنے ساتھ تبرک کے طور پر آبِ زمزم لے جانا چاہیے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت ہے کہ وہ بوتلوں میں زمزم کا پانی بھر کر اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مشکیزوں اور برتنوں میں آبِ زمزم بھروایا تھا اور اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ یہ پانی بیماروں پر چھڑکا اور انھیں پلایا جاتا تھا۔[4]

حرمِ مدینہ کے شکار اور درختوں کا حکم بھی حرم مکہ کا سا ہے: عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم ٹھہرایا تھا اور اس کے لیے دعا کی تھی۔ اور میں مدینہ کو حرم ٹھہراتا ہوں جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم ٹھہرایا تھا۔''[5]

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مدینہ عَیر سے لے کر ثور کے درمیان حرم ہے۔''[6]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم ٹھہرایا تھا اور میں مدینہ کے دو

[1] صحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع......، حديث: 1327. [2] صحيح البخاري، الحج، باب طواف الوداع، حديث: 1755، وصحيح مسلم، الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، حديث: 1328. [3] السيل الجرار، بتحقيق المؤلف: 184,183/2. [4] [حسن] التاريخ الكبير للبخاري: 189/3، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 202/5، والسلسلة الصحيحة، حديث: 883. [5] صحيح البخاري، البيوع، باب بركة صاع النبي ﷺ ومده، حديث: 2129، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث: 1360. [6] صحيح البخاري، فضائل المدينة، باب حرم المدينة، حديث: 1870، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث: 1370.

پتھریلے علاقوں کے درمیان کو حرم ٹھہراتا ہوں، اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، نہ یہاں کا شکار مارا جائے۔''[1]

جو شخص حرمِ مدینہ میں درخت کاٹے یا ان کے پتے جھاڑے اس کا سامان چھین لیا جائے: جناب عامر بن سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں: (ان کے والد) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (ایک دفعہ) وادیِ عقیق سے اپنے محل کی طرف جا رہے تھے، انھوں نے ایک غلام کو دیکھا جو درخت کاٹ رہا تھا اور پتے جھاڑ رہا تھا، تو انھوں نے اس کا سامان (کلہاڑی اور لباس وغیرہ) چھین لیا۔ جب سعد رضی اللہ عنہ واپس آئے تو غلام کے مالک ان کے پاس آئے اور اس کے متعلق بات کی کہ ان کے غلام کا سامان واپس کر دیں، تو انھوں نے کہا: ''اللہ کی پناہ! جو چیز مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کی ہو، میں کیسے دے دوں!'' اور اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔[2]

حج میں رواج پانے والی بدعات

سفرِ حج اور احرام کی بدعات: ① حج و احرام کی نیت زبان سے بولنا۔[3]

② گاڑی میں سوار ہوتے وقت مردوں عورتوں کا ازدحام و اختلاط۔[4]

③ چھوٹی بچیوں کو حج سے روکنا۔[5]

④ زادِ راہ لیے بغیر سفر کرنا اور اس زعم میں رہنا کہ ہم نے صحیح طور پر توکل کیا ہے۔[6]

⑤ کسی عورت کا اجنبی مرد کو بھائی بنا لینا تاکہ یہ مرد اس غیر عورت کا محرم بن جائے اور پھر وہ ایک دوسرے کے ساتھ محرموں والا برتاؤ کریں۔[7]

⑥ کسی آدمی کا کسی شادی شدہ عورت سے جو حج کے لیے جا رہی ہو اور اس کا محرم نہ ہو، نکاح کر لینا تاکہ وہ مرد اس عورت کے لیے محرم ہو جائے۔[8]

⑦ کسی عورت کا اپنے خیال کے مطابق دوسری قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر کرنا جبکہ ان کا اپنا محرم نہ ہو یا کسی ایک خاتون کا محرم ہو اور باقی عورتیں یہ خیال کریں کہ یہ مرد باقی سب خواتین کا بھی محرم ہے۔[9]

[1] صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث: 1362. [2] صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة، حديث: 1364، و مسند أحمد: 168/1. [3] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 50، ومجموع الفتاوىٰ: 223,222/22 و 105/26-107. [4] السنن والمبتدعات للشقيري: 163. [5] النووي شرح صحيح مسلم: 99/9. [6] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 48، وتلبيس إبليس لابن الجوزي: 179,78. [7] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 49. [8] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 48، و السنن والبدعات للشقيري: 167. [9] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 49.

8 تن تنہا سفر کرنا تاکہ اللہ تعالیٰ کا اُنس حاصل ہو جائے جیسا کہ بعض صوفیاء کرتے ہیں۔[1]

9 مسنون تلبیہ کے بجائے اللّٰہ أکبر اور لا إلہ إلا اللّٰہ کا ورد کرتے رہنا۔[2]

10 حج کے دوران خاموش رہ کر کسی سے بات نہ کرنا۔[3]

11 میقات سے پہلے ہی احرام باندھ لینا، یعنی حج یا عمرے کی نیت کر لینا۔[4]

طواف کی بدعات

1 مسجد حرام میں داخل ہو کر طوافِ قدوم سے پہلے تحیۃ المسجد پڑھنا۔[5]

2 حجر اسود کے استلام کے وقت اس طرح ہاتھ اٹھانا جس طرح نماز کے لیے رفع الیدین کرتے ہیں۔[6]

3 حجر اسود کے بوسے کے لیے بھیڑ لگانا اور اس غرض کے لیے امام سے پہلے سلام پھیر دینا۔[7]

4 حجر اسود کے استلام کے وقت «اَللّٰهُمَّ! إِيمَانًا بِكَ وَتَصْدِيقًا بِكِتَابِكَ» وغیرہ کہنا۔[8]

5 طواف کے دوران اس طرح ہاتھ باندھے رکھنا جس طرح نماز میں باندھتے ہیں۔[9]

6 آخری چار چکروں میں «رَبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ تَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ» پڑھنا۔[10]

7 بابِ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ کہنا: «إِنَّ الْبَيْتَ بَيْتُكَ وَالْحَرَمَ حَرَمُكَ وَ الْأَمْنَ أَمْنُكَ» اور مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہنا: «هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ»[11]

8 پرنالۂ کعبہ کے نیچے یہ دعا کرنا: «اَللّٰهُمَّ! أَظِلَّنِي فِي ظِلِّكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّكَ»[12]

9 طواف کے لیے غسل کرنا۔

10 میزاب رحمت سے گرنے والے پانی سے تبرک حاصل کرنا۔

11 بارش کے دوران قصداً طواف کرنا اور یہ سمجھنا کہ اس سے سابقہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔

12 شامی ارکان اور مقام ابراہیم کو بوسہ دینا اور ان کا استلام کرنا۔[13]

---

[1] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 48. [2] مناسك الحج والعمرة، للشيخ الألباني، ص: 50. [3] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 50. [4] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 50. [5] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 51، والمسجد في الإسلام، خير الدين وانلي، ص: 315. [6] مناسك الحج والعمرة، للشيخ الألباني، ص: 51، وزاد المعاد: 225/2. [7] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 51. [8] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 51. [9] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 51. [10] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 52. [11] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 51، 52. [12] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 51. [13] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 52، واقتضاء الصراط المستقيم.

⑬ رکن یمانی کو بوسہ دینا۔[1]

⑭ مسجد حرام میں نمازیوں کے آگے سے گزرنے کو جائز سمجھنا اور نمازی روکے تو اس کا مقابلہ کرنا۔[2]

⑮ طواف کے دوران قراءتِ قرآن کا التزام کرنا۔[3]

کعبہ کے متعلق بدعات

① کعبہ کی دیواروں اور مقامِ ابراہیم کو چھونا۔[4]

② کعبہ کی دیواروں اور مسجد الحرام کے ستونوں پر اپنا نام لکھنا۔

③ طوافِ وداع کے بعد مسجد الحرام سے الٹے پاؤں نکلنا۔[5]

④ مقام ابراہیم پر کپڑے ڈالنا اور غلاف کعبہ پہنانے کے دن مجلس منعقد کرنا۔[6]

⑤ عروۂ وُثقٰی سے تبرک لینا، اس سے مراد وہ کنڈا ہے جو کعبہ کے قریب اونچائی میں کعبہ کی دیوار میں لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جس نے اسے پکڑ لیا، اس نے عروۂ وُثقٰی تھام لیا۔[7]

زمزم کے متعلق بدعات

① زمزم سے غسل کرنا۔

② یہ عقیدہ رکھنا کہ زمزم کا پانی اور جہنم کی آگ کسی شخص کے پیٹ میں کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے۔

③ فقہ کی بعض کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ زمزم کا پانی پیتے ہوئے کئی سانس لے اور اس دوران ہر بار بیت اللہ کی طرف نظر کرے۔

④ اپنا جھوٹا پانی کنویں میں ڈال دینا اور یہ کہنا: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ رِزْقًا وَّ اسِعًا وَّ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ شِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ»[8]

سعی کی بدعات

① حج یا عمرے میں بار بار سعی کرنا۔

---

[1] المدخل لابن الحاج:224/4. [2] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص:59. [3] الاعتصام للشاطبي:23/2. [4] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص:52. [5] الاختيارات العلمية لابن تيمية:176. [6] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص:59. [7] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص:52. [8] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني: ص:53. آج کل تو کنواں ظاہر نہیں ہے۔

2. حج تمتع والے کا طوافِ افاضہ کے بعد سعی چھوڑ دینا۔
3. یہ عقیدہ رکھنا کہ جس نے وضو کیا اور عمدہ وضو کیا اور صفا و مروہ کے درمیان چلا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے میں ستر نیکیاں لکھے گا۔
4. نماز کی اقامت ہو جانے کے بعد بھی سعی میں مشغول رہنا حتی کہ نماز با جماعت فوت ہو جائے۔
5. منیٰ پہنچ کر اس خاص دعا کا اہتمام کرنا جو احیاء العلوم وغیرہ میں درج ہے: «اَللّٰهُمَّ! هٰذِهٖ مِنًى فَامْنُنْ عَلَيَّ بِمَا مَنَنْتَ بِهٖ عَلٰى أَوْلِيَائِكَ وَ أَهْلِ طَاعَتِكَ»
6. سعی کے دوران میں اس دعا کا اہتمام کرنا: «رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ تَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ، إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُورًا، أَوْ عُمْرَةً مَبْرُورَةً وَ ذَنْبًا مَغْفُورًا، اَللّٰهُ أَكْبَرُ» تین بار۔
7. سعی کے سات کے بجائے چودہ چکر بنا دینا، اس طرح انھیں صفا پر ختم کرنا۔
8. صفا پہاڑی پر اس قدر چڑھتے چلے جانا کہ دیوار سے جا ملے۔
9. سعی سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعتیں پڑھنا۔[1]

عرفہ کی بدعات

1. یہ اعتقاد رکھنا کہ وقوف کا اصل مقام جبلِ عرفات ہی ہے۔[2]
2. یومِ عرفہ کے لیے غسل کرنا۔
3. وقوفِ عرفات میں قبلہ رخ ہو کے ہاتھ اٹھا کے تین بار تلبیہ پکارنا اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَ يُمِيتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ کہنا۔[3]
4. یہ اعتقاد رکھنا کہ جو شخص، مرد یا عورت، عرفات کی رات درج ذیل مشہور عام دعا، جو دس کلمات پر مشتمل ہے، ایک ہزار بار پڑھے گا تو وہ جو بھی مانگے گا، دیا جائے گا سوائے اس کے کہ قطع رحمی یا گناہ کی کوئی بات ہو:
سُبْحَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ عَرْشُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْأَرْضِ مَوْطِئُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْبَحْرِ سَبِيلُهُ......[4]

[1] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 53، والقواعد النورانية لابن تيمية، ص: 150. [2] الأمر بالاتباع للسيوطي، ص: 257، والإبداع في مضار الابتداع للشيخ علي محفوظ، ص: 305. [3] الفوائد المجموعة للشوكاني، ص: 109,108. [4] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 54.

5. وقوف کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی عرفات کی طرف چل دینا۔
6. منیٰ سے عرفات کی طرف رات ہی کو روانہ ہو جانا۔
7. احتیاط کرتے ہوئے آٹھ تاریخ کو جبلِ عرفات پر اس خیال سے کچھ دیر کے لیے وقوف کرنا کہ شاید چاند دیکھنے میں غلطی ہوگئی ہو۔
8. آٹھویں تاریخ کو مکہ سے براہِ راست عرفہ چلے جانا۔
9. عرفہ سے مزدلفہ کی طرف نکلتے ہوئے دوڑنا، بھاگنا۔
10. عرفات میں جبلِ رحمت پر چڑھنا۔
11. جبلِ رحمت پر موجود قبے میں داخل ہونا، اس میں نماز پڑھنا اور اس کا طواف کرنا، لوگ اس قبے کو قبۂ آدم کہتے ہیں۔
12. عرفات میں بالکل خاموش رہنا اور کوئی دعا نہ کرنا۔
13. یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ عرفات والے دن پچھلے پہر اونٹ یا براق پر نازل ہوتا ہے اور سواروں سے مصافحہ اور پیدل افراد سے معانقہ کرتا ہے۔
14. عرفات میں امام کا دو خطبے دینا اور درمیان میں بیٹھنا جیسا کہ جمعے میں ہوتا ہے۔
15. عرفات میں خطیب کا خطبہ ختم ہونے سے پہلے ہی ظہر و عصر کی اذان کہنے لگنا۔
16. نماز ظہر و عصر خطبے سے پہلے ہی پڑھ لینا۔
17. امام کا نماز سے فارغ ہو کر اہلِ مکہ سے یہ کہنا: ''اپنی نماز مکمل کر لو، ہم مسافر ہیں۔''
18. عرفہ کے روز نماز ظہر اور عصر کے درمیان سنتیں یا نوافل پڑھنا۔
19. زبان زد عام یہ مقولہ کہ جمعے کے دن کا وقوفِ عرفات بہتر (72) حجوں کے برابر ہوتا ہے۔
20. منیٰ میں چراغاں کرنا۔
21. حدودِ عرفات سے باہر وقوف کرنا۔

مزدلفہ کی بدعات

1. عرفات سے مزدلفہ روانہ ہوتے ہوئے جلدی کرنا اور بھگدڑ مچانا۔[1]

[1] یہ بدعت ''عرفات کی بدعات'' میں بھی ذکر ہو چکی ہے۔ یہاں دوبارہ ذکر کرنے کا مقصد بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق دونوں »

② مزدلفہ میں رات گزارے بغیر (کچھ دیر کے لیے) وقوف کرنا۔

③ سوار کا مزدلفہ میں پیدل چل کر داخل ہونا اور سمجھنا کہ یہ حرم کا احترام ہے۔

④ مزدلفہ پہنچ کر اس دعا کا اہتمام کرنا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ هٰذِهٖ مُزْدَلِفَةُ جَمَعْتَ فِيهِ أَلْسِنَةً مُّخْتَلِفَةً، نَسْأَلُكَ حَوَائِجَ......»

⑤ مزدلفہ میں اترنے کے فوراً بعد نماز مغرب کی تیاری نہ کرنا بلکہ کنکریاں جمع کرنے لگنا۔

⑥ دونوں نمازوں کے درمیان مغرب کی سنتیں پڑھنا، یا عشاء کے بعد عشاء کی سنتوں اور وتروں کے ساتھ مغرب کی سنتیں بھی پڑھنا۔

⑦ مشعر الحرام کے پاس پہنچ کر اس دعا کا اہتمام والتزام کرنا:

«اَللّٰهُمَّ! بِحَقِّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، وَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ، وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ، وَالرُّكْنِ وَالْمَقَامِ، أَبْلِغْ رُوحَ مُحَمَّدٍ مِّنَّا التَّحِيَّةَ وَالسَّلَامَ، وَ أَدْخِلْنَا دَارَالسَّلَامِ، يَا ذَالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ!»[1]

⑧ واجب قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا اور بزعم خود یہ باور کرنا کہ گوشت سے استفادہ کم اور ضیاع زیادہ ہوتا ہے۔

⑨ تمتع والے کا قربانی کے دن سے پہلے ہی مکہ میں قربانی کر دینا۔

احرام کھولنے کے موقع کی بدعتیں

① صرف چوتھائی سر مونڈنے پر اکتفا کرنا۔[2]

② سر منڈوانے کے لیے بائیں طرف سے ابتدا کرنا۔

③ سر منڈواتے ہوئے اس طرح دعا پڑھنا: «اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى مَاهَدَانَا، وَأَنْعَمَ عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ! هٰذِهٖ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ فَتَقَبَّلْ مِنِّي......»

④ سر منڈوانے کے لیے قبلہ رخ ہونا جیسا کہ احیاء العلوم میں امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔[3]

⑤ قربانی کی رات مشعر الحرام میں چراغاں کرنا۔

⑥ یہ رات جاگ کر گزارنا۔[4]

»» (عرفات اور مزدلفہ) سے ہے۔ [1] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 56. [2] حتی کہ بعض چند بال کاٹنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ [3] إحياء علوم الدين: 329/1. [4] مناسك الحج والعمرة للشيخ الألباني، ص: 57,56.

رمیِ جمرات کی بدعتیں

1. رمیِ جمار کے لیے غسل کرنا۔
2. امام باجوری کا یہ کہنا کہ یوم النحر کو ماری جانے والی سات کنکریاں مزدلفہ سے لینا اور باقی جمرات کے لیے وادیِ مُحَسِّر سے لینا سنت ہے۔
3. جمرات کے پاس بنی ہوئی مساجد کا طواف کرنا۔
4. کنکریاں مارنے سے پہلے انھیں دھونا۔
5. کنکریاں مارتے ہوئے اللہ اکبر کے بجائے تسبیح یا کوئی اور ذکر کرنا۔
6. کنکریاں مارتے ہوئے تکبیر کے علاوہ مزید کلمات کہنا، مثلاً: «رَغْمًا لِّلشَّيْطَانِ وَحِزْبِهِ، اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْ حَجِّي مَبْرُورًا، وَسَعْيِي مَشْكُورًا، وَذَنْبِي مَغْفُورًا، اَللّٰهُمَّ! إِيمَانًا بِكِتَابِكَ وَ اتِّبَاعًا لِّسُنَّةِ نَبِيِّكَ»
7. بعض متأخرین نے جو کنکریاں مارتے ہوئے ہر کنکری کے ساتھ اس دعا کو مسنون کہا ہے: «بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ...... تا...... وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ» یہ بھی بدعت ہے۔
8. کنکریاں مارنے والے کے لیے جمرے اور اس کے درمیانی فاصلے کی حد بندی کرنا کہ پانچ ہاتھ یا اس سے زیادہ فاصلہ ہو۔
9. جمرات کو جوتے وغیرہ مارنا۔
10. یوم النحر کو منیٰ میں عید پڑھنے کو مستحب جاننا۔
11. نفلی عمرے کے لیے مکہ سے باہر نکل کر تیاری کرنا۔
12. (کسی بھی طواف یا) طوافِ وداع کے بعد مسجد الحرام سے الٹے پاؤں باہر نکلنا۔[1]

سب سے افضل ہدی (قربانیِ حرم)

اونٹ/اونٹنی: سورۂ حج میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ﴾ ''اور قربانی (ہدی) کے اونٹ بھی جنھیں ہم نے تمھارے لیے اللہ کے شعائر میں سے بنایا ہے۔''[2]

---

[1] مناسك الحج و العمرة للشيخ الألباني، ص: 59، مزید دیکھیے: «مجمع البدع» رائدبن صبري بن أبي عكفة، دارالعاصمة، ص: 172-197. [2] الحج 36:22.

گائے: اونٹ کے بعد افضل ہدی اور قربانی گائے کی ہے۔

بھیڑ بکری: گائے کے بعد افضل ہدی اور قربانی بکرے، دنبے اور بھیڑ، بکری کی ہے۔

ہدی میں گائے اور اونٹ کی قربانی سات افراد کی طرف سے کافی ہے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تلبیۂ حج پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے، آپ نے ہمیں حکم دیا کہ اونٹ اور گائے میں سات سات افراد شریک ہو جائیں۔[1]

ہدی پیش کرنے والے کے لیے اپنے قربان کردہ جانور کا گوشت کھانا سنت ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ذوالقعدہ کے پانچ دن باقی تھے، ہماری نیت حج ہی کی تھی۔ جب ہم مکہ کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جن کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے، حکم دیا کہ جب بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر لو تو احرام کھول دینا۔ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ قربانی کے دن ہمیں گائے کا گوشت پہنچایا گیا، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی ہے۔[2]

ہدی کے جانور پر سوار ہونا جائز ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنی ہدی کی اونٹنی کو ہنکائے جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جاؤ۔'' اس نے کہا: یہ تو حرم کی قربانی کے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا: ''سوار ہو جاؤ۔'' اس نے کہا: یہ تو حرم کی قربانی کے لیے ہے۔ آپ نے پھر فرمایا: ''سوار ہو جاؤ۔'' آپ ﷺ نے تین بار یہی جملہ ارشاد فرمایا۔[3]

بیت اللہ کی جانب بھیجی جانے والی ہدی کے اونٹ، اونٹنی کو چیرا لگانا اور اس کے گلے میں جوتے کا ہار ڈالنا مستحب ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز پڑھی، پھر اپنی اونٹنی طلب فرمائی، اس کے کوہان کی داہنی جانب ایک چیرا لگایا (اشعار کیا) اور خون کو اسی پر مل دیا، پھر اس کی گردن میں جوتوں کا ہار ڈالا۔ پھر اپنی سواری پر سوار ہو گئے۔ جب سواری آپ کو لے کر بیداء میدان کے قریب آئی تو آپ نے حج کا تلبیہ پکارا۔[4]

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب جواز الاشتراك في الهدي......، حديث: 1318، وسنن أبي داود، الضحايا، باب البقر و الجزور عن كم تجزي؟ حديث: 2807، 2808. [2] صحيح البخاري، الحج، باب ذبح الرجل البقر عن نسائه......، حديث: 1709، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث: 1211. [3] صحيح البخاري، الحج، باب ركوب البُدْن، حديث: 1690، وصحيح مسلم، الحج، باب جواز ركوب البدنة المهداة......، حديث: 1323. [4] صحيح مسلم، الحج، باب إشعار ◄◄

اشعار: یہ ہے کہ اونٹ یا اونٹنی کے کوہان کے داہنی جانب چھری وغیرہ سے چیرا لگانا اور جو خون نکلے، اسے اسی جگہ مل دینا۔

جو شخص اپنی قربانی بیت اللہ کی طرف بھیجے، اس کا حکم: عَمرہ بنت عبدالرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ زیاد بن ابی سفیان نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لکھا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جو شخص بیت اللہ کی طرف قربانی بھیجے، اس پر وہ تمام پابندیاں لاگو ہو جاتی ہیں جو حاجی پر ہوتی ہیں حتی کہ اس کی قربانی کا جانور ذبح کر دیا جائے۔ عَمرہ بیان کرتی ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''یہ بات اس طرح نہیں ہے جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتائی ہے۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کے ہار اپنے ہاتھوں سے بٹے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کو اپنے ہاتھوں سے ہار پہنائے۔ اور انھیں میرے والد کے ساتھ روانہ کیا۔ آپ کی قربانیاں نحر ہونے تک آپ پر ایسی کوئی چیز حرام نہیں ہوئی تھی جسے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا تھا۔''[1]

عمرے کا بیان

عمرے کے لیے احرام میقات ہی سے باندھا جائے: عمرے اور حج کے احرام میں کوئی فرق نہیں۔ عمرے کا احرام بھی میقات سے باندھا جائے گا۔ جیسا کہ سابقہ صفحات میں ''احرام میقات سے باندھا جائے'' کے تحت ذکر ہو چکا ہے کہ احرام کے لیے مخصوص مقامات و حدود مقرر ہیں۔

جو شخص مکہ میں ہو وہ عمرے کے لیے حدود حرم سے احرام باندھے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ہم نے عمرے کا احرام باندھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا»

''جس کے ساتھ قربانی ہو، وہ عمرے کے ساتھ حج کا احرام باندھے رکھے، جب حج اور عمرہ کر لے تو احرام کھولے۔'' چنانچہ میں مکہ پہنچی تو ایام سے تھی۔ بیت اللہ کا طواف کر سکتی تھی نہ صفا و مروہ کی سعی۔ میں نے

◂◂ البُدْن وتقليده عند الإحرام، حديث: 1243، وسنن أبي داود، المناسك، باب في الإشعار، حديث: 1752. [1] صحيح البخاري، الحج، باب من قلد القلائد بيده، حديث: 1700، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب بعث الهدي إلى الحرم لمن لا يريد الذهاب بنفسه......، حديث: 1321.

رسول اللہ ﷺ سے اس کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا:

«اُنْقُضِي رَأْسَكِ وَامْتَشِطِي، وَأَهِلِّي بِالْحَجِّ وَدَعِي الْعُمْرَةَ»

''اپنے سر کے بال کھول لو، کنگھی کرو، حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ چھوڑ دو۔''

چنانچہ میں نے اسی طرح کیا۔ جب ہم نے حج کر لیا تو رسالت مآب ﷺ نے مجھے میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ تنعیم روانہ کیا اور میں نے عمرہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

«هٰذِهِ مَكَانُ عُمْرَتِكِ» ''یہ تمھارے عمرے کی جگہ ہے۔''

جن لوگوں نے عمرے کا احرام باندھا تھا، انھوں نے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کی اور حلال ہو گئے (انھوں نے احرام کھول دیا) اس کے بعد انھوں نے منیٰ سے لوٹنے کے بعد حج کا طواف کیا اور جن لوگوں نے حج اور عمرہ اکٹھا کیا تھا، انھوں نے صرف ایک ہی طواف کیا۔ [1]

تنعیم: مکہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ مکہ سے اس کا فاصلہ ایک فرسخ ہے۔ ایک فرسخ تقریباً 7.5 کلومیٹر کے مساوی ہوتا ہے۔

ارکانِ عمرہ: (1) احرام (2) طواف (3) سعی (4) بال منڈوانا یا کتروانا ان کے دلائل گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔

عمرہ سال کے تمام دنوں میں ہوسکتا ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے چار عمرے کیے اور یہ چاروں عمرے ذوالقعدہ ہی میں ہوئے، سوائے اس کے جو حج کے ساتھ تھا: حدیبیہ والا عمرہ، اس سے اگلے سال اور جِعْرانہ سے، جہاں آپ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں اور حج کے ساتھ والا عمرہ۔ [2]

رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہوتا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً» ''رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہوتا ہے۔'' [3]

---

(1) صحيح البخاري، العمرة، باب عمرة التنعيم، حديث: 1784، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام......، حديث: 1211 واللفظ له. (2) صحيح البخاري، العمرة، باب كم اعتمر النبي ﷺ، حديث: 1778-1780، وصحيح مسلم، الحج، باب بيان عدد عمر النبي ﷺ وزمانهن، حديث: 1253. (3) صحيح البخاري، العمرة، باب عمرة في رمضان، حديث: 1782، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان، حديث: 1256، وسنن ابن ماجه، المناسك، باب العمرة في رمضان، حديث: 2994 واللفظ له.

6
نکاح کے احکام ومسائل
وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○
(النور 32:24)

احکامِ نکاح

نکاح کرنے کی ترغیب: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہو، وہ شادی کر لے، بلاشبہ اس سے نظر بہت نیچی رہتی اور شرمگاہ کی بہت زیادہ حفاظت ہوتی ہے اور جسے طاقت نہ ہو، وہ روزے رکھے، یہ اس کے جذبات کو ماند کر دیں گے۔'' [1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ میں سے ایک نے کہا: میں شادی نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں نماز تہجد ہی پڑھا کروں گا اور سوؤں گا نہیں اور تیسرے نے کہا: میں مسلسل روزے ہی رکھا کروں گا (کسی دن) چھوڑوں گا نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ قَالُوا كَذَا وَكَذَا؟ لٰكِنِّي أُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»

''لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ اس اس طرح کی بات کہتے ہیں؟ حالانکہ میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے، جس نے میری سنت سے اعراض کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' [2]

تبتل حرام ہے: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عورتوں سے الگ تھلگ رہنے (نکاح نہ کرنے) کی اجازت چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، حديث :5066، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه......، حديث :1400 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، حديث :5063، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح......، حديث :1401 واللفظ له.

اسے اس کی اجازت دے دیتے تو ہم اپنے آپ کو خصی کر تے۔ [1]

* تبَتُّل کے لفظی معنی ہیں: منقطع ہو جانا۔ یہاں مراد ہے: نکاح اور اس کی لذات سے الگ تھلگ ہو کر عبادت میں مشغول ہو جانا۔

عورت کی وہ مطلوبہ صفات جن کی بنا پر اس سے نکاح کرنا مستحب ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نکاح کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے اور تبتل سے بڑی سختی کے ساتھ روکتے تھے۔ فرماتے تھے:

«تَزَوَّجُوا الْوَلُودَ الْوَدُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأَنْبِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”بہت بچے جننے اور خوب محبت کرنے والی عورتوں سے شادی کرو، بلاشبہ میں قیامت کے روز دوسرے انبیاء کے مقابلے میں تمھاری کثرت کے باعث فخر کروں گا۔“ [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ : لِمَالِهَا ، وَلِحَسَبِهَا ، وَلِجَمَالِهَا ، وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ»

”عورت سے چار اسباب کے تحت نکاح کیا جاتا ہے: مال، خاندانی شرف، حسن و جمال یا دینداری کی وجہ سے، چنانچہ تو کسی دین دار خاتون سے نکاح کرنے میں کامیابی حاصل کر، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں!“ [3]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اے جابر!

«هَلْ تَزَوَّجْتَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟» فَقُلْتُ : تَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا ، فَقَالَ :«هَلَّا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟»

”تو نے کنواری سے شادی کی ہے یا ثیبہ سے؟“ (جابر رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ثیبہ سے، تو آپ نے فرمایا: تو نے کنواری سے شادی کیوں نہیں کی کہ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی!“ [4]

عورت بالغہ ہو تو نکاح کے لیے اس کی رضا مندی ضروری ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب ما يكره من التبتل والخصاء، حديث: 5073، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه......، حديث: 1402. [2] مسند أحمد: 3/158و245، والسنن الكبرى للبيهقي: 82/7 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، حديث: 5090، وصحيح مسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدين، حديث: 1466. [4] صحيح البخاري، النكاح، باب تزويج الثيبات، حديث: 5079و2967.

نبی ﷺ نے فرمایا: «اَلثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ، وَإِذْنُهَا سُكُوتُهَا»

''شوہر دیدہ خاتون اپنے بارے میں اپنے ولی کی بہ نسبت زیادہ حق رکھتی ہے اور باکرہ سے مشورہ کیا جائے اور اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔'' [1]

ولی جبر نہیں کرسکتا: ولی کا فرض ہے کہ اپنی بیٹی کی رائے لے، جبر کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ خنساء بنت خِذام رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا، یہ بیوہ تھیں، چنانچہ انھوں نے اس نکاح کو پسند نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اپنی ناخوشی ظاہر کی تو آپ نے ان کا نکاح مسترد کر دیا۔ [2]

ولی کا دین دار اور صاحب لیاقت آدمی کو اپنی بچی سے نکاح کی پیش کش کرنا درست ہے: ولی جس شخص میں لیاقت اور دین دیکھے، اسے بخوشی اپنی بچی کی پیش کش کر دے، اس میں اس کی یا لڑکی کی کوئی ہتک نہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میری بہن حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کا شوہر خُنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ فوت ہوگیا، وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھا اور مدینہ ہی میں اس کی وفات ہوئی تھی، تو عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، انھیں حفصہ سے نکاح کی پیش کش کی تو انھوں نے کہا: میں اپنے معاملے میں غور کروں گا، چنانچہ میں نے کئی دن انتظار کیا، پھر وہ مجھ سے ملے تو کہنے لگے: میں ان دنوں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا، ان سے کہا کہ آپ چاہیں تو میں حفصہ کی شادی آپ سے کر دیتا ہوں۔ وہ خاموش رہے، کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے ان پر عثمان سے بڑھ کر غصہ آیا۔ میں نے چند دن مزید انتظار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیج دیا، چنانچہ میں نے حفصہ کا نکاح رسالت مآب ﷺ سے کر دیا، پھر مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے تو فرمایا: شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں کہ آپ نے مجھے حفصہ سے نکاح کی پیش کش کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: جی ہاں! تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اصل بات یہ ہے کہ مجھے اس پیش کش کا جواب دینے میں اور کوئی امر مانع نہ تھا سوائے اس کے کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حفصہ کا ذکر فرمایا تھا اور میں رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمھاری پیش کش قبول کر لیتا۔ [3]

---

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، حديث: 1421، ومسند أحمد: 242,241/1. [2] [صحيح] سنن النسائي، النكاح، باب الثيب يزوجها أبوها وهي كارهة، حديث: 3270، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب من زوج ابنته وهي كارهة، حديث: 1873 نیز دیکھیے: إرواء الغليل: 229/6، حديث: 1830. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب عرض الإنسان ابنته أو أخته على أهل الخير، حديث: 5122.

نابالغہ لڑکی سے نکاح کا پیغام اس کے ولی کو دیا جائے گا: عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا۔ ابوبکر نے جواب دیا: میں تو آپ کا بھائی ہوں! آپ نے فرمایا:

''اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی رو سے تو تم میرے بھائی ہی ہو لیکن یہ (عائشہ) میرے لیے حلال ہے۔''[1]

(قبول شدہ) پیغامِ نکاح پر پیغام دینا حرام ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتّٰى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ أَوْ يَأْذَنَ لَهُ الْخَاطِبُ»

''کوئی شخص کسی کے پیغامِ نکاح پر اپنا پیغام نہ دے حتی کہ پہلا چھوڑ دے یا دوسرے کو اجازت دے دے۔''[2]

دورانِ عدت پیغامِ نکاح دینا حرام ہے: عدت کے دوران پیغامِ نکاح دینا حرام ہے، عدت خواہ وفات کی ہو یا طلاق کی۔ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دیں اور رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے (اس تیسری طلاق کے بعد) کوئی رہائش یا خرچ مقرر نہ فرمایا اور مجھ سے فرمایا:

«إِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِينِي» ''جب تو حلال ہو جائے (تیری عدت ختم ہو جائے) تو مجھے اطلاع دینا۔''

چنانچہ میں نے حلال ہونے پر آپ کو مطلع کیا، اس کے بعد مجھے معاویہ، ابوجہم اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے نکاح کا پیغام دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا مُعَاوِيَةُ فَرَجُلٌ تَرِبٌ لَّا مَالَ لَهُ، وَأَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَرَجُلٌ ضَرَّابٌ لِلنِّسَآءِ، وَلٰكِنْ أُسَامَةَ [بْنَ زَيْدٍ]»

''معاویہ تو فقیر آدمی ہے اس کے پاس مال ہی نہیں ہے۔ اور ابوجہم عورتوں کو بہت مارتا ہے لیکن اسامہ (سے نکاح کر۔)''

اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا: اسامہ، کیا اسامہ سے نکاح کروں! اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:

«طَاعَةُ اللهِ وَطَاعَةُ رَسُولِهِ خَيْرٌ لَّكِ» ''اطاعت اللہ کی اور اس کے رسول کی تیرے لیے بہتر ہے۔''

چنانچہ میں نے اس سے نکاح کر لیا اور مجھ پر بہت رشک کیا گیا۔[3]

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب تزويج الصغار من الكبار، حديث:5081. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخطب على خطبة أخيه حتى ينكح أو يدع، حديث:5142، وسنن النسائي، النكاح، باب خطبة الرجل إذا ترك الخاطب أو أذن له، حديث:3245 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حديث:1480، وسنن أبي داود، الطلاق، باب في نفقة المبتوتة، حديث:2284.

جو خاتون طلاقِ بائن یا وفات کی عدت میں ہو، اسے اشارے کنائے میں پیغامِ نکاح دیا جا سکتا ہے:

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ﴾

"اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کی عدت کے دوران میں انھیں اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا تم اپنا ارادہ اپنے دلوں میں چھپائے رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر ضرور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا خفیہ وعدہ نہ کرو، مگر یہی کہ دستور کے مطابق بات کہو اور عقد نکاح کا پختہ ارادہ مت کرو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔"[1]

اللہ کے فرمان: ﴿فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ﴾ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آدمی یہ کہہ دے کہ میں شادی کرنے کا سوچ رہا ہوں یا میں چاہتا ہوں کہ کوئی صالحہ خاتون مل جائے۔[2]

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اسے دیکھ لینا جائز ہے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ»

"تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو جو چیز اس کے ساتھ نکاح کا باعث بنتی ہو، اگر اسے دیکھ سکتا ہو تو دیکھ لے۔"[3]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے، جو ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا، دریافت فرمایا:

«أَنَظَرْتَ إِلَيْهَا؟» "کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟"

اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: «فَاذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا» "جاؤ اور اسے دیکھ لو۔"[4]

صحیح نکاح کے لیے ولی کا ہونا شرط ہے: جناب ابوبردہ اپنے والد ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

---

[1] البقرة 2:235. [2] صحيح البخاري، باب قول الله عزوجل ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ......﴾ البقرة 2:235، حديث: 5124.
[3] [حسن] سنن أبي داود، النكاح، باب في الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها، حديث: 2082، ومسند أحمد: 334/3 واللفظ له. [4] صحيح مسلم، النكاح، باب ندب من أراد نكاح امرأة إلى أن ينظر إلى وجهها......، حديث: 1424، ومسند أحمد: 286/2 و299، و إرواء الغليل حديث: 1791.

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» ”ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔“ [1]

یہ حدیث اپنے شواہد کی روشنی میں صحیح ہے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، «فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَالْمَهْرُ لَهَا بِمَا أَصَابَ مِنْهَا فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ»

”جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، اس کا نکاح باطل ہے“ آپ نے یہ کلمہ تین بار فرمایا ”اگر آدمی اس کے پاس آیا ہو تو اسے مہر دینا ہوگا بسبب اس کے کہ اس نے اس کے ساتھ جماع کیا ہے اور اگر ولیوں کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو حاکم اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔“ [2]

اگر کسی عورت کا ولی ہی نہ ہو یا ولیوں کا آپس میں تنازع ہو جائے تو اس عورت کا ولی حاکم ہوگا۔ جیسا کہ سابقہ حدیث میں ہے اور اگلی حدیث میں بھی اس کا ذکر آ رہا ہے۔

صحتِ نکاح کے لیے دو گواہوں کی موجودگی شرطِ لازم ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَّشَاهِدَيْ عَدْلٍ فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ»

”ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر کوئی نکاح نہیں، اگر ان میں جھگڑا ہو تو حاکم اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔“ [3]

یہ حدیث اپنی اسانید اور شواہد کی روشنی میں صحیح ہے۔

ولی مشرک ہو یا بلاوجہ نکاح میں مانع بنے تو اس کی ولایت باطل ہے: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾

[1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي، حديث: 2085، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء لانكاح إلا بولي، حديث: 1101، ومسند أحمد: 394/4. [2] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي، حديث: 2083، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء لا نكاح إلا بولي، حديث: 1102، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب لانكاح إلا بولي، حديث: 1879، وإرواء الغليل، حديث: 1840. [3] [صحيح] السنن الكبرى للبيهقي: 125/7، و سنن الدارقطني: 225/3، حديث: 23.

"تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں۔"[1]

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ پہلے عبید اللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں، وہ حبشہ میں فوت ہو گئے تو نجاشی نے ان کا نکاح نبی ﷺ سے کر دیا اور آپ کی طرف سے حق مہر چار ہزار درہم خود ادا کیا، پھر ان کو شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔[2]

مرد اور عورت اپنے نکاح کے لیے جسے چاہیں وکیل بنا لیں: دونوں کا ایک مشترک وکیل بھی ہو سکتا ہے، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی سے دریافت فرمایا: "کیا تم راضی ہو کہ میں تمھارا نکاح فلاں عورت سے کر دوں؟" اس نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے عورت سے پوچھا: "کیا تو راضی ہے کہ تیرا نکاح فلاں شخص سے کر دوں؟" اس نے کہا: جی ہاں! چنانچہ آپ نے ان دونوں کا نکاح کر دیا اور وہ شخص اس عورت کو اپنے ہاں لے آیا، اور اس سے مباشرت بھی کر لی، اس نے عورت کے لیے کوئی مہر معین نہیں کیا تھا، نہ اس نے اسے کچھ دیا، یہ حدیبیہ میں شریک ہوا تھا اور حدیبیہ میں حاضر ہونے والوں کے لیے خیبر میں حصہ رکھا گیا تھا، چنانچہ جب وہ لب مرگ تھا تو اس نے اپنے آس پاس والوں سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فلاں عورت سے میرا نکاح کر دیا تھا۔ میں نے اس کے لیے کوئی حق مہر مقرر نہیں کیا تھا اور نہ اسے کچھ دیا تھا، گواہ رہنا کہ میں نے خیبر والا حصہ اس عورت کو بطور مہر دیا ہے۔ چنانچہ اسی عورت نے وہ حصہ وصول کیا اور پھر ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا۔[3]

عقد نکاح کے وقت خطبہ مستحب ہے: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز میں بھی تشہد سکھایا اور کسی حاجت کے موقع پر بھی، پھر انھوں نے نماز کا تشہد ذکر کیا۔ پھر اس کے بعد حاجت کا تشہد (خطبۂ حاجت) بیان کیا:

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا

[1] البقرة 2:232. [2] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب الصداق، حديث: 2107، وسنن النسائي، النكاح، باب القسط في الأصدقة، حديث: 3352. [3] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقا حتى مات، حديث: 2117، وإرواء الغليل، حديث: 1924.

وَنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾
﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ [1]

نکاح کرنے والے کو دعا دینا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو اس کے نکاح پر مبارک باد دیتے تو اسے یوں دعا دیتے تھے: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ»
''اللہ تعالیٰ تمھیں برکت دے، تم پر اپنی برکت ڈال دے اور تم دونوں کو خیر پر جمع رکھے۔'' [2]

وہ نکاح جو حرام ہیں

نکاح متعہ منسوخ ہو چکا ہے: متعہ سے وہ نکاح مراد ہے جو ایک مقررہ مدت تک کے لیے ہو، مثلاً: دو تین دن، مہینہ بھر یا اس سے زیادہ مقررہ مدت تک کے لیے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدائے اسلام میں یہ نکاح جائز تھا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں جاتے تھے۔ ہمارے ساتھ اپنی بیویاں نہیں ہوتی تھیں۔ ہم نے عرض کی: کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ آپ نے ہمیں اس سے روک دیا، پھر ہمیں اجازت دی کہ کسی عورت سے کسی کپڑے وغیرہ کے عوض نکاح کر لیں۔ پھر یہ آیت پڑھی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ ﴾

[1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في خطبة النكاح، حديث: 2118، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح، حديث: 1105، واللفظ له، وسنن النسائي، النكاح، باب ما يستحب من الكلام عند النكاح، حديث: 3279، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب خطبة النكاح، حديث: 1892 محدث البانی رحمہ اللہ اپنی کتاب خطبة الحاجة میں فرماتے ہیں: یہ مبارک خطبہ چھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم: یعنی عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، نبیط بن شریط اور عائشہ رضی اللہ عنہم اور ایک تابعی جناب زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے، پھر علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس پر مفصل بحث کی ہے اور آخر میں کہتے ہیں: ان احادیث سے مجموعی طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ انھی کلمات سے ہر طرح کے خطبات کی ابتدا کی جائے، چاہے وہ خطبۂ نکاح ہو یا خطبہ جمعہ یا کوئی اور خطبہ، یہ محض خطبۂ نکاح سے مخصوص نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں یہ تصریح بھی آئی ہے۔ اور پھر سلف صالحین کے عمل سے اس کی تائید بھی ملتی ہے، یہاں تک کہ وہ حضرات اپنی تصنیفات کا آغاز بھی اسی خطبے سے کیا کرتے تھے۔ (مؤلف) [2] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب مايقال للمتزوج، حديث: 2130، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء فيما يقال للمتزوج، حديث: 1091، والسنن الكبرٰى للنسائي: 73/6، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب تهنئة النكاح، حديث: 1905.

''اے ایمان والو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں اور تم حد سے نہ گزرو۔''[1]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو نکاح متعہ کی اجازت کا ذکر کیا ہے تو اس میں خیبر سے پہلے یا بعد کی تعیین نہیں ہے، لہٰذا حدیثِ علی، جس میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعہ کی نہی کا بیان ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد رخصت کی ناسخ ہے۔ اس لیے نکاح متعہ کسی صورت جائز نہیں ہے۔''[2]

متعہ کی رخصت کے بعد چند مقامات پر اس کے منسوخ ہونے کا ذکر آتا ہے: (1) خیبر (2) فتح مکہ (3) غزوۂ اوطاس (4) غزوۂ تبوک (5) حجۃ الوداع۔ مگر بعض کے ثبوت میں اختلاف ہے۔

* خیبر: روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دنوں میں پالتو گدھوں اور متعہ سے منع فرما دیا تھا۔[3]

میں عرض کرتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن اسے حرام فرمایا تھا، مگر اس کے بعد اجازت دے دی تھی، پھر دوسری بار فتح مکہ کے موقع پر اسے حرام فرمایا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ کو اس رخصت کا علم نہیں ہو سکا۔ تو انھوں نے اپنے پہلی بار کے سنے ہوئے ارشاد پر اعتماد کرتے ہوئے خیبر ہی کے حوالے سے کہا کہ اسی موقع پر اسے حرام کیا گیا تھا۔ اور بعد میں مسئلہ بھی اس کی حرمت ہی پر آ ٹھہرا ہے۔

* فتح مکہ کے سال: ربیع بن سبرہ سے روایت ہے کہ اس کے والد نے غزوۂ فتح مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی تھی۔ کہتے ہیں کہ ہم وہاں پندرہ دن اور پندرہ راتیں رہے، آپ نے ہمیں عورتوں سے متعہ کی رخصت دے دی۔ تو میں اور میری قوم کا ایک آدمی نکلا۔ میں خوبصورتی میں اس سے بڑھ کر تھا اور وہ بدصورتی کے قریب تھا۔ ہم دونوں کے پاس اونی چادریں تھیں، میری چادر پرانی تھی، میرے چچا زاد کی چادر نئی اور عمدہ تھی حتی کہ ہم مکہ کی نچلی طرف تھے یا بالائی جانب تو ہمیں ایک جوان لڑکی ملی گویا لمبی گردن والی جوان اونٹنی ہو، ہم نے اس سے پوچھا: کیا خیال ہے؟ کیا ہم میں سے کوئی تیرے ساتھ متعہ کر لے؟ اس نے کہا: تم کیا خرچ کرو گے؟ ہم میں سے ہر ایک نے اپنی چادر پھیلا دی۔ وہ ہم دونوں کو دیکھنے لگی۔ میرا ساتھی اس کے پہلوؤں

---

[1] المائدة 5:87. صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالٰى: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ ﴾، حديث: 4615، وصحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة......، حديث: 1404. [2] معرفة السنن والآثار: 10/175. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب نهي النبي ﷺ عن نكاح المتعة أخيرًا، حديث: 5115، وصحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة......، حديث: 1407.

کو دیکھنے لگا، بولا کہ اس کی چادر پرانی ہے، میری چادر نئی اور بڑی عمدہ ہے۔ لڑکی بولی: اس کی چادر بھی زیادہ خراب نہیں ہے۔ یہ تین بار کہا یا دو بار، پھر میں نے اس سے متعہ کیا اور میں اس سے جدا نہ ہوا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو حرام قرار دے دیا۔[1]

* غزوۂ اوطاس کے سال: سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اوطاس کے سال تین دن کے لیے متعہ کی رخصت دی، پھر اس سے منع فرما دیا۔[2]

* غزوۂ تبوک میں: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب روانہ ہوئے تو ثنیۃ الوداع کے پاس پڑاؤ کیا، وہاں چراغ جلتے دیکھے یہاں عورتوں کے رونے کی آواز بھی آرہی تھی۔ آپ نے پوچھا: ''یہ کیا (بات) ہے؟'' بتایا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ وہ عورتیں ہیں جن سے لوگوں نے متعے کیے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''ڈھا دیا ہے'' یا یوں فرمایا: ''نکاح، طلاق، عدت اور میراث نے متعے کو حرام کر دیا ہے۔''[3]

* حجۃ الوداع کے موقع پر: جناب زہری نے بتایا کہ ہم عمر بن عبدالعزیز کے ہاں تھے۔ وہاں عورتوں کے ساتھ متعے کا ذکر آ گیا۔ ربیع بن سبرہ نامی ایک آدمی نے کہا: میں اپنے والد کے متعلق گواہی دیتا ہوں، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اس سے منع فرما دیا تھا۔[4] مگر یہ روایت شاذ ہے۔

الغرض یہ بات کہ نکاح متعہ کی حرمت عمرۂ قضاء، غزوۂ تبوک یا حجۃ الوداع میں ہوئی، محل نظر ہے۔ یہ روایات ضعیف مرسل، ضعیف یا شاذ ہیں۔ لیکن فتح مکہ کے سال یا غزوۂ اوطاس میں اس کا ثبوت صحیح ہے کیونکہ یہ دونوں واقعات ایک ہی سال میں رونما ہوئے تھے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کی تحریم اور اباحت دو بار ہوئی ہے۔ خیبر سے پہلے مباح تھا اور خیبر ہی میں حرام ہوا، پھر فتح مکہ کے سال اس کی اجازت دے دی گئی، یہی سال غزوۂ اوطاس کا بھی ہے، پھر ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔[5]

نکاح حلالہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا گیا، لعنت فرمائی ہے۔[6]

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة......، حديث: 1406. [2] صحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة......، حديث: 1405. [3] [ضعيف] صحيح ابن حبان (الموارد): 195/4، حديث: 1267، وسنن الدارقطني: 259/3، والسنن الكبرى للبيهقي: 207/7. [4] مسند أحمد: 404/3، والسنن الكبرى للبيهقي: 204/7، والمعجم الكبير للطبراني، حديث: 6532. [5] شرح مسلم: 257,256/9. [6] [صحيح] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في المحل......، حديث: 1120، وسنن النسائي، الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثا ......، حديث: 3445، ومسند أحمد: 450/1.

* مُحَلِّل: اس سے مراد وہ شخص ہے جو اس عورت سے نکاح کرے جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں۔ اور اس کا مقصد یہ ہو کہ عورت طلاق دینے والے کے لیے حلال ہو جائے۔

علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر (صاحب سبل السلام شرح بلوغ المرام) لکھتے ہیں کہ حلالے کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً: عقد کے وقت عقد کرنے والا یوں کہہ دے کہ جب میں اس سے حلالہ کرلوں گا تو میرا نکاح نہیں رہے گا۔ یہ متعہ کی طرح ہوا کیونکہ اس میں وقت معین ہو گیا۔ یا یوں کہے کہ جب میں اسے حلال کردوں گا تو طلاق دے دوں گا۔ یا دل ہی میں یہ بات ہو اور طرفین کا اس بات پر اتفاق ہو کہ یہ عقد محض تحلیل کے لیے ہے، ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے لعنت کے الفاظ کا اطلاق اس قسم کے نکاح کی تمام صورتوں پر ہوتا ہے اگرچہ کچھ (نکاحوں) میں اختلاف بھی کیا گیا ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے ناقابلِ توجہ ہے۔[1]

نکاح شغار: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے۔ اور (راوی نافع بتاتے ہیں کہ) شغار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کردے کہ دوسرا بھی اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دے گا اور ان دونوں کے درمیان کچھ اور حق مہر نہ ہو۔[2]

غلام کا آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ أَوْ أَهْلِهِ فَهُوَ عَاهِرٌ»

"جو غلام اپنے آقا کی یا اہل کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، وہ زانی ہے۔"[3]

عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو جمع کرلینا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا»

"عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو (ایک نکاح میں) جمع نہ کیا جائے۔"[4]

---

[1] سبل السلام:3/350. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب الشغار، حديث: 5112، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه، حديث: 1415. شرط کی وجہ سے یہ شغار ہے اور ممنوع ہے، باقی مہر مقرر ہو یا نہ ہو، بہرصورت شرط کی وجہ سے ممنوع ہے، اس کی دلیل سنن ابی داود کی حدیث ہے جس میں شرط کی موجودگی کی وجہ سے اس نکاح کو شغار قرار دیا گیا، حالانکہ اس نکاح میں دونوں جانب سے عورتوں کے لیے مہر بھی طے ہوا تھا۔ دیکھیے سنن أبي داود، النكاح، باب في الشغار، حديث: 2075. (عبدالولی) [3] [حسن] سنن أبي داود، النكاح، باب في نكاح العبد بغير إذن مواليه، حديث: 2078، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في نكاح العبد بغير إذن سيده، حديث: 1111، وإرواء الغليل، حديث: 1933، ومسند أحمد: 3/301 واللفظ له. [4] صحيح البخاري، النكاح، باب لاتنكح المرأة على عمتها، حديث: 5109، 5110، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم الجمع

حالتِ احرام میں نکاح: عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكَحُ»

''مُحرم نہ خود اپنا نکاح کرسکتا ہے، نہ کسی دوسرے کا نکاح کراسکتا ہے اور نہ اس کا نکاح کیا جاسکتا ہے۔'' [1]

بدکار اور مشرک عورت سے نکاح یا کسی ایسے ہی مرد کا مومنہ سے نکاح: سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ ﴾

''زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد ہی۔'' [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَنْكِحُ الزَّانِي الْمَجْلُودُ إِلَّا مِثْلَهُ»

''کوئی زانی جسے حد لگ چکی ہو، وہ کسی اپنے جیسی ہی سے نکاح کرسکتا ہے۔'' [3]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مرثد بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ مکہ سے (مسلمان) قیدیوں کو اٹھا لاتے تھے۔ مکہ میں عناق نامی ایک بدکار عورت تھی۔ وہ اسلام سے پہلے ان کی آشنا تھی، مرثد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں عناق سے نکاح کرلوں؟ تو آپ خاموش رہے، تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ ﴾

''زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ عورت ہی سے اور زانیہ عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک مرد ہی۔''

پھر آپ نے مجھے بلایا اور یہ آیت سنائی اور فرمایا: «لَا تَنْكِحْهَا» ''اس سے نکاح مت کرنا۔'' [4]

◄◄ بین المرأة و عمتها أو خالتها في النكاح، حديث: 1408. [1] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته، حديث: 1409، وسنن أبي داود، المناسك، باب المحرم يتزوج، حديث: 1841 واللفظ له. [2] النور 24:3.

[3] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في قوله تعالى: ﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً ﴾، حديث: 2052، و مسند أحمد: 2/324. یعنی ایسا زانی جسے حد بھی لگی ہو لیکن اس نے توبہ نہ کی ہو تو کسی مومنہ کا نکاح اس کے ساتھ جائز نہیں۔ اور اگر توبہ کر لی ہے تو پھر جائز ہے۔ دیکھیے تفسیر ابن کثیر، سورۂ نور 24:3 کے تحت۔ (عبدالولی) [4] [حسن] سنن أبي داود، النكاح، باب في قوله تعالى: ﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً ﴾، حديث: 2051، وسنن النسائي، النكاح، باب تزويج الزانية، حديث: 3230، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة النور، حديث: 3177.

چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح: حارث بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میری آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے یہ بات نبی ﷺ کو بتائی تو آپ نے فرمایا:

«اِخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا» ''ان میں سے چار کا انتخاب کر لے۔'' [1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو اس کی جاہلیت کے ایام سے دس بیویاں تھیں، وہ بھی اس کے ساتھ مسلمان ہو گئیں، آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کر لے۔ [2]

دو بہنوں کی یکجائی: سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ﴾ ''اور تمھارا دو بہنوں کو جمع کرنا بھی حرام ہے۔'' [3]

جناب ضحاک بن فیروز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسلام قبول کیا ہے اور میری زوجیت میں دو بہنیں ہیں، آپ نے فرمایا: «طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ» ''دونوں میں سے کسی ایک کو جسے چاہو، طلاق دے دو۔'' [4]

مطلقہ ثلاثہ: مطلقہ ثلاثہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہے اور وہ اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا حتی کہ اس کے سوا کوئی دوسرا آدمی اس مطلقہ سے نکاح صحیح کر لے اور پھر وہ (پہلے کے لیے حلال کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ) کسی اور وجہ سے اسے طلاق دے دے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ ﴾

''پھر اگر وہ (خاوند) اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ (عورت) اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دے دے تو ان دونوں (سابقہ میاں بیوی) پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں رجوع کر لیں (اور نکاح کر لیں) اگر وہ دونوں

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الطلاق، باب في من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع أو أختان، حديث: 2241، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب الرجل يسلم وعنده أكثر من أربع نسوة، حديث: 1952. [2] [صحيح] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يسلم وعنده عشر نسوة، حديث: 1128، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب الرجل يسلم وعنده أكثر من أربع نسوة، حديث: 1953. [3] النسآء 4:23. [4] [حسن] سنن أبي داود، الطلاق، باب في من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع أو أختان، حديث: 2243، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يسلم وعنده أختان، حديث: 1130.

خیال کریں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے۔''[1]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس سے ایک آدمی نے نکاح کر لیا، پھر اس نے دخول سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی، اب اس کے پہلے شوہر نے اس عورت سے نکاح کرنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«لَا ، حَتّٰى يَذُوقَ الْآخِرُ مِنْ عُسَيْلَتِهَا ، مَا ذَاقَ الْأَوَّلُ»

''نہیں حتی کہ دوسرا اس کی چاشنی چکھ لے جو پہلے نے چکھی ہے۔''[2]

ان عورتوں سے نکاح جن کی حرمت کی قرآن نے صراحت کی ہے: سورۂ نساء میں اللہ عز و جل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ﴾

''اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا مگر جو گزر چکا، یہ بے حیائی ہے، بڑی نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔ حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں، تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری رضاعی بہنیں اور تمھاری ساسیں اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں جو تمھارے ہاں پرورش پائیں اور ان عورتوں کے پیٹ سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو، ہاں اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمھارے صلبی (سگے) بیٹوں کی بیویاں اور تمھارا دو بہنوں کو جمع کرنا بھی حرام ہے۔ ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا، یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، مہربان ہے۔ اور تمھارے لیے شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں سوائے ان لونڈیوں کے جن کے تم مالک بن جاؤ۔ اللہ نے یہ احکام تم پر فرض کر

[1] البقرة 2:230. [2] صحيح البخاري، الشهادات، باب شهادة المختبئ، حديث: 2639، وصحيح مسلم، النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثا لمطلقها......، حديث: 1433 واللفظ له.

دیے ہیں اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو اور تمھاری نیت بدکاری کی نہ ہو۔‘‘ [1]

نسب کے باعث حرام ہونے والی عورتیں سات ہیں: (1) مائیں: اس سے مراد انسان کو جنم دینے والی خاتون کے علاوہ ہر وہ عورت ہے جو ماں یا باپ کے واسطے سے ماں بنتی ہے، یعنی ماں کی والدہ (نانی) باپ کی ماں (دادی) اس طرح اوپر کے مدارج تک۔

(2) بیٹیاں: اس سے اپنی صلبی بیٹیوں کے علاوہ وہ بھی مراد ہیں جو بیٹیوں کے واسطے سے بیٹیاں بنتی ہیں، یعنی بیٹی کی بیٹی (نواسی) اسی طرح نواسے کی بیٹی اور درجہ بدرجہ نیچے تک۔ جمہور اس کے قائل ہیں کہ زنا کے باعث جنم لینے والی بیٹی کا بھی یہی حکم ہے۔

(3) بہنیں: یہ حکم عام ہے کہ بہنیں حقیقی ہوں یا باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے۔ [2]

(4) پھوپھیاں: اس سے مراد باپ کی بہنیں ہیں، اوپر کے مدارج تک، یعنی دادا، پردادا کی بہنیں بھی، چاہے وہ حقیقی ہوں یا باپ کی طرف سے، یا ماں کی طرف سے۔

(5) خالائیں: اس سے مراد آدمی کی ماں کی بہنیں ہیں اور اس کے آباء کی ماؤں کی بہنیں بھی، اوپر کے مدارج تک۔

(6)(7) بھتیجیاں اور بھانجیاں: اس سے مراد آدمی کے بھائی اور بہنوں کی بیٹیاں ہیں اور ان کی بیٹیاں نیچے تک۔ یہ بھائی اور بہنیں حقیقی ہوں، یا ماں کی طرف سے، یا باپ کی طرف سے۔

رضاعت (دودھ) کے رشتے سے حرام ہونے والے بھی سات ہی رشتے ہیں:

نمبر	رشتہ
1	رضاعی ماں جس نے دودھ پلایا ہو۔
2	رضاعی ماں کی ماں
3	رضاعی باپ کی ماں
4	رضاعی ماں کی بہن
5	رضاعی باپ کی بہن
6	رضاعی ماں کے بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں
7	رضاعی بہن

[1] النسآء 4:22-24. [2] ہمارے معاشرے میں زبان زد عام رشتے ماموں زاد بہن، خالہ زاد بہن یا چچا زاد بہن وغیرہ ایسے رشتے ہیں، جن کو شریعت نے بہن والا درجہ یا حکم نہیں دیا، یعنی اگر کوئی اور وجۂ حرمت نہ ہو تو ان سے نکاح جائز ہے۔ (مترجم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے متعلق فرمایا: ''یہ میرے لیے حلال نہیں کیونکہ رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔''[1]

عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ (ایک بار) رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف فرما تھے کہ میں نے ایک آدمی کی آواز سنی، وہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ شخص آپ کے گھر میں آنے کی اجازت مانگ رہا ہے، آپ نے فرمایا:

«أُرَاهُ فُلَانًا» ''میرا خیال ہے کہ یہ فلاں شخص ہے۔''

جو حفصہ کا رضاعی چچا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے پوچھا: کیا میرا رضاعی چچا زندہ ہوتا تو وہ بھی میرے ہاں آ سکتا تھا؟ آپ نے فرمایا: «نَعَمْ، إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ»

''ہاں! رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سب احادیث حرمتِ رضاع (دودھ کے سبب حرمت) کے ثبوت میں متفق ہیں اور امت کا بھی اجماع ہے کہ دودھ پینے والے بچے اور دودھ پلانے والی عورت کے درمیان یہ تعلق بحیثیت حرمت ثابت ہو جاتا ہے اور وہ بچہ اس عورت کا بیٹا بن جاتا ہے، اس لڑکے پر اس عورت سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ٹھہرتا ہے اور اسے اس عورت کے ساتھ تنہا ہونا، اس کی طرف دیکھنا یا اس کے ساتھ سفر کرنا حلال ہے، مگر اس سے حقیقی ماں والے تمام احکام ثابت نہیں ہوتے ہیں، مثلاً: یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، نہ ان میں کسی کے ذمے دوسرے کا نفقہ ہے، اگر وہ عورت اس آدمی کی ملکیت میں آ جائے تو آزاد نہ ہو گی، نہ اس کی گواہی اس عورت کے حق میں مردود ہو گی، نہ یہ اس عورت کی طرف سے دیت کا ذمہ دار ہو گا، نہ اس عورت سے قصاص ٹلے گا اگر یہ اس بچے کو قتل کر دے، چنانچہ ان احکام میں یہ ایک دوسرے کے لیے اجنبیوں کی طرح ہیں۔ علماء کا اس امر پر بھی اجماع ہے کہ ان احادیث کی روشنی میں یہ حرمت دودھ پلانے والی عورت اور دودھ پینے والے کی اولاد تک دونوں اطراف میں ہوتی ہے اور دودھ پینے والا اس عورت کے لیے اس کے نسبی بچے کی طرح ہے۔ اور وہ آدمی جس کی

[1] صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب......، حديث: 2645، وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحريم ابنة الأخ من الرضاعة، حديث: 1447. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب: ﴿وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ﴾، حديث: 5099، وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة مايحرم من الولادة، حديث: 1444 واللفظ له.

طرف اس عورت کا دودھ منسوب ہے، یعنی اس عورت کا شوہر، یا مالک جس نے ملک یمین کے تحت یا کسی شبہے میں اس سے مباشرت کی ہو تو ہمارا اور تمام علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس بچے اور اس آدمی کے درمیان بھی تعلقِ حرمت ثابت ہو جائے گا اور یہ بچہ اس آدمی کے لیے اپنی اولاد جیسا ہی ہو گا۔ اور اس آدمی کی اولاد اس دودھ پینے والے کے بہن بھائی ہوں گے، اس مرد کے بھائی اس بچے کے چچا اور اس کی بہنیں اس بچے کی پھوپھیاں بن جائیں گی، اسی طرح دودھ پینے والے بچے کی اولاد بھی اس آدمی کی اولاد ہی سمجھی جائے گی۔ اس مسئلے میں سوائے اہلِ ظاہر اور ابن علیہ کے اور کوئی مخالف نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس بچے اور اس آدمی کے درمیان حرمتِ رضاع ثابت نہیں ہوتی۔ علامہ مازری نے ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ قول نقل کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ﴾

”اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہے اور تمھاری رضاعی بہنیں تم پر حرام ہیں۔“

ان کا استدلال یہ ہے کہ یہاں بیٹی یا پھوپھی کا ذکر نہیں ہے (رضاعی بیٹی یا رضاعی پھوپھی نہیں کہا) جیسا کہ نسبی رشتوں کی حرمت میں بیٹی، پھوپھی وغیرہ کا صراحتاً ذکر کیا گیا ہے۔ مگر جمہور کا استدلال ان صحیح صریح احادیث سے ہے جن میں ام المومنین عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کے چچا کا ذکر ہے کہ آپ نے ان کو اجازت دی اور فرمایا:

«إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ»

”رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔“

اور جمہور نے ظاہریہ کے مذکورہ استدلالِ آیت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ رضاعی بیٹی یا پھوپھی وغیرہ کے حلال ہونے میں نص نہیں ہے، کیونکہ کسی شے کا ذکر اس بات کی دلیل نہیں کہ دوسری اشیاء جن کا ذکر نہیں ہوا، کسی معارض کے بغیر ان کا حکم ساقط ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے، حالانکہ صحیح احادیث آ چکی ہیں؟[1]

جناب عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک خاتون سے شادی کی، بعد میں ہمارے ہاں ایک سیاہ رنگ کی عورت آئی۔ اس نے کہا: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ ہمارے ہاں ایک کالی عورت آئی۔ اس نے بتایا ہے کہ میں تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہوں، یہ عورت جھوٹی ہے، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھ سے منہ موڑ لیا، میں دوسری طرف سے آپ کے سامنے آیا اور عرض کی کہ یہ جھوٹی عورت ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تم اس عورت (اپنی بیوی) کو کیسے رکھ سکتے ہو

[1] شرح صحيح مسلم للنووي: 30/10.

جب کہ اس عورت کا خیال ہے کہ وہ تم دونوں کو دودھ پلا چکی ہے، اس عورت کو چھوڑ دو۔" [1]

وہ مرد جس کے سبب سے دودھ آتا ہے، حرمت کا باعث ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوالقعیس کے بھائی افلح نے میرے ہاں آنے کی اجازت چاہی، پردے کے احکام نازل ہو چکے تھے اور ابوالقعیس، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا تھا، میں نے اسے اپنے ہاں آنے کی اجازت نہ دی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے اپنا یہ طرزِ عمل آپ کے گوش گزار کر دیا۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے اجازت دے دوں۔ [2]

جناب عمرو بن شرید سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کی دو بیویاں ہوں اور ایک نے ایک لڑکے کو اور دوسری نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا ہو تو کیا یہ لڑکا اس لڑکی سے نکاح کر سکے گا؟ انھوں نے فرمایا: نہیں کیونکہ دودھ کا سبب ایک ہے۔ [3]

جناب عمرو بن دینار نے ابوشعثاء سے سنا کہ مرد جو دودھ کا سبب ہوتا ہے، حرمت کا باعث ہے۔ [4]

ابن جریج سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے جناب عطاء سے دریافت کیا کہ کیا مرد جو دودھ کا سبب ہوتا ہے، حرمت کا باعث ہے؟ کہا: ہاں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ "اور تمھاری رضاعی بہنیں بھی حرام ہیں۔"

چنانچہ وہ باپ کی طرف سے تمھاری بہن ہے۔ [5]

رضاعت کب ثابت ہوتی ہے؟ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآن مجید میں پہلے یہ حکم آیا تھا کہ دودھ واضح طور پر دس بار پیا ہو تو اس سے حرمت لازم آتی تھی، پھر اس تعداد کو پانچ بار کی تعداد سے منسوخ کر دیا گیا اور فرمایا گیا کہ واضح طور پر پانچ بار پیا ہو، پھر آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو یہ آیات قرآن میں تلاوت کی جاتی تھیں۔ [6]

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، القضاء، باب الشهادة على الرضاع، حديث: 3603، وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في شهادة المرأة الواحدة في الرضاع، حديث: 1151. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب لبن الفحل، حديث: 5103، وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: 1445. [3] [أثر صحيح] جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في لبن الفحل، حديث: 1149، والموطأ للإمام مالك: 143/2، حديث: 1316، وسنن سعيد بن منصور، حديث: 966. [4] [أثر صحيح] المصنف لعبدالرزاق: 472/7. [5] [أثر صحيح] المصنف لعبدالرزاق: 471/7.
[6] صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، حديث: 1452، وسنن أبي داود، النكاح، باب هل يحرم مادون خمس رضعات، حديث: 2062. یعنی دس بار پینے کا حکم قرآن میں تھا، پھر ان آیات کی تلاوت و حکم دونوں منسوخ کر دیے »

امام ابن حزم لکھتے ہیں: مسئلۂ رضاعت سے حرمت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب دودھ پانچ بار پیا ہو اور ہر باری دوسری باری سے جدا ہو، یا اس طرح جدا جدا پانچ بار دودھ کی چسکیاں لی ہوں اور چسکی بھی ایسی جو کسی قدر بھوک مٹانے والی ہو ورنہ اس چسکی کا کوئی اعتبار ہوگا نہ اس سے کوئی حرمت ثابت ہوگی۔ اس کے بعد انھوں نے اہلِ علم کے اقوال ذکر کیے ہیں اور مخالفین اور ان کے دلائل کے جوابات بھی دیے ہیں۔[1]

رضاعت کبیر: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! میرے شوہر ابوحذیفہ کا آزاد کردہ غلام ہمارے ساتھ ہی ہمارے گھر میں رہتا ہے، حالانکہ وہ بالغ ہوگیا ہے، تو آپ نے فرمایا: «أَرْضِعِيهِ تَحْرُمِي عَلَيْهِ» ''اسے دودھ پلا دو (یوں) تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔''[2]

* یہ مسئلہ سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہما ہی کے ساتھ خاص ہے۔ واللّٰہ أعلم.

عروہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی سب ازواج نے اس بات سے انکار کر دیا کہ اس طرح کی کسی رضاعت سے کوئی ان کے ہاں داخل ہو۔ انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ کی قسم! ہم سمجھتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سہلہ بنت سہیل کو جو کہا تھا، وہ صرف سالم ہی کے لیے رخصت تھی، اس طرح کی رضاعت سے ہمارے ہاں کوئی داخل نہیں ہوگا نہ ہمیں دیکھ سکے گا۔[3] یہ حدیث اپنی اسانید کی روشنی میں صحیح ہے۔

سسرالی رشتے کے باعث حرام ہونے والی عورتیں: بیوی کی ماں (ساس): جس عورت سے محض عقد (نکاح) ہی ہو تو اس کی ماں حرام ہو جائے گی، چاہے بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو۔

بیوی کی بیٹی (جو دوسرے خاوند سے ہو): جب بیوی سے ہم بستری ہو چکی ہو تو اس بیوی کی بیٹی حرام ہوگی۔ کسی عورت سے عقد (نکاح) کیا مگر ہم بستری نہ کی تو اسے طلاق دینے کی صورت میں اس کی بیٹی حلال ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾

''پھر اگر تم نے ان سے ہم بستری نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔''

* بیٹے کی بیوی: یہ محض عقد (نکاح) ہی سے حرام ہو جاتی ہے۔

گئے جبکہ ناسخ پانچ بار پینے والی آیت تھی اور اس آیت کی تلاوت نبی ﷺ کی وفات کے بالکل قریب منسوخ ہوئی (حکم باقی ہے) بعض لوگوں کو اس کی تلاوت کے منسوخ ہونے کا علم جلد نہ ہو سکا، اس لیے آپ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد بھی یہ لوگ اس کی تلاوت کرتے رہے، بعد میں جب معلوم ہوا تو انھوں نے بھی تلاوت ترک کر دی۔ دیکھیے: منة المنعم: 414/2. (عبدالولی) [1] المحلّٰی لابن حزم: 9/10. [2] صحیح مسلم، الرضاع، باب رضاعة الکبیر، حدیث: 1453، ومسند أحمد: 38/6، 39 و201. [3] [صحیح] سنن النسائي، النکاح، باب رضاع الکبیر، حدیث: 3326، والموطأ للإمام مالك: 145/2، حدیث: 1324.

* باپ کی منکوحہ: جس عورت سے باپ نے محض عقد (نکاح) ہی کیا ہو تو وہ بیٹے کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔

لونڈی آزاد ہو جائے تو اپنے معاملے کی مختار بن جاتی ہے: اس صورت میں وہ اپنے پہلے غلام شوہر سے رشتہ ازدواج رکھنے یا نہ رکھنے کی پوری طرح مجاز ہے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر غلام تھا۔ بریرہ کو (آزاد ہونے پر) رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام نے اختیار دے دیا کہ اس کے ساتھ رہے یا علیحدہ ہو جائے تو اس نے علیحدگی اختیار کر لی۔ اگر وہ آزاد ہوتا تو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اسے اختیار نہ دیتے۔ [1]

مشرک میاں بیوی میں سے کسی ایک کا مسلمان ہونا: مشرک میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور عدت (استبرائے رحم، یعنی ایک حیض انتظار کرنا) لازم ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے ساتھ دو حالتیں تھیں۔ یہ لوگ یا تو اہلِ حرب تھے کہ ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ دوسرے اہلِ عہد تھے، آپ ان کے ساتھ یا وہ آپ کے ساتھ جنگ نہیں کرتے تھے۔ اہلِ حرب میں سے کوئی عورت ہجرت کر کے آتی تو اسے اس وقت تک نکاح کا پیغام نہیں دیا جاتا تھا جب تک کہ اسے حیض نہ آ جائے اور وہ اس سے پاک نہ ہو جائے۔ پاک ہو جانے کے بعد اس کے ساتھ نکاح جائز ہوتا تھا۔ اگر نکاح سے پہلے پہلے اس کا شوہر بھی ہجرت کر آتا تو اس عورت کو اس کے شوہر کے پاس بھیج دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر آتی تو یہ لوگ آزاد ہو جاتے تھے اور انھیں وہی حقوق حاصل ہوتے تھے جو مہاجرین کے تھے۔ [2]

اس آدمی کے نکاح کا حکم جو بیوی کے مسلمان ہونے کے بعد اسلام لائے: وہ شخص جو اسلام لائے اور اس کی بیوی اس سے پہلے مسلمان ہوئی ہے اور عدت ختم ہونے کے بعد ابھی تک اس نے نکاح نہیں کیا ہے، اس بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابو العاص رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے پہلے نکاح ہی کی بنیاد پر لوٹا دیا تھا، کوئی نئی چیز نہیں کی تھی۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ یہ واپسی چھ سال بعد ہوئی اور حسن بن علی کی روایت کے مطابق دو سال بعد ہوئی تھی۔ [3]

[1] صحيح مسلم، العتق، باب بيان أن الولاء لمن أعتق، حديث: 1504. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب نكاح من أسلم من المشركات وعدتهن، حديث: 5287,5286. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الطلاق، باب إلى متى ترد عليه امرأته إذا أسلم بعدها، حديث: 2240، ومسند أحمد: 217/1.

حق مہر اور اس کے احکام

* مہر کو اَلصَّدَاق بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ ''صاد'' پر زبر یا زیر دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے، یہ صِدق سے ماخوذ ہے، یعنی شوہر اس کے ذریعے سے اپنی دلہن کے لیے سچی رغبت و اخلاص کا اظہار کرتا ہے۔ یہ لفظ سات طرح سے پڑھا گیا ہے۔ اور مہر کے آٹھ نام ہیں جو اس شعر میں جمع ہو گئے ہیں:

صَدَاقٌ، وَمَهْرٌ، نِحْلَةٌ، وَفَرِيضَةٌ
حِبَاءٌ، وَأَجْرٌ، ثُمَّ عُقْرٌ، عَلَائِقُ [1]

حق مہر واجب ہے: سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو۔'' [2]

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ﴾

''پھر جن سے مہر کے عوض تم فائدہ اٹھاؤ، انھیں ان کے مقرر کیے ہوئے مہر دے دو، اگر تم مہر مقرر کر لینے کے بعد اس (میں کمی بیشی) پر باہم راضی ہو جاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔'' [3]

اور سورۂ ممتحنہ میں ہے: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾

''اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کر لو جب تم انھیں ان کے مہر دے دو۔'' [4]

خیال رہے کہ حق مہر عورت اپنے لیے لیتی ہے، اس کے اولیاء کا اس میں کوئی حق نہیں۔ اگر کوئی شخص قرآن مجید میں مذکور موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے کہ مدین میں جس شیخ نے کہا تھا:

﴿ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ﴾

''میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کر دوں کہ تو آٹھ سال میری نوکری کرے۔'' [5]

یہ استدلال کرے کہ ولی عورت کا حق مہر لے سکتا ہے تو میری طرف سے اس کا واضح جواب یہ ہے کہ یہ

[1] صَدَاق، صِدَاق، صَدُقَة، صَدْقَة، صُدُقَة، صُدْقَة، صَدْقَة (تاج العروس)، و الروض المربع: 363/6. [2] النسآء 4:4.
[3] النسآء 24:4. [4] الممتحنة 10:60 [5] القصص 27:28.

ہم سے پہلی شریعت کا واقعہ ہے، ہماری شریعت میں یہ ہے کہ مہر عورت کا حق ہے، چنانچہ ان کی دلیل باطل اور طمع ساقط ہے۔

حق مہر جلدی دے دیا جائے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اسے کچھ دو۔'' تو انھوں نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا: «فَأَيْنَ دِرْعُكَ الْحُطَمِيَّةُ؟» ''تمھاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے؟'' [1]

مستحب ہے کہ حق مہر کم ہو: سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کے ایک چھلے کے بدلے ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے کر دیا تھا۔ [2]

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ» ''بہترین مہر وہی ہے جو آسانی سے ادا ہو سکے۔'' [3]

مہر مثل: جس عورت کا حق مہر مقرر نہ ہوا ہو تو اس کا مہر دخول کی صورت میں اس جیسی عورتوں کے برابر ہوگا۔ جناب علقمہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا مگر اس کے لیے حق مہر مقرر نہیں کیا، نہ اسے بیوی سے یکجائی کی نوبت آئی حتی کہ وہ فوت ہو گیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے لیے مہر اس علاقے کی عورتوں کے برابر ہے، کم نہ زیادہ، وہ عدت بھی گزارے اور وہ وراثت کی حق دار بھی ہے۔ اس بات پر معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا نامی ہمارے قبیلے کی ایک عورت کے بارے میں بھی اسی طرح کا فیصلہ فرمایا تھا جو آپ نے کیا ہے۔ تو اس سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بہت خوشی ہوئی۔ [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حق مہر کی مالیت: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہمارے مہر دس اوقیہ ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ ایک ساتھ ملائے اور بتایا کہ وہ چار سو

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها شيئًا، حديث: 2125، وسنن النسائي، النكاح، باب نحلة الخلوة، حديث: 3377. [2] [صحيح] المستدرك للحاكم: 178/2، حديث: 2733. [3] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقًا حتى مات، حديث: 2117، والمستدرك للحاكم: 182/2، حديث: 2742 واللفظ له. [4] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقًا حتى مات، حديث: 2116، وسنن النسائي، الطلاق، باب عدة المتوفى عنها زوجها......، حديث: 3554، وجامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء في الرجل يتزوج المرأة فيموت عنها قبل أن يفرض لها، حديث: 1145، ومسند أحمد: 280,279/4.

(درہم) کے برابر تھے۔[1]

اپنے ذمے استطاعت سے زیادہ مہر لینے کی مذمت: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا:

«هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا؟ فَإِنَّ فِي عُيُونِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا»

''کیا تو نے اسے دیکھا بھی ہے؟ انصاریوں کی آنکھوں میں کچھ ہے۔''

اس نے کہا: میں نے اسے دیکھا ہے۔ آپ نے پوچھا:

«عَلٰى كَمْ تَزَوَّجْتَهَا؟» ''کتنے مہر پر شادی کی ہے؟''

کہا: چار اوقیے (چاندی) پر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَلٰى أَرْبَعِ أَوَاقٍ؟ كَأَنَّمَا تَنْحِتُونَ الْفِضَّةَ مِنْ عُرْضِ هٰذَا الْجَبَلِ، مَا عِنْدَنَا مَا نُعْطِيكَ، وَلٰكِنْ عَسٰى أَنْ نَبْعَثَكَ فِي بَعْثٍ تُصِيبُ مِنْهُ»

''چار اوقیے پر؟ گویا تم اس پہاڑ کے پہلو سے چاندی تراشتے ہو؟ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے جو ہم تمھیں دے سکیں لیکن یہ ممکن ہے کہ تمھیں کسی مہم پر بھیج دیں تو تمھیں وہاں سے کچھ مل جائے۔''

چنانچہ بنی عبس کی طرف جو مہم بھیجی گئی، اس میں اسے روانہ کیا گیا۔[2]

ایک اوقیہ چاندی کے 40 درہم کے برابر ہوتا ہے۔ اور چاندی کا ایک درہم 2.975 گرام کے برابر ہوتا ہے۔ اس طرح ایک اوقیہ ایک سو انیس گرام چاندی کے برابر ہوتا ہے۔

تنگ دست کے ساتھ اس حصۂ قرآن کے بدلے نکاح کر دینا جو اسے یاد ہو: سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے (حدیث طویل ہے، اس میں ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس شخص سے) دریافت فرمایا: ''کیا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں! مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے تیرا اس قرآن کے بدلے جو تجھے یاد ہے، اس عورت سے نکاح کر دیا۔''[3]

آدمی کے مسلمان ہونے کو حق مہر بنانا: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سُلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا

[1] [صحيح] سنن النسائي، النكاح، باب القسط في الأصدقة، حديث: 3350 و 3368، ومسند أحمد: 368,367/2، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 235/7. [2] صحيح مسلم، النكاح، باب ندب من أراد نكاح امرأة إلى أن ينظر إلى وجهها......، حديث: 1424. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب التزويج على القرآن وبغير صداق، حديث: 5149.

تو ان کا حق مہر ابوطلحہ کا مسلمان ہونا ہی تھا۔ ام سُلیم ابوطلحہ سے پہلے مسلمان ہو چکی تھیں۔ ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام دیا تو ام سلیم نے کہا: میں مسلمان ہو چکی ہوں، اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے نکاح کر لوں گی۔ یہی چیز ان دونوں کے درمیان حق مہر بن گئی۔ [1]

آزادی کو بھی حق مہر بنایا جا سکتا ہے: انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا تو اس کی آزادی کو اس کا حق مہر قرار دیا۔ [2]

نکاح کر لینے والے کی اللہ مدد فرماتا ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَوْنُهُمْ: الْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ، وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ، وَالْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

"اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے آدمیوں کی مدد کرنا اپنے ذمے لے رکھا ہے: مکاتَب غلام جو ادائیگی کرنے کا عزم رکھتا ہو، نکاح کرنے والا جو عفت کی زندگی گزارنا چاہتا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔" [3]

ولیمہ اور اس کے احکام

لفظ ولیمہ وَلْمٌ سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں: "جمع ہونا" کیونکہ یہ دعوت زوجین کے اجتماع کی مناسبت ہی سے دی جاتی ہے۔ اس سے أَوْلَمَ کا فعل بنا ہے۔ اور ہر اس طعام اور دعوت کو ولیمہ کہتے ہیں جو کسی خوشی کی بنا پر ہو۔ شادی کا ولیمہ زفاف اور ملکیت کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ [4]

شادی کا ولیمہ ایک بکری یا اس سے زیادہ پر مشتمل ہونا مستحب ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ (کے لباس) پر زرد رنگ کا اثر دیکھا تو دریافت فرمایا: «مَا هٰذَا؟» "یہ کیا ہے؟" انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے شادی کی ہے اور گٹھلی کے برابر سونا مہر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: «فَبَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ» "اللہ تجھے برکت دے، ولیمہ کرو خواہ ایک ہی بکری کا ہو۔" [5]

---

[1] [صحيح] سنن النسائي، النكاح، باب التزويج على الإسلام، حديث: 3342. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب من جعل عتق الأمة صَداقها، حديث: 5086و5169، وصحيح مسلم، النكاح، باب فضيلة إعتاقه أمته ثم يتزوجها، حديث: 1365 بعد الحديث: 1427. [3] [حسن] سنن النسائي، النكاح، باب معونة الله الناكح الذي يريد العفاف، حديث: 3220، وجامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في المجاهد والناكح......، حديث: 1655. [4] تهذيب اللغة للأزهري: 406/15. [5] صحيح البخاري، النكاح، باب الوليمة ولوبشاة، حديث: 5167، وصحيح مسلم، النكاح، باب الصّداق وجواز كونه تعليم قرآن......، حديث: 1427 واللفظ له.

ولیمے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا»

”جب کسی کو ولیمے کی دعوت دی جائے تو اسے یہ دعوت قبول کر کے اس میں حاضر ہونا چاہیے۔“ [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ، وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ»

”جب کسی کو دعوت دی جائے تو قبول کر لے، روزے سے ہو تو دعا کرے، روزہ نہ ہو تو کھانا کھائے۔“ [2]

بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا

کسی ایک بیوی کی طرف جھکاؤ حرام ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ»

”جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ کسی ایک کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہو گا۔“ [3]

بیوی کنواری ہو تو ابتدا میں اس کے لیے سات دن اور غیر کنواری کے لیے تین دن: انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جب آدمی غیر کنواری بیوی پر کسی کنواری سے شادی کر لے تو اس کے ہاں سات دن ٹھہرے، اس کے بعد (اوقات کی) تقسیم اور باری شروع کرے، اگر غیر کنواری سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے، پھر باری شروع کرے۔ [4]

بیوی اپنی باری سے دست بردار ہو سکتی ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی، چنانچہ نبی ﷺ انھیں دو دن دیا کرتے تھے، ایک ان کا اپنا دن اور دوسرا سودہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن۔ [5]

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب حق إجابة الوليمة......، حديث: 5173، وصحيح مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: 1429. [2] صحيح مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: 1431. [3] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: 2133، ومسند أحمد: 2/347 و471. [4] صحيح البخاري، النكاح، باب إذا تزوج الثيب على البكر، حديث: 5214، وصحيح مسلم، الرضاع، باب قدر ما تستحقه البكر والثيب......، حديث: 1461. [5] صحيح البخاري، النكاح، باب المرأة تهب يومها من زوجها......، حديث: 5212، وصحيح »

دن کے وقت آدمی اپنی تمام بیویوں کے پاس جا کر حال احوال پوچھے: جماع نہ کرے اور رات اس کے پاس گزارے جس کی باری ہو، جناب عروہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے بھانجے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ٹھہرنے میں ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے، آپ اکثر ہم سب کے پاس روزانہ تشریف لاتے تھے، ہر ایک کے قریب ہوتے تھے، بغیر اس کے کہ مباشرت کی کیفیت ہو یہاں تک کہ آپ (آخر میں) اس بیوی کے پاس پہنچتے جس کی باری ہو اور آپ اس کے ہاں رات بسر فرماتے۔ [1]

بیویوں کے لیے قرعہ اندازی: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرنا چاہتے تو اپنی عورتوں کے درمیان قرعہ ڈالتے، تو جس کی باری نکل آتی، آپ اسے ساتھ لے جاتے۔ [2]

عورت کی دبر میں مباشرت حرام ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى حَائِضًا، أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا فَقَدْ كَفَرَ»

''جو شخص بیوی سے ایام حیض میں یا اس کی دبر میں مباشرت کرے تو اس نے کفر کیا۔'' [3]

خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ» ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «لَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ»

''بے شک اللہ حق سے نہیں شرماتا، یہ بات آپ نے تین مرتبہ دہرائی، تم اپنی بیویوں سے دبر میں جماع مت کرو۔'' [4]

عزل جائز ہے مگر اس سے احتراز بہتر ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔ [5]

جدامہ بنت وہب، جو عکاشہ کی بہن ہیں رضی اللہ عنہا، بیان کرتی ہیں کہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو لوگوں نے آپ سے عزل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

مسلم، الرضاع، باب جواز هبتها ......، حديث: 1463. [1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: 2135، والمستدرك للحاكم: 2/186، حديث: 2760. [2] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب هبة المرأة ......، حديث: 2593، وصحيح مسلم، التوبة، باب في حديث الإفك......، حديث: 2770. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الكهانة، باب في الكهان، حديث: 3904، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في كراهية......، حديث: 135، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب النهي عن إتيان الحائض، حديث: 639، والمصنّف لابن أبي شيبة: 3/523، حديث: 16803 واللفظ له. [4] [صحيح] سنن ابن ماجه، النكاح، باب النهي عن إتيان النساء......، حديث: 1924، ومسند أحمد: 5/213 و215. [5] صحيح البخاري، النكاح، باب العزل، حديث: 5209، وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، حديث: 1440.

«ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ» ''یہ (عمل) مخفی طور پر زندہ دفن کرنا ہے۔'' [1]

شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق

بھلے انداز میں معقول و معروف طریقے سے زندگی گزارنا: سورۂ نساء میں اللہ عزوجل کا ارشاد عالی ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔'' [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت کی مثال پسلی جیسی ہے، اگر تو نے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر یوں ہی رہنے دے تو تو اس سے فائدہ اٹھا سکے گا، اس حال میں کہ اس میں ٹیڑھ ہوگی۔'' [3]

شوہر کو اطاعتِ الٰہی میں بیوی کی معاونت کرنی چاہیے: شوہر کو اللہ عزوجل کی اطاعت کرنے میں بیوی کا معاون بننا چاہیے اور اسے اللہ کی توحید اور عبادات کے طریقوں سے آگاہ کرتے رہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾

''اے ایمان والو! تم خود کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔'' [4]

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم آپ کے پاس بیس راتیں رہے، آپ انتہائی رحمدل اور شفیق تھے، جب آپ نے ہم میں اپنے گھر والوں کی طرف اشتیاق و شوق کو محسوس کیا تو فرمایا: ''واپس جاؤ، اپنے اہل میں رہو، انھیں تعلیم دو اور نماز کی پابندی کرو، جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور جو تم میں بڑا ہو، وہ تمھاری امامت کرائے۔'' [5]

شوہر، بیوی کے معاملے میں غیرت مند اور حیادار ہو: شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کے معاملے میں غیرت مند بنے۔ اسے کسی ایسی صورتِ حال سے دوچار نہ کرے جو اسے بے حیا بنائے یا اس کی عزتِ نفس کو مجروح کرنے والی ہو۔ اس کے معاملے میں غیرت مند ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے متعلق برے گمان رکھے اور اس نیت

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب جواز الغيلة...... وكراهة العزل، حديث: 1442. [2] النسآء 4:19. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب الوصاة بالنساء، حديث: 5186، وصحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث: 1470 واللفظ له. [4] التحريم 66:6. [5] صحيح البخاري، الأذان، باب من قال: ليؤذن في السفر مؤذنٌ واحد، حديث: 628، وصحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة؟ حديث: 674.

سے اس پر نگاہ رکھے تاکہ اس کی کمزوریوں سے آگاہ ہو سکے، یہ طرز عمل ٹھیک نہیں، اس کی ممانعت ہے۔

جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّ اللهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللهُ، فَأَمَّا الَّتِي يُحِبُّهَا اللهُ عَزَّوَجَلَّ فَالْغَيْرَةُ فِي الرِّيبَةِ، وَأَمَّا الْغَيْرَةُ الَّتِي يُبْغِضُهَا اللهُ فَالْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ رِيبَةٍ»

"غیرت کے کچھ پہلو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اور کچھ ناپسندیدہ بھی ہیں۔ جو بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، وہ یہ ہے کہ تہمت اور شبہے کی بنا پر غیرت کا اظہار کرے اور جو بات اللہ کو ناپسند ہے، وہ یہ ہے کہ بغیر کسی شبہے کے غیرت کا اظہار کرے۔" [1]

بیوی بچوں کا حسب استطاعت نان نفقہ: شوہر بیوی بچوں کو حسب استطاعت نان نفقہ دے اور کنجوسی نہ کرے، تاہم اگر معاشی حالات کمزور ہوں اور شوہر تنگدستی سے دوچار ہو تو بیوی کو صبر سے کام لینا چاہیے۔

جناب حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم پر بیویوں کا کیا حق لازم ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ» أَوِ «اكْتَسَبْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ»

"جب تو کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب تو پہنے" یا فرمایا "تو کمائے تو اسے بھی پہنائے، چہرے پر مت مار، اسے برا بھلا مت کہہ اور اس سے علیحدگی مت اختیار کر مگر گھر کے اندر ہی۔" [2]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی) ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو، سوائے اس کے جو میں اس سے اس کی بے خبری میں لے لوں؟ تو آپ نے فرمایا:

«خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ»

"تم اتنا لے سکتی ہو جو تمھیں اور تمھارے بچوں کے لیے معروف انداز سے کافی ہو۔" [3]

[1] [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الخيلاء في الحرب، حديث: 2659، وسنن النسائي، الزكاة، باب الاختيال في الصدقة، حديث: 2559. [2] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: 2142، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: 1850. [3] صحيح البخاري، النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه......، حديث: 5364، وصحيح مسلم، الأقضية، باب قضية هند، حديث: 1714.

بیوی کے ذمے شوہر کے حقوق

شوہر کی اطاعت لازم ہے: بیوی پر لازم ہے کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والی کوئی بات نہ مانے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾

”اگر وہ تمھاری اطاعت کریں تو پھر ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ ڈھونڈو۔“ [1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»

”مسلمان آدمی کے ذمے ہے کہ سنے اور اطاعت کرے، چاہے اسے پسند ہو یا ناپسند، جب تک کہ نافرمانی کی بات نہ کہی جائے، اگر کسی نافرمانی کے لیے کہا جائے تو ایسی بات ہرگز نہ سنی جائے، نہ اس کی اطاعت کی جائے۔“ [2]

شوہر کی عدم موجودگی میں کسی غیر محرم کو گھر نہ آنے دے: عورت پر لازم ہے کہ شوہر کی غیر حاضری میں کسی غیر محرم کو گھر میں نہ آنے دے، ایسے شخص کو بھی نہ آنے دے جسے شوہر ناپسند کرتا ہو، چاہے وہ محارم ہی میں سے ہو۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ» ”عورتوں کے ہاں جانے سے بچو۔“

ایک انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول! دیور کے بارے میں کیا فرمان ہے؟ فرمایا:

«اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ» ”دیور تو موت ہے۔“ [3]

عربی زبان میں حَمْوٌ سے مراد وہ تمام رشتہ دار ہیں جن کا تعلق شوہر کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے۔ اور لفظ صِهْر بھی دونوں طرف کے رشتہ داروں پر بولا جاتا ہے، یعنی سسرالی رشتے دار اور مذکورہ بالا حدیث میں حمو سے مراد شوہر کے بھائی ہیں، یعنی دیور یا جیٹھ وغیرہ اور یہ عورت کے کسی طرح محرم نہیں ہوتے، البتہ شوہر کا باپ

[1] النسآء 4:24. [2] صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام......، حديث: 7144، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث: 1839. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة......، حديث: 5232، وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، حديث: 2172.

(سسر) محرم ہوتا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ»

''تمھاری عورتوں کے ذمے ہے کہ وہ تمھارے بستروں تک ان افراد کو نہ آنے دیں جنھیں تم ناپسند کرتے ہو۔'' اگر وہ ایسا کریں تو «فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ» تم انھیں ایسی مار مارو جو شدید نہ ہو......۔''[1]

اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ عورت کے لیے ہرگز روا نہیں کہ وہ شوہر کے گھر میں کسی غیر کو داخل ہونے کی اجازت دے، چاہے وہ عورت ہو یا مرد، محرم ہو یا غیر محرم الا یہ کہ اسے اپنے شوہر کے متعلق غالب گمان ہو کہ اس کا آنا اسے ناگوار نہیں گزرے گا۔

شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کو گھر سے نکلنا منع ہے: اگر بغیر اجازت نکلے گی تو نافرمان ہو گی اور سزا کی مستحق ٹھہرے گی: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَأْذَنَ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَهُوَ كَارِهٌ، وَلَا تَخْرُجَ وَهُوَ كَارِهٌ، وَلَا تُطِيعَ فِيهِ أَحَدًا، وَلَا تَخْشُنَ بِصَدْرِهِ، وَلَا تَعْتَزِلَ فِرَاشَهُ وَلَا تَضْرِبَهُ، فَإِنْ كَانَ هُوَ أَظْلَمَ فَلْتَأْتِهِ حَتّٰى تُرْضِيَهُ فَإِنْ كَانَ هُوَ قَبِلَ مِنْهَا فَبِهَا وَنِعْمَتْ، وَقَبِلَ اللهُ عُذْرَهَا وَأَفْلَجَ حُجَّتَهَا، وَلَا إِثْمَ عَلَيْهَا وَإِنْ هُوَ أَبٰى بِرِضَاهَا عَنْهَا فَقَدْ أَبْلَغَتْ عِنْدَ اللهِ عُذْرَهَا»

''کسی عورت کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، حلال نہیں کہ اپنے شوہر کے گھر میں کسی ایسے فرد کو آنے کی اجازت دے جسے وہ ناپسند کرتا ہو، نہ وہ خود گھر سے نکلے جبکہ شوہر ناپسند کرتا ہو، اس کے معاملے میں کسی کی بات نہ مانے، نہ اس کے غصے کو بھڑکائے، نہ اس کے بستر سے علیحدہ رہے، نہ اس پر ہاتھ اٹھائے، شوہر نے ظلم بھی کیا ہو تو چاہیے کہ اس کے قریب رہے حتی کہ اسے راضی کر لے، اگر اس نے اس کی معذرت قبول کر لی تو بہتر ہے، اللہ بھی اس کا عذر قبول کر لے گا اور اس کی معذرت کو کامیاب بنا دے گا اور اس پر کوئی گناہ نہیں، اگر شوہر نے اس سے راضی ہونے سے انکار کر دیا تو بلاشبہ عورت نے اپنا عذر اللہ کے ہاں پیش کر دیا۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. [2] المستدرك للحاكم: 190,189/2، حديث: 2770، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 293/7، مزید فائدے کے لیے ملاحظہ ہو، مجموع الفتاوٰی لابن تيمية: 281/32، مسئلة: خروج المرأة من بيتها بغير إذن زوجها.

شوہر کے مال کی حفاظت کرے: بیوی پر لازم ہے کہ شوہر کے مال کی حفاظت کرے اوراس کی رضامندی اوراسے بتائے بغیر کہیں خرچ نہ کرے، ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، وَلَا تُنْفِقُ الْمَرْأَةُ شَيْئًا مِّنْ بَيْتِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا»

''اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں ہے اور کسی بیوی کو حق نہیں کہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں سے کچھ خرچ کرے۔''

دریافت کیا گیا: کیا کھانا بھی نہیں؟ اے اللہ کے رسول! فرمایا:

«ذٰلِكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا» ''یہ تو ہمارے افضل اموال میں سے ہے......۔''[1]

بیوی کو شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے رکھنا منع ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا تَصُومُ الْمَرْأَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ»

''شوہر موجود ہو تو بیوی کو اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔''[2]

بیوی شوہر کے حسن سلوک کی شکر گزار رہے: بیوی کو شوہر کے حسنِ سلوک پر ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہیے اور وہ اس کی احسان فراموش نہ بنے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَرَأَيْتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ»، قِيلَ: أَيَكْفُرْنَ بِاللهِ؟ قَالَ: «يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلٰى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ»

''میں نے جہنم دیکھی تو دیکھا کہ اس میں اکثریت عورتوں کی ہے جو کفر کرتی ہیں۔'' دریافت کیا گیا: کیا اللہ سے کفر کرتی ہیں؟ فرمایا: ''(نہیں) اپنے شوہروں کا کفران کرتی ہیں، احسان فراموشی کا مظاہرہ کرتی ہیں، تم ان میں سے کسی کے ساتھ مدتوں احسان کرتے رہو، اس کے باوجود اگر وہ کوئی کوتاہی دیکھ لے تو کہہ اٹھتی ہے: میں نے تجھ سے کبھی خیر نہیں پائی۔''[3]

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: 3565، وجامع الترمذي، الزكاة، باب ماجاء في نفقة المرأة من بيت زوجها، حديث: 670. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب صوم المرأة بإذن زوجها تطوعًا، حديث: 5192، وصحيح مسلم، الزكاة، باب ما أنفق العبد من مال مولاه، حديث: 1026. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب كفران العشير وكفر دون كفر، حديث: 29.

بیوی گھریلو کاموں میں شوہر کی خدمت سے غافل نہ رہے: اور حسنِ معاملات کے لیے بھرپور تعاون کرے۔ اس طرح شوہر کو اپنے فرائض ادا کرنے میں بہت مدد ملے گی بالخصوص جب وہ علمی کاموں میں مشغول ہو تو اسے بڑی طمانیت میسر آئے گی۔

علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چکی پیسنے کی مشقت تھی۔ انھوں نے اس کی شکایت کی، اس اثنا میں نبی ﷺ کے پاس کچھ گرفتار شدہ عورتیں لائی گئیں، فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے در دولت پر گئیں مگر آپ کو گھر میں نہ پایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملیں اور انھیں بتایا (کہ میں اس کام سے آئی ہوں)۔ جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کی اطلاع دی، چنانچہ نبی ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے، ہم اپنے بستروں پر تھے، میں اٹھنے لگا تو آپ نے فرمایا: ''آرام کرو۔'' اور آپ ہمارے درمیان بیٹھ گئے۔ میں نے آپ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کی۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تمھیں اس سے بہتر متاع نہ بتاؤں جس کا تم نے مجھ سے سوال کیا ہے؟ جب تم اپنے بستروں پر آنے لگو تو چونتیس بار: اللہ اکبر، تینتیس بار: سبحان اللہ اور تینتیس بار: الحمد للہ پڑھ لیا کرو، یہ تمھارے لیے خادم سے بڑھ کر ہے۔'' [1]

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ عورت پر شوہر کی خدمت واجب نہیں، ان کے اس دعوے پر ہمیں کوئی دلیل نہیں ملی۔ [2]

طلاق کا بیان

مشروعیت طلاق اور اس کے احکام

طلاق کے لغوی معنی: اس کے لغوی معنی ہیں: بندھن کھول دینا، یہ لفظ اطلاق سے لیا گیا ہے جو چھوڑ دینے اور ترک کر دینے کے معنوں میں آتا ہے۔ کہا جاتا ہے: «فُلَانٌ طَلْقُ الْيَدَيْنِ بِالْخَيْرِ» ''فلاں آدمی خیر کے کاموں میں کھلے ہاتھوں والا ہے۔'' یعنی اپنے دونوں ہاتھوں کو امورِ خیر کے لیے بہت کھلے رکھتا ہے۔

طلاق کے اصطلاحی معنی: اصطلاحِ شریعت میں طلاق سے مراد ہے: نکاح کا بندھن کھول دینا، یعنی بیوی کو

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب علي بن أبي طالب......، حديث: 3705، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب التسبيح أول النهار وعند النوم، حديث: 2727. [2] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آداب الزفاف، از الشيخ المحدث الألباني رحمه الله، ص: 118-120 زیر عنوان: وجوب خدمة المرأة لزوجها.

اپنی قیدِ نکاح اور زوجیت سے نکال دینا۔

امام الحرمین کہتے ہیں کہ یہ لفظ دورِ جاہلیت میں بھی استعمال ہوتا تھا جسے اسلام نے برقرار رکھا۔

طلاق دینا مشروع ہے: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾

”طلاق دو بار ہے، پھر یا تو بھلے انداز سے اسے بیوی بنا کے رکھے یا بہ طریق احسن اپنے سے جدا کر دے۔“[1]

جناب ابن شہاب کی سند سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی جبکہ وہ ایام میں تھی۔ (میرے والد) عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے عرض کر دی۔ آپ بہت غصے ہوئے اور فرمایا: ”اسے چاہیے کہ رجوع کرے، پھر روکے رکھے حتی کہ وہ پاک ہو، پھر ایام آئیں، پھر پاک ہو، تب وہ طلاق دینا چاہتا ہو تو دے دے جبکہ وہ پاک ہو اس سے پہلے کہ اس سے قربت کرے، یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔“[2]

جبری طلاق واقع نہیں ہوتی: شوہر سے قہراً جبراً طلاق کہلوائی یا لکھوائی جائے تو وہ واقع نہیں ہوتی۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ فرماتے تھے:

«لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ»

”جبر اور زبردستی کے ذریعے سے نہ کوئی طلاق ہے اور نہ غلام کی کوئی آزادی۔“[3]

مذاقاً کہی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ»

”تین باتیں ایسی ہیں کہ ان کی حقیقت تو (بہر حال) حقیقت ہوتی ہی ہے، ان میں مذاق بھی حقیقت ہی ہوتی ہے: نکاح، طلاق اور رجوع۔“[4]

طلاق دینا کون سے طہر میں جائز ہے؟ طلاق اسی طہر میں جائز ہے جس میں میاں بیوی کی قربت نہ ہوئی

[1] البقرة 229:2. [2] صحيح البخاري، التفسير، سورة الطلاق، باب: 1، حديث: 4908، وصحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض......، حديث: 1471. [3] [حسن] سنن أبي داود، الطلاق، باب في الطلاق على غلط، حديث: 2193. [4] [حسن] سنن أبي داود، الطلاق، باب في الطلاق على الهزل، حديث: 2194، وجامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء في الجد والهزل في الطلاق، حديث: 1184.

ہو، نہ پچھلے حیض میں طلاق دے چکا ہو، البتہ حمل واضح ہو چکا ہو تو طلاق جائز ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اپنی بیوی کو ایامِ حیض میں طلاق دے دی، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

«مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ ثُمَّ تَطْهُرَ ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ ، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ»

''اسے کہو کہ اس سے رجوع کر لے، پھر اسے روکے رکھے حتی کہ وہ پاک ہو، پھر اسے حیض آئے، پھر پاک ہو، پھر روکنا چاہے تو روک لے اور طلاق دینا چاہے تو طلاق دے دے مگر قربت سے پہلے۔ یہی عدت ہے جس کے مطابق اللہ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔'' [1]

صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو اس کے ایامِ حیض میں طلاق دے دی، یہ بات عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تو آپ نے فرمایا: «مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ، ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا»

''اسے حکم دو کہ رجوع کر لے، پھر چاہے تو طلاق دے جب وہ طہر میں ہو یا حمل سے ہو۔'' [2]

ایک مجلس کی تین طلاقیں، ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں، عہدِ ابوبکر میں اور خلافتِ عمر کے پہلے دو سالوں تک تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے ایک ایسے معاملے میں جلدی شروع کر دی ہے جس میں انھیں مہلت حاصل تھی، اگر ہم اسے ان پر نافذ کر دیں (تو وہ یہ جلد بازی نہیں کریں گے) چنانچہ انھوں نے اسے نافذ کر دیا۔ [3]

طلاق کس کس صورت سے واقع ہو جاتی ہے؟

کسی اشارے کنائے کے لفظ سے طلاق کا حکم: اگر انسان بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے اشارے کنائے کے الفاظ بولے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اِبنۃ الْجَونْ ''جون کی لڑکی'' کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل کیا گیا اور آپ اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا: «أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ» ''میں آپ سے اللہ کی پناہ چاہتی

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب و قول الله تعالىٰ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ......﴾، حديث :5251، وصحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض......، حديث :1471. [2] صحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض......، حديث:1471. [3] صحيح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، حديث:1472.

ہوں۔'' تو آپ نے فرمایا: ''تم نے ایک عظیم ذات کی پناہ چاہی ہے، جاؤ اپنے اہل میں چلی جاؤ۔'' [1]

جناب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعے میں بتایا گیا ہے کہ جب وہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور ان سے مقاطعہ کیا گیا تو ان سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ، انھوں نے پوچھا: کیا اسے طلاق دے دوں؟ فرمایا: نہیں بلکہ اس سے دور رہو، اس کے قریب نہ جاؤ تو کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا: جاؤ اپنے اہل میں چلی جاؤ۔ [2]

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ اپنے اہل میں چلی جاؤ یا میکے چلی جاؤ کا لفظ اسی صورت میں طلاق بنتا ہے جب طلاق کی نیت ہو۔ جب نیت نہ ہو تو طلاق نہیں ہوتی۔ یہی حکم اشارے کنایے کے دیگر الفاظ کا بھی ہے۔ البتہ طلاق کے صریح الفاظ بول کر یہ کہنا کہ نیت طلاق کی نہیں تھی، قابلِ قبول نہیں ہے۔

بیوی کو طلاق کا اختیار دینا: اگر بیوی کو اختیار دیا اور اس نے علیحدگی اختیار کر لی تو طلاق ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ○ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلدَّارَ ٱلْـَٔاخِرَةَ فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ○ ﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ (دنیوی) فائدہ دوں اور تمھیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو، تو اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔'' [3]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے اللہ اور اس کے رسول ہی کو اختیار کیا اور اسے ہم پر کچھ بھی شمار نہیں کیا گیا۔ [4]

بذریعہ وکیل طلاق دینا: اگر شوہر نے طلاق کا معاملہ کسی غیر کے سپرد کر دیا اور وہ طلاق دے دے تو طلاق ہو

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب من طلق وهل يواجه الرجل امرأته بالطلاق؟ حديث: 5254. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب حديث كعب بن مالك......، حديث: 4418، وصحيح مسلم، التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه، حديث: 2769. [3] الأحزاب 33:28,29. [4] صحيح البخاري، الطلاق، باب من خير أزواجه......، حديث: 5262، وصحيح مسلم، الطلاق، باب بيان أن تخييره امرأته لا يكون طلاقا إلا بالنية، حديث: 1477. جبکہ دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ نفس اختیار دینے سے عورتوں کو حق طلاق حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ مردوں کا حق ہے۔ البتہ اس صورت میں اگر عورت شوہر کو پسند نہ کرے تو طلاق دینا لازم ہے اور یہی حق ہے۔ دیکھیے: المحلى لابن حزم: 10/116 و 216. (عبدالولی)

جائے گی کیونکہ طلاق کا مسئلہ ہو یا کوئی اور، اس کے لیے وکیل مقرر کرنا جائز ہے، ہاں! اس معاملے سے وہی چیز خارج ہوگی جو شرعی دلیل کے تحت خارج ہو۔

رسالت مآب علیہ السلام نے تنفیذ حد میں وکیل بنایا تھا جیسا کہ ابوہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اے انیس! صبح کو اس کی بیوی کی طرف جاؤ، اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دو۔'' چنانچہ وہ اس کی طرف گئے، اس نے اعتراف کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اسے سنگسار کر دیا گیا۔[1]

نبی علیہ السلام نے زکاۃِ رمضان (فطرانے) کی حفاظت کے لیے اپنا ایک وکیل بنایا تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرانے کی حفاظت میرے ذمے لگائی۔[2]

شوہر بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے: یا یہ عورت مجھ پر حرام ہے۔ کیا اس طرح طلاق ہو جاتی ہے؟ ''حرام'' کے لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہ طلاق کے لیے واضح لفظ نہیں ہے، نہ یہ کنائے میں سے ہے بلکہ یہ ایک طرح کی قسم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ''حرام کہنے'' کے الفاظ کو قسم شمار کرتے تھے کہ آدمی اس کا کفارہ دے۔ وہ کہا کرتے تھے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ ''تمھارے لیے اللہ کے رسول بہترین نمونہ ہیں۔''[3]

اگر طلاق رجعی ہو تو ایامِ عدت کے دوران میں رجوع کر لینا شوہر کا حق ہے: فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ ﴾

''اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے پیٹ میں جو کچھ پیدا کیا ہے، اسے چھپائیں، اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں (تو ایسا ہرگز نہ کریں) اور ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ زیادہ حق دار ہیں کہ انھیں اس (مدت) میں لوٹا لیں۔''[4]

[1] صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، حديث: 2696,2695، وصحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: 1698,1697. [2] صحيح البخاري، الوكالة، باب إذا وكل رجلا فترك الوكيل شيئا......، حديث: 2311. [3] الأحزاب 21:33. صحيح البخاري، التفسير، سورة التحريم، باب: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ ...... ﴾، حديث: 4911، وكتاب الطلاق، حديث: 5266، وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الكفارة على من حرم امرأته ولم ينو الطلاق، حديث: 1473 مزید دیکھیے: زادالمعاد لابن القیم :5/302-306. [4] البقرة 228:2.

اس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ صورت حال یہ تھی کہ آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تھا تو وہ اس کے سلسلے میں رجوع کا حق دار بھی ہوتا تھا، چاہے اس نے تین طلاقیں دی ہوتیں، بالآخر شریعت نے اس (کثرتِ طلاق) کو منسوخ کر دیا اور کہا گیا: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾

''طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے، پھر یا تو (عورت کو) دستور کے مطابق روک لیا جائے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔''[1]

خلع کا بیان

خُلْع: (خائے منقوط پر ضمہ اور لام ساکن ہے) اس کا مفہوم یہ ہے کہ شوہر بیوی کو مال کے عوض اپنے سے علیحدہ کر دے۔ یہ لفظ اصل میں «خَلَعَ الثَّوْبَ خَلْعًا» ''اس نے اپنا کپڑا اتار دیا'' کی ترکیب سے لیا گیا ہے، چونکہ بیوی بھی ایک اعتبار سے مرد کا لباس ہوتی ہے تو اس مفہومِ خلع کے لیے مصدر کی خاء پر ضمہ پڑھا جاتا ہے تاکہ دونوں مفہوموں میں فرق رہے۔ اس کے جواز میں اللہ کا یہ فرمان عالی ہے:

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ﴾

''پس اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیے میں وہ مال دے (کر خلع حاصل کر لے۔)''[2]

خلع کی مشروعیت: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! مجھے ثابت بن قیس کے اخلاق اور دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے مگر میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: «أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟» ''تو کیا تو اس کا باغ اسے لوٹا دے گی؟'' اس نے کہا: ہاں! تو آپ علیہ السلام نے ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اِقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً» ''اس سے باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔''[3]

خلع زوجین کی رضا مندی سے ہوتا ہے یا حاکم / قاضی کے لازم کرنے سے: اللہ عز و جل کا فرمان ہے:

﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ ﴾

[1] البقرة 229:2، [صحيح] سنن أبي داود، الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، حديث: 2195. [2] البقرة 229:2. [3] صحيح البخاري، الطلاق، باب الخلع وكيف الطلاق فيه......، حديث: 5273، وسنن النسائي، الطلاق، باب ماجاء في الخلع، حديث: 3493.

”تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی طرح صلح کر لیں، اور صلح ہی اچھی ہے۔“ [1]

حاکم / قاضی کی طرف سے لازم کر دیے جانے کی دلیل ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو جیسا کہ ابھی مذکورہ بالا سطروں میں گزرا ہے۔

خلع فسخ ہوتا ہے نہ کہ طلاق: رُبَیِّع بنت مُعَوِّذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر سے خلع لے لیا، پھر میں عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے پوچھا کہ مجھ پر کتنی عدت ہے؟ انھوں نے کہا: تجھ پر کوئی عدت نہیں ہے الا یہ کہ اگر قریبی دنوں (اس طہر) میں قربت ہوئی ہو تو انتظار کرنا حتی کہ ایک حیض آ جائے اور کہا کہ میں نے اس مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے کی اتباع کی ہے جو آپ نے مریم مَغالِیَّہ کے بارے میں کیا تھا جو ثابت بن قیس کی زوجیت میں تھی اور اس نے اپنے شوہر سے خلع لیا تھا۔“ [2]

خلع میں عدت ایک حیض ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے اس سے خلع لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت ایک حیض مقرر فرمائی تھی۔ [3]

ایلاء کا بیان

ایلاء کے لغوی معنی: ایلاء کا لغوی معنی قسم اٹھانا ہے۔ اور شریعت میں اس سے یہ مراد ہوتا ہے کہ شوہر قسم اٹھا لے کہ اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کرے گا۔

ایلاء کی مدت: اگر اس نے چار ماہ سے کم مدت کے لیے یہ قسم اٹھائی ہو تو وہ اپنی قسم کے مطابق اپنی بیوی سے علیحدہ رہے۔ جیسا کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھا لی کہ وہ ایک ماہ تک کسی بیوی پر داخل نہیں ہوں گے، چنانچہ جب انتیس دن گزر گئے تو آپ ان کے ہاں آئے، تو کہا گیا کہ اے اللہ کے نبی! آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ ایک مہینے تک نہیں آئیں گے؟ فرمایا: ”مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔“ [4]

[1] النسآء 4:128. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء في الخلع، حديث: 1185، وسنن النسائي، الطلاق، باب عدة المختلعة، حديث: 3528، وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب عدة المختلعة، حديث: 2058. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الطلاق، باب في الخلع، حديث: 2229، وجامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء في الخلع، حديث: 1185. [4] صحيح البخاري، النكاح، باب هجرة النبي ﷺ نساءهُ......، حديث: 5202، وصحيح مسلم، الصيام، باب الشهر يكون تسعا وعشرين، حديث: 1085.

ایلاء کا حکم: اگر اس نے چار ماہ سے زیادہ مدت کی قسم اٹھائی ہوئی ہو تو اسے چار مہینے پورے ہونے کے بعد اختیار دیا جائے گا کہ یا تو رجوع کرے یا طلاق دے دے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اللہ عز و جل کا فرمان ہے:

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ﴾

''جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں، انھیں چاہیے کہ چار ماہ انتظار کریں۔'' [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو شوہر کو (قاضی کے سامنے) پیش کیا جائے اور اسے موقوف رکھا جائے حتی کہ طلاق دے دے اور جب تک وہ خود طلاق نہیں دے گا، طلاق نہیں ہوگی۔ [2]

ظِہار کا بیان

* ظِهَار: ''ظ'' منقوط کے کسرے کے ساتھ، ظَهْر (پشت، کمر) سے مشتق ہے۔ اور اسے ظِہار اس لیے کہتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو کہتا ہے: أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي ''تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔'' یعنی تو مجھ پر حرام ہے۔

ظہار کا کفارہ: سورۂ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

''اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات سے رجوع کرتے ہیں، تو ایک گردن آزاد کرنی ہے، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، اس (حکم) کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ پھر جو شخص نہ پائے (غلام) تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنے ہیں اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، پھر جو شخص (اس کی) استطاعت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا ہے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے۔'' [3]

[1] البقرة 2:226. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب قول الله تعالى: ﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ...... ﴾، حديث: 5291.
[3] المجادلة 58:3،4.

امام کو ظِہار کرنے والے کی مدد کرنی چاہیے: جناب سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں عورتوں کی طرف اس قدر راغب تھا کہ شاید ہی کوئی اور ہو۔ جب رمضان آیا، مجھے اپنے متعلق اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو میں اپنی بیوی کے ساتھ ہی لگا رہوں اور صبح ہو جائے، چنانچہ میں نے اس سے ظہار کر لیا تاکہ رمضان گزر جائے۔ اتفاق سے ایک رات میری بیوی میری خدمت کر رہی تھی کہ میرے سامنے اس کے جسم کا کچھ حصہ ظاہر ہو گیا، چنانچہ میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اس سے مباشرت کر لی۔ صبح ہوئی تو میں اپنی قوم کی طرف نکلا، انھیں اپنا قصہ بتایا اور ان سے کہا: میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلو۔ انھوں نے انکار کر دیا، بالآخر میں خود رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنا قصہ بیان کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''تو نے اے سلمہ!؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں! میں نے ہی اے اللہ کے رسول! دو بار یہی کہا اور عرض کی کہ میں اللہ کے حکم پر راضی ہوں، میرے بارے میں وہ فیصلہ فرما دیجیے جو آپ کو اللہ سجھائے۔ آپ نے فرمایا: «حَرِّرْ رَقَبَةً» ''ایک گردن آزاد کر دو۔''

میں نے کہا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں تو بس اسی کا مالک ہوں، یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی گردن پر ہاتھ مارا۔ آپ نے فرمایا: «فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ» ''پھر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھو۔''

میں نے عرض کی: میں جس مشکل میں پڑا ہوں، روزے ہی کی وجہ سے پڑا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

«فَأَطْعِمْ وَسْقًا مِّنْ تَمْرٍ بَيْنَ سِتِّينَ مِسْكِينًا»

''پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق (ساٹھ صاع) کھجور کھلا دو۔''

میں نے عرض کی: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! ہم نے کھائے بغیر رات گزاری ہے، ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا:

«فَانْطَلِقْ إِلٰى صَاحِبِ صَدَقَةِ بَنِي زُرَيْقٍ فَلْيَدْفَعْهَا إِلَيْكَ فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا وَّسْقًا مِّنْ تَمْرٍ وَّكُلْ أَنْتَ وَعِيَالُكَ بَقِيَّتَهَا»

''بنی زریق کے صدقے کے عامل کے پاس چلے جاؤ، وہ تمھیں دے گا تو یہ وسق کھجور ساٹھ مسکینوں کو کھلا دینا اور باقی تم اور تمھارے عیال اپنے لیے رکھ لیں۔''

میں اپنی قوم کے پاس واپس آیا اور ان سے کہا: تم بڑے تنگ دل ہو، تمھاری رائے بھی اچھی نہ تھی، میں نے نبی علیہ السلام کے ہاں بہت وسعت اور بہترین رائے پائی۔ آپ نے تم لوگوں کا صدقہ مجھے دینے کا حکم دیا ہے۔ [1]

[1] [حسن] سنن أبي داود، الطلاق، باب في الظهار، حديث: 2213، وجامع الترمذي، الطلاق و اللعان، باب ماجاء في كفارة الظهار، حديث: 1200.

کفارہ قربت سے پہلے دینا چاہیے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا، پھر کفارہ دینے سے پہلے مباشرت کر لی، پھر نبی ﷺ کے پاس آیا اور اپنی بات بتائی۔ آپ نے پوچھا:

«مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ؟» ''تجھے اس پر کس چیز نے آمادہ کر دیا؟''

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! چاند کی چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور میری نظر بیوی کی پازیب پر پڑ گئی تو میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا، چنانچہ اس پر مائل ہو گیا۔ نبی ﷺ ہنس پڑے۔ اسے حکم دیا کہ جب تک کفارہ ادا نہ کرو اس کے قریب نہ جانا۔[1]

لعان کا بیان

یہ لفظ لَعْن سے ماخوذ ہے۔ شرعاً اس سے مراد یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کے بارے میں بدکاری کا دعویٰ کرے تو وہ چار بار قسم اٹھا کر کہے کہ اس نے زنا کیا ہے، پانچویں بار کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس کے مقابلے میں بیوی چار بار قسم اٹھا کر کہے کہ شوہر یہ الزام دینے میں جھوٹا ہے۔ پانچویں بار کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔ شوہر کی قسمیں اس کے حق میں حد قذف (تہمت) کی قائم مقام اور عورت کی گواہیاں اپنے بارے میں حد زنا کی قائم مقام ہوں گی۔

لعان کی مشروعیت: اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو سورۂ نور کی آیات: 6 تا 10 میں مذکور ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ○ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ○﴾

''اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے ایک کی شہادت اس طرح ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور عورت سے سزا کو (یہ شے) ٹالتی

[1] [حسن] سنن أبي داود، الطلاق، باب في الظهار، حديث: 2223، وجامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء في المظاهر يواقع قبل أن يكفر، حديث: 1199 واللفظ له.

ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بلاشبہ وہ (اس کا خاوند) جھوٹوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ نہ ہوتا کہ بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور خوب حکمت والا ہے (تو جھوٹوں کو سزا ملتی)۔'' [1]

لعان کی مشروعیت کا ذکر صحیح احادیث میں بھی ہے، مثلاً: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اپنی بیوی پر الزام لگایا کہ یہ شریک بن سحماء کے ساتھ ملوث ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْبَيِّنَةُ أَوْ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ» ''گواہ لے آؤ ورنہ تیری پشت پر حد لگے گی۔

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب ہم میں سے کوئی ایک اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ بینہ (گواہ) ڈھونڈنے جائے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے رہے:

«اَلْبَيِّنَةُ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ» ''گواہ لے آؤ ورنہ تیری پشت پر حد نافذ کی جائے گی۔

ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! یقیناً میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور اب حکم نازل فرمائے گا جو میری پشت کو حد سے بری کر دے گا۔ تو جبریل آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات اتاریں:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ ﴾

''اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے ایک کی شہادت اس طرح ہوگی کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور عورت سے سزا کو (یہ شے) ٹالتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بلاشبہ وہ (اس کا خاوند) جھوٹوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔'' [2]

بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلا بھیجا۔ ہلال رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے گواہیاں دیں اور آپ فرما رہے تھے:

[1] النور 24:6-10. [2] النور 24:6-9.

«إِنَّ اللهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ، فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ؟»

''بلاشبہ اللہ عزوجل جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟''

پھر وہ عورت اٹھی، اس نے بھی گواہیاں دیں اور جب وہ پانچویں پر تھی تو اسے روکا گیا اور کہا گیا کہ یہ قسم (اللہ کے غضب کو) لازم کر دینے والی ہے تو وہ ٹھٹک گئی اور پیچھے ہٹنے لگی۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ رجوع کر لے گی۔ لیکن وہ کہنے لگی: میں باقی زمانہ اپنی قوم کو رسوا نہیں کر سکتی، چنانچہ اس نے پانچویں گواہی بھی بول دی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَبْصِرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ، سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ، خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ، فَهُوَ لِشَرِيكِ بْنِ سَحْمَاءَ»

''اس کو دیکھنا اگر یہ سرمئی آنکھوں والا، بھرپور سرینوں والا اور موٹی پنڈلیوں والا بچہ جنے تو یہ شریک بن سحماء کا بچہ ہوگا۔''

چنانچہ اس نے ایسا ہی بچہ جنا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا مَا مَضَى مِنْ كِتَابِ اللهِ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ»

''اگر کتاب اللہ کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو میں اس کے ساتھ ایک برتاؤ کرتا۔''[1]

لعان کرنے والا پانچویں قسم اٹھانے لگے تو امام کسی سے کہے کہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھو: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے جب دو لعان کرنے والوں کو قسمیں اٹھانے کے لیے کہا تو پانچویں قسم پر ایک آدمی سے فرمایا کہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھے اور اس سے کہے کہ یہ واجب کر دینے والی ہے۔[2]

امام لعان کرنے والوں کو توبہ کی نصیحت کرے: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا مفصل روایت میں ہے کہ جب ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر الزام لگایا اور نبی ﷺ کے پاس آ کر قسمیں اٹھائیں تو نبی ﷺ فرما رہے تھے:

«إِنَّ اللهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ، فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ؟»

''بلاشبہ اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے، تو کیا تم میں سے کوئی ہے توبہ کرنے والا؟''[3]

لعان کرنے والوں میں تفریق اور جدائی کرا دینا: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فلاں شخص نے پوچھا: اے

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾، حديث:4747، ومسند أحمد:1/239,238. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الطلاق، باب في اللعان، حديث:2255. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾، حديث:4747.

اللہ کے رسول! کوئی اپنی بیوی کو فحش کاری میں مبتلا دیکھے تو کیا کرے؟ بولتا ہے تو بہت بڑی بات بولتا ہے، خاموش رہتا ہے تو بہت بڑی بات پر خاموش رہتا ہے۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ بات ہو چکی تو بعد میں وہ پھر آپ کے پاس آیا، کہنے لگا کہ جس امر کے متعلق میں نے آپ سے پوچھا تھا، میں اسی میں مبتلا ہو گیا ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیات نازل فرمائیں۔ آپ نے ان آیات کی تلاوت کی، اسے وعظ و نصیحت کی اور فرمایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کہیں ہلکا ہے۔ اس نے کہا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں نے اس پر جھوٹ نہیں بولا، پھر آپ نے اس عورت کو بلایا، اسے بھی نصیحت کی۔ تو اس نے کہا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! بلاشبہ وہ جھوٹا ہے، چنانچہ آپ نے مرد سے ابتدا کی، اس نے اللہ کے نام سے چار قسمیں اٹھائیں، اس کے بعد عورت سے قسمیں اٹھوائیں اور پھر ان دونوں کے درمیان جدائی کرا دی۔[1]

لعان کے بعد بچہ ماں سے منسوب ہو گا: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرد اور عورت کے درمیان لعان کرایا، مرد نے بچے کو اپنا ماننے سے انکار کر دیا، آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دی اور بچے کو عورت سے منسوب کر دیا۔[2]

لعان کرنے والی عورت کے حق مہر کا مسئلہ: سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے لعان کرنے والوں کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے لعان کرنے والوں سے فرمایا تھا:

«حِسَابُكُمَا عَلَى اللهِ، أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ، لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا» قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! مَالِي؟ قَالَ: «لَا مَالَ لَكَ، إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا، وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا»

"تمھارا حساب اللہ کے ہاں ہے، تم میں سے ایک جھوٹا ہے اور تجھے اس عورت پر کوئی حق نہیں ہے۔" اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا مال؟ فرمایا: "تیرے لیے کوئی مال نہیں، اگر تو نے اس کے متعلق سچ کہا ہے تو یہ اس کے عوض ہے کہ تو نے اس کی عصمت کو اپنے لیے حلال کیا تھا اور اگر جھوٹ بولا ہے تو پھر تیرے لیے یکسر ناممکن ہے۔"[3]

---

[1] صحيح مسلم، اللعان، حديث: 1493. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب يلحق الولد بالملاعنة، حديث: 5315، وصحيح مسلم، اللعان، حديث: 1494. [3] صحيح مسلم، اللعان، حديث: 1493، وسنن أبي داود، الطلاق، باب في اللعان، حديث: 2257.

الزام کا اشارہ کرنا قذف اور تہمت نہیں ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا: میری بیوی نے ایک بچہ جنم دیا ہے جو کالے رنگ کا ہے۔ میں نے اسے منکر (عجیب) جانا ہے۔ آپ نے فرمایا: «هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟» ”کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟“

اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے پوچھا: «فَمَا أَلْوَانُهَا؟» ”کس رنگ کے ہیں؟“

وہ بولا: سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ نے پوچھا:

«هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟» ”کیا ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟“

اس نے کہا: جی ہاں، ان میں سیاہی مائل بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«فَأَنّٰى تُرٰى ذٰلِكَ جَاءَهَا؟» ”کیا خیال ہے، وہ کہاں سے آ گئے؟“

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! رگیں ہیں، کسی نے اسے کھینچ لیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا:

«وَلَعَلَّ هٰذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ» ”تو ممکن ہے اس کو بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔“

اور اسے اجازت نہ دی کہ وہ اس بچے کی اپنے سے نفی کر دے۔[1]

عدت کا بیان

حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے: سورۂ طلاق میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾

”اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔“[2]

جس عورت کو حیض آتا ہو، اس کی عدت تین حیض ہے: سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾ ”اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک توقف کریں۔“[3]

اَلْقُرُوءُ (واحد اَلْقَرْءُ) بمعنی حیض ہے۔

عدی بن ثابت اپنے والد سے اور وہ اس کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مستحاضہ کے متعلق فرمایا:

«تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ فِيهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ، وَتَصُومُ وَتُصَلِّي»

---

[1] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب من شبه أصلًا معلومًا بأصل مبين......، حديث: 7314، وصحيح مسلم، اللعان، حديث: 1500. [2] الطلاق 4:65. [3] البقرة 228:2.

”وہ اپنے ان اقراء (حیض) کے دنوں میں جن میں اسے حیض آتا ہے، نماز چھوڑے رکھے، پھر غسل کرے اور ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرے، روزے رکھے اور نماز پڑھتی رہے۔“[1]

صغیرہ (نابالغہ) لڑکی اور حیض سے ناامید بڑی عمر کی عورت کی عدت: سورۂ طلاق میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ ﴾

”اور وہ جو حیض سے مایوس ہو جائیں تمھاری (طلاق یافتہ) عورتوں میں سے، اگر تم شک میں پڑو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور (اسی طرح) ان کی بھی جنھیں (ابھی) حیض نہیں آیا۔“[2]

جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کی عدت: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ ﴾

”اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔“[3]

یہ اس صورت میں ہے جب عورت حمل سے نہ ہو، اگر حمل سے ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے۔ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کی سُبَیعَہ نامی ایک عورت ایک آدمی کی زوجیت میں تھی، وہ فوت ہو گیا جبکہ یہ حاملہ تھی۔ (پھر جلد ہی اس کا بچہ پیدا ہو گیا تو) اسے ابوسنابل بن بعکک نے نکاح کا پیغام بھیجا تو اس نے انکار کر دیا۔ اس پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! روا نہیں کہ تو نکاح کر سکے حتی کہ عدت گزار لے اور وہ مدت جو دو عدتوں میں سے زیادہ ہو۔ چنانچہ وہ تقریباً دس دن رکی ہو گی، پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آئی تو آپ نے فرمایا: ”نکاح کر لو۔“[4]

نیز سورۂ طلاق کی آیت نمبر 4 میں بھی یہی ہے:

﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ ﴾

”اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔“[5]

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الطهارة، باب من قال تغتسل من طهر إلى طهر، حديث: 297، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء أن المستحاضة تتوضأ لكل صلاة، حديث: 126 واللفظ له. وصححه الألباني في إرواء الغليل (225/1) لفظ «قُرْء» حیض اور طہر دونوں معانی میں مستعمل ہے۔ اور اس حدیث مبارکہ میں بمعنی حیض آیا ہے، جو دلیل ہے کہ آیت مبارکہ میں وارد اس لفظ کے معنی حیض ہی ہیں۔ [2] الطلاق 4:65. [3] البقرة 234:2. [4] صحيح البخاري، الطلاق، باب: ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ ﴾، حديث: 5318. [5] الطلاق 4:65.

نکاح کے بعد جماع سے قبل طلاق کی عدت: جس عورت کی نکاح کے بعد رخصتی نہ ہوئی ہو اور شوہر نے اس کے ساتھ جماع نہ کیا ہو اور شوہر اسے طلاق دے دے تو اس عورت پر عدت نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ﴾

"اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر انھیں چھونے سے پہلے ان کو طلاق دے دو تو تمھاری طرف سے ان پر کوئی عدت نہیں کہ تم اس (عدت) کو شمار کرو۔" [1]

جو خاتون عدتِ وفات میں ہو، وہ زیب و زینت سے بچے: ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمیں اس بات سے روکا جاتا تھا کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں سوائے اس کے کہ وفات پانے والا اس کا شوہر ہو، اس کے لیے چار ماہ دس دن تک کا سوگ ہے، ان دنوں میں ہم سرمہ نہ لگائیں، خوشبو استعمال نہ کریں، نہ کوئی رنگین کپڑا پہنیں سوائے اس کے کہ کوئی دھاری دار (یا چار خانہ) کپڑا ہو، یہ رخصت بھی دی گئی ہے کہ جب کوئی اپنے ایام سے طہر کے لیے غسل کرے تو کُست (قُسط) اَظفار کی خوشبو کا پھایا رکھ لے، ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے بھی روکا جاتا تھا۔ [2]

عدتِ وفات کے دنوں میں عورت اپنے گھر میں رہے: فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس کے شوہر نے کچھ غلام اجرت پر لیے کہ اس کے لیے کام کریں گے مگر انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ فریعہ رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اور بتایا کہ میں اس کے مکان میں نہیں ہوں، نہ مجھے اس کی جانب سے کوئی خرچ مہیا ہے تو کیا میں اپنے گھر والوں اور اپنے یتیم بچوں کی طرف منتقل ہو جاؤں اور ان کی خبر گیری کروں؟ آپ نے فرمایا: "عدت وہیں گزارو جہاں خبر پہنچی ہے۔" [3]

---

[1] الأحزاب 49:33. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب القسط للحادة عند الطهر، حديث: 5341، وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الاحداد في عدة الوفاة......، حديث: 938 بعد الحديث: 1491. اس حدیث میں وارد لفظ ثَوْبَ عَصْبٍ (دھاری دار کپڑا) سے مراد وہ خالص یمنی کپڑا ہے جسے بنائی کے وقت اس کے تانے کو خاص انداز سے باندھ کر رنگا جاتا تھا...... کُست (یا قُسط) اور اَظفَار دو معروف خوشبوئیں ہیں۔ اس سے مقصود ماہانہ طہارت کے وقت خوشبو کا پھاہا رکھنا ہے، یہ کوئی مقصودی خوشبو نہیں ہیں۔

[3] [صحيح] سنن أبي داود، الطلاق، باب في المتوفّى عنها تنتقل، حديث: 2300، وجامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء أين تعتد المتوفّى عنها زوجها؟ حديث: 1204، و سنن النسائي، الطلاق، باب مقام المتوفّى عنها زوجها في بيتها حتى تحل، حديث: 3559، وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب أين تعتد المتوفّى عنها زوجها؟، حديث: 2031.

جنگ میں گرفتار شدہ یا خریدی ہوئی لونڈی کا استبرا کرنا

وہ لونڈی جو قید میں ملے یا خریدی گئی ہو اس کا استبرا کرنا ضروری ہے: یعنی مالک اس لونڈی سے ہم بستری کرنے سے پہلے ایک حیض انتظار کرے، جو اس امر کی علامت ہو گا کہ اس کا رحم حمل سے صاف ہے۔ اور اگر وہ حاملہ ہو تو اس کا استبرا وضع حمل ہے۔ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اوطاس کے قیدیوں کے متعلق فرمایا تھا:

''کسی حاملہ لونڈی سے اس وقت تک مباشرت نہ کی جائے جب تک کہ وہ بچے کو جنم نہ دے اور غیر حاملہ سے بھی حتی کہ اسے ایک حیض آ جائے۔'' [1]

قید میں آنے والی حاملہ عورت سے مباشرت پر وعید: ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ اس شخص پر لعنت کریں جو ایک قیدی حاملہ عورت سے مباشرت کا ارادہ کیے ہوئے تھا، ایسی لعنت جو اس کے ساتھ قبر میں داخل ہو۔ [2]

جو عورت کسی غیر سے حاملہ ہو اس سے ہرگز مباشرت نہ کی جائے: رُوَیفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْقِ مَاءَهُ وَلَدَ غَيْرِهِ»

''جس شخص کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے، وہ کسی دوسرے کے بچے کو اپنا پانی مت دے۔'' [3]

کنواری یا نابالغ گرفتار شدہ لڑکی کے استبرا کی ضرورت نہیں: کیونکہ اس کے بارے میں کوئی منصوص دلیل وارد نہیں ہے، نہ کوئی صحیح قیاس ہے۔

اخراجات ونفقے کا بیان

بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمے واجب ہے: اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہا کہ میں نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول ! ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق

[1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في وطء السبايا، حديث: 2157، ومسند أحمد: 62/3. ''اوطاس'' ہوازن کے علاقے میں ایک وادی کا نام ہے جہاں ان لوگوں سے غزوۂ حنین ہوا تھا۔ [2] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم وطء الحامل المسبية، حديث: 1441. [3] [حسن] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يشتري الجارية وهي حامل، حديث: 1131، وسنن أبي داود، النكاح، باب في وطء السبايا، حديث: 2158، ومسند أحمد: 108/4.

ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«أَنْ تُطْعِمَهَا أذا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ» أَوِ «اكْتَسَبْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ»

''اسے کھلا جب تو کھائے، اسے پہنا جب تو پہنے۔'' یا فرمایا: ''جب تو کمائے۔ اس کے چہرے پر مت مار، بدگوئی سے باز رہ، اس سے علیحدگی مت اختیار کر مگر گھر کے اندر ہی۔'' [1]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ابوسفیان کی بیوی) ہند بنت عتبہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابو سفیان بڑا بخیل ہے۔ مجھے اس قدر خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو سوائے اس کے جو میں اس کی لاعلمی میں لے لوں۔ تو آپ نے فرمایا: «خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ»

''جس قدر تجھے اور تیرے بچوں کو معروف انداز سے کافی ہو، وہ لے لیا کر۔'' [2]

رجعی طلاق والی کا خرچہ شوہر کے ذمے ہے: فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی اور عرض کی کہ میں آلِ خالد کی بیٹی ہوں، فلاں نامی میرے شوہر نے مجھے طلاق بھیجی ہے، میں نے اس کے متعلقین سے نفقہ اور رہائش کا کہا ہے مگر انھوں نے انکار کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! اس کے شوہر نے اسے تین طلاقیں پوری کر دی ہیں، چنانچہ وہ کہا کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى لِلْمَرْأَةِ إِذَا كَانَ لِزَوْجِهَا عَلَيْهَا الرَّجْعَةُ»

''نفقہ اور رہائش عورت کو تبھی ملے گی جب شوہر کو اس کی طرف رجوع کا حق حاصل ہو۔'' [3]

قرآن مجید میں بھی عورت کے لیے سکنٰی اسی صورت میں بیان ہوا ہے جب اسے رجعی طلاق ملی ہو۔ سورۂ طلاق میں فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا۟ ٱلْعِدَّةَ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ ﴾

''اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو انھیں ان کی عدت کے (آغاز) وقت میں طلاق دو اور عدت

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: 2142، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: 1850. [2] صحيح البخاري، النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه.....، حديث: 5364، وصحيح مسلم، الأقضية، باب قضية هند، حديث: 1714. [3] [صحيح] سنن النسائي، الطلاق، باب الرخصة في ذلك، حديث: 3432، ومسند أحمد: 416/6.

گنتے رہو۔ اور اللہ سے جو تمھارا رب ہے، ڈرو۔ تم انھیں ان کے گھروں سے نہ نکالو۔“ [1]

یہ حکم کہ ”انھیں گھروں سے مت نکالو“ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھیں رہائش اور خرچ دینا واجب ہے۔ اور اس کی تائید سورۂ طلاق کی چھٹی آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ﴾

”تم انھیں رہائش دو جہاں تم (خود) رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور ان کو تنگ کرنے کے لیے انھیں تکلیف نہ دو۔“ [2]

اور سورۂ بقرہ میں ہے: ﴿ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴾

”اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی دستور کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے، (یہ) متقی لوگوں پر لازم ہے۔“ [3]

طلاق بائنہ والی عورت کے لیے کوئی نان و نفقہ نہیں الا یہ کہ وہ حاملہ ہو: ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن چلا گیا، پھر اس نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو اس کی آخری (تیسری) طلاق بھیج دی جو ابھی باقی تھی۔ اور ساتھ ہی اس نے حارث بن ہشام اور عیاش بن ابو ربیعہ کو کہلا بھیجا کہ فاطمہ کو خرچہ دیں تو ان دونوں نے فاطمہ سے کہا کہ تیرے لیے کوئی خرچہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ تو حمل سے ہو، چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئی اور ان کی یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی، تو آپ نے فرمایا: «لَا نَفَقَةَ لَكِ» ”تیرے لیے نفقہ نہیں ہے۔“ [4]

اگر حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے؟ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو اسے شوہر کے ترکے میں سے اپنا حصہ دے دیا جائے گا اور حمل کا حصہ بطور نفقہ ملے گا بشرطیکہ فوت شدہ شوہر کا ترکہ ہو ورنہ حمل کا مالدار وارث (ولی) حاملہ کا نفقہ برداشت کرے گا۔

باپ کا نفقہ بالغ جوان بیٹے کے ذمے ہے اسی طرح نابالغ اور نہ کما سکنے والے بیٹے کا باپ کے ذمے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ، مِنْ كَسْبِهِ، وَإِنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهِ»

[1] الطلاق 1:65. [2] الطلاق 6:65. [3] البقرة 241:2. [4] صحیح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حدیث: 1480.

”بہترین پاکیزہ مال وہی ہے جو آدمی خود کما کر کھائے اور آدمی کی اولاد اس کی کمائی ہی ہوتی ہے۔“ [1]

مملوک غلام کا خرچ اس کے آقا کے ذمے ہے: معرور بن سوید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا گزر ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف ہوا جو ربذہ مقام پر مقیم تھے۔ انھوں نے ایک اونی چادر اوڑھ رکھی تھی اور ان کے غلام کے کندھوں پر بھی اسی قسم کی چادر تھی۔ ہم نے کہا: اگر آپ ان دونوں کو ملا لیتے تو ایک مکمل جوڑا بن جاتا۔ انھوں نے بتایا کہ ایک بار میرے اور ایک (مسلمان) بھائی کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی اس کی ماں عجمی تھی، میں نے اسے اس کی ماں کا طعنہ دیا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میری شکایت کر دی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ» ”اے ابوذر! تو ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے۔“

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جو لوگوں کو گالی دیتا ہے تو لوگ اس کے ماں باپ کو گالی ہی دیں گے۔ آپ نے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ، هُمْ إِخْوَانُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ، وَأَلْبِسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ»

”اے ابوذر! تو ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے۔ یہ (غلام) تمھارے بھائی ہیں، اللہ نے انھیں تمھارے ماتحت کر دیا ہے۔ انھیں وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو، انھیں وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور ان سے ایسا کام مت لو جو ان پر گراں ہو، اگر ان سے کام کراؤ تو پھر ان کی مدد بھی کرو۔“ [2]

نفقے کے ساتھ ساتھ لباس اور رہائش دینا بھی واجب ہے: یہ مسئلہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہوتا ہے جن کا بیان اسی باب میں گزر چکا ہے۔

صلہ رحمی کے ناتے نادار عزیز و اقارب پر خرچ کریں: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

«إِنَّ الرَّحِمَ شُجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ، فَقَالَ اللهُ: مَنْ وَّصَلَكِ وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ»

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب الرجل يأكل من مال ولده، حديث: 3528، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء أن الوالد يأخذ من مال ولده، حديث: 1358، وصحيح ابن حبان: 10/72، حديث: 4259. و اللفظ له، وانظر أيضا حديث عائشة رضي الله عنها المتقدم في هذا الباب: صحيح البخاري، النفقات، حديث: 5364، وصحيح مسلم، حديث: 1714.

[2] صحيح البخاري، الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية......، حديث: 30، وصحيح مسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل......، حديث: 1661 واللفظ له.

”رحم کا لفظ رحمان سے مربوط ہے، اللہ نے فرمایا ہے: ”جو تجھے جوڑے گا، میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے کاٹے گا، میں اسے کاٹ دوں گا۔“ [1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»

”جو شخص پسند کرتا ہو کہ اس کا رزق وسیع اور فراخ ہو اور وہ لمبی عمر پائے، تو اسے چاہیے کہ اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کیا کرے۔“ [2]

علیحدگی کی صورت میں حضانت، یعنی چھوٹے بچے کی پرورش کا مسئلہ

علیحدگی کے بعد ماں جب تک نکاح نہ کرے، بچے کی پرورش کی وہی مستحق ہے: جناب عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرا یہ بیٹا ہے، میرا پیٹ اس کے لیے برتن، میرا سینہ اس کے لیے مشکیزہ اور میری گود اس کے لیے حصار رہی ہے، اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے مجھ سے چھین لے۔ آپ نے اس سے فرمایا:

«أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي»

”تو ہی اس کی زیادہ حق دار ہے جب تک کہ تو نکاح نہ کرے۔“ [3]

امام ابن منذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ ماں کا یہ حق اس کے نکاح کر لینے کے بعد ختم ہو جائے گا۔ [4]

ماں کے بعد خالہ مستحق ہے کہ بچے کی پرورش کرے: براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ سے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہونے لگے تو حمزہ کی بیٹی چچا چچا کہتی ہوئی ان کے پیچھے لپکی، علی رضی اللہ عنہ نے اسے لے لیا، اس کا ہاتھ پکڑا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اپنے چچا کی بیٹی کو اٹھا لو۔ تو اس کے متعلق علی، زید اور جعفر رضی اللہ عنہم

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب من وصل وصله الله، حديث: 5988، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، حديث: 2554. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، حديث: 5986، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، حديث: 2557. [3] [حسن] سنن أبي داود، الطلاق، باب من أحق بالولد؟ حديث: 2276، ومسند أحمد: 182/2، والمستدرك للحاكم: 207/2. [4] الإجماع، ص: 89، مسئلہ: 393,392.

جھگڑنے لگے، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے ہاں ہے۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میری بھتیجی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں کیا اور فرمایا:

«اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ» ''خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے۔''

اور علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔'' اور جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم صورت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہو۔'' اور زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔'' [1]

ماں اور خالہ کے بعد بچے کی پرورش باپ کے ذمے ہے: مذکورہ بالا حدیثِ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ماں جب تک نکاح نہ کرے، وہی بچے کی پرورش کی مستحق ہے۔ اور دوسری حدیثِ براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے معلوم ہوا کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے، بالخصوص چھوٹے بچے کی پرورش کے سلسلے میں ان دونوں حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ماں اور خالہ کے بعد یہ ذمہ داری باپ کی ہے۔

ماں، خالہ یا باپ موجود نہ ہوں تو یہ ذمہ داری دوسرے قرابت داروں پر آتی ہے: کیونکہ یہ بچے کی فطری ضرورت اور لازمی حق ہے کہ کوئی اس کی پرورش اور نگہداشت کرے اور قرابت داروں سے بڑھ کر اس کے لیے اور کوئی شفیق نہیں ہوسکتا، چنانچہ حاکمِ وقت کو چاہیے کہ بچے کے قرابت داروں میں جسے اس مقصد کے لیے زیادہ مفید سمجھے، اسے اس کا ذمہ دار بنا دے۔ بچے کے جسم و جان کی حفاظت اسی طرح معتبر اور مطلوب ہے جیسے کہ اس کے مال کی حفاظت، چنانچہ کتاب و سنت میں یتیموں کے بارے میں بہت سے ارشادات اور دلائل آئے ہیں۔

مُمَیِّز و باشعور بچے کو اختیار ہے کہ ماں کے ساتھ رہے یا باپ کے: بچہ باشعور ہو جائے اور تمیز کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے اختیار دیا جائے کہ ماں یا باپ میں سے کسی کو اختیار کر لے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اختیار دیا تھا کہ اپنی ماں یا باپ میں سے کسی ایک کو چن لے۔ [2]

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک عورت آئی، کہنے لگی: میرا شوہر چاہتا ہے کہ مجھ سے میرے بیٹے کو لے جائے،

[1] صحیح البخاري، الصلح، باب کیف یکتب: هٰذا ما صالح فلان بن فلان......، حدیث :2699. [2] [صحیح] جامع الترمذي، الأحکام، باب ماجاء في تخییر الغلام بین أبویه إذا افترقا، حدیث : 1357، ومسند أحمد، حدیث:7346 تحقیق احمد شاکر.

حالانکہ یہ مجھے ابی عنبہ کے کنویں سے پانی لا کے دیتا ہے اور میرے بڑے کام کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِسْتَهِمَا عَلَيْهِ» ''تم دونوں اس پر قرعہ اندازی کرلو۔''

شوہر نے کہا: کون ہے جو مجھ سے میرے بیٹے کے بارے میں جھگڑا کرے؟ تو نبی ﷺ نے (لڑکے سے) فرمایا: ''یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے، جس کا چاہو ہاتھ پکڑ لو۔'' چنانچہ اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لے کر چلی گئی۔ [1]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطلاق، باب من أحق بالولد؟ حديث: 2277.

7

بیع کے احکام و مسائل

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط

(البقرة2:275)

احکامِ بیع

بیع، یعنی خرید وفروخت اور تجارت کی مشروعیت: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ ''حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔''[1]

سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضا مندی سے تجارت ہو۔''[2]

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا» ''آپس میں سودا کرنے والے دونوں آدمیوں کو اختیار (حاصل) رہتا ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں۔''[3]

اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تجارتی لین دین، یعنی خرید وفروخت جائز ہے اور معاشرتی زندگی اس کی متقاضی بھی ہے کیونکہ انسان کو بسا اوقات ایسی چیزوں کی ضرورت پڑجاتی ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتیں۔ اور دوسرے بھی اسے بلاعوض نہیں دیتے، چنانچہ خرید وفروخت ہی ایک ایسا معقول شرعی وسیلہ ہے جس کے ذریعے سے انسان بغیر کسی الجھن کے اپنا مطلوب حاصل کرسکتا ہے۔[4]

خرید وفروخت اور ہاتھ کے ذریعے سے کمائی کرنے کی ترغیب: مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ أَنْ يَّأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ

[1] البقرة 2:275. [2] النسآء 4:29. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب البيعان بالخيار مالم يتفرقا، حديث: 2110، وصحيح مسلم، البيوع، باب الصدق في البيع والبيان، حديث: 1532. [4] فتح الباري: 4/287.

السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»

”جو شخص اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہو، اس سے بڑھ کر عمدہ کھانا کسی اور کا نہیں ہو سکتا اور اللہ کے نبی داود علیہ السلام خود اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔“ [1]

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ، فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهِ فَيَبِيعَهَا، فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ، خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّسْأَلَ النَّاسَ، أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوهُ»

”تم میں سے کوئی شخص اپنی رسیاں لے اور پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لائے اور اسے بیچے اور اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو اس کے ذریعے سے ذلت سے بچا لے، یہ اس کے لیے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے اور وہ اسے دیں یا نہ دیں۔“ [2]

رزق کی تلاش میں صبح سویرے نکلنے کی ترغیب: صحابیِ رسول جناب صخر بن وداعہ غامدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا» وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ مِّنْ أَوَّلِ النَّهَارِ، وَكَانَ صَخْرٌ رَّجُلًا تَاجِرًا، وَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهُ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ، فَأَثْرٰى وَكَثُرَ مَالُهُ»

”اے اللہ! میری امت (کے لوگوں) کے لیے ان کے صبح کے وقت نکلنے میں برکت ڈال دے۔“ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو جب کسی مہم پر روانہ کرتے یا کوئی لشکر بھیجنا چاہتے تو اسے دن کے پہلے حصے ہی میں روانہ فرماتے۔ اس حدیث کے راوی صخر تاجر تھے، یہ اپنا سامانِ تجارت دن کے پہلے حصے میں روانہ کیا کرتے تھے، چنانچہ یہ بہت مال دار ہو گئے تھے اور ان کا مال بہت بڑھ گیا تھا۔“ [3]

معیشت اور طلبِ رزق کے معاملے میں میانہ روی کی ترغیب: عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالِاقْتِصَادُ جُزْءٌ مِّنْ أَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ»

---

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب كسب الرجل و عمله بيده، حديث: 2072. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب الاستعفاف عن المسئلة، حديث: 1471. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الابتكار في السفر، حديث: 2606، وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في التبكير بالتجارة، حديث: 1212.

''آدمی کی ہیئت و حالت کا عمدہ ہونا، جلد بازی نہ کرنا اور اخراجات وغیرہ میں میانہ روی اختیار کرنا نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک ہے۔'' [1]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَسْتَبْطِئُوا الرِّزْقَ فَإِنَّهُ لَمْ يَكُنْ عَبْدٌ لِّيَمُوتَ حَتّٰى يَبْلُغَ آخِرَ رِزْقٍ هُوَ لَهُ فَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، أَخْذِ الْحَلَالِ، وَتَرْكِ الْحَرَامِ»

''اپنے لیے رزق کی آمد کو مؤخر نہ سمجھو۔ یقیناً کوئی شخص اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک کہ وہ اپنے رزق کا آخری ذرہ تک نہ پا لے۔ لہٰذا حصول رزق میں اعتدال سے کام لو، یعنی حلال حاصل کرنے اور حرام سے بچنے میں۔'' [2]

خرید وفروخت، تقاضائے دین اور ادائے واجبات جیسے امور میں نرمی اور نوازش کا رویہ اپنانے کی ترغیب: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، سَمْحًا إِذَا اشْتَرٰى، سَمْحًا إِذَا اقْتَضٰى»

''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو نرم خو ہو بیچنے میں، خریدنے میں اور تقاضا کرنے میں۔'' [3]

تاجروں کو سچائی اپنانے کی ترغیب اور جھوٹ بولنے اور قسمیں کھانے کی ممانعت: حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا فَعَسٰى أَنْ يَّرْبَحَا رِبْحًا وَّيُمْحَقَا بَرَكَةَ بَيْعِهِمَا»

''خرید وفروخت کرنے والے دونوں فریقوں کو، جب تک کہ وہ جدا جدا نہ ہو جائیں، اختیار حاصل رہتا ہے، اگر دونوں سچی بات کریں اور (معاملہ) اچھی طرح واضح کر دیں تو ان کے سودے میں برکت ہوتی ہے، اگر وہ (کچھ) چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو یہ تو ممکن ہے کہ وہ کوئی نفع حاصل کر لیں مگر ان کے سودے سے

[1] [حسن] سنن أبي داود، الأدب، باب في الوقار، حديث:4776، وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في التأني والعجلة، حديث: 2010 واللفظ له. [2] [صحيح] صحيح ابن حبان، حديث: 3228، والمستدرك للحاكم: 4/2. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب السهولة والسماحة في الشراء والبيع، ومن طلب حقا فليطلبه في عفاف، حديث: 2076، وسنن ابن ماجه، التجارات، باب السماحة في البيع، حديث: 2203 واللفظ له.

برکت اُٹھا لی جاتی ہے۔'' [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْحَلِفُ مَنْفَقَةٌ لِّلسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِّلْكَسْبِ»

''جھوٹی قسم سودا فروخت تو کروا دیتی ہے مگر کمائی میں گھاٹا دیتی ہے۔'' [2]

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو انتباہ! ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت یہ لوگ ناپ تول کے معاملے میں بہت برے تھے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝﴾ ''ہلاکت ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔''

اس کے بعد یہ لوگ ناپ تول کے معاملات میں بہترین ہو گئے۔ [3]

تجارتی معاملات میں خیر خواہی ملحوظ رکھنے کا حکم اور دھوکے اور ملاوٹ پر انتباہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا، وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»

''جو شخص ہم پر اسلحہ اٹھائے، وہ ہم میں سے نہیں اور جو ہمیں دھوکہ دے، یعنی ملاوٹ کرے، وہ بھی ہم میں سے نہیں۔'' [4]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے، آپ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر ڈال دیا، آپ کی انگلیوں کو اس میں نمی (تری) محسوس ہوئی، تو آپ نے دریافت فرمایا:

«مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟» ''یہ کیا ہے اے غلے والے!؟''

اس نے کہا: اللہ کے رسول! اس پر بارش پڑ گئی تھی۔ تو آپ نے فرمایا:

«أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا»

''تو تم نے اسے اوپر کیوں نہیں کیا تا کہ لوگ اسے دیکھ لیں، جو دھوکہ دے، وہ ہم میں سے نہیں۔'' [5]

---

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب إذا كان البائع بالخيار هل يجوز البيع؟ حديث: 2114، و صحيح مسلم، البيوع، باب الصدق في البيع والبيان، حديث: 1532. [2] صحيح البخاري، البيوع، باب: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيْمٍ ۝﴾، حديث: 2087، وصحيح مسلم، المساقاة، باب النهي عن الحلف في البيع، حديث: 1606. [3] [حسن] سنن ابن ماجه، التجارات، باب التوفي في الكيل، حديث: 2223، وصحيح ابن حبان، حديث: 4898. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: «من غشنا فليس منا»، حديث: 101. [5] صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: «من غشنا فليس منا»، حديث: 102، وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع، حديث: 1315.

ممنوع بیوع

شراب، مردار، خنزیر اور مورتیوں کی خرید وفروخت حرام ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے، جبکہ آپ مکہ میں تھے، سنا کہ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ»، فَقِيلَ: يَارَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهَا يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ، فَقَالَ: «لَا، هُوَ حَرَامٌ» ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: «قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ، إِنَّ اللهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ»

''اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے شراب، مردار، خنزیر اور مورتیوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے۔''

آپ سے دریافت کیا گیا: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں بتائیے کہ اس سے کشتیوں اور چمڑوں کی پالش کی جاتی ہے اور لوگ اس سے اپنے چراغ بھی جلاتے ہیں، فرمایا: ''نہیں، یہ حرام ہے۔''

پھر آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے! اللہ نے جب ان پر جانوروں کی چربی حرام کر دی تو انھوں نے اسے پگھلا کر بیچنا شروع کر دیا اور اس کی قیمت کھانے لگے۔''[1]

قرآن مجید میں یہودیوں کے لیے اس حکم کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:

﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا﴾

''اور گائے اور بھیڑ، بکری میں سے ہم نے ان پر ان کی چربی حرام کی تھی۔''[2]

کتے کی خرید وفروخت جائز نہیں: ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا ہے۔[3]

بلی کو بیچنا جائز نہیں: جناب ابوزبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے کتے اور بلی کی قیمت کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے اس کی بڑی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔[4]

خون بیچنا حلال نہیں: جناب ابن ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ انھوں نے ایک غلام

---

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة ......، حديث: 2236، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر ......، حديث: 1581. [2] الأنعام6:146. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب ثمن ......، حديث: 2237، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب......، حديث: 1567. [4] صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب، حديث: 1569.

خریدا، وہ سینگی لگانے کا کام کرتا تھا۔ میرے والد کے حکم پر اس کے اوزار توڑ دیے گئے۔ میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور لونڈی کی کمائی سے منع فرمایا ہے اور جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورت، سود کھانے والے اور کھلانے والے اور تصویریں بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔[1]

جفتی کی قیمت ناجائز ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مادہ سے نر کی جفتی کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے۔[2]

(ملکیتی زمین میں کنویں، چشمے کا) زائد از ضرورت پانی بیچنا جائز نہیں: ایاس بن عبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زائد از ضرورت پانی بیچنے سے منع فرمایا ہے۔[3]

اس روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول دوسرے الفاظ میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی:

«لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ»

''گھاس کو روکنے کے لیے ضرورت سے زیادہ پانی نہ روکا جائے۔''[4]

اور مسلم شریف میں ہے: ''زائد پانی نہ بیچا جائے کہ اس طرح کرنے سے تم گھاس فروخت کرنے لگو۔''[5]

بیع الغرر، یعنی وہ خرید و فروخت جو غیر واضح ہو اور خفا، خطر اور جہالت پر مشتمل ہو، جائز نہیں: مثلاً: مچھلی جو ابھی پانی کے اندر ہو، دودھ جو تھنوں میں ہو، گھی جو ابھی دودھ میں ہو اور اون جو ابھی جانور سے نہ اتاری گئی ہو، ان کی خرید و فروخت۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری کی بیع اور خفا و جہالت والی بیع سے منع فرمایا ہے۔[6]

کنکری کی بیع: امام نووی فرماتے ہیں: اس کے تین مفاہیم ہیں: (1) مثلاً کپڑوں پر کنکری پھینکے اور کہے: جس کپڑے کو کنکری لگ گئی، وہ میں نے تیرے ہاتھ بیچا۔ یا کنکری پھینک کر کہے کہ جہاں تک یہ کنکری جائے، وہاں

---

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب ثمن الكلب، حديث: 2238. [2] صحيح البخاري، الإجارة، باب عسب الفحل، حديث: 2284. [3] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في بيع فضل الماء، حديث: 3478، وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في بيع فضل الماء، حديث: 1271. [4] صحيح البخاري، المساقاة، باب: من قال إن صاحب الماء أحق بالماء حتى يَرْوى، حديث: 2353، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع فضل الماء الذي يكون بالفلاة......، حديث: 1566. [5] صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع فضل الماء الذي يكون بالفلاة......، حديث: 1566. [6] صحيح مسلم، البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، حديث: 1513.

تک کی زمین تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں۔

2 کوئی چیز بیچتے ہوئے کہے کہ تجھے واپس کرنے کا اختیار ہے جب تک کہ میں یہ کنکری پھینکوں (اس کے بعد اختیار ختم ہو جائے گا۔)

3 یا کنکری پھینکنے ہی کو سودا قرار دے، مثلاً: جب میں اس کپڑے کو یہ کنکری ماروں تو یہ کپڑا اتنی رقم میں تمھارا ہے۔

غَرر کی بیع سے ممانعت کتاب البیوع کے قواعد میں سے ایک عظیم قاعدہ ہے اور اس میں بہت سے مسائل داخل ہوتے ہیں۔ مثلاً: بھاگے ہوئے غلام کی فروخت، کسی معدوم اور مجہول چیز کی فروخت، جو چیز حوالے نہ کی جا سکتی ہو، اس کی فروخت، جو چیز خود فروخت کرنے والے کی پوری طرح ملکیت میں نہ آئی ہو، اس کی فروخت، بہت زیادہ پانی میں موجود مچھلیوں کی فروخت، حیوان کے تھنوں میں دودھ کی فروخت اور مادہ کے پیٹ میں حمل کی فروخت وغیرہ۔ اس قسم کے تمام سودے ناجائز ہیں کیونکہ ان میں جہالت، خطر وخِفا ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ کتبِ احادیث میں بَیْعِ مُلَامَسَہ (ہاتھ لگانے پر بیع) بَیْعِ مُنَابَذَہ (چیز پھینک دینے پر بیع) بَیْعِ حَبَلِ الْحَبْلَہ (حاملہ جانور کے پیٹ سے جنم لینے والی مادہ کے حاملہ ہونے پر بیع)، بَیْعُ الْحَصَاۃ (کنکری کی بیع) عَسْبُ الْفَحْل (نر کے عمل جفتی کی بیع) کی بصراحت ممانعت آئی ہے، یہ سب غرر و جہالت پر مبنی ہونے کی وجہ ہی سے ممنوع بیوع ہیں، ان کا خصوصیت سے اس لیے تذکرہ کیا گیا ہے کہ یہ دورِ جاہلیت میں خرید وفروخت کے مشہور ومعروف طریقے تھے۔[1]

حَبَلُ الْحَبَلَہ (حاملہ اونٹنی کے حمل کے حمل) کی بیع جائز نہیں: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ کے حمل کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔[2]

اس سے مراد یہ ہے کہ حاملہ اونٹنی کے بچے کی پیدائش سے پہلے حمل کے حمل کی خرید وفروخت طے پا جائے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں کہ یہ حبل الحبلہ کی بیع، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اہلِ جاہلیت کی سوداگری کا ایک انداز تھا کہ آدمی اس طرح اونٹ بیچتا تھا کہ اس کی ادائیگی اس وقت ہو گی جب حاملہ اونٹنی سے جنم لینے والی اونٹنی بچہ دے گی۔[3]

مُنَابَذَہ اور مُلَامَسَہ کی بیع جائز نہیں: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو طرح

[1] شرح صحیح مسلم للنووي، تحت الحديث: 1513. [2] صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع حبل الحبلة، حديث: 1514. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الغرر و حبل الحبلة، حديث: 2143، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع حبل الحبلة، حديث: 1514.

کے سودے کرنے اور دو طرح کے لباس پہننے سے منع فرمایا ہے، آپ نے ہمیں خرید وفروخت میں ملامسہ اور منابذہ سے روکا ہے۔ ملامسہ یہ ہے کہ آدمی کپڑے کو ہاتھ لگا دے، دن ہو یا رات اور اسی ہاتھ لگانے سے جانچنے ہی کو سودا سمجھا جائے۔ اور منابذہ یوں ہے کہ ایک آدمی اپنا کپڑا دوسرے کی طرف اور دوسرا پہلے شخص کی طرف پھینک دے اور اسی سے بیع مکمل ہو جائے چیز دیکھنے کے بغیر اور رضا مندی کے بغیر۔ [1]

تقسیم سے پہلے ہی مالِ غنیمت بیچ دینے کی ممانعت: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ غنیمتوں کو بیچا جائے جب تک کہ تقسیم نہ ہو جائیں اور (قید میں حاصل ہونے والی) حاملہ لونڈیوں کے ساتھ صحبت کرنے سے منع فرمایا ہے حتی کہ وہ بچہ جنم دے لیں اور ہر کچلی والے درندے کے گوشت سے منع فرمایا ہے۔ [2]

جب تک پھلوں میں صلاحیت پیدا نہ ہو، ان کی فروخت جائز نہیں: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے حتی کہ ان کی صلاحیت نمایاں ہو جائے، آپ نے فروخت کرنے والے اور خریدار دونوں کو اس سے روکا ہے۔ [3]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے حتی کہ وہ رنگ پکڑ لیں۔ دریافت کیا گیا کہ رنگ پکڑنے کا کیا مفہوم ہے؟ فرمایا:

«حَتّٰى تَحْمَرَّ» ''حتیٰ کہ سرخ ہو جائے۔''

پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: «أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللهُ الثَّمَرَةَ، بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ؟»

''غور تو کرو اگر اللہ پھل روک لے تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا مال کیونکر لے سکتا ہے؟!'' [4]

جان دار چیزوں کی تصویریں بیچنا جائز نہیں: جناب سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں تھا کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے کہا: اے ابو عباس! میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ دستکاری سے میری روزی ہے اور میں تصویریں بناتا ہوں، انھوں نے کہا: میں تجھے وہی بات بتاتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الملامسة، حديث: 2144، وصحيح مسلم، البيوع، باب إبطال بيع الملامسة والمنابذة، حديث: 1512 واللفظ له. [2] [صحيح] سنن النسائي، البيوع، بيع المغانم قبل أن تقسم، حديث: 4649. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، حديث: 2194، وصحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها بغير شرط القطع، حديث: 1534. [4] صحيح البخاري، البيوع، باب إذا باع الثمار قبل أن يبدو صلاحها ثم أصابته عاهة فهو من البائع، حديث: 2198، وصحيح مسلم، المساقاة، باب وضع الجوائح، حديث: 1555.

سنی ہے، آپ فرماتے تھے: ”جس نے کوئی تصویر بنائی تو اللہ اسے عذاب دے گا حتی کہ وہ اس میں روح پھونک دے مگر وہ اس میں کبھی روح نہ پھونک سکے گا۔“ یہ سن کر اس آدمی کی سانس بری طرح پھول گئی اور چہرہ زرد ہوگیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تجھ پر افسوس! اگر تو یہی کرنے پر مصر ہے تو ان درختوں کی تصویریں بنالیا کر اور ہر اس چیز کی جس میں روح نہیں ہے۔ [1]

مُحاقلہ، مُزابنہ، کئی سالوں کے لیے بیع اور کچے پھلوں کی بیع منع ہے: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مخاضرہ، ملامسہ، منابذہ اور مزابنہ بیوع سے منع فرمایا ہے۔ [2]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ، معاومہ اور مخابرہ (بٹائی پر زمین دینے) کی بیع سے روکا ہے۔ اور استثنا سے بھی منع فرمایا، البتہ عرایا کی رخصت دی ہے۔ [3]

مُحاقلة: یہ ہے کہ کھیت میں کھڑی کھیتی کو متعین ومعلوم غلے کے بدلے بیچا جائے۔

مُخاضرة: یہ ہے کہ پھلوں کو کچا ہی بیچ دیا جائے، صلاحیت (سرخی، یا زردی) ابھی نہ آئی ہو۔

مُزَابَنَة: یہ ہے کہ درختوں پر لگی کھجوروں کو متعین کھجوروں کے بدلے بیچ دیا جائے۔

مُعاومَة: ایک ہی موقع پر کئی سالوں کے لیے کھجوریں بیچ دی جائیں۔

استثنا کی وضاحت آگے آرہی ہے اور عرایا کی رخصت مزابنہ کی عام منع میں سے ایک استثنائی رخصت ہے۔

جو شخص شراب بنانا چاہتا ہو تو علم ہونے پر اسے انگور (یا اسی قسم کے پھل) بیچنا منع ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ»

---

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح ومايكره من ذلك، حديث: 2225، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان......، حديث: 2110. [2] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع المخاضرة، حديث: 2207. [3] صحيح البخاري، المساقاة، باب الرجل يكون له ممر أو شرب في حائط أو في نخل، حديث: 2381، وصحيح مسلم، البيوع، باب النهي عن المحاقلة والمزابنة وعن المخابرة وبيع الثمرة قبل بدوصلاحها، وعن بيع المعاومة وهو بيع السنين، حديث: 1536. اور عرایا یہ ہے کہ کوئی شخص کسی باغ والے سے سودا کرلے کہ مجھے ایک دو درختوں کی تازہ کھجوریں بیچ دو اور اندازہ کرلو کہ یہ کتنی ہیں، میں اس کے برابر تمھیں خشک کھجوریں دے دیتا ہوں، اس معاملے کی شریعت نے اجازت دی ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کی مقدار پانچ وسق سے زیادہ نہ ہو۔ (ایک وسق = ساٹھ صاع 5x = کل 300 صاع)۔ (نہایہ ابن اثیر، مادہ: وس ق)۔

"اللہ تعالیٰ نے شراب پر اور اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے، نچڑوانے والے، اسے اٹھانے والے اور جس کی طرف اسے اٹھایا گیا، ان سب پر لعنت فرمائی ہے۔"[1]

مال قبضے میں لینے سے پہلے ہی بیچ دینا منع ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: «إِذَا ابْتَعْتَ طَعَامًا ، فَلَا تَبِعْهُ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَهُ»

"جب تو غلہ خریدے تو جب تک اسے اپنے قبضے میں نہ لے لے، فروخت مت کر۔"[2]

کھانے کی اشیاء کو جب تک ماپ نہ لیا جائے بیچا نہ جائے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی اشیاء کے متعلق فرمایا ہے کہ جب تک ان میں دو (صاع) پیمانے استعمال نہ ہو جائیں، اس وقت تک یہ اشیاء بیچنا منع ہے، یعنی بیچنے والے کا پیمانہ اور خریدنے والے کا پیمانہ۔[3]

استثنا کر لینا منع ہے سوائے اس کے کہ معلوم و متعین ہو: حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استثنا سے منع فرمایا ہے، سنن نسائی میں یہ اضافہ بھی ہے: "سوائے اس کے کہ معلوم و متعین ہو۔"[4]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اپنے اونٹ پر آ رہے تھے، اونٹ تھک کر چلنے سے عاجز آ گیا تھا، انھوں نے چاہا کہ اسے چھوڑ ہی دیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسی دوران مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ ملے، آپ نے میرے لیے دعا کی اور اونٹ کو ہلکا سا مارا، تو وہ ایسا چلا کہ پہلے ایسی سبک رفتاری سے کبھی نہ چلا تھا۔ آپ نے فرمایا:

«بِعْنِيهِ بِوُقِيَّةٍ» قُلْتُ: لَا، ثُمَّ قَالَ: «بِعْنِيهِ» فَبِعْتُهُ بِوُقِيَّةٍ، وَاسْتَثْنَيْتُ عَلَيْهِ حُمْلَانَهُ إِلٰى أَهْلِي، فَلَمَّا بَلَغْتُ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ، فَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ، ثُمَّ رَجَعْتُ، فَأَرْسَلَ فِي أَثَرِي، فَقَالَ: «أَتُرَانِي مَا كَسْتُكَ لِآخُذَ جَمَلَكَ؟ خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ، فَهُوَ لَكَ».

"یہ اونٹ میرے ہاتھ ایک اوقیہ (40 درہم) قیمت پر بیچ دو۔" میں نے عرض کیا: نہیں، آپ نے پھر فرمایا:

---

[1] [صحیح] سنن أبي داود، الأشربة، باب العصير للخمر، حديث: 3674، وسنن ابن ماجه، الأشربة، باب لعنت الخمر على عشرة أوجه، حديث: 3380، ومسند أحمد: 97/2. [2] صحيح مسلم، البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، حديث: 1529. [3] [حسن] سنن ابن ماجه، التجارات، باب النهي عن بيع الطعام قبل مالم يقبض، حديث: 2228، والدارقطني: 7/3، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 316/5. [4] [صحيح] سنن النسائي، البيوع، النهي عن بيع الثنيا حتى تعلم، حديث: 4637، وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في النهي عن الثنيا، حديث: 1290. بیع میں استثنا کا مطلب یہ ہے کہ بیع میں کسی مجہول چیز کا استثنا کیا جائے، مثلاً: میں نے سارا باغ فروخت کر دیا ہے مگر ایک درخت نہیں، نہ مستثنیٰ کی جہالت کی وجہ سے ہے اور اگر مستثنیٰ معلوم و متعین ہو، پھر بیع درست ہے، مثلاً کہے: میں نے سارا باغ فروخت کر دیا مگر یہ درخت نہیں۔ (عبدالولی)

"یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔" چنانچہ میں نے ایک اوقیہ میں اس کا سودا کر دیا اور اس بات کا استثنا کر لیا کہ میں اپنے گھر تک اس پر سواری کروں گا۔ چنانچہ جب میں اپنے گھر پہنچا تو اونٹ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے اس کی قیمت گن کر دے دی۔ میں لوٹ آیا، آپ نے معاً مجھے بلوایا اور فرمایا: "کیا سمجھتے ہو کہ میں نے تمھیں پیسے کم کرنے کا اس لیے کہا تھا کہ میں تمھارا اونٹ حاصل کر لوں؟ جاؤ اپنا اونٹ لے جاؤ اور یہ درہم بھی تمھارے ہوئے۔" [1]

شہری آدمی صحرائی کے لیے فروخت کنندہ نہ بنے: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں روکا گیا ہے کہ کوئی شہری آدمی صحرائی شخص کا سودا فروخت کرے، چاہے وہ اس کا بھائی ہو یا باپ۔ [2]

غلام کو بیچنا ہو تو محرموں میں جدائی نہ کی جائے: ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا ، فَرَّقَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

"جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی کی، اللہ قیامت کے دن اس کے اور اس کے محبوبوں کے درمیان جدائی کر دے گا۔" [3]

دھوکہ دینے کے لیے بولی دینا جائز نہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نَجْش، یعنی دھوکے سے بھاؤ بڑھا دینے سے منع فرمایا ہے۔ [4]

نجش کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سودا خریدنا نہ چاہتا ہو بلکہ بھاؤ بڑھاتا ہو اور دوسروں کو دھوکہ دے کر مائل کرتا ہو تاکہ وہ اسے خرید لیں (وہ مہنگا سودا خریدنے پر مجبور ہوں۔)

کسی مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا کرنا جائز نہیں: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری کسی صحرائی شخص کے لیے سودا کرے یا مصنوعی طور پر

[1] صحيح البخاري، الشروط، باب: إذا اشترط البائع ظهر الدابة إلى مكان مسمى جاز، حديث: 2718، وصحيح مسلم، المساقاة، باب بيع البعير واستثناء ركوبه، حديث: 1599. [2] صحيح البخاري، البيوع، باب: يشتري حاضر لباد بالسمسرة، حديث: 2161، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الحاضر للبادي، حديث: 1523. [3] [صحيح] جامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية الفرق بين الأخوين أو بين الوالدة وولدها في البيع، حديث: 1283. [4] صحيح البخاري، باب النجش، ومن قال: لايجوز ذٰلك البيع، حديث: 2142، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه وسومه على سومه، وتحريم النجش، وتحريم التصرية، حديث: 1516.

دھوکے سے قیمت بڑھائے، یا کوئی آدمی دوسرے کے سودے پر سودا کرے یا کوئی اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر اپنا پیغام دے۔ (آپ نے مزید فرمایا:) ”عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے کہ اس کے برتن میں جو کچھ ہے، اسے انڈیل دے۔“ یعنی اس کا گھر نہ اجاڑے۔ [1]

خریداری کے لیے قافلوں کو راستے میں ملنا منع ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِّبَادٍ»

”قافلوں سے شہر سے باہر جا کر مت ملو اور کوئی شہری کسی صحرائی آدمی کے لیے سودا نہ کرے۔“

جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سننے والے نے پوچھا کہ ”شہری دیہی آدمی کے لیے سودا نہ کرے۔“ اس کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا کہ اس کا دلال (ایجنٹ) نہ بنے۔ [2]

اگر قافلے والے کو معلوم ہو جائے کہ خریدار نے (راستے میں آکر ہمیں) دھوکہ دیا ہے تو اسے سودا واپس کر لینے کا اختیار ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ منڈی میں مال لانے والوں سے ان کے راستے میں نہ ملا جائے، اگر کوئی اس سے ملے اور اس سے کوئی سودا خرید لے اور مال والا جب بازار میں آئے تو اسے اپنے اس سودے کے بارے میں اختیار ہے (چاہے تو نافذ ہی رہنے دے اور چاہے تو واپس لے لے۔) [3]

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت: معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ» ”کوئی خطا کار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔“ [4]

امام نووی رحمہ اللہ (شرح مسلم: 43/11 میں) فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کے نزدیک ذخیرہ اندوزی صرف غلے اور خوراک کی چیزوں میں حرام ہے۔ اس طرح کہ مہنگائی کے دنوں میں غلہ خریدے اور جلد فروخت نہ کرے بلکہ اسے روکے رہے تاکہ وہ اور مہنگا ہو جائے۔ البتہ اگر اسے سستے وقت میں خریدا ہو، یا دیہات سے لایا ہو اور روکے رہا ہو،

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب لايبيع على بيع أخيه، ولايسوم على سوم أخيه حتى يأذن له أويترك، حديث: 2140، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه، وسومه على سومه، و تحريم النجش، وتحريم التصرية، حديث: 1515. [2] صحيح البخاري، البيوع، باب: هل يبيع حاضر لباد بغير أجر؟ وهل يمينه أو ينصحه؟ حديث: 2158، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الحاضر للبادي حديث: 1521. [3] صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم تلقي الجلب، حديث: 1519، وسنن أبي داود، البيوع، باب في التلقي، حديث: 3437، ومسند أحمد: 488,487/2. [4] صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم الاحتكار في الأقوات، حديث: 1605.

یا مہنگائی کے دنوں میں اپنی ضرورت کے لیے خریدا ہو، یا اگر خریدے اور انھی دنوں میں فروخت کر دے تو یہ عمل ذخیرہ اندوزی باور نہیں کیا جائے گا، نہ اس میں کوئی حرمت ہے۔ اور غلے کے علاوہ دوسری چیزوں میں کسی طرح کی ذخیرہ اندوزی حرام نہیں، ہمارے مذہب کی یہی تفصیل ہے۔ [1]

بیع میں قرض کی شرط لگانا حلال نہیں نہ ایک سودے میں دو شرطیں جائز ہیں: عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَّبَيْعٌ وَّلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ، وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ، وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»

''بیع میں قرض دینے کی شرط لگانا حلال نہیں ہے۔ اور نہ ایک سودے میں دو شرطیں۔ اور نہ اس مال کا نفع جس کی ذمہ داری نہ اٹھائی جائے۔ اور نہ اس چیز کی بیع ہی حلال ہے جو تمھارے پاس موجود نہ ہو۔'' [2]

ایک سودے میں دو نرخ صحیح نہیں: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا»

''جو شخص ایک سودے میں دو نرخ کرتا ہے، اس کے لیے ان دو نرخوں میں سے کمتر نرخ (قیمت) ہوگا یا سود۔'' [3]

جو چیز ملکیت میں نہ ہو اس کا بیچنا درست نہیں: حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آدمی میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کوئی ایسی چیز خریدتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی، تو کیا میں اسے بازار سے خرید کر لا دوں؟ آپ نے فرمایا:

---

[1] جو بھی چیز انسانی ضروریات سے متعلق ہو، اس کی ذخیرہ اندوزی جائز نہیں، طعام اور غلے کی تخصیص کسی صحیح حدیث میں نہیں آئی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے الروضة الندية تعليق الألباني: 374/2، ونيل الأوطار: 188/5. (عبدالولی) [2] [حسن] سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يبيع ماليس عنده، حديث: 3504، وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية بيع ماليس عنده، حديث: 1234. [3] [حسن] سنن أبي داود، البيوع، باب في من باع بيعتين في بيعة، حديث: 3461، وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في النهي عن بيعتين في بيعة، حديث: 1231، وسنن النسائي، البيوع، بيعتين في بيعة، وهو أن يقول أبيعك هذه السلعة بمائة درهم نقدًا وبمائتي درهم نسيئة، حديث: 4636. اس حدیث سے نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث: 2326 اور شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق کا رسالہ «القول الفصل في بيع الأجل» (عبدالولی)

«لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ» ”جو چیز تیرے پاس نہ ہو، اسے مت بیچ۔“ [1]

درخت پر لگے پھلوں کو کسی آفت سے ہونے والا نقصان قیمت سے منہا کیا جائے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا، فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا، بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ؟»

”اگر تم اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی پھل فروخت کرو، پھر اسے درخت پر لگے ہوئے کوئی آفت آ پہنچے، تو تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم اس سے کچھ لو۔ کسی استحقاق کے بغیر تم اپنے بھائی کا مال کیونکر لے سکتے ہو؟“ [2]

قیمت مقرر کرنا منع ہے: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! قیمتیں بہت بڑھ گئی ہیں، آپ ہمارے لیے قیمتیں مقرر کر دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللهَ وَلَيْسَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ يُطَالِبُنِي بِمَظْلِمَةٍ فِي دَمٍ وَّلَا مَالٍ»

”اللہ تعالیٰ ہی قیمتیں مقرر کرنے والا ہے، وہی تنگی لانے والا ہے، وہی فراخ کرنے والا ہے، وہی رزق دینے والا ہے اور مجھے اپنے متعلق یہ امید ہے کہ میں اللہ سے اس حالت میں ملوں کہ تم میں سے کوئی فرد مجھ سے کسی خون یا مال کے سلسلے میں کسی حق کا مطالبہ نہ کرے۔“ [3]

سود کا بیان

سودی لین دین حرام اور کبیرہ گناہ ہے: سود کی حرمت میں قرآن کریم میں کئی آیات آئی ہیں، مثلاً:

﴿وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ”حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔“ [4]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل، يبيع ماليس عنده، حديث:3503، وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية بيع ماليس عنده، حديث:1232. [2] صحيح مسلم، المساقاة، باب وضع الجوائح، حديث:1554. [3] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في التسعير، حديث:3451، وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في التسعير، حديث: 1314. [4] البقرة 2:275.

اور سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ○ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے وہ چھوڑ دو اگر تم مومن ہو، پھر اگر تم نے یہ نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہی ہیں، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''[1]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت کی ہے، ارشاد فرمایا: «هُمْ سَوَاءٌ» ''یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔''[2]

درج ذیل چیزوں میں ایک ہی جنس میں کمی بیشی جائز نہیں: مثلاً: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے (کمی بیشی کے ساتھ) بیچنا حرام ہے، سوائے اس کے کہ دونوں ہم مثل اور ہاتھوں ہاتھ نقد کا معاملہ ہو۔

مالک بن اوس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں اپنے سو دینار کا درہم سے تبادلہ کرنا چاہتا تھا کہ مجھے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے بلا لیا، ہم نے آپس میں بات چیت کی، وہ مجھ سے دینار لینے پر راضی ہو گیا، سونا مجھ سے لے لیا۔ اپنے ہاتھ میں گھمانے لگا، پھر کہا: (انتظار کرو) تاکہ میرا خزانچی غابہ سے آ جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمارا یہ معاملہ سن رہے تھے، انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! جب تک اس سے درہم وصول نہ کر لو، اس کے پاس سے نہ ہٹنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيرُ [بِالشَّعِيرِ] رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ»

''سونا، سونے کے بدلے سود ہے الا یہ کہ دونوں طرف سے یوں ہو کہ یہ لو، یہ لو۔ گندم، گندم کے بدلے سود ہے الا یہ کہ دونوں طرف سے یوں ہو کہ یہ لو، یہ لو۔ اور جو، جو کے بدلے سود ہے الا یہ کہ دونوں طرف سے یوں ہو کہ یہ لو، یہ لو۔ اور کھجور، کھجور کے بدلے سود ہے الا یہ کہ دونوں طرف سے یوں ہو کہ یہ لو، یہ لو۔''[3]

[1] البقرة 2:278,279. [2] صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، حديث: 1598. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الشعير بالشعير، حديث: 2174، وصحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف و بيع الذهب بالورق نقدًا، حديث: 1586.

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ سونے کی سونے کے ساتھ، چاندی کی چاندی کے ساتھ، گندم کی گندم کے ساتھ، جو کی جو کے ساتھ، کھجور کی کھجور کے ساتھ اور نمک کی نمک کے ساتھ بیع سے منع فرماتے تھے الا یہ کہ دونوں طرف سے برابر برابر یکساں جنس ہو اور جس نے زیادہ دیا یا زیادہ کا مطالبہ کیا، اس نے سود کا معاملہ کیا۔ [1]

ایسی کوئی دلیل نہیں ملی جو ان کے علاوہ دوسری چیزوں کو بھی متذکرہ بالا چھ چیزوں کی فہرست میں شمار کرنے کے لیے مؤثر حجت ہو۔ [2]

دونوں طرف کی اجناس مختلف ہوں تو کمی بیشی جائز ہے، بشرطیکہ سودا نقد ہو: عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ»

”سونا، سونے کے بدلے، چاندی، چاندی کے بدلے، گندم، گندم کے بدلے، جَو، جَو کے بدلے، کھجور، کھجور کے بدلے اور نمک، نمک کے بدلے ہم مثل، برابر دست بدست نقد بیچا جائے۔ اور اگر ان کی اصناف مختلف ہوں تو جس طرح چاہو لین دین کرو، بشرطیکہ معاملہ نقد ہو۔“ [3]

برابری کا تعین کیے بغیر ہم جنس چیزیں ایک دوسرے کے بدلے نہیں بیچی جا سکتیں: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کھجور کا ڈھیر جس کی پیمائش اور مقدار معلوم نہ ہو، معلوم مقدار کی کھجور کے بدلے بیچا جائے۔ [4]

ایک ہی جنس کی کھانے والی تازہ اشیاء کا خشک سے سودا کرنا جائز نہیں: کھانے والی اشیاء کا سودا اسی قسم کی

[1] صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، حديث: 1587. [2] شیخ البانی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ للبيهقي: 5/286 میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت، جس میں مذکورہ چھ چیزوں کے بعد وَكُلُّ مَا يُكَالُ أَوْيُوزَنُ (اسی طرح کا حکم ہر اس چیز کا ہے جو ماپی یا تولی جاتی ہے) کے الفاظ ہیں، سے استدلال کیا ہے کہ ہر کیلی اور وزنی چیز میں مذکورہ صورت میں سود جاری ہوتا ہے۔ دیکھیے الروضة الندية، تعليق الألباني: 2/386. (عبدالولی) [3] صحيح مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، حديث: 1587. [4] صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع صبرة التمر المجهولة القدر بتمر، حديث: 1530.

اجناس سے اس طرح کرنا کہ ایک طرف جنس تازہ ہو اور دوسری طرف خشک تو یہ جائز نہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ تازہ کھجور کو خشک کھجور کے بدلے ناپ کر بیچا جائے، یا تازہ انگور، کشمش کے بدلے ناپ کر فروخت کیا جائے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی رخصت دی ہے: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی رخصت دی ہے کہ تازے پھل کا اندازہ کر کے اسے معلوم مقدار کے ہم جنس پھل کے بدلے میں فروخت کیا جائے۔[2]

اس کی توضیح میں یہ کہا گیا ہے کہ جب مزابنہ سے منع کیا گیا، یعنی درخت پر پھل لگا ہو تو اسے متعین مقدار کی خشک کھجور کے عوض بیچنا منع ہے۔ تو اس میں عرایا کی صورت کی خاص اجازت دی گئی ہے، مثلاً: کوئی حاجت مند کھجور کے موسم میں اپنے اہل وعیال کے لیے نقد روپے سے تازہ کھجور خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور نہ اس کے پاس ایسے درخت ہوں جن سے وہ یہ فائدہ اٹھا سکے، مگر اس کے پاس خشک کھجوریں موجود ہوں جو اس کی روزمرہ کی ضروریات سے زیادہ ہوں۔ اب یہ شخص باغ والے کے پاس آئے اور کہے کہ میرے ہاتھ ایک یا دو درختوں کی کھجوریں بیچ دو، پھر وہ درخت پر لگے پھل کا اندازہ کر کے خشک کھجور کے بدلے خرید لے تا کہ موسم کے تازہ پھل سے وہ اور اس کے اہل وعیال اور لوگوں کے ساتھ مستفید ہو سکیں تو اس کی اجازت دی گئی ہے، بشرطیکہ اس کی مقدار پانچ وسق[3] سے زیادہ نہ ہو بلکہ کم ہو۔

ایک وسق = 60 صاع (پیمانہ بھر کر)

ایک صاع = 4 مد

ایک مد = 544 گرام گندم بلحاظ وزن

اس طرح ایک صاع = 544 x 4 =2176 گرام

اور ایک وسق = 2176X60 = 130560 گرام =130.56 کلوگرام

[1] صحیح البخاري، البیوع، باب بیع المزابنة، وهي بیع التمر بالتمر وبیع الزبیب بالكرم، وبیع العرایا، حدیث:2185، وصحیح مسلم، البیوع، باب تحریم بیع الرطب بالتمر إلا في العرایا، حدیث: 1542. [2] صحیح البخاري، البیوع، باب تفسیر العرایا، حدیث: 2192، وصحیح مسلم، البیوع، باب تحریم بیع الرطب بالتمر إلا في العرایا، حدیث: 1539.

[3] شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ نے پانچ وسق کا وزن 612 کلو بتایا ہے جو پندرہ من بارہ کلو بنتا ہے۔ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ 630 کلو جبکہ حافظ عبدالسلام بن محمد 600 سو کلوگرام بتاتے ہیں جو پورے پندرہ من بنتے ہیں۔ اور راجح یہی ہے۔ دیکھیے: احکام زکاۃ وعشر وغیرہ۔ (عبدالولی)

پانچ وسق = 652.8=130.56x5 کلوگرام=16.32 من۔

جانور کے بدلے گوشت بیچنا جائز نہیں: سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جانور کو گوشت کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔[1]

جانور کو اسی جنس کے دو یا مزید جانوروں کے بدلے بیچنا جائز ہے: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ایک لشکر تیار کرو۔ اس سلسلے میں اونٹ ختم ہو گئے، آپ نے انھیں حکم دیا کہ صدقے کے اونٹ آنے تک کے ادھار پر اونٹ حاصل کر لو۔ چنانچہ عبداللہ رضی اللہ عنہ صدقے کے اونٹوں کے وعدے پر دو دو اونٹ کے بدلے ایک ایک اونٹ حاصل کرنے لگے۔[2]

بیع عینہ جائز نہیں: بیع عینہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے ہاتھ اپنا سامان ایک خاص مدت تک کے لیے ادھار بیچے، پھر وہی سامان اس سے کم قیمت پر خود خرید لے، تو یہ بیع عینہ کہلاتی ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

«إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ»

”جب تم عینہ کا معاملہ کرنے لگو گے، بیلوں کی دمیں تھام لو گے، کھیتی باڑی پر قانع ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس وقت تک تمھاری ذلت دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ۔“[3]

خرید وفروخت میں اختیارات

مال میں کوئی عیب ہو تو ضروری ہے کہ واضح کر دے ورنہ خریدار کو واپس کرنے کا اختیار حاصل رہے گا:

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

[1] [حسن] المستدرك للحاكم: 35/2، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 296/5 اور دیکھیے: الإرواء: 198/5، حديث: 1351.

[2] [حسن] سنن أبي داود، البيوع، باب في الرخصة في ذلك، حديث: 3357. [3] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في النهي عن العينة، حديث: 3462.

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اسے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی عیب دار چیز بیچے سوائے اس کے کہ اسے اس کے لیے واضح کر دے۔''[1]

جناب عدّاء بن خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ تحریر دی تھی:

''عداء بن خالد بن ہوذہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ غلام یا لونڈی خریدی ہے، اس میں کوئی بیماری نہیں، نہ یہ خائن ہے (یا نہ بھاگنے والا ہے) اور نہ اس میں کوئی بری (خبیث) عادت ہے۔ یہ مسلمان کی مسلمان سے خرید وفروخت ہے۔''[2]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ لوگ اسے خرید وفروخت میں دھوکہ دے جاتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: ''جب تو کوئی سودا کیا کرے تو یوں کہہ دیا کر: دھوکہ نہیں!''[3]

آمدنی اور نفع اصلی مال کے ضمان (ذمہ داری) کی وجہ سے ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ» ''آمدنی اسی کی ہے جو مال کا ضامن اور ذمہ دار بنے۔''[4]

غرر (ابہام) کی صورت میں خریدار سودا واپس کر سکتا ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَّلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِّبَادٍ، وَلَا تُصَرُّوا الْغَنَمَ، وَمَنِ ابْتَاعَهَا فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَّحْلُبَهَا، إِنْ رَّضِيَهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ»

''منڈی کی طرف آنے والے قافلوں کو رستوں میں مت ملو (راستوں میں ان سے خریداری مت کرو) اور

[1] [حسن] سنن ابن ماجه، التجارات، باب من باع عيبا فليبينه، حديث: 2246. [2] [حسن] جامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كتابة الشروط، حديث: 1216، وسنن ابن ماجه، التجارات، باب شراء الرقيق، حديث: 2251. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب ما يكره من الخداع في البيع، حديث: 2117، وصحيح مسلم، البيوع، باب من يخدع في البيع، حديث: 1533. [4] [حسن] سنن أبي داود، البيوع، باب فيمن اشترى عبدا فاستعمله ثم وجدبه عيبا، حديث: 3508، وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء فيمن يشتري العبد ويستغله ثم يجدبه عيبا، حديث: 1285. اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ کسی نے ایک غلام خریدا، اس کو کام پر لگایا، نفع کمایا، اب اس میں کوئی ایسا عیب نکلا جو بیچنے والے نے خریدار کو نہیں بتایا تھا اور مشتری نے اس عیب کی وجہ سے وہ غلام بائع کو واپس کر دیا تو مشتری بائع سے اپنی قیمت واپس لے لے اور غلام کی کمائی جو مشتری کے پاس آئی، وہ مشتری ہی کی ہوگی، اس لیے کہ وہ اس غلام کا ضامن اور ذمہ دار تھا، اگر وہ ہلاک ہو جاتا تو اسی کا نقصان ہوتا، نیز ملاحظہ ہو: نيل الأوطار، باب أن الكسب الحادث لا يمنع الرد بالعيب: 240/5.

تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے (پہلے آدمی کا سودا خراب نہ کرے)، بھاؤ میں دھوکہ دینے کے لیے اضافہ مت کرو، کوئی شہری کسی صحرائی (بدوی) شخص کے لیے اس کی چیز فروخت نہ کرے، بکری کا دودھ نہ روکو (جب اسے بیچنے کا ارادہ ہو) جس نے اسے خرید لیا، اسے اس کو دوہنے کے بعد اختیار ہے، پسند ہو تو رکھ لے اور اگر ناپسند ہو تو واپس کر دے اور ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے۔''[1]

بکری کا دودھ روکنے کی صورت میں خریدار یہ گمان کرتا ہے کہ شاید اس جانور کا دودھ ہمیشہ اسی طرح بھرپور ہوتا ہے۔

خرید وفروخت کا سودا کسی ممنوع شکل میں ہوا ہو تو بائع کو اختیار ہوتا ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ، فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰی مِنْهُ، فَإِذَا أَتٰی سَيِّدُهُ السُّوقَ، فَهُوَ بِالْخِيَارِ»

''منڈی کی طرف مال لانے والوں سے رستوں میں مت ملو، جس نے رستے میں اس سے کچھ خرید لیا، تو بازار پہنچنے (اور جائزہ لینے) پر مالک کو اختیار ہوگا۔''[2]

جدا ہونے سے پہلے بائع ومشتری دونوں کو اختیار ہوتا ہے: حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا»

''دو سودا کرنے والے جب تک علیحدہ علیحدہ نہ ہو جائیں، انھیں اپنے سودے کا اختیار رہتا ہے۔ اگر بائع و مشتری بیع میں سچائی سے کام لیں اور معاملہ خوب واضح کر دیں تو ان کے سودے میں برکت ہوتی ہے، اگر جھوٹ بولیں اور عیب چھپائیں تو ان کے سودے سے برکت اٹھا لی جاتی ہے۔''[3]

---

[1] صحیح البخاري، البیوع، باب النهي للبائع أن لا يحفل الإبل والبقر والغنم وكل محفلة، حديث: 2150، وصحيح مسلم، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه وسومه على سومه، وتحريم النجش، وتحريم التصرية، حديث: 1515.

[2] صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم تلقي الجلب، حديث: 1519. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب البيعان بالخيار مالم يتفرقا، حديث: 2110، وصحيح مسلم، البيوع، باب الصدق في البيع والبيان، حديث: 1532. سودے میں خوب وضاحت کرنے سے مراد ہر وہ بات ہے جس کے بتانے کی حاجت وضرورت ہو، کوئی عیب ہو تو بتا دے۔ قیمت کے معاملے میں بھی کسی طرف سے کوئی بات نہ چھپائی جائے۔ برکت اٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ ظاہری یا باطنی طور پر اس سودے میں جو اضافہ ہونا ہوتا ہے، وہ نہیں ہوتا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ بَيِّعَيْنِ لَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا حَتّٰى يَتَفَرَّقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ»

''ہر دو سودا کرنے والوں کی خرید وفروخت اس وقت تک پکی نہیں ہوتی جب تک کہ وہ علیحدہ علیحدہ نہ ہو جائیں سوائے اس کے کہ سودا ہی اختیار کا ہو۔'' [1]

اگر اختلاف ہو جائے تو بات بیچنے والے کی معتبر ہو گی: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ فَهُوَ مَا يَقُولُ رَبُّ السِّلْعَةِ أَوْ يَتَتَارَكَانِ»

''جب دو سودا کرنے والوں کا آپس میں اختلاف ہو جائے اور ان کے درمیان کوئی گواہ نہ ہو تو بات وہی ہو گی جو فروخت کرنے والا کہتا ہے، یا دونوں ہی یہ سودا چھوڑ دیں۔'' [2]

بیعِ سَلَم یا سَلَف کا بیان

بیع سلم کی تعریف: نقد ثمن کے بدلے ایسی مؤجل چیز خریدنا جس کے اوصاف ذکر کیے گئے ہوں۔

بیع سلم کے جائز ہونے کی دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں کے لوگ کھجور میں دو دو اور تین تین سال تک کے لیے بیع سلم کر لیتے تھے، آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَفِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ إِلٰى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ»

''جو کوئی کسی چیز میں بیعِ سَلَف (سَلَم) کرے تو ضروری ہے کہ اس کا ماپ یا وزن معلوم ہو اور وقتِ ادائیگی بھی معلوم ہو۔'' [3]

بیع سلم کے صحیح ہونے کی شروط: (1) جس چیز کا سلم یا سلف کی صورت میں سودا کیا جا رہا ہو، اس کی مقدار،

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب إذا كان البائع بالخيار هل يجوز البيع؟ حديث: 2113، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الحاضر للبادي، حديث: 1531. [2] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب إذا اختلف البيعان والمبيع قائم، حديث: 3511، وسنن النسائي، البيوع، خلاف المتبايعين في الثمن، حديث: 4652. [3] صحيح البخاري، السلم، باب السلم في وزن معلوم، حديث: 2240، وصحيح مسلم، المساقاة، باب السلم، حديث: 1604.

جنس، نوع اور صفت معلوم ہونی چاہیے۔ اس کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

2 جس چیز کا سودا کیا جائے، وہ مقررہ وقت پر دستیاب ہونی چاہیے، چاہے سودا طے کرنے کے وقت موجود نہ ہو۔

عبدالرحمٰن بن ابزیٰ اور عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غنیمتیں حاصل ہوتی تھیں، ہمارے پاس شام کے نبطی لوگ آیا کرتے تھے، ہم ان سے گندم، جو اور زیتون کی بیع سلف کیا کرتے تھے اور اس کا وقت طے کر لیا جاتا تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا ان لوگوں کی کھیتی باڑی (بھی) ہوتی تھی یا نہیں؟ تو ان دونوں نے جواب دیا: ہم ان سے یہ سوال نہیں کیا کرتے تھے۔ [1]

اور ایک روایت میں ہے کہ ہم ان لوگوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں گندم، جو، زیتون اور کھجور کی بیع سلف کیا کرتے تھے اور یہ چیزیں ہم ان کے پاس دیکھتے نہ تھے۔ [2]

3 تیسری شرط یہ ہے کہ مال کی قیمت اس مجلس میں وصول کی گئی ہو، یہ ضروری شرط ہے، اس کے بغیر یہ بیع سلم نہیں ہوگی بلکہ ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ ہوگی جو ممنوع ہے۔

4 چوتھی شرط یہ ہے کہ تاریخ ادائیگی معلوم اور متعین ہو۔ اس کی دلیل ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی گزشتہ روایت ہے۔

قرض اور اس کے مسائل

قرض دینے کی فضیلت: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»

"جس نے کسی مومن کی دنیاوی پریشانیوں میں سے کوئی ایک پریشانی دور کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی پریشانیوں میں سے اس کی کوئی بڑی پریشانی دور فرما دے گا۔ اور جو کسی تنگ دست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دنیا اور آخرت میں آسانی فرمائے گا۔" [3]

[1] صحيح البخاري، السلم، باب السلم إلى من ليس عنده أصل، حديث: 2255,2254، ومسند أحمد: 379/4.
[2] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في السلف، حديث: 3464، وسنن ابن ماجه، التجارات، باب السلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم، حديث: 2282. [3] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث: 2699.

جو چیز قرض لی گئی ہو اسے واپس کرنا واجب ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴾

''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کردو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''[1]

قرض لینے والا اگر قرض دینے والے کے ساتھ کوئی غیر مشروط احسان کرے تو یہ جائز ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ مسجد میں تھے، ضحیٰ کا وقت تھا، آپ نے فرمایا: ''دو رکعتیں پڑھ لو۔'' اور آپ ﷺ کے ذمے میرا کچھ قرض تھا، وہ آپ نے مجھے ادا فرمایا بلکہ زیادہ ہی دیا۔[2]

تنگ دست کو مہلت دینا: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾

''اور اگر (تمھارا مقروض) تنگدست ہو تو آسانی تک اسے مہلت دو اور تمھارا صدقہ کرنا (قرض معاف کر دینا) تو تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔''[3]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

''ایک آدمی مر گیا، اس سے پوچھا گیا: تو کیا کیا کرتا تھا؟ اس نے کہا: میں لوگوں سے لین دین کرتا تھا، جو وسعت والا ہوتا میں اس سے آسانی کرتا تھا، جو تنگ دست ہوتا تھا، اس کے ساتھ تخفیف کرتا تھا، چنانچہ اسے بخش دیا گیا۔'' جناب ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث نبی ﷺ سے سنی ہے۔[4]

غنی کا قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ» ''غنی آدمی کا قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔''[5]

---

[1] النسآء4:58. [2] صحيح البخاري، الاستقراض، باب حسن القضاء، حديث: 2394، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد بركعتين، وكراهة الجلوس قبل صلاتهما، وأنها مشروعة في جميع الأوقات، حديث: 715. [3] البقرة2:280. [4] صحيح البخاري، الاستقراض، باب حسن التقاضي، حديث: 2391. [5] صحيح البخاري، الاستقراض، باب مطل الغني ظلم، حديث: 2400، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم مطل الغني وصحة الحوالة، واستحباب قبولها إذا أحيل على ملي، حديث: 1564.

جو شخص لوگوں سے مال لے اور ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو یا مار لینا چاہتا ہو: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللهُ»

''جس نے لوگوں سے مال لیا اور اسے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہو تو اللہ اس سے ادا کر دیتا ہے۔ اور جو مال لے اور مار لینا چاہے، اللہ اسے برباد کر دیتا ہے۔''[1]

احسن انداز سے قرض ادا کرنا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کا ایک اونٹ دینا تھا، جو ایک خاص عمر کا تھا، وہ اپنا قرض طلب کرنے آ گیا۔ آپ نے فرمایا:

«أَعْطُوهُ»، فَطَلَبُوا سِنَّهُ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُ إِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا، فَقَالَ: «أَعْطُوهُ»، فَقَالَ: أَوْفَيْتَنِي أَوْفَى اللهُ بِكَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً»

''اسے دے دو۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی عمر کا مطلوبہ اونٹ نہ ملا اور جو ملا، وہ اس سے بڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہی دے دو۔'' اس نے کہا: آپ نے پورا پورا ادا کر دیا، اللہ آپ کو پورا بدلہ دے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں بہترین لوگ وہی ہیں جو ادا کرنے میں بہترین ہوں۔''[2]

شُفعَہ کے مسائل

شُفعَہ کے لغوی معنی: اس کے لغوی معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دینا۔ اور اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے: «اِنْتِقَالُ حِصَّةِ شَرِيكٍ إِلٰى شَرِيكٍ، كَانَتِ انْتَقَلَتْ إِلٰى أَجْنَبِيٍّ بِمِثْلِ الْعِوَضِ الْمُسَمّٰى» ''شریک کا حصہ اپنے شریک کی طرف منتقل ہونا جو پہلے کسی اجنبی کو فروخت کیا گیا تھا، اسی طے شدہ قیمت کے بدلے۔'' چونکہ اس معاملے میں ایک آدمی کے حق اور حصے کو دوسرے کے حق اور حصے کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے تو اسے ''شفعہ'' کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چند لوگوں کی کوئی مشترکہ زمین یا گھر ہو اور ان میں سے کوئی اپنا

[1] صحيح البخاري، الاستقراض، باب من أخذ أموال الناس يريد أداء ها أو إتلافها، حديث: 2387. [2] صحيح البخاري، الوكالة، باب الوكالة في قضاء الديون، حديث: 2306، وصحيح مسلم، المساقاة، باب جواز اقتراض الحيوان واستحباب توفيته خيرا مما عليه، حديث: 1601.

حصہ کسی غیر حصہ دار کو بیچ دے، تو ان حصہ دار شریکوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہی قیمت دے کر اسے خرید لیں۔

شفعہ کے استحقاق کی صورت: شفعہ کا استحقاق اسی صورت میں ہے جب اس میں (یا اس کے متعلقات، یعنی راستے میں) شراکت اور حصہ داری ہو، خواہ وہ چیز منقول ہی ہو۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا حق ہر اس مال میں رکھا ہے جو تقسیم نہ کیا گیا ہو، تو جب حدیں قائم ہو جائیں اور رستے بدل جائیں تو کوئی شفعہ نہیں۔[1]

مشترک مال کے تقسیم ہو جانے کے بعد سابق شریک کا حقِ شفعہ باطل ہو جاتا ہے: اس کی دلیل جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔

شراکت دار کے لیے جائز نہیں کہ اپنے شریک کو بتائے بغیر اپنا حصہ بیچ دے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مشترکہ مال میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہے جو تقسیم نہ ہوا ہو، کوئی زمین کا ٹکڑا ہو یا باغ وغیرہ، کسی شریک کو اپنا حصہ بیچنا حلال نہیں جب تک کہ اپنے حصہ دار کو اطلاع نہ کر دے، پھر اگر وہ چاہے تو لے لے یا چھوڑ دے، اگر اس نے بیچ دیا اور اطلاع نہ دی تو حصہ دار شریک اس کا زیادہ حق دار ہے۔[2]

قدرے تاخیر کرنے سے حقِّ شفعہ باطل نہیں ہوتا: کیونکہ اس مفہوم کی احادیث میں اطلاق اور عموم ہے، فوری جواب کی اس میں کوئی شرط نہیں جو اس کی دلیل بن سکے۔

اجرت اور کرایہ داری کے مسائل

اجرت پر کام: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾

''پھر اگر وہ تمھارے لیے (تمھارے بچے کو) دودھ پلائیں تو تم انھیں ان کی اجرت دو۔''[3]

موسیٰ علیہ السلام اور شیخ مدین کے قصے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾

''ان دونوں میں سے ایک (لڑکی) نے کہا: اے ابا جان! اسے نوکر رکھ لیجیے، بلاشبہ بہترین شخص، جسے آپ

[1] صحيح البخاري، الشفعة، باب الشفعة فيما لم يقسم فإذا وقعت الحدود فلا شفعة، حديث: 2257. [2] صحيح مسلم، المساقاة، باب الشفعة، حديث: 1608. [3] الطلاق 6:65.

ملازم رکھیں، وہی ہوسکتا ہے جو طاقتور ہو، امانت دار ہو۔"[1]

جناب موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعے میں ہے:

﴿فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ ۖ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾

"پھر ان دونوں نے اس میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی، تو اس (خضر) نے وہ سیدھی کر دی۔ اس (موسیٰ) نے کہا: اگر تو چاہتا تو اس پر ضرور اجرت لے لیتا۔"[2]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنو دیل (جو بنو عبد بن عدی کی شاخ ہے) کا ایک آدمی اجرت پر رکھا، وہ جنگلوں اور پہاڑوں کے رستوں سے خوب آگاہ تھا۔[3]

ہر کام پر اجرت لی اور دی جا سکتی ہے: بشرطیکہ کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو۔ جیسا کہ اس بارے میں عمومی دلائل سے ثابت ہے، مثلاً: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا بَعَثَ اللهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ»، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: «نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ»

"اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر اس نے بکریاں چرائی ہیں۔" صحابہ نے کہا: اور آپ نے بھی؟ فرمایا: "ہاں، میں بھی چند سکوں کے عوض اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔"[4]

جناب سوید بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اور مخرمہ عبدی رضی اللہ عنہ یمن کے علاقے ہجر سے کپڑا لے کر مکہ پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس چل کر آئے اور ہم سے ایک شلوار کا سودا کیا، جو ہم نے آپ کے ہاتھ فروخت کر دی، وہیں ایک آدمی اجرت پر لوگوں کا مال تولتا تھا، آپ نے اس سے فرمایا:

«زِنْ، وَأَرْجِحْ» "تولو اور جھکتا تولو۔"[5]

جب کسی کام کی اجرت متعین نہ کی گئی ہو تو مزدور اور محنت کش کو اس کے کام کے مطابق وہ اجرت دی جائے جو اس قسم کا کام کرنے والوں کے ہاں معروف اور مروج ہو جیسے کہ سوید بن قیس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث میں گزرا۔

اذان دینے پر تنخواہ لینا منع ہے: جناب عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

[1] القصص 26:28. [2] الكهف 77:18. [3] صحيح البخاري، الإجارة، باب استئجار المشركين عند الضرورة، أو إذا لم يوجد أهل الإسلام، حديث: 2263. [4] صحيح البخاري، الإجارة، باب رعي الغنم على قراريط، حديث: 2262. [5] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجحان في الوزن والوزن بالأجر، حديث: 3336، وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في الرجحان في الوزن، حديث: 1305.

عرض کیا: مجھے میری قوم کا امام بنا دیجیے، آپ نے فرمایا:

«أَنْتَ إِمَامُهُمْ، وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ، وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا»

"تم ان کے امام ہو، ان کے کمزور کا خیال رکھنا اور مؤذن اسے بنانا جو اذان پر اجرت (تنخواہ) نہ لے۔"[1]

چکی والے کو غلہ پیسنے پر کاٹ کی ممانعت: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نر سے جفتی کرانے پر معاوضہ لینے سے منع کیا ہے اور چکی والے کی کاٹ (کچھ غلہ لے کر آٹا پیسنا) سے بھی منع کیا۔[2]

شرعی دم پر اجرت لے لینا جائز ہے: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کا ایک چشمے یا تالاب کے قریب سے گزر ہوا۔ وہاں کے لوگوں میں سے کسی کو سانپ (یا بچھو) نے ڈس لیا۔ ان میں سے ایک شخص اس جماعت کے پاس آیا اور پوچھا کہ آیا تم میں کوئی دم جھاڑ کرنے والا موجود ہے؟ اس چشمے پر ایک آدمی کو ڈس لیا گیا ہے۔ چنانچہ ان (صحابہ) میں سے ایک آدمی چل دیا اور اس پر فاتحہ پڑھ کر دم کیا، اس شرط پر کہ وہ اسے بکریاں دیں گے۔ چنانچہ وہ آدمی ٹھیک ہو گیا۔ تو دم کرنے والا بکریاں اپنے ساتھیوں کے پاس لے آیا۔ اس کے ساتھیوں نے یہ معاملہ ناپسند کیا۔ کہنے لگے کہ تو نے اللہ کی کتاب پر مزدوری لی ہے، حتی کہ وہ مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اس نے کتاب اللہ پر مزدوری لی ہے۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللهِ»

"بے شک سب سے زیادہ حقدار چیز جس پر تم مزدوری لے سکتے ہو، وہ اللہ کی کتاب ہے۔"[3]

کیا تعلیمِ قرآن پر معاوضہ لینا جائز ہے؟ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن کریم پڑھایا، اس نے مجھے ہدیے میں ایک کمان پیش کی، میں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا:

«إِنْ أَخَذْتَهَا أَخَذْتَ قَوْسًا مِّنْ نَّارٍ» "اگر تو نے یہ لی ہے تو آگ کی کمان لی ہے۔"

چنانچہ میں نے کمان واپس کر دی۔[4]

چیزیں کرائے پر لینا دینا جائز ہے، جبکہ مدت معلوم اور کرایہ متعین ہو: رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الصلاة، باب أخذ الأجر على التأذين، حديث: 531، وجامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في كراهية أن يأخذ المؤذن على الأذان أجرا، حديث: 209. [2] [صحيح] سنن الدارقطني: 46/3، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 339/5. [3] صحيح البخاري، الطب، باب الشروط في الرقية بفاتحة الكتاب، حديث: 5737. [4] [صحيح] سنن ابن ماجه، التجارات، باب الأجر على تعليم القرآن، حديث: 2158، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 126,125/6. حاجت مند کے لیے اجرت کا لینا جائز ہے، اس مسئلے میں تفصیلی فتویٰ مجموع الفتاوی لشیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: 30/204-207 میں ملاحظہ ہو۔ (عبدالولی)

ہیں کہ ہم انصاریوں میں بہت سے لوگ زمینوں والے تھے، ہم اپنی زمین کرائے پر بھی دیا کرتے تھے، اس شرط پر کہ اس جگہ کی کھیتی ہماری ہوگی اور فلاں جگہ کی ان کی، بسا اوقات ایسا ہوتا کہ فصل اُگ آتی اور کبھی نہ اگتی، نبی ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرما دیا، البتہ چاندی (دراہم پر سودا کرنے) سے منع نہیں فرمایا۔ [1]

عوضانہ معلوم ہونے میں زمین ٹھیکے پر دینا جائز ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں زمینیں حصے پر لیتے دیتے تھے، ہمیں اس میں سے غلہ گاہنے کے بعد بچ رہنے والی بالیاں اور اسی طرح کی کچھ اور چیز ملتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ فَلْيُحْرِثْهَا أَخَاهُ، وَإِلَّا فَلْيَدَعْهَا»

''جس شخص کی زمین ہو، اسے اس پر کاشت کرنی چاہیے، یا کاشت کے لیے اپنے بھائی کو دے دینی چاہیے ورنہ چھوڑ دے۔'' [2]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زمیندار لوگ اپنی زمینیں اس شرط پر کرائے پر دیتے تھے کہ پانی کے نالوں پر جو کچھ ہوگا وہ مالک کا ہوگا، وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، وہ ان میں بعض معاملات پر جھگڑ پڑے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس (مروجہ) انداز میں اراضی کرائے پر دینے سے منع کر دیا اور فرمایا: ''سونے چاندی کے بدلے میں کرائے پر دیا کرو۔'' [3]

اجرت پر کام کرنے والا کام خراب کر دے، یا کوئی شخص کرائے پر چیز لے کر ضائع کر دے تو وہ اس کا ضامن ہے: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَطَبَّبَ وَلَا يُعْلَمُ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ»

''جو شخص فن طبابت میں ماہر نہ ہونے کے باوجود علاج معالجہ کرتا ہے (جس طرح عطائی ہوتے ہیں) اور اس کا طبیب ہونا معلوم و معروف نہ ہو تو وہ (کسی مریض کو نقصان پہنچنے کی صورت میں) ضامن اور ذمہ دار ہے۔'' [4]

[1] صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، باب ما يكره من الشروط في المزارعة، حديث :2332، وصحيح مسلم، البيوع، باب كراء الأرض بالذهب والورق، حديث : 1547 بعد الحديث: 1548 . [2] صحيح مسلم، البيوع، باب كراء الأرض، حديث : 1536 بعد الحديث : 1543 . [3] [حسن] سنن أبي داود، البيوع، باب في المزارعة، حديث:3391، وسنن النسائي، المزارعة، ذكر الأحاديث المختلفة في النهي عن كراء الأرض بالثلث والربع......، حديث: 3925 . [4] [حسن] سنن أبي داود، الديات، باب فيمن تطبب ولايعلم منه طب فأعنت، حديث:4586، وسنن النسائي، القسامة، صفة شبه العمد وعلى من دية الأجنة وشبه العمد وذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر إبراهيم عن عبيد بن نضيلة عن المغيرة، حديث:4834 .

مزدور کی مزدوری روک لینے کا گناہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیان کیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطٰى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ»

''قیامت کے دن میں تین قسم کے آدمیوں سے جھگڑا کروں گا: جس نے میرے نام سے (عہد معاہدہ) کیا، پھر دھوکہ کیا اور جس نے کسی آزاد کو بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھائی۔ اور وہ جس نے کسی سے مزدوری کرائی، کام پورا لیا مگر اسے اس کی مزدوری نہ دی۔'' [1]

بے آباد زمین کو آباد کرنا اور جاگیر دینا

جو شخص کسی عام غیر ملکیتی بے آباد بنجر زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہو جاتی ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ»

''جس نے ایسی زمین آباد کی جو کسی کی ملکیت نہ ہو تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔'' [2]

حاکم وقت جاگیر دینے کا مجاز ہے: اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں (اپنے شوہر) زبیر رضی اللہ عنہ کی زمین سے، جو رسول اللہ ﷺ نے اسے بطور جاگیر دی تھی، کھجوروں کی گٹھلیاں اپنے سر پر رکھ کر لایا کرتی تھی۔ [3]

ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک وفد لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے مقام مآرب کی نمک کی کان بطور جاگیر طلب کی جو آپ نے عطا فرما دی، جب میں نے پشت پھیری تو مجلس کے ایک شخص نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے اسے کیا دیا ہے؟ آپ نے اسے ایک نہ ختم ہونے والا دائمی پانی دے دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے واپس لے لیا، کہتے ہیں کہ پھر میں نے سوال کیا کہ پیلو کے کون سے درخت اپنے قبضے میں لیے جا سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

''وہ جن تک اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچتے ہوں۔'' [4]

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب إثم من باع حرا، حديث: 2227. [2] صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، باب من أحيا أرضا مواتا، حديث: 2335. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب الغيرة، حديث: 5224، وصحيح مسلم، السلام، باب جواز إرداف المرأة الأجنبية إذا أعيت في الطريق، حديث: 2182. [4] [حسن] سنن أبي داود، الخراج، باب في إقطاع الأرضين، حديث: 3064، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ما جاء في القطائع، حديث: 1380.

شراکت داری

شرکت کی تعریف: شرکت لغت کی رو سے اختلاط کو کہتے ہیں جبکہ شرعاً شرکت اسے کہتے ہیں جو دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان منافع کے حصول کے لیے ارادی طور پر باہمی عقد واختلاط ہو جائے۔ جبکہ کبھی غیر ارادی طور پر بھی شرکت واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ میراث میں ہوتا ہے۔

شراکت کا معاملہ کرنا جائز ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ﴾

''اور بلاشبہ شراکت کی صورت میں کام کرنے والوں میں سے بہت سے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور ایسے لوگ تھوڑے ہی ہیں۔''[1]

اور فرمایا:

﴿ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ﴾

''اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جا رہا ہو، اس کی اولاد ہو نہ باپ، یا ایسی ہی عورت ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ پھر اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔''[2]

سب لوگ پانی، آگ اور گھاس سے استفادے میں شریک ہیں: ابو خداش ایک مہاجر صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بتاتے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ تین غزووں میں شرکت کی، آپ فرماتے تھے:

''مسلمان تین چیزوں میں شریک اور ساجھی ہیں: گھاس، پانی اور آگ میں۔''[3]

فائدہ: اس گھاس سے مراد وہ گھاس ہے جو کسی عام غیر ملکیتی زمین میں ہو، جس میں سبھی لوگ مویشی چرانے کا حق رکھتے ہیں، کسی شخص کو اجازت نہیں کہ وہ اسے اپنے لیے خاص کر لے اور دوسروں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے

[1] صٓ 24:38. [2] النسآء 12:4. [3] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في منع الماء، حديث: 3477، ومسند أحمد: 364/5.

روک دے۔ لیکن اگر گھاس کسی کی ملکیتی زمین میں ہو تو وہ گھاس صاحب اراضی ہی کی ہوتی ہے، کوئی شخص مالک زمین کی اجازت کے بغیر یہ گھاس نہیں لے سکتا۔

عام بہتے پانی کی حق داروں میں تقسیم: جناب عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک انصاری کا ایک پہاڑی نالے کے پانی کے سلسلے میں زبیر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہو گیا، انصاری نے کہا کہ پانی چھوڑ دو کہ گزر جائے، زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، انھوں نے اپنا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلٰى جَارِكَ»، فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: «اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ»

”زبیر! اپنے کھیت کو پانی دے کر اپنے ہمسائے کی طرف چھوڑ دو۔“ اس پر انصاری کو غصہ آ گیا، وہ بولا، (اے اللہ کے رسول!) یہ آپ کا پھوپھی زاد جو ٹھہرا! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، فرمایا: ”زبیر! کھیت کو پانی دو، پھر روکے رکھو حتی کہ مینڈ تک پہنچ جائے۔“

جناب زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت کریمہ اسی واقعے کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِىٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔“[1]

ضرورت سے زیادہ پانی روکنا جائز نہیں: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ فَضْلَ الْكَلَإِ»

”جو پانی تمھاری ضرورت سے زیادہ ہو مت روکو کہ اس طریقے سے گھاس روک لو۔“[2]

[1] النسآء 65:4. صحيح البخاري، المساقاة، باب سكر الأنهار، حديث: 2359، 2360. [2] صحيح البخاري، المساقاة، باب من قال: إن صاحب الماء أحق بالماء حتى يروى لقول النبي: لا يمنع فضل الماء، حديث: 2354، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع فضل الماء الذي يكون بالفلاة ويحتاج إليه لرعي الكلأ وتحريم منع بذله......، حديث: 1566.

امام اور حاکم وقت چراگاہوں کے لیے اراضی مختص کر سکتا ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«لَا حِمٰى إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ» . وَقَالَ : بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَمَى النَّقِيعَ ، وَأَنَّ عُمَرَ حَمَى الشَّرَفَ وَالرَّبَذَةَ»

''کوئی علاقہ ممنوع و مخصوص کر لینا صرف اللہ اور اس کے رسول ہی کا حق ہے۔'' امام زہری نے بیان کیا کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام نقیع اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مقام شرف اور ربذہ کو چراگاہ بنا کر ممنوع قرار دیا تھا۔[1]

شرف اور ربذہ مکہ و مدینہ کے درمیان دو معروف مقامات کے نام ہیں۔

نقدی اموال اور تجارتوں میں شراکت جائز ہے: ابو منہال رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں اور میرے شریک نے ایک چیز خریدی، کچھ نقد پر اور کچھ ادھار۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آئے، ہم نے اپنے اس معاملے کے بارے میں ان سے دریافت کیا، انھوں نے بتایا کہ میں اور میرے شراکت دار زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ایک بار اسی طرح کیا تھا، ہم نے اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا تو آپ نے فرمایا:

''جو نقد ہے، وہ لے لو اور جو ادھار ہے، اسے واپس کر دو۔''[2]

مُضَارَبہ (قِراض) کی تعریف: ایسی شرکت جس میں ایک شخص کا مال ہو اور دوسرے کی محنت، اور نفع باہمی شرائط کے مطابق ہو۔

مضاربہ جائز ہے، بشرطیکہ کسی ممنوعہ امر پر مشتمل نہ ہو: علامہ ابن حزم فرماتے ہیں: ''فقہی مسائل میں کوئی مسئلہ ایسا نہیں کہ قرآن وسنت میں اس کی اصل نہ ہو، ولله الحمد، سوائے قراض (مضاربہ) کے، ہمیں قرآن و حدیث میں اس کی کوئی اصل (دلیل) نہیں ملی، تاہم اس کے متعلق اجماع صحیح ضرور موجود ہے اور ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مروج تھا اور آپ اس سے آگاہ بھی تھے، آپ نے اسے بدستور رہنے دیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو جائز بھی نہ ہوتا۔''[3]

اس بات پر إرواء الغليل (294/5) میں محدث البانی رحمہ اللہ نے تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے: ''یہاں کئی باتیں

---

[1] صحيح البخاري، المساقاة، باب: لا حمى إلا لله ولرسوله، حديث: 2370. [2] صحيح البخاري، الشركة، باب الاشتراك في الذهب والفضة وما يكون فيه الصرف، حديث: 2498,2497 وصحيح مسلم، المساقاة، باب النهي عن بيع الورق بالذهب دينا، حديث: 1589. [3] مراتب الإجماع، ص: 106.

ہیں، بنیادی ضابطہ یہ ہے کہ لوگوں کے مابین تمام معاملات بجائے خود جائز ہیں، سوائے ان کے جن کی صراحت سے ممانعت آئی ہے، بخلاف عبادات کے یہ سب بنیادی طور پر منع ہیں، سوائے ان کے جن کی شریعت میں صراحت آئی ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تفصیل سے لکھا ہے، چنانچہ قِراض اور مضاربہ کا تعلق پہلی صورت سے ہے (یہ عام معاملے کی قسم سے ہے) جیسا کہ ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں رضا مندی سے تجارتی لین دین کو بصراحت جائز قرار دیا گیا ہے، اسی میں قِراض (مضاربہ) بھی شامل ہے۔ یہ اس کے جواز کی دلیل ہے جسے اجماع کی تائید بھی حاصل ہے۔''

گزرگاہ (راستے) کا قضیہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اگر لوگوں کا بے آباد راستے کے معاملے میں جھگڑا ہو جائے تو اسے سات ہاتھ رکھا جائے۔''[1]

ہمسائے کی دیوار میں لکڑی گاڑی جا سکتی ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی ہمسایہ اپنے پڑوسی کو اس بات سے نہ روکے کہ وہ (عند الضرورت) اس کی دیوار میں لکڑی گاڑ لے۔''

اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: کیا بات ہے کہ تم اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ اجازت) سے منہ پھیرتے ہو، اللہ کی قسم! میں یہ (بات) تمھارے کندھوں پر دے ماروں گا (اسے بیان کرتا رہوں گا۔)[2]

شراکت داروں کو باہم نقصان پہنچانے کی ممانعت: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ، وَلِلرَّجُلِ أَنْ يَجْعَلَ خَشَبَةً عَلَى حَائِطِ جَارِهِ، وَإِذَا شَكَكْتُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاجْعَلُوهَا سَبْعَةَ أَذْرُعٍ»

''(اسلام میں) کسی کو ابتداءً نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں، نہ نقصان کے بدلے میں نقصان کرنے کی اجازت ہے، آدمی کو حق ہے کہ اپنی لکڑی ہمسائے کی دیوار پر رکھ لے اور راستے کے بارے میں اگر تمھیں شک (واختلاف) ہو تو اسے سات ہاتھ کر لو۔''[3]

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب إذا اختلفوا في الطريق الميتاء وهي الرحبه تكون بين الطريق......، حديث:2473، وصحيح مسلم، المساقاة، باب قدر الطريق إذا اختلفوا فيه، حديث: 1613. [2] صحيح البخاري، المظالم، باب لايمنع جار جاره أن يغرز خشبة في جداره، حديث:2463، وصحيح مسلم، المساقاة، باب غرز الخشبة في جدار الجار، حديث: 1609. [3] [صحيح] مسند أحمد :313/1، والمعجم الكبير للطبراني:302/11، حديث: 11806 واللفظ له.

گروی کے مسائل

اشیاء بطور گروی رکھنا جائز ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ ﴾

"اور اگر تم سفر میں ہو اور تمھیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز گروی (رہن کے طور پر) قبضے میں دے دی جائے۔"[1]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ غلہ لیا اور اپنی زرہ (بطور ضمانت) اس کے پاس رہن رکھی۔[2]

کیا گروی رکھی گئی چیز سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟ گروی رکھی گئی چیز سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ ایسا جانور ہو جس پر سواری کی جا سکتی ہو یا دودھ والا جانور ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا. وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ»

"جب کوئی سواری کا جانور گروی رکھا گیا ہو تو اس پر خرچ کے بدلے سواری کی جا سکتی ہے، اگر دودھ والا جانور گروی ہو تو اس پر خرچ کے عوض اس کا دودھ پیا جائے گا، جو سوار ہوتا ہے یا اس کا دودھ پیتا ہے، اسی کے ذمے اس کا خرچ ہے۔"[3]

امانت اور عاریت کے مسائل

ودیعت (امانت) کی تعریف: «وَدِيعة» کا لفظ «ودع» سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی ہیں: کوئی چیز چھوڑ دینا، چنانچہ جو چیز کسی کے پاس حفاظت کی غرض سے چھوڑی جائے، اسے ودیعت کہتے ہیں (جسے ہم امانت سے تعبیر کرتے ہیں۔)

---

[1] البقرة 2:283. [2] صحيح البخاري، في الرهن في الحضر، باب الرهن عند اليهود وغيرهم، حديث: 2513، وصحيح مسلم، المساقاة، باب الرهن وجوازه في الحضر كالسفر، حديث: 1603. [3] صحيح البخاري، في الرّهن في الحضر، باب الرّهن مركوب ومحلوب، حديث: 2512.

ودیعت (امانت) کا حکم: جب کوئی آدمی اپنی کوئی چیز اپنے بھائی کو بطور ودیعت (امانت) دے تو اسے قبول کرنا مستحب ہے، بشرطیکہ اسے اپنے متعلق معلوم ہو کہ وہ اس کی حفاظت کی طاقت رکھتا ہے، کیونکہ یہ نیکی اور تقوی ہی میں تعاون کی ایک صورت ہے، پھر اس پر واجب ہے کہ جب اس سے یہ امانت واپس مانگی جائے تو واپس کر دے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا ﴾

"بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو۔" [1]

مزید فرمایا: ﴿ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمٰنَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ﴾

"پس اگر تم میں سے کوئی دوسرے پر اعتبار کرے تو جس شخص پر اعتبار کیا گیا ہو، اسے چاہیے کہ دوسرے کی اَمانت واپس کر دے اور اپنے رب، اللہ سے ڈرے۔" [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَّنْ خَانَكَ»

"جس نے تجھے امانت سونپی، اس کی امانت اسے واپس کر دے اور جو تیری خیانت کرے، تو اس کی خیانت نہ کر۔" [3]

امین کی کوتاہی، جنایت اور خیانت کے بغیر امانت ضائع ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں: صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ [4] سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے موقع پر اس سے زرہیں مستعار لیں تو اس نے پوچھا: کہیں یہ غصب تو نہیں ہو جائیں گی؟ اس پر آپ نے فرمایا:

«لَا، بَلْ عَارِيَةٌ مَّضْمُونَةٌ» "نہیں بلکہ یہ عاریت ہیں اور ہم ان کے ذمہ دار ہیں۔" [5]

عاریت کی تعریف: فقہاء کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے: مالک اپنی ملکیت کی کوئی چیز کسی دوسرے کو بلا معاوضہ دے دے اور اسے اپنی چیز سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرے تو یہ عمل عاریت کہلاتا ہے۔

---

[1] النسآء 4:58. [2] البقرة 2:283. [3] [حسن] سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يأخذ حقه من تحت يده، حديث: 3535، وجامع الترمذي، البيوع، باب أد الأمانة إلى من ائتمنك، حديث: 1264. [4] صفوان بن امیہ غزوۂ حنین تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں ہوئے۔ (مترجم)۔ [5] [حسن] سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: 3562، والمستدرك للحاكم: 2/47، وسنن ابن ماجه، حديث: 2401 میں ہے: «مَنْ أُودِعَ وَدِيعَةً فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ» "جس کے پاس امانت رکھی گئی تو اس پر کوئی ضمان (عوض) نہیں۔" تفصیل کے لیے دیکھیے الإرواء، حديث: 1547. (عبدالولی)

عاریت کا حکم: یہ مستحب عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ ''اور تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔''[1]

اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»

''اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں مصروف رہتا ہے۔''[2]

اور جو لوگ اس وصف سے خالی ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۧ ﴾

''پس ہلاکت ہے نمازیوں کے لیے، جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں۔ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور (لوگوں کو) استعمال کی معمولی چیزیں بھی دینے سے انکار کرتے ہیں۔''[3]

واجب ہے کہ مستعار لی ہوئی چیز واپس کر دی جائے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ﴾

''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو۔''[4]

اگر مستعار چیز ضائع ہو جائے تو اس کی ادائیگی لازم ہے: یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

«إِذَا أَتَتْكَ رُسُلِي فَأَعْطِهِمْ ثَلَاثِينَ دِرْعًا وَّثَلَاثِينَ بَعِيرًا». قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَعَارِيَةٌ مَّضْمُونَةٌ أَوْ عَارِيَةٌ مُّؤَدَّاةٌ. قَالَ: «بَلْ عَارِيَةٌ مُّؤَدَّاةٌ»

''جب میرے پیامبر تیرے ہاں آئیں تو انھیں تیس زرہیں اور تیس اونٹ دے دینا۔'' میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ ضمانت والی عاریت ہوگی۔ یا واپس کی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: ''یہ عاریت ہے، ادا ہوگی۔''[5]

عام استعمال کی چیزیں (عاریتاً مانگنے والے سے) روکنا جائز نہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت

[1] المآئدة 5:2. [2] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، وعلى الذكر، حديث:2699.
[3] الماعون 107:4-7. [4] النسآء 4:58. [5] [حسن] سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث:3566، ومسند أحمد:222/4، والسنن الكبرى للنسائي:409/3، حديث:5776 واللفظ له، نیز دیکھیے: السلسلة الصحيحة، حديث:630.

ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم عام استعمال کی چیزوں کو، جیسے کہ بالٹی یا ہنڈیا وغیرہ ہے، ماعون میں شمار کیا کرتے تھے۔[1]

بطور عاریت یہ چیزیں روک لینا جائز نہیں: مثلاً جفتی کے لیے نر جانور فراہم کرنا، مسافر اگر جانور کے دودھ کا محتاج ہو، یا اللہ کی راہ میں کسی کو سواری پر بٹھا لینا: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ صَاحِبِ إِبِلٍ وَّلَا بَقَرٍ وَّلَا غَنَمٍ، لَا يُؤَدِّي حَقَّهَا، إِلَّا أُقْعِدَ لَهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقَاعٍ قَرْقَرٍ، تَطَؤُهُ ذَاتُ الظِّلْفِ بِظِلْفِهَا، وَتَنْطِحُهُ ذَاتُ الْقَرْنِ بِقَرْنِهَا، لَيْسَ فِيهَا يَوْمَئِذٍ جَمَّاءُ وَلَا مَكْسُورَةُ الْقَرْنِ»

''جو بھی اونٹوں والا یا گائیوں والا یا بکریوں والا ان کا حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے روز اسے ایک چٹیل میدان میں ان کے سامنے بٹھا دیا جائے گا، پھر کھروں والے اسے اپنے کھروں سے روندیں گے، اور سینگوں والے سینگوں سے ماریں گے۔ اس دن ان میں سے کوئی جانور سینگوں کے بغیر نہیں ہوگا اور نہ کسی کا سینگ ٹوٹا ہوا ہوگا۔''

ہم نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اور ان کا حق کیا ہے؟ فرمایا:

«إِطْرَاقُ فَحْلِهَا، وَإِعَارَةُ دَلْوِهَا، وَمَنِيحَتُهَا، وَحَلَبُهَا عَلَى الْمَاءِ، وَحَمْلٌ عَلَيْهَا فِي سَبِيلِ اللهِ»

''جفتی کے لیے نر دینا، ڈول عاریتاً دینا، دودھ کے لیے جانور دے دینا، پانی پلانے والے دن اونٹنیوں کا دودھ دوہنا اور اللہ کی راہ میں سواری دینا۔''[2]

غصب پر وعید اور اس کے جملہ مسائل

غصب کی تعریف: ظلم وتعدی کر کے کسی کا مال بٹور لینا غصب کہلاتا ہے۔

مال غصب کرنا حرام ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] [حسن] سنن أبي داود، الزكاة، باب في حقوق المال، حديث: 1657. [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، حديث: 988.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

"اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔"[1]

جناب ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا. . . .»

"بلاشبہ ایک دوسرے پر تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمھارے اس دن کی حرمت ہے، تمھارے اس مہینے میں، تمھارے اس شہر میں۔"[2]

غصب کیا ہوا مال واپس کرنا ضروری ہے: ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ أَنْ يَأْخُذَ عَصَا أَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ مِّنْهُ»

"کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کی دلی رضامندی کے بغیر اس کی لاٹھی بھی لے سکے۔"

یہ اس لیے کہ اللہ نے ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا مال نہایت شدید حرام قرار دیا ہے۔[3]

دوسرے کی زمین جبرًا کاشت کرنے یا اس میں درخت لگانے کی صورت میں شرعی حکم: رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَلَهُ نَفَقَتُهُ»

"جس نے کسی قوم کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کی، تو اس کے لیے اس کھیتی میں کچھ نہیں ہے، البتہ اس کا خرچ اسے ملے گا۔"[4]

کسی کی زمین چھین لینا حرام ہے: سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ»

"جس نے کسی کی بالشت بھر زمین بھی ظلم سے غصب کی، اللہ اسے قیامت کے دن اس کے برابر سات

---

[1] النسآء 4: 29. [2] صحيح البخاري، العلم، باب قول النبي ﷺ: رب مبلغ أوعى من سامع، حديث: 67، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، حديث: 1679. [3] [صحيح] مسند أحمد: 425/5، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 100/6، وصحيح ابن حبّان: 316/13، حديث: 5978 واللفظ له. [4] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في زرع الأرض بغير إذن صاحبها، حديث: 3403، وسنن ابن ماجه، الرهون، باب من زرع في أرض قوم بغير إذنهم، حديث: 2466.

زمینوں کے طوق پہنائے گا۔‘‘ [1]

غصب کی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانا حرام ہے: یزید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَا يَأْخُذَنَّ أَحَدُكُمْ مَتَاعَ أَخِيهِ لَاعِبًا [وَلَا] جَادًّا، وَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيَرُدَّهَا»

’’تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی کی کوئی چیز ہرگز نہ لے، نہ ہنسی مذاق میں اور نہ حقیقتا اور جس نے اپنے بھائی کی ایک لاٹھی بھی لی ہو تو وہ اسے واپس کر دے۔‘‘ [2]

غصب شدہ چیز ضائع ہونے پہ اُس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے: جس نے غصب کی ہوئی چیز ضائع کر دی ہو اس پر لازم ہے کہ اسی جیسی چیز واپس کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی ﷺ اپنی ایک زوجہ کے ہاں تشریف فرما تھے کہ دوسری اہلیہ محترمہ نے خادمہ کے ہاتھ ایک پیالے میں آپ کو کھانا بھیج دیا جہاں آپ بیٹھے تھے، اس گھر والی نے خادمہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جس کے نتیجے میں پیالہ ٹوٹ گیا، رسول اللہ ﷺ نے پیالے کو آپس میں ملا کے کھانا اس میں رکھ دیا اور فرمایا: ’’کھاؤ۔‘‘ آپ نے خادمہ کو روکے رکھا یہاں تک کہ آپ کھانے سے فارغ ہو گئے، تب آپ نے صحیح سالم پیالہ واپس کیا اور ٹوٹا ہوا رکھ لیا۔ [3]

جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اگر کوئی آئے اور میرا مال لینا چاہے تو (کیا کروں)؟ فرمایا:

«فَلَا تُعْطِهِ مَالَكَ» قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلَنِي؟ قَالَ: «قَاتِلْهُ» قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلَنِي؟ قَالَ: «فَأَنْتَ شَهِيدٌ» قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُهُ؟ قَالَ: «هُوَ فِي النَّارِ»

’’اسے اپنا مال مت دے۔‘‘ وہ کہنے لگا: آپ مجھے بتائیے اگر وہ مجھ سے لڑنے لگے؟ فرمایا: ’’تو بھی اس سے لڑ!‘‘ وہ بولا: آپ مجھے بتائیے: اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ فرمایا: ’’تو شہید ٹھہرے گا۔‘‘ اس نے کہا: آپ مجھے بتائیے: اگر میں اسے قتل کر دوں تو پھر؟ فرمایا: ’’وہ آگ میں جائے گا۔‘‘ [4]

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب إثم من ظلم شيئًا من الأرض، حديث: 2452، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، حديث: 1610 واللفظ له. [2] [حسن] سنن أبي داود، الأدب، باب من يأخذ الشيء من مزاح، حديث: 5003، وجامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلمًا، حديث: 2160. [3] صحيح البخاري، المظالم، باب إذا كسر قصعة أوشيئا لغيره، حديث: 2481، ومسند أحمد: 105/3. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من قصد أخذ مال غيره بغير حق كان القاصد مهدر الدم في حقه وإن قتل كان في النار، وأن من قتل دون ماله فهو شهيد، حديث: 140.

عتق (غلاموں کو آزاد کرنا)

عتق کی تعریف: آقا، یعنی مالک کا اپنے مملوک غلام پر اپنے حق سے مخصوص طریقے سے دستبردار ہو جانا جس کے نتیجے میں وہ مملوک آزاد ہو جائے، عتق، یعنی آزاد کرنا کہلاتا ہے۔

غلام کو آزاد کر دینے کی ترغیب: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَءًا مُّسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنَ النَّارِ»

”جس نے کسی مسلمان شخص کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو آگ سے بچا لے گا۔“[1]

قیمتی اور عمدہ غلام آزاد کرنا افضل ہے: ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:

«إِيمَانٌ بِاللهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ». قُلْتُ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «أَعْلَاهَا ثَمَنًا وَّأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا». قُلْتُ: فَإِنْ لَّمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ: «تُعِينُ ضَائِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ»، قَالَ: فَإِنْ لَّمْ أَفْعَلْ؟ قَالَ: «تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلٰى نَفْسِكَ»

”اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔“ میں نے کہا: کون سی گردن آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا: ”جو قیمت میں بھاری اور اپنے مالکوں کے ہاں نفیس ترین ہو۔“ میں نے عرض کیا کہ اگر میں یہ نہ کر سکوں تو؟ فرمایا: ”تو کسی عیال دار فقیر کی مدد کر یا کسی بے ہنر کے لیے کچھ بنا دے۔“ میں نے کہا: اگر یہ بھی نہ کر سکوں ؟ آپ نے فرمایا: ”تو پھر اپنا شر لوگوں سے دور رکھ، بلاشبہ یہ ایک صدقہ ہے جو تو اپنی جان پر کرتا ہے۔“[2]

خدمت کی شرط پر آزاد کرنا: سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا، انھوں نے مجھ سے کہا: میں تجھے آزاد کیے دیتی ہوں، بشرطیکہ تو زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہے، میں

---

[1] صحیح البخاري، العتق، باب في العتق وفضله، حديث: 2517، وصحيح مسلم، العتق، باب فضل العتق، حديث: 1509. [2] صحيح البخاري، العتق، باب أي الرقاب أفضل؟ حديث: 2518، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالٰى أفضل الأعمال، حديث: 84.

نے عرض کیا: اگر آپ مجھ پر یہ شرط عائد نہ بھی کرتیں تب بھی میں زندگی بھر رسول اللہ ﷺ سے جدا نہ ہوتا، چنانچہ انھوں نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ پر یہ شرط لگائی۔ [1]

کوئی اپنے کسی قریبی عزیز (محرم) غلام کا مالک بن جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا: سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ»

''اگر کوئی شخص اپنے کسی محرم کا مالک بن جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔'' [2]

مملوک کی پٹائی کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: «مَنْ لَطَمَ مَمْلُوكَهُ أَوْ ضَرَبَهُ فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُعْتِقَهُ»

''جس نے اپنے مملوک کو تھپڑ مارا، یا (کسی اور طرح) پٹائی کی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے۔'' [3]

مثلہ کرنے پر مملوک کی آزادی: جناب عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص چیختا ہوا نبی ﷺ کے پاس آیا، بولا: اس کی لونڈی تھی، اے اللہ کے رسول! آپ نے پوچھا:

«وَيْحَكَ! مَالَكَ؟» ''افسوس! تجھے کیا ہوا؟''

کہنے لگا: بہت برا ہوا، میں نے اپنے مالک کی لونڈی کو دیکھ لیا (اور اس کا بوسہ لیا)، اسے غیرت آئی اور اس نے میرے اعضائے مردی کاٹ ڈالے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيَّ بِالرَّجُلِ» ''اس آدمی کو میرے پاس لایا جائے۔''

اسے ڈھونڈا گیا مگر وہ نہ ملا، آپ نے فرمایا: «اِذْهَبْ فَأَنْتَ حُرٌّ» ''جا تو آزاد ہے۔''

اس نے کہا: اللہ کے رسول! میری مدد کون کرے گا؟ فرمایا:

«عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ» أَوْ قَالَ: «عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ» ''ہر صاحب ایمان'' یا فرمایا: ''ہر مسلمان۔'' [4]

اگر کوئی اپنا غلام آزاد کر دے جبکہ دوسرے بھی اس میں حصہ دار ہوں: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، العتق، باب في العتق على شرط، حديث: 3932، وسنن ابن ماجه، العتق، باب من أعتق عبدًا واشترط خدمته، حديث: 2526. [2] [صحيح] سنن أبي داود، العتق، باب فيمن ملك ذا رحم محرم، حديث: 3949، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ما جاء فيمن ملك ذارحم محرم، حديث: 1365، وسنن ابن ماجه، العتق، باب من ملك ذا رحم محرم فهو حر، حديث: 2524. [3] صحيح مسلم، الأيمان، باب صحبة المماليك، وكفارة من لطم عبده، حديث: 1657. [4] [حسن] سنن أبي داود، الديات، باب من قتل عبده أو مثل به أيقاد منه؟ حديث: 4519، وسنن ابن ماجه، الديات، باب من مثل بعبده فهو حر، حديث: 2680.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا لَّهُ مِنْ عَبْدٍ - أَوْ شِرْكًا أَوْ قَالَ: نَصِيبًا - وَكَانَ لَهُ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ بِقِيمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيقٌ وَّإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ»

''جس نے غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا۔ پس اگر اس غلام کے پاس اتنا مال ہے جو اس کی متوسط قیمت کے برابر ہو تو وہ اس پر آزاد ہوگا، ورنہ وہ اسی قدر آزاد ہوا جتنا کہ ہو گیا۔''[1]

ولاء[2] اسی کا حق ہے جو آزاد کرے: ام المؤمنین عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ بریرہ ؓ اپنی کتابت[3] کے معاملے میں کچھ مدد لینے میرے پاس آئی، اس نے اپنی کتابت میں سے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ عائشہ ؓ نے اس سے کہا: اپنے اہل کے پاس جاؤ، اگر وہ پسند کریں تو میں تیری کتابت کی ساری رقم ادا کیے دیتی ہوں اور تیرا ولاء میرے لیے ہوگا، بریرہ نے یہ بات اپنے مالکوں سے کہی، انھوں نے انکار کیا۔ کہنے لگے کہ اگر عائشہ چاہتی ہیں کہ اللہ سے اجر لیں تو تیرے لیے تعاون کر دیں، لیکن تیرا ولاء ہمارا ہی حق ہوگا۔ ام المؤمنین عائشہ ؓ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے کہی، آپ نے فرمایا:

«اِبْتَاعِي فَأَعْتِقِي فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ» . قَالَ: ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَا بَالُ أُنَاسٍ يَّشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَّيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَّيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَلَيْسَ لَهُ، وَإِنْ شَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ، شَرْطُ اللهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ»

''اسے خرید لو اور آزاد کر دو، ولاء اسی کا ہوتا ہے جو آزاد کرے۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایسی شرطیں عائد کرتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں موجود نہیں؟ جو شخص ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ میں نہ ہو، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، چاہے وہ سو بار شرط کر لے، اللہ کی شرط زیادہ حق دار اور انتہائی پختہ ہے۔''[4]

غلام کو مُدَبَّر بنانے کا مسئلہ: مُدَبَّر اس غلام کو کہا جاتا ہے جس کے بارے میں اس کا مالک یہ کہے کہ میرے

---

[1] صحيح البخاري، الشركة، باب تقويم الأشياء بين الشركاء بقيمة عدل، حديث :2491، وصحيح مسلم، العتق، باب من أعتق شركا له في عبد، حديث : 1501. [2] غلام کے آزاد ہونے پر مالک اور اس غلام میں ایک تعلق رہتا ہے جسے ولاء کہتے ہیں، نیز وہ مال بھی ولاء کہلاتا ہے جو غلام مرتے وقت چھوڑ جائے۔ [3] وہ معاہدہ جو غلام اور آقا کے درمیان طے ہوتا ہے کہ اس مبلغ کے قسط وار طریقے سے ادا کرنے پر غلام آزاد ہو جائے گا، کتابت کہلاتا ہے۔ [4] صحيح البخاري، المكاتب، باب مايجوز من شروط المكاتب، ومن اشترط شرطاً ليس في كتاب الله، حديث:2561.

مرنے کے بعد یہ آزاد ہوگا۔ غلام کو مُدَبَّر بنانا جائز ہے، نیز مُدَبَّر کو بوقت ضرورت فروخت بھی کیا جاسکتا ہے، یعنی اگر مالک محتاج ہو تو اسے بیچنا جائز ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک آدمی نے اپنے غلام کے متعلق کہہ دیا کہ وہ اس کی موت کے بعد آزاد ہوگا (اسے مُدَبَّر بنا دیا) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بلایا اور اسے فروخت کر دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ بتاتے تھے کہ پھر وہ غلام اگلے سال فوت ہو گیا۔[1]

مُکَاتَبَت کرنا جائز ہے: غلام کے ساتھ ایک رقم طے کر لی جائے کہ اسے ادا کر کے وہ آزاد ہو جائے تو یہ معاملہ جائز ہے، اسے کتابت اور مکاتبت بھی کہتے ہیں۔ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ ﴾

''اور جن (لونڈیوں یا غلاموں) کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں، ان میں سے جو مکاتبت کرنا (آزادی کی تحریر لکھانا) چاہیں، اگر تمھیں ان میں کوئی بھلائی معلوم ہو تو تم ان سے مکاتبت کر لو اور تم انھیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تمھیں دیا ہے۔''[2]

مکاتب طے شدہ رقم ادا کرنے پہ آزاد ہو جائے گا: کتابت والا غلام اپنی طے شدہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائے گا اور جس قدر مال ادا کر چکا، اس قدر وہ بھی آزاد ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت والے غلام کے بارے میں (جو قتل ہو چکا تھا) فیصلہ فرمایا: ''جس قدر وہ ادا کر چکا ہو، اسی نسبت سے اس کی آزادی کی دیت ادا کی جائے۔''[3]

وقف اور اس کے مسائل

وقف کی تعریف: اپنے مال میں سے کچھ مال دائمی خیرات کے لیے خاص کر دینا وقف کہلاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حجة الله البالغة (2/116) میں لکھتے ہیں: دور جاہلیت میں لوگ صدقے کی اس صورت سے آگاہ نہ تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اس سے روشناس کرایا اور کچھ مصالح کی صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو معروف صدقات سے

[1] صحيح البخاري، العتق، باب بيع المدبر، حديث: 2534، وصحيح مسلم، الزكاة، باب الابتداء في النفقة بالنفس ثم أهله ثم القرابة، حديث: 997. [2] النور 24:33. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الديات، باب في دية المكاتب، حديث: 4581، وسنن النسائي، القسامة، باب دية المكاتب، حديث: 4813.

حاصل نہیں ہوتیں، مثلاً: کوئی شخص جہاد فی سبیل اللہ میں بہت سا مال خرچ کر دیتا ہے، فقراء محتاج رہ جاتے ہیں، یا اور ضرورت مند آ جاتے ہیں تو انھیں کچھ نہیں ملتا۔ ان حالات میں اس سے بڑھ کر اور کوئی صورت مفید نہیں ہو سکتی کہ کچھ مال فقراء ومساکین اور مسافروں وغیرہ کے لیے وقف رکھا جائے، اس طرح کہ اس کی اصل وقف کرنے والے کے قبضے میں رہے اور اس کا نفع ضرورت مندوں کو ملتا رہے۔

وقف کی مشروعیت کی دلیل: اسلام نے وقف کرنے کی بڑی ترغیب دی ہے، اس بارے میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل ختم ہو جاتے ہیں سوائے تین صورتوں کے: جاری رہنے والا صدقہ، یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔'' [1]

وقف کرنے والا وقف میں اپنے آپ کو بھی عام مسلمانوں کی طرح حصہ دار بنا سکتا ہے: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہاں بئر رومہ کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں میٹھا پانی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ يَشْتَرِي بِئْرَ رُومَةَ فَيَجْعَلُ فِيهَا دَلْوَهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ بِخَيْرٍ لَّهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ»

''کوئی ہے جو بئر رومہ خرید لے اور اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ کر لے، اسے اس کے بدلے جنت میں ایک بڑی خیر ملے گی۔'' چنانچہ میں نے اسے اپنے اصل مال سے خرید لیا۔ [2]

وقف کرنے والا موقوف چیز کا فائدہ کسی کے لیے مخصوص کرنا چاہے تو کر سکتا ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں کچھ زمین ملی، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں جو زمین ملی ہے، اس سے بڑھ کر نفیس وعمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا، آپ اس کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

[1] صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631. [2] [حسن] جامع الترمذي، المناقب، باب في عد عثمان تسميته شهيدا و تجهيزه جيش العسرة، حديث: 3703، وسنن النسائي، الإحباس، باب وقف المساجد، حديث: 3638.

”اگر چاہو تو اس کا اصل اپنے قبضے میں رکھو اور (اس کا نفع) صدقہ کر دو۔“ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے (بطور وقف) صدقہ کر دیا کہ اسے بیچا نہیں جائے گا، ہبہ نہیں کیا جائے گا، نہ وراثت میں تقسیم ہو گا۔ انھوں نے اسے فقراء، قرابت داروں، غلاموں کے آزاد کرانے، مہمات جہاد، مسافروں اور مہمانوں کے لیے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ جو اس کا منتظم ہو، اس پر کوئی پابندی نہیں، وہ اس میں سے معروف انداز میں کھا بھی سکتا ہے اور کھلا سکتا ہے، بشرطیکہ مال جمع کرنے والا نہ ہو۔ [1]

وقف کرنے سے اگر کوئی شخص اپنے وارثوں کو نقصان پہنچا رہا ہو تو اس کا وقف باطل کر دیا جائے گا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ﴾ ”تم انھیں رہائش دو جہاں تم (خود) رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور ان کو تنگ کرنے کے لیے انھیں تکلیف نہ دو۔“ [2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ﴾ ”اور کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے۔“ [3]

اور فرمایا: ﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ﴾

”(یہ تقسیم) اس (میت) کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی) جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔“ [4]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ، وَلِلرَّجُلِ أَنْ يَّجْعَلَ خَشَبَهُ عَلٰى حَائِطِ جَارِهِ»

”(اپنے نفع کی غرض سے دوسرے کو) نقصان نہ پہنچاؤ اور نہ نقصان کے بدلے میں نقصان پہنچاؤ اور آدمی کو حق پہنچتا ہے کہ اپنی لکڑی اپنے ہمسائے کی دیوار میں رکھ لے۔“ [5]

وقف کے مال سے اگر کسی جگہ فائدہ نہ اٹھایا جاتا ہو تو اسے دیگر مفید مقاصد اور مقامات پر خرچ کرنا جائز ہے:

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُو عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ لَأَنْفَقْتُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَلَجَعَلْتُ بَابَهَا بِالْأَرْضِ، وَلَأَدْخَلْتُ فِيهَا مِنَ الْحِجْرِ»

---

[1] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الوقف، حديث: 2737، وصحيح مسلم، الوصية، باب الوقف، حديث: 1632.
[2] الطلاق 6:65. [3] البقرة 282:2. [4] النسآء 12:4. [5] [صحيح] مسند أحمد: 313/1، والمعجم الكبير للطبراني: 302/11، حديث: 11806 واللفظ له.

''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تیری قوم نئی نئی جاہلیت سے نکلی ہے تو میں کعبہ کے لیے وقف کردہ خزانہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا، اس کا دروازہ زمین کے ساتھ ملا دیتا اور حجر (حطیم) کا حصہ کعبہ میں شامل کر دیتا۔'' [1]

جب کعبہ کے لیے وقف کیے گئے مال کے بارے میں یہ حکم ہے تو از روئے ارشادِ رسول ﷺ دیگر مساجد وغیرہ کے لیے وقف مال کا بھی بالاولیٰ یہی حکم ہے۔

قبروں کی زیب و زینت کے لیے وقف حرام ہے: ابو ہیاج اسدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے روانہ فرمایا تھا کہ کسی مورتی کو نہ چھوڑنا، اسے مٹا ڈالنا اور کسی اونچی قبر کو نہ چھوڑنا بلکہ اسے برابر کر دینا۔ [2]

خیال رہے کہ قبروں کی زیب و زینت کے لیے وقف بہت بڑے فساد کا کام اور کبیرہ گناہ ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر شرح الصدور في تحريم رفع القبور کے نام سے ایک عمدہ رسالہ تالیف فرمایا ہے، راقم نے اس کی تحقیق بھی کی ہے۔

ہدیہ اور اس کے مسائل

ہدیہ قبول کرنا چاہیے اور اس کا بدلہ بھی دیا جائے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا (عمدہ) بدل بھی دیا کرتے تھے۔ [3]

ہدیوں کا لین دین مسلمان اور کافر میں بھی ہوسکتا ہے: انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ (تبوک کے قریب قلعہ) دُومہ کے حاکم نے نبی ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا۔ [4]

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانے میں میری والدہ بڑی رغبت سے میرے ہاں آئیں، میں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' ابن عیینہ کہتے ہیں کہ اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا: ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾

[1] صحیح مسلم، الحج، باب نقض الكعبة و بنائها، حديث: 1333. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، حديث: 969. [3] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب المكافأة في الهبة، حديث: 2585. [4] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب قبول الهدية من المشركين، حديث: 2616، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل سعد بن معاذ رضي الله عنه، حديث: 2469.

”اللہ تمھیں ان لوگوں کی بابت نہیں روکتا جوتم سے دین پر نہیں لڑے۔“ [1]

ہدیہ واپس لینا جائز نہیں: ہدیہ دے کر واپس لے لینا حرام ہے تاہم باپ کو اجازت ہے کہ بیٹے کو جو کچھ دے، وہ واپس بھی لے لے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ»

”اپنی ہدیے میں دی ہوئی چیز واپس لینے والا ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی قے کر کے چاٹنے لگے۔“ [2]

ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

«لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً أَوْ يَهَبَ هِبَةً فَيَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ»

”آدمی کے لیے حلال نہیں کہ عطیہ دے کر واپس لے، مگر والد کے لیے جائز ہے کہ جو کچھ اپنی اولاد کو دے، واپس بھی لے لے۔“ [3]

اولاد کو ہدیہ دیتے وقت مساوات کا خاص خیال رکھا جائے: نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا: میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام ہدیہ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هٰذَا؟» فَقَالَ: لَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَارْجِعْهُ»

”کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اس طرح کا ہدیہ دیا ہے؟“ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ”تم غلام واپس لے لو۔“ [4]

کسی شرعی سبب کے بغیر ہدیہ واپس کرنا مکروہ ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«تَهَادَوْا تَحَابُّوا» ”ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، آپس کی محبت بڑھے گی۔“ [5]

---

[1] الممتحنة 8:60. صحيح البخاري، الأدب، باب صلة الوالد المشرك، حديث: 5978. [2] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب لايحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته، حديث: 2621، وصحيح مسلم، الهبات، باب تحريم الرجوع في الصدقة بعد القبض إلا ماوهبه لولده وإن سفل، حديث: 1622. [3] [حسن] سنن أبي داود، البيوع، باب الرجوع في الهبة، حديث: 3539، وجامع الترمذي، الولاء والهبة، باب ما جاء في كراهية الرجوع في الهبة، حديث: 2132، ومسند أحمد: 27/2 و 78. [4] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الهبة للولد، حديث: 2586، وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، حديث: 1623 واللفظ له. [5] [حسن] السنن الكبرى للبيهقي: 169/6، والأدب المفرد للبخاري، حديث: 594.

لیکن اگر کوئی شرعی سبب مانع ہو تو ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں، مثال کے طور پر اہلِ مناصب کو ہدیے پیش کیے جاتے ہیں، اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ ہدیہ دینے والے کی مرضی کے مطابق چلیں، سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾

''اور تم اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور انھیں حاکموں کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کے مالوں میں سے کچھ مال گناہ کے ساتھ کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔''[1]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے دونوں فریقوں پر لعنت فرمائی ہے۔[2]

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ بنی اسد کے ایک آدمی کو صدقے کا عامل بنا کر بھیجا، جب وہ واپس آیا تو کہنے لگا: یہ تمھارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے، اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا:

«مَا بَالُ عَامِلٍ أَبْعَثُهُ فَيَقُولُ: هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا أُهْدِيَ لِي أَفَلَا قَعَدَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ فِي بَيْتِ أُمِّهِ حَتّٰى يَنْظُرَ أَيُهْدٰى إِلَيْهِ أَمْ لَا، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَنَالُ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلٰى عُنُقِهِ، بَعِيرٌ لَّهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةٌ لَّهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةٌ تَيْعِرُ». ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَأَيْنَا عُفْرَتَيْ إِبْطَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟» مَرَّتَيْنِ،

''اس عامل کا کیا حال ہے جس کو میں بھیجتا ہوں، واپس آ کر وہ کہتا ہے کہ یہ تمھارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، یہ (آدمی) ذرا اپنے ابا اماں کے گھر بیٹھا رہتا، پھر دیکھتا کہ اسے ہدیہ آتا ہے یا نہیں، قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! جس نے اس میں سے کچھ لیا، وہ اسے قیامت کے دن اپنی گردن پہ اٹھائے ہوئے لائے گا، اونٹ ہوا تو بلبلا رہا ہوگا، گائے ہوئی تو ڈکرا رہی ہوگی، بکری ہوئی تو ممیا رہی ہوگی۔'' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتی کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نمایاں ہوگئی، پھر

[1] البقرة 2:188. [2] [صحيح] سنن أبي داود، القضاء، باب في كراهية الرشوة، حديث: 3580، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، حديث: 1337، سنن ابن ماجه، الأحكام، باب التغليظ في الحيف والرشوة، حديث: 2313.

فرمایا: ”اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔“ آپ نے دو بار یہی جملہ فرمایا۔“ [1]

ہبہ اور اس کے مسائل

ہبہ کی تعریف: شرعی اعتبار اور لغت کی رو سے ہبہ اگر عوض کے بغیر ہو تو اس کے معنی ہدیہ ہی کے ہیں۔

ہبہ بمعنی بیع: اگر ہبہ عوض کے مقابلے میں ہو تو یہ بیع کے حکم میں ہو جاتا ہے کیونکہ جس طرح بیع میں دونوں جانب کی رضا مندی اور ایک دوسرے کا تعاون ہوتا ہے، اسی طرح ہبہ بالعوض میں بھی یہی بات کارفرما ہوتی ہے۔

عمریٰ اور رُقبیٰ کی تعریف: عمریٰ، عمر سے ماخوذ ہے (زندگی بھر کے لیے ہدیہ دینا) زمانۂ جاہلیت میں لوگ ایک دوسرے کو اسی طرح کوئی چیز ہبہ کرتے یا ہدیہ دیتے تھے، مثلاً کہہ دیتے تھے: یہ گھر میں تجھے زندگی بھر کے لیے دیتا ہوں۔

رقبیٰ کا مطلب ہے: انتظار، بعض اوقات ہدیہ اس مشروط طریقے سے دیا جاتا تھا کہ اگر میں مر گیا تو یہ گھر یا زمین تیری ہوئی اور اگر تو مر گیا تو میری! گویا دونوں ہی ایک دوسرے کی وفات کے منتظر ہوتے تھے۔

عمریٰ اور رقبیٰ کا حکم: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ یہ اس کا ہوا جسے ہبہ کیا گیا ہو۔ [2]

جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَمْسِكُوا عَلَيْكُمْ أَمْوَالَكُمْ وَلَا تُفْسِدُوهَا، فَإِنَّهُ مَنْ أَعْمَرَ عُمْرٰى فَهِيَ لِلَّذِي أُعْمِرَهَا، حَيًّا وَّمَيِّتًا وَّلِعَقِبِهِ»

”اپنے مال سنبھال کر رکھو، انھیں خراب نہ کیا کرو، جس نے کوئی چیز عمر بھر کے لیے دی تو یہ اسی کے لیے ہوئی جس کو اس کی زندگی میں دی گئی تھی اور مرنے کے بعد اس کی اولاد کے لیے ہے۔“ [3]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، الأحكام، باب هدايا العمال، حديث: 7174، وصحيح مسلم، الإمارة، باب تحريم هدايا العمال، حديث: 1832 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب ما قيل في العمرٰى والرقبٰى، حديث: 2625، وصحيح مسلم، الهبات، باب العمرٰى، حديث: 1625. [3] صحيح مسلم، الهبات، باب العمرٰى، حديث: 1625.

«لَا عُمْرٰی وَلَا رُقْبٰی. فَمَنْ أُعْمِرَ شَيْئًا أَوْ أُرْقِبَهُ فَهُوَ لَهُ، حَيَاتَهُ وَمَمَاتَهُ»

"کوئی عمرٰی نہیں، کوئی رقبیٰ نہیں جسے کوئی چیز عمر بھر کے لیے دی گئی ہو، یا بطور رقبیٰ دی گئی ہو، تو زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اس کے لیے ہے جسے دی گئی۔"[1]

وکالت اور اس کے مسائل

تعریف: لفظ وَکَالَةٌ واو کے فتح کے ساتھ ہے اور کبھی کسرہ بھی پڑھتے ہیں، اس کے معنی ہیں: کوئی چیز کسی کے سپرد کر دینا اور اس سے اس کی حفاظت کا طلب گار ہونا۔ جب کسی سے کسی چیز کی حفاظت کے لیے کہا جائے تو عربی میں کہا جاتا ہے: «وَكَّلْتُ فُلَانًا» اسی طرح جب آپ کوئی کام کسی کے سپرد کرنا چاہیں تو عربی میں یوں کہا جائے گا: «وَكَّلْتُ الْأَمْرَ إِلَيْهِ».

شرعاً اس سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ ایک آدمی اپنی جگہ دوسرے کو مطلق یا مقید طور پر کھڑا کر دے۔

وکالت کا جواز: یہ عمل قرآن، سنت اور اجماع امت کی رو سے بالکل مشروع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا۝﴾

"چنانچہ اب تم اپنی یہ چاندی (کے سکے) دے کر اپنا ایک آدمی شہر کی طرف بھیجو، پھر وہ دیکھے کہ اس (شہر) کا کون سا شخص طعام کے لحاظ سے پاکیزہ تر ہے، تو وہ اس میں سے تمھارے لیے کچھ کھانا لے آئے اور وہ خوب نرمی (سے بات) کرے اور تمھارے متعلق بالکل کسی کو نہ بتائے۔"[2]

ایک بار آپ ﷺ نے حد جاری کرنے کے سلسلے میں اپنا نائب روانہ فرمایا تھا۔ ابو ہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اے اُنَیس! صبح کو اس کی بیوی کی طرف جانا، اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دینا۔" چنانچہ وہ اگلے دن گئے، عورت نے اعتراف کر لیا، تو رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق اسے رجم کر دیا گیا۔[3]

[1] [صحيح] سنن النسائي، العمرٰى، ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر جابر في العمرٰى، حديث: 3763، وسنن ابن ماجه، الهبات، باب الرقبٰى، حديث: 2382. [2] الكهف 18:19. [3] صحيح البخاري، الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، حديث: 2696,2695، وصحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنٰى، حديث: 1698, 1697.

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو زکاۃ رمضان کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا تھا۔[1]

اور مسلمانوں کا اس عمل کے جواز بلکہ استحباب پر اجماع ہے کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ پر تعاون ہی کی ایک صورت ہے۔ کیونکہ ہر انسان اپنے تمام اعمال بذاتِ خود انجام نہیں دے سکتا، اسے لازماً ضرورت ہوتی ہے کہ کسی دوسرے فرد کو اپنا قائم مقام بنائے۔

اس بیع کا حکم جو وکیل اپنے موکل کے کہے بغیر مزید نفع کے ساتھ کر دے: اس طرح کا تصرف جائز ہے۔ جناب عروہ بارقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اسے ایک دینار دیا کہ ایک بکری خرید لائے۔ چنانچہ اس نے اس سے دو بکریاں خرید لیں، پھر ایک بکری کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس بکری لے آیا اور ایک دینار بھی، آپ علیہ السلام نے اسے اس کے سودے میں برکت کی دعا دی۔ پھر تو اس کا یہ عالم ہو گیا کہ وہ مٹی بھی خریدتا تھا تو اسے اس میں نفع ہوتا تھا۔[2]

صدقہ دینے میں بھی کسی کو وکیل مقرر کیا جا سکتا ہے: معن بن یزید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے والد، میرے دادا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ (آپ سے ہمارے تعلقات نہایت قریبی تھے)۔ آپ ہی نے میرے لیے نکاح کا پیغام بھجوایا، پھر میرا نکاح کر دیا۔ میں نے اپنا ایک معاملہ آپ کے سامنے پیش کیا، آپ نے اس کا فیصلہ فرمایا، مسئلہ یہ تھا کہ میرے والد نے کچھ دینار صدقے کے لیے نکالے اور مسجد میں ایک آدمی کے ہاں رکھوا دیے، چنانچہ میں اس کے پاس گیا اور اس سے وہ دینار حاصل کیے۔ میں وہ دینار اپنے والد کے پاس لے آیا تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تجھے دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ آپ نے میرے والد یزید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «لَكَ مَا نَوَيْتَ يَايَزِيدُ! وَلَكَ مَا أَخَذْتَ يَا مَعْنُ!»
"تیرے لیے وہی ہے اے یزید! جو تو نے نیت کی اور اے معن! تیرے لیے وہ ہے جو تو نے وصول کر لیا۔"[3]

ضمانت اور کفالت کے مسائل

ضامن اور کفیل کی ذمہ داری: جو شخص کسی زندہ یا مردہ فرد کا ضامن اور کفیل ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ

[1] صحيح البخاري، الوكالة، باب إذا وكل رجلا فترك الوكيل شيئًا فأجازه الموكل فهو جائز، وإن أقرضه إلى أجل مسمى جاز، حديث: 2311. [2] صحيح البخاري، المناقب، باب (28)، حديث: 3642. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب: إذا تصدق على ابنه وهو لايشعر، حديث: 1422.

مطالبے پر ضمانت کا مال ادا کر دے۔ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، وَلَا تُنْفِقُ الْمَرْأَةُ شَيْئًا مِّنْ بَيْتِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا». فَقِيلَ يَارَسُولَ اللهِ! وَلَا الطَّعَامَ؟ قَالَ: «ذٰلِكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا»، ثُمَّ قَالَ: «اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ، وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ، وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ»

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، چنانچہ کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہو سکتی اور کوئی عورت اپنے گھر سے شوہر کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ نہیں کر سکتی۔ سوال کیا گیا: اے اللہ کے رسول! اور کھانا بھی نہیں؟ فرمایا: یہ تو ہمارے سب سے افضل مالوں میں سے ہے۔" پھر فرمایا: "مانگی گئی چیز (عاریت) ادا کی جائے، دودھ کا جانور (جو عارضی طور پر دیا گیا ہو) واپس کیا جائے، قرضہ ادا کیا جائے اور ضامن اور کفیل ذمہ دار ہے۔"[1]

جب کسی نے دوسرے سے کہا کہ میری ضمانت دے دو اور پھر وہ ضامن ادائیگی نہ کرے تو اس پہلے فرد کی طرف رجوع کیا جائے گا، بالخصوص جبکہ اس نے ضمانت دینے کا کہا ہو، کیونکہ قرض اصلاً اسی پہلے کے ذمے ہے۔ اور اس کا ضامن کو ضمانت کے لیے کہنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے وہ کسی دوسرے کو مال ادا کر دینے کا کہے (اور وہ اگر ادا نہ کرے) تو پہلے کی طرف ہی مراجعت ہوگی۔

اگر کوئی کسی شخص کو حاضر کرنے کا ضامن ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسے پیش کرے ورنہ وہ اس چیز کا ذمہ دار ہوگا جو ضمانت دیے گئے شخص کے ذمے ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیثِ ابو امامہ میں گزرا ہے۔

حوالہ کا بیان

حوالہ[2] کرنا جائز ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: 3565، وجامع الترمذي، الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، حديث: 2120. [2] حوالہ کہتے ہیں: «نَقْلُ الدَّيْنِ مِنْ ذِمَّةِ الْمُحِيلِ إِلٰى ذِمَّةِ الْمُحَالِ عَلَيْهِ» "مُحِیل (مقروض) کے ذمے سے مُحَال عَلَیہ (جس پر حوالہ دیا گیا ہے) کے ذمے کی طرف قرض کا منتقل ہونا۔"

«مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيٍّ فَلْيَتَّبِعْ»

''غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور تم میں سے جب کسی (قرض خواہ) کو کسی مالدار شخص کا حوالہ دیا جائے (کہ اب فلاں قرض ادا کرے گا) تو قرض خواہ کو چاہیے کہ (حوالہ) قبول کر لے (اور اس مالدار سے جا کر لے لے۔)'' [1]

کیا حوالہ کرنے والا، حوالے کے بعد بری الذمہ ہو جاتا ہے؟ اگر وہ آدمی جس کی طرف حوالہ کیا گیا ہو، ٹال مٹول سے کام لے، یا مفلس ہو جائے تو قرض لینے والے کو حق حاصل ہے کہ اصل قرض دار (حوالہ کرنے والے) سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے کیونکہ قرض حقیقتاً اس کے ذمے ہے، یہ اسی صورت میں اس سے بری الذمہ ہوگا جب حوالے کیا گیا آدمی اسے قبول کرے اور قرض ادا کر دے اور اگر ادائیگی نہ ہو تو قرضہ اصل قرض دار کے ذمے باقی رہے گا جیسا کہ حوالے سے پہلے تھا۔

کوئی دیوالیہ (مفلس) ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

دیوالیہ ہونے والے سے قرض کیسے وصول کیا جائے؟ مقروض کے دیوالیہ اور مفلس ہو جانے کی صورت میں قرض خواہ اپنے مقروض سے کیا کچھ لے سکتے ہیں؟ قرض خواہوں کے لیے جائز ہے کہ اپنے مقروض کے پاس جو کچھ پائیں لے لیں، سوائے ان ضروری چیزوں کے جن کے بغیر چارہ نہیں، مثلاً: گھر، لباس اور اس کی اور اس کے عیال داروں کی غذائی اجناس۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں ایک آدمی نے پھل خریدے جو قدرتی آفت کی زد میں آ گئے، نتیجتاً اس پر بھاری قرض ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ» ''اس کو صدقہ دو۔''

چنانچہ لوگوں نے اسے صدقات دیے، پھر بھی اس کے قرضے ادا نہ ہو سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرض

[1] صحيح البخاري، الحوالات، باب الحوالة، وهل يرجع في الحوالة؟ حديث: 2287، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم مطل الغني وصحة الحوالة، واستحباب قبولها إذا أحيل على ملي، حديث: 1564. یہ اسی صورت میں ہے جب اس مالدار نے حوالے کی یہ ذمہ داری قبول کی ہو۔

خواہوں سے فرمایا: «خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ»

''جو تم پاتے ہو وہی لے لو، بس! تمھارے لیے یہی کچھ ہے۔'' [1]

جسے اپنا مال صحیح سالم اپنے مفلس مقروض کے پاس مل جائے: جسے اپنا مال بعینہٖ اپنے ایسے زندہ مقروض کے پاس مل جائے جو مفلس ہو گیا ہو جبکہ صاحبِ مال نے قیمت میں سے کچھ بھی وصول نہ کیا ہو تو صاحبِ مال ہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ أَوْ إِنْسَانٍ قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ»

''جس نے اپنا مال بعینہٖ اس شخص کے پاس پا لیا جو مفلس اور دیوالیہ ہو گیا ہو، تو وہی دوسروں سے بڑھ کر اس کا زیادہ حقدار ہے۔'' [2]

مال والا کس صورت میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہو گا؟ جب کوئی مفلس شخص مر جائے اور اس کا مال اس کے قرضوں کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہو تو اس صورت میں وہ شخص جس کا مال بعینہٖ موجود ہے دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہو گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

''اگر مال والے نے اپنے مال کی کچھ قیمت وصول کر لی ہو تو وہ اپنے باقی کے واجبات کے لیے دوسرے قرض خواہوں کی مانند (اور) انھی کے برابر ہو گا اور جو شخص وفات پا جائے اور اس کے پاس کسی کا مال بعینہٖ موجود ہے، اب قرض خواہ نے اس کی قیمت سے کچھ وصول کیا ہو یا نہ کیا ہو، اب وہ باقی قرض خواہوں کی مانند انھی کے برابر ہو گا۔'' [3]

کیا کسی افلاس زدہ کو قید کرنا جائز ہے؟ جب کسی کا مفلس اور دیوالیہ ہو جانا صاف ظاہر ہو تو اسے قید کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ عمل اللہ عزوجل کے حکم کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ﴾

''اور اگر (تمھارا مقروض) تنگدست ہو تو آسانی تک اسے مہلت دو۔'' [4]

صاحبِ وسعت کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے جس کی وجہ سے اس کی ہتک کرنا اور اسے سزا دینا حلال ہے:

---

[1] صحيح مسلم، المساقاة، باب استحباب الوضع من الدين، حديث: 1556. [2] صحيح البخاري، الاستقراض، باب إذا وجد ماله عند مفلس في البيع والقرض والوديعة فهو أحق به، حديث: 2402، وصحيح مسلم، المساقاة، باب من أدرك ما باعه عند المشتري، وقد أفلس، فله الرجوع فيه، حديث: 1559. [3] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يفلس فيجد الرجل متاعه بعينه عنده، حديث: 3522. [4] البقرة 2:280.

جناب عمرو بن شرید رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اتنی وسعت والا ہو کہ اپنا قرض ادا کر دے، اس کے باوجود وہ ٹال مٹول سے کام لے، تو اس سے اس کی بے عزتی کرنا حلال ہو جاتا ہے (اسے ڈانٹنا اور ادائے قرض کا احساس دلانا جائز ہے اور اس مقصد کے لیے) اسے سزا بھی دی جا سکتی ہے۔" [1]

دیوالیہ کو مالی تصرفات سے روکنا: حاکمِ وقت کے لیے جائز ہے کہ مفلس اور دیوالیہ کو قرضوں کی ادائیگی تک مالی تصرفات سے روک دے اور اس پر پابندی لگا دے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ پابندی معروف اور شرعی طور پر ثابت ہے۔

جناب عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے ایک سودا کیا، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ہوں اور تم پر پابندی لگواتا ہوں، عبداللہ بن جعفر نے یہ بات زبیر رضی اللہ عنہ سے کہہ دی تو زبیر نے عبداللہ سے کہا کہ میں اس سودے میں تیرا شریک بن جاتا ہوں۔ ادھر علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور کہا کہ اس (عبداللہ بن جعفر) پر پابندی لگا دیجیے، تو زبیر نے کہا: میں اس کا شریک ہوں تو عثمان نے کہا: کیا میں اس آدمی پر پابندی لگاؤں جس کا شریک زبیر ہے؟ [2]

فضول خرچ پر پابندی لگانا: اگر کوئی شخص فضول خرچ ہو یا اس کے تصرفات صحیح نہ ہوں تو اس پر بھی پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ﴾ "اور تم اپنے مال نادان لوگوں کے سپرد نہ کرو۔" [3]

علامہ زمخشری نے (الکشاف: 1/ 471 میں) «سفهاء» کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ جو لوگ فضول خرچ ہوں، اپنے مال نامعقول طور پر خرچ کرنے والے ہوں، ان کو ان میں تصرف کا کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ یہ خطاب سرپرستوں اور اولیاء سے ہے اور مال کو اولیاء کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ مال ایسی چیز ہے جس سے لوگوں کی معیشت قائم ہوتی ہے۔

یتیم کو اس کے مال کا مختار کب بنایا جائے؟ یتیم کے متعلق جب معلوم ہو کہ وہ اب سمجھدار ہو گیا ہے اور رقم ضائع نہیں کرے گا، تبھی اسے اس کے مال میں تصرف کا حق دیا جائے۔ جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا:

[1] [حسن] سنن أبي داود، القضاء، باب في الدين هل يحبس به، حديث: 3628، وسنن النسائي، البيوع، باب مطل الغني، حديث: 4694,4693. [2] [صحيح] السنن الكبرى للبيهقي: 61:6، والمسند للشافعي، حديث: 1754 (موسوعة الإمام الشافعي: 602/10). [3] النسآء 4:5.

﴿ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ ﴾

"اور تم یتیموں کی جانچ پرکھ کرو یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم انھیں سمجھ دار پاؤ تو ان کے مال ان کے سپرد کردو۔"[1]

یتیم کا سرپرست فقیر ہو تو اس کے مال کی سرپرستی کے عوض معروف طریقے سے کچھ رقم لے سکتا ہے:

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت مبارکہ پڑھی:

﴿ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ﴾

"اور جو (سرپرست) مال دار ہو، وہ (یتیم کا مال کھانے سے) بچے اور جو غریب ہو، وہ جائز طریقے سے (اس کا مال) کھا سکتا ہے۔"[2]

اور اس کی تفسیر یہ بیان کی کہ یہ آیت کریمہ یتیم کے مال کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس کا سرپرست اگر فقیر ہو تو اپنی اس خدمت کے عوض میں اس کے مال میں سے معروف انداز میں (کچھ) کھا سکتا ہے۔[3]

لقطہ، یعنی گری پڑی چیز کے احکام

جسے کوئی گری پڑی چیز ملے وہ کیا کرے؟

جسے کوئی گری پڑی چیز ملے، اسے چاہیے کہ اس کا برتن (تھیلی، صندوق یا کپڑا وغیرہ) اور اس کا بندھن خوب اچھی طرح پہچان لے، اگر اس چیز کا مالک آ جائے تو اس کے حوالے کر دے ورنہ ایک سال تک اس کا اعلان کرے۔

یزید، جو منبعث کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے، روایت کرتے ہیں کہ میں نے صحابی زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے چاندی کے لقطہ کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا:

"اس کا بندھن اور اس کا برتن خوب (اچھی طرح) جانے رکھو، پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو۔ اگر اس کی شناخت نہ کی گئی تو تم اسے خرچ کر سکتے ہو۔ یہ تمھارے پاس بطور امانت ہوگی، جب بھی اس کا طلب گار آئے، اسے (معاً) ادا کر دو۔" اس نے آپ سے گمشدہ اونٹ کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا:

[1] النسآء 6:4. [2] النسآء 6:4. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾، حديث: 4575، وصحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث: 3019.

”تجھے اس سے کیا؟ اسے چھوڑ دے، اس کے جوتے اور اس کا مشکیزہ اسی کے ساتھ ہے، پانی پر پہنچ جائے گا اور جھاڑیاں کھاتا رہے گا حتی کہ مالک اسے پالے گا۔“ اس نے آپ سے گمشدہ بکری کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا: ”اسے پکڑ لے، یہ یا تو تیری ہے، یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔“ [1]

سال بھر لقطہ کا اعلان کیا جائے: لقطہ اٹھانے والے کے لیے لقطے کی چیز کا استعمال کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ اس چیز کا سال بھر تک اعلان کرے۔ سوید بن غفلہ کہتے ہیں: میں جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملا تو انھوں نے کہا: مجھے ایک تھیلی ملی جس میں سو دینار تھے۔ میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا (اور اس کے بارے میں پوچھا) آپ نے فرمایا: ”ایک سال تک اس کا اعلان کرو۔“ میں نے ایک سال تک اعلان کیا لیکن اس کا مالک نہ ملا، پھر میں آپ کے پاس آیا، آپ نے فرمایا: ”ایک سال اور اعلان کرو۔“ میں نے (ایک سال) اور اعلان کیا لیکن مالک نہ ملا۔ پھر میں تیسری دفعہ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا: ”اس کے برتن، گنتی اور بندھن کو پہچاننا اور یاد رکھنا۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو واپس کر دینا ورنہ استعمال کر لینا۔“ (مالک نہ آیا تو) میں نے اسے استعمال کر لیا۔ (شعبہ کہتے ہیں:) میں سلمہ بن کہیل سے اس کے بعد مکہ میں ملا تو انھوں نے کہا: مجھے یاد نہیں کہ آپ نے تین سال (اعلان کرنے کا) فرمایا یا ایک سال۔ [2]

(فتح الباري :80,79/5 میں) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ معلوم یوں ہوتا ہے راویِ حدیث سلمہ بن کہیل کو اس روایت میں تین سال کے بارے میں غلط فہمی ہوئی، پھر انھیں یاد آ گیا، تو بعد میں ایک ہی سال کا کہتے رہے اور روایات میں بات وہی لی جاتی ہے جس میں راوی کو شک نہ ہو۔

مکہ کی گری پڑی چیز (لقطہ) کی خوب تشہیر کرنا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ سے نوازا تو آپ لوگوں کے ہجوم میں کھڑے ہو گئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور (مکہ کی حرمت کے ضمن میں مکے کی لقطے کے بارے میں) فرمایا: «لَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ»

”یہاں کی گری پڑی چیز اٹھا لینا (کسی کے لیے) حلال نہیں ہے سوائے اس شخص کے لیے جو اس کا اعلان کرے۔“ [3]

اگر لقطہ کوئی معمولی اور حقیر چیز ہو تو اس کا استعمال کر لینا جائز ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک

[1] صحيح البخاري، في اللقطة، باب ضالّة الغنم، حديث :2428، وصحيح مسلم، اللقطة، باب معرفة العفاص والوكاء وحكم ضالة الغنم والإبل، حديث: 1722. [2] صحيح البخاري، في اللقطة، باب: إذا أخبر رب اللقطة بالعلامة دفع إليه، حديث:2426. [3] صحيح البخاري، في اللقطة، باب:كيف تعرّف لقطة أهل مكة، حديث :2434، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها وشجرها ولقطتها إلا لمنشد على الدوام، حديث :1355.

بار) نبی ﷺ کو کھجور کا ایک دانہ ملا، آپ نے فرمایا: «لَوْلَا أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا» ”اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا یہ صدقے کی ہوگی تو میں اسے کھالیتا۔“ [1]

اونٹ کے سوا دوسرے گم شدہ مویشی پکڑ لیے جائیں: جیسا کہ زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا صحیح حدیث میں بیان ہوا ہے۔

صلح کے مسائل

صلح اور اصلاح شرعاً مطلوب ہے: اللہ عز وجل کا فرمان ہے:

﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾

”ان کی اکثر خفیہ سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی مگر جو شخص صدقے یا نیکی یا لوگوں کے درمیان صلح کا حکم دے (تو یہ اچھی بات ہے۔)“ [2]

کون سی صلح ناجائز ہوتی ہے؟ جب اس صلح کے ذریعے سے کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام ٹھہرانے کی بات ہو تو ایسی صلح ناجائز ہوتی ہے۔ جناب عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، إِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا، وَالْمُسْلِمُونَ عَلٰى شُرُوطِهِمْ، إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا»

”مسلمانوں کو (ہر طرح کی) صلح کر لینی جائز ہے، سوائے ایسی صلح کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال ٹھہرانے والی ہو۔ اور مسلمان اپنی شرطوں پر قائم رہنے کے پابند ہیں، سوائے کسی ایسی شرط کے جو کسی حلال کو حرام بنائے یا حرام کو حلال ٹھہرائے۔“ [3]

کسی معاملے کی تفصیل معلوم ہو یا نہ ہو، صلح کر لینی جائز ہے: ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمی آئے وہ میراث کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے اور ان کے پاس اپنے اپنے

---

[1] صحيح البخاري، في اللقطة، باب: إذا وجد تمرة في الطريق، حديث: 2431، وصحيح مسلم، الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وعلى آله، وهم بنوهاشم وبنوالمطلب دون غيرهم، حديث: 1071 واللفظ له. [2] النسآء 4:114. [3] [صحيح] جامع الترمذي، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، حديث: 1352، وسنن ابن ماجه، الأحكام، باب الصلح، حديث: 2353.

دعوے کے سوا کوئی اور گواہ نہ تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں ایک بشر ہی ہوں
«إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَّكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِي لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا، فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ بِهِ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ»

''تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لے آتے ہو، ہوسکتا ہے کہ کوئی اپنی بات اور دلیل پیش کرنے میں اپنے مدمقابل سے بڑھ کر تیز طرار ہو اور ممکن ہے کہ میں اس کی بات سے متاثر ہو کر اسی کے مطابق فیصلہ کر دوں (جبکہ اصل حقیقت اس کے برعکس ہو)، پس جس شخص کو میں اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دے ڈالوں، وہ اس سے کچھ بھی نہ لے، کیونکہ میں اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کے دے رہا ہوں!''

تو وہ دونوں رونے لگے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے کہنے لگا: میرا حق تیرے لیے ہے نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جب تم نے ایسا کر لیا ہے تو آپس میں تقسیم کر لو اور حق کا ارادہ کرو، پھر (حصے کی تعیین کے لیے) آپس میں قرعہ ڈال لو، پھر ممکنہ زیادتی ایک دوسرے سے معاف کرالو۔'' [1]

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صلح کر لینا اور نامعلوم حق سے بری ہونا یا کر دینا بھی جائز ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد (عبداللہ رضی اللہ عنہ) اُحد کے دن شہید ہو گئے، ان پر بڑا قرض تھا، قرض خواہوں نے اپنے واجبات کے لیے بڑی سختی کی، میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ وہ لوگ میرے باغ کا پھل (جس قدر بھی ہے) لے لیں اور باقی (قرض کے سلسلے میں) میرے والد کو بری کر دیں، مگر وہ لوگ نہ مانے اور نبی ﷺ نے بھی میرا باغ ان کے حوالے نہیں کیا بلکہ فرمایا:

''کل صبح میں تمھارے ہاں آؤں گا۔'' چنانچہ آپ اگلی صبح ہمارے ہاں تشریف لائے، آپ نے کھجوروں میں ایک چکر لگایا اور پھل میں برکت کی دعا فرمائی۔ جب میں نے پھل اتارا تو ان سب کے مطالبات پورے کر دیے اور ہمارے لیے بھی پھل بچ رہا۔ [2]

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معلوم قرضے کے بدلے میں قرض خواہوں کو کھجوروں کی نامعلوم مقدار پیش کی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

[1] سنن أبي داود، القضاء، باب في قضاء القاضي إذا أخطأ، حديث: 3584، مزید دیکھیے: صحيح البخاري، الحيل، باب (10)، حديث: 6967، وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أن حكم الحاكم لا يغير الباطن، حديث: 1713. [2] صحيح البخاري، الاستقراض، باب: إذا قضى دون حقه أو حلله فهو جائز، حديث: 2395.

حد قتل کے بدلے میں صلح کر لینے کا جواز: جناب عمرو بن شعیب اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ [مُؤْمِنًا] مُتَعَمِّدًا دُفِعَ إِلٰى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ، فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا أَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلَاثُونَ حِقَّةً وَّثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَّأَرْبَعُونَ خَلِفَةً وَّمَا صَالَحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ»

''جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا ہو، اسے مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے، وہ چاہیں تو قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو دیت لے لیں جو یہ ہے: تیس اونٹنیاں حقہ (تین سالہ چوتھے میں شروع) تیس عدد جذعہ (چار سالہ پانچویں میں شروع) اور چالیس عدد حاملہ، یا جس پر وہ صلح کر لیں تو وہ ان ہی کا حق ہے۔'' [1]

انکار اور سکوت (خاموشی) پر صلح کا جواز: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کے زمانے میں ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہما سے مسجد میں اپنے ایک قرض کا مطالبہ کیا، اس میں ہماری آوازیں بلند ہو گئیں حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی سن لیں، آپ اپنے گھر ہی میں تھے کہ باہر نکلے، آپ ﷺ نے حجرے کا پردہ اٹھایا اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو آواز دی:

«يَا كَعْبُ!» فَقَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ! فَأَشَارَ إِلَيْهِ بِيَدِهِ: أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ. قَالَ كَعْبٌ: قَدْ فَعَلْتُ، يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «قُمْ فَاقْضِهِ»

''اے کعب!'' میں نے کہا: لبیک! اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ تم اپنا آدھا قرض چھوڑ دو، کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے چھوڑ دیا۔ پھر آپ نے (ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہما سے) فرمایا: ''اٹھو اور باقی قرض اسے ادا کر دو۔'' [2]

اس حدیث سے استدلال یوں ہے کہ دو آدمیوں میں جھگڑا ہوا، اگر جھگڑا مقدار کے معاملے میں ہو تو یہ انکار پر صلح ہے، یعنی فریق ثانی مقدار کا اعتراف نہیں کرتا۔ اور شارع نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اگر جلدی ادا کرنے یا تاخیر کرنے کے بارے میں تنازعہ ہو تب بھی یہ ''انکار پر صلح'' ہے۔ کیونکہ مدت کے انکاری کے ساتھ اسی بات پر صلح ہو رہی ہے کہ وہ قرض کا کچھ حصہ فوری طور پر ادا کر دے اور بقیہ قرض مدت کے دعوے کے مقابلے میں اس نے چھوڑ دیا۔

[1] [حسن] جامع الترمذي، الديات، باب ما جاء في الدية كم هي من الإبل، حديث: 1387، وسنن ابن ماجه، الديات، باب من قتل عمدًا، فرضوا بالدية، حديث: 2626. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب التقاضي والملازمة في المسجد، حديث: 457، وصحيح مسلم، المساقاة، باب استحباب الوضع من الدين، حديث: 1558 واللفظ له.

قسموں کے احکام ومسائل

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ
اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ
الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ
مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ
تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ
ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ
وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ

(المائدة 5:89)

قسمیں اور ان کے ذیلی مسائل

تعریف: لفظ «أَيمان» (ہمزہ کی فتحہ کے ساتھ) يَمِين کی جمع ہے اور لغت میں یمین کا لفظ دراصل ہاتھ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور قسم کے لیے اس مناسبت سے استعمال ہوتا ہے کہ عرب لوگ قسم اٹھاتے ہوئے ایک دوسرے کا ہاتھ بھی تھام لیتے تھے۔

شریعت اور اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی معاملے کو تاکیدی طور پر پختہ بنانے کے لیے اس میں اللہ عزوجل کا مبارک نام یا اس کی کسی صفت کا ذکر کیا جائے۔

قسم کس طرح کھائی جاتی ہے؟ قسم اللہ عزوجل کے کسی مبارک نام یا اس کی کسی صفت کا حوالہ دے کر کھائی جاتی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی قسم اس طرح کے الفاظ میں ہوتی تھی:

«لَا، وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ» ”قسم ہے اس ذات کی جو دلوں کو پھیرنے والی ہے!“ [1]

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہم روانہ فرمائی اور اس میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر دیا، تو کچھ لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا، آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

«إِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمْرَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمْرَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ، وَأَيْمُ اللهِ! إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِّلْإِمَارَةِ»

”اگر تم اس کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو تو تم اس سے پہلے اس کے والد (زید رضی اللہ عنہ) کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، قسم اللہ کی! وہ بلاشبہ امارت کا اہل تھا......“ [2]

اللہ عزوجل کے نام یا صفات کے سوا کسی اور کی قسم اٹھانا حرام ہے: جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک قافلے میں دیکھا کہ وہ اپنے باپ کے نام سے قسم اٹھا رہے

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب: كيف كانت يمين النبي ﷺ؟ حديث: 6628. [2] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قول النبي ﷺ: «وأيمُ الله»، حديث: 6627، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل زيد بن حارثه وابنه أسامة رضي الله عنهما، حديث: 2426.

تھے، نبی ﷺ نے صحابہ کو بلند آواز سے پکارا اور فرمایا:

«أَلَا ! إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ وَإِلَّا فَلْيَصْمُتْ»

''خبردار! اللہ تمھیں اپنے باپوں کے نام سے قسمیں اٹھانے سے منع کرتا ہے، جس نے قسم اٹھانی ہو، وہ اللہ کے نام کی قسم اٹھائے، ورنہ خاموش رہے۔''[1] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ: بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى، فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ»

''جس نے اپنی قسم میں لات اور عزیٰ کی قسم اٹھائی، اسے چاہیے کہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ» پڑھے۔''[2]

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین وملت کی قسم اٹھائے تو وہ اسی کی طرح ہے: ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ سِوَى الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ»

''جس نے ملتِ اسلام کے علاوہ کسی اور دین وملت کی عمداً جھوٹی قسم اٹھائی، تو وہ ویسے ہی ہو گیا جیسا کہ اس نے کہا۔''[3]

جو شخص قسم اٹھاتے ہوئے استثنا کر لے (ان شاء اللہ کہہ لے) اس کی قسم نہیں ٹوٹتی: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللهُ لَمْ يَحْنَثْ»

''جو شخص کوئی قسم اٹھاتے ہوئے ''ان شاء اللہ'' کہہ دے، تو اس کی قسم نہیں ٹوٹتی۔''[4]

جو شخص کسی بات پر قسم کھا لے، پھر اسے اس کے برعکس بات بہتر معلوم ہو تو وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور وہ بہتر کام کر لے: عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ! لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُوتِيتَهَا عَنْ مَّسْأَلَةٍ وُّكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُوتِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب من لم ير إكفار من قال ذٰلك متأولا أو جاهلا، حديث: 6108، وصحيح مسلم، الأيمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالى، حديث: 1646. [2] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب: لا يحلف باللات والعزى ولا بالطواغيت، حديث: 6650، وصحيح مسلم، الأيمان، باب من حلف باللات والعزّى، فليقل: لا إلٰه إلا الله، حديث: 1647. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب ماجاء في قاتل النفس، حديث: 1363، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الانسان نفسه وأن من قتل نفسه بشيء عذب به في النار......، حديث: 110 واللفظ له. [4] [صحيح] جامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ماجاء في الاستثناء في اليمين، حديث: 1532، وسنن ابن ماجه، الكفارات، باب الاستثناء في اليمين، حديث: 2104.

غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَّمِينِكَ وَائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ»

''اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! امارت اور سربراہی کا مطالبہ نہ کرنا، اگر یہ تجھے تیرے مانگنے پر دی گئی تو تو اس کے حوالے کر دیا جائے گا (پھر تجھے اللہ کی طرف سے مدد نہیں ملے گی) اور اگر مانگے بغیر تجھے امارت سونپ دی گئی تو تیری مدد کی جائے گی۔ اور جب تو کسی بات پر قسم اٹھا لے اور پھر اسی کے برعکس بات تجھے بہتر معلوم ہو، تو اپنی قسم کا کفارہ دے اور بہتر صورت پر عمل کر۔'' [1]

اگر کسی کو قسم پر مجبور کر دیا گیا، وہ قسم توڑنے پر گنہگار نہیں ہوگا: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ» ''اللہ نے میری امت سے غلطی اور بھول چوک اور جبر و اکراہ (سے سرزد ہونے والی تقصیرات اور گناہ) اٹھا لیے ہیں۔'' [2]

جھوٹی قسم انسان کو گناہ میں غرق کر دیتی ہے: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا:

«اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ»، قَالَ: «ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ»، قَالَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: «اَلْيَمِينُ الْغَمُوسُ»، قُلْتُ: وَمَا الْيَمِينُ الْغَمُوسُ؟ قَالَ: «اَلَّذِي يَقْتَطِعُ مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ هُوَ فِيهَا كَاذِبٌ»

''اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔'' اس نے دریافت کیا: پھر؟ فرمایا: ''والدین کی نافرمانی۔'' اس نے پوچھا: اس کے بعد؟ فرمایا: ''یمین غموس، یعنی جھوٹی قسم۔'' میں نے عرض کیا: (اے اللہ کے رسول!) یمین غموس کیا ہے؟ فرمایا: ''وہ جو (خلافِ حقیقت قسم کھا کر) کسی مسلمان کا مال مار لے، حالانکہ وہ اس میں جھوٹا ہو۔'' [3]

عادت کے زیر اثر تکیۂ کلام میں کھائی جانے والی قسم: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝﴾

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قول الله تعالى: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَانِكُمْ﴾، حديث: 6622، وصحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينًا، فرأى غيرها خيرًا منها، أن يأتي الّذي هو خير ويكفر عن يمينه، حديث: 1652.

[2] [صحيح] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب المكره والناسي، حديث: 2045، والمستدرك للحاكم: 2/198، والمعجم الكبير للطبراني: 11/134,133، حديث: 11274. [3] صحيح البخاري، استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب إثم من أشرك بالله وعقوبته في الدنيا والآخرة، قال الله عزوجل: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝﴾ ......، حديث: 6920.

''اللہ تمھاری لغو قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا لیکن وہ ان قسموں پر تمھیں ضرور پکڑے گا جن کا تمھارے دلوں نے ارادہ کیا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت حوصلے والا ہے۔''[1]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کریمہ ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ﴾ کے پس منظر کے متعلق فرماتی ہیں کہ اس سے مراد ایسی قسمیں ہیں جو آدمی کی زبان پر بے ارادہ آ جاتی ہیں، یعنی: لَا، وَاللّٰهِ! بَلٰی، وَاللّٰهِ![2]

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کی قسم پوری کر دے: براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات امور سے منع فرمایا: آپ نے ہمیں حکم دیا کہ مریض کی عیادت کریں، جنازے میں شریک ہوں، چھینک مارنے والے کو جواب دیں، جو قسم ڈال دے، اس کی قسم پوری کریں، مظلوم کی مدد کریں، دعوت قبول کریں اور سلام کو خوب پھیلائیں اور ہمیں ممانعت فرمائی سونے کی انگوٹھیوں سے، چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے، ریشم کے سرخ زین پوش استعمال کرنے کی اور ریشم کے لباس کی (خواہ کسی قسم کا ہو، مثلاً) قِسِّيّ (مصری مخلوط ریشم) موٹا ریشم اور باریک ریشم۔[3]

قسم کا کفارہ: اگر کوئی اپنی قسم توڑ بیٹھے تو اس کو تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت لازماً اختیار کرنی ہوگی: دس مسکینوں کو ایسا کھانا کھلانا جیسا وہ خود کھاتا ہو، یا ان کے لیے کپڑے مہیا کرنا، یا کوئی گردن آزاد کرنا۔

اور جو ان تینوں امور سے عاجز ہو، وہ تین دن کے روزے رکھے۔ اس کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ پہلی تینوں میں سے وہ کسی ایک کی قدرت رکھتا ہو لیکن اس کی بجائے روزے کے ذریعے کفارہ ادا کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ ﴾

''اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا لیکن ان قسموں پر ضرور پکڑے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں، چنانچہ اس کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو

[1] البقرة 2:225. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ ﴾، حديث: 4613. [3] صحيح البخاري، اللباس، باب خواتيم الذهب، حديث: 5863، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء وخاتم الذهب والحرير......، حديث: 2066.

یا انھیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن (غلام) آزاد کرانا ہے، پھر جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو (اس کے لیے) تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔'' [1]

حرام لفظ کے ذریعے سے قسم: اگر کوئی یوں قسم اٹھائے کہ میرا کھانا مجھ پر حرام ہے، یا فلاں کے گھر میں جانا مجھ پر حرام ہے تو اس طرح یہ کام فی الواقع حرام نہیں ہو جاتے ہیں لیکن یہ کام کرنے کی صورت میں اس پر قسم کا کفارہ دینا لازم آتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ۚ ﴾

''اے نبی! آپ حرام کیوں ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہیں۔ اور اللہ خوب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔ تحقیق اللہ نے تمھارے لیے تمھاری (ناجائز) قسمیں کھولنا (توڑنا) فرض کر دیا ہے۔'' [2]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (اپنی زوجہ) زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پیا کرتے تھے اور کچھ وقت ان کے ہاں رکے رہتے تھے، میں نے اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپس میں اتفاق کر لیا کہ آپ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں تو وہ یہ پوچھے کہ کیا آپ نے مغافیر (بوٹی کا رس) پیا ہے؟ کیونکہ مجھے آپ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے، آپ نے فرمایا: ''نہیں، میں نے تو زینب بنت جحش کے ہاں شہد پیا ہے، آئندہ ہرگز نہیں پیوں گا۔ میں نے قسم اٹھالی ہے اور اس بات کا کسی سے ذکر مت کرنا۔'' [3]

[1] المائدة 5:89. [2] التحريم 66:1، 2. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ﴾، حديث: 4912.

9

نذر کے احکام ومسائل

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ یَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ○

(الدھر7:76)

نذر ماننا اور اس کے مسائل

تعریف: امام راغب اصفہانی نے نذر کی یہ تعریف کی ہے: کوئی اتفاقی معاملہ پیش آ جانے پر اپنے آپ پر کوئی ایسی چیز واجب کر لینا جو واجب نہ ہو، نذر کہلاتی ہے۔ [1]

نذر ماننا جائز ہے: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ﴾

''اور تم کسی قسم کا خرچ کرو یا کوئی بھی نذر مانو تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔'' [2]

دوسری جگہ فرمایا: ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝﴾

''پھر چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور چاہیے کہ اپنی نذریں پوری کریں اور چاہیے کہ قدیم گھر (بیت اللہ) کا طواف کریں۔'' [3]

اور اللہ عزوجل نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو اپنی نذریں پوری کرتے ہیں:

﴿يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝﴾

''وہ اپنی نذریں پوری کرتے اور اس دن سے خوف کھاتے ہیں جس کی آفت (ہر طرف) پھیلی ہوگی۔'' [4]

نذر ماننا کب درست ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لیے نذر مان لینا بالکل درست اور جائز ہے۔ تاہم ضروری ہے کہ اس سلسلے میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والی ہو، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ»

''جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہو، اسے چاہیے کہ اللہ کی اطاعت کرے، یعنی اپنی نذر پوری کرے اور جس نے اس کی کسی نافرمانی کی نذر مانی ہو، وہ اس سے باز رہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔'' [5]

[1] المفردات في غريب القرآن، ص: 489. [2] البقرة 2:270. [3] الحج 22:29. [4] الدهر 76:7. [5] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب النذر في الطاعة ﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ﴾، حديث: 6696.

مُعلَّق، یعنی مشروط نذر ماننا منع ہے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا: «إِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَّلٰكِنَّهُ يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»

''اس سے کوئی بلا رد نہیں ہوتی ہے، البتہ بخیل (کی جیب) سے اس کے ذریعے سے کچھ نکال لیا جاتا ہے۔'' [1]

جناب سعید بن حارث سے روایت ہے کہ انھوں نے جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے: کیا لوگوں کو نذریں ماننے سے روکا نہیں گیا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنَّ النَّذْرَ لَا يُقَدِّمُ شَيْئًا وَّلَا يُؤَخِّرُ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِالنَّذْرِ مِنَ الْبَخِيلِ»

''بلاشبہ نذر کسی چیز کو مقدم کرتی ہے نہ مؤخر، بلکہ اس کے ذریعے سے بخیل (کے مال) سے کچھ نکال لیا جاتا ہے۔'' [2]

نذرِ معصیت کی چند مثالیں: * قبروں کے لیے نذریں ماننا۔

* مسجدوں میں مسرفانہ زیب وزینت کی نذریں ماننا۔

یہ نذریں اللہ عزوجل کی اطاعت ورضا والی نذریں نہیں ہیں، یہ نذریں قرآن وحدیث کی تعلیمات کے منافی ہیں۔

خلافِ شریعت کام کی نذر ممنوع ہے: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جو کھڑا ہوا تھا، آپ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا، تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہے، اس نے نذر مان رکھی ہے کہ کھڑا رہے گا، نہ بیٹھے گا، نہ سایہ حاصل کرے گا، نہ بولے گا اور روزے سے رہے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ، وَلْيَسْتَظِلَّ، وَلْيَقْعُدْ، وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ»

''اسے کہو کہ بات چیت کرے، سایہ حاصل کرے اور بیٹھ جائے، البتہ اپنا روزہ پورا کر لے۔'' [3]

استطاعت سے ماوراء نذر کو پورا کرنا انسان پر لازم نہیں: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا، اسے اس کے بیٹوں کے درمیان سہارے سے چلایا جا رہا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''اسے کیا ہوا ہے؟'' صحابہ نے بتایا کہ اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب الوفاء بالنذر، وقول الله تعالى: ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾، حديث: 6693، وصحيح مسلم، النذر، باب النهي عن النذر وأنه لا يرد شيئًا، حديث: 1639. [2] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب الوفاء بالنذر وقول الله تعالى: ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾، حديث: 6692، وصحيح مسلم، النذر، باب النهي عن النذر وأنه لا يردُّ شيئًا، حديث: 1639. [3] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب النذر فيما لا يملك، وفي معصية، حديث: 6704.

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے خود کو عذاب میں ڈالنے سے غنی ہے۔'' پھر آپ نے اسے سوار ہونے کا حکم دیا۔ [1]

معصیت اور ہمت سے زیادہ کام کی نذر پر کفارے کا حکم: جناب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ» ''نذر کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے۔'' [2]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةٍ، وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ» ''معصیت میں کوئی نذر نہیں، اور اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے۔'' [3]

یہ حدیث مختلف اسانید کی روشنی میں صحیح ہے۔

کسی نے شرک کے دنوں میں اطاعت کی کوئی نذر مانی ہو تو مسلمان ہو جانے کے بعد اسے پورا کرنا چاہیے:

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد (عمر رضی اللہ عنہ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے ایامِ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا، اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی نذر پوری کرو۔'' [4]

سارا مال صدقہ کرنے کی نذر: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (اور یہ ان تین صحابہ میں سے ایک ہیں جو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور سورۂ توبہ کی آیت :118 ان ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی) ان کی تفصیلی حدیث کے آخر میں ہے کہ انھوں نے کہا: میری توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول کے لیے صدقہ کر کے اس سے دستبردار ہو جاؤں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ» ''اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھ لو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔'' [5]

بیٹے کا والدین کی وفات کے بعد ان کی نذر پوری کرنا درست ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ماں کی نذر کے متعلق دریافت کیا، جسے پوری کیے بغیر وہ وفات پا گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَاقْضِهِ عَنْهَا» ''تم اس کی طرف سے پوری کر دو۔'' [6]

---

[1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب من نذر المشي إلى الكعبة، حديث :1865، وصحيح مسلم، النذر، باب من نذر أن يمشي إلى الكعبة، حديث : 1642. [2] صحيح مسلم، النذر، باب في كفارة النذر، حديث :1645. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب من رأى عليه كفارة إذا كان في معصية، حديث:3290، وجامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ما جاء عن رسول الله ﷺ: أن لا نذر في معصية، حديث: 1524. [4] صحيح البخاري، الاعتكاف، باب الاعتكاف ليلًا، حديث :2032، وصحيح مسلم، الأيمان، باب نذر الكافر، ومايفعل فيه إذا أسلم، حديث : 1656. [5] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب إذا أهدى ماله على وجه النذر والتوبة، حديث: 6690، وصحيح مسلم، التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه، حديث :2769. [6] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب من مات و عليه نذر، حديث :6698، وصحيح مسلم، النذر، باب الأمر بقضاء النذر، حديث :1638 واللفظ له .

10

کھانوں کے احکام ومسائل

يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○

(البقرة 2:168)

حرام غذائیں

کھانے پینے کی اشیاء کے بارے میں اصلی قاعدہ یہ ہے کہ وہ حلال ہیں: اصل میں سب چیزیں حلال ہیں اور حرام وہی چیزیں ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾

''اے لوگو! تم ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال اور پاکیزہ ہیں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾

''اے بنی آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو، اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو، بے شک وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: جو زینت اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں، وہ کس نے حرام کی ہیں؟'' [2]

کھانے پینے کی چیزوں میں سے حرام وہی ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں یا نبی ﷺ کی زبانی حرام قرار دیا ہو۔ اور جس چیز کو اللہ نے حرام نہ کیا ہو، اسے حرام قرار دینا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾

''کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو، اللہ نے تمھارے لیے جو رزق نازل کیا، پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال ٹھہرالیا۔ کہہ دیجیے: کیا اللہ نے تمھیں (یہ) حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو؟ اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، روز قیامت کے بارے میں؟'' [3]

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

[1] البقرة 168:2. [2] الأعراف 32,31:7. [3] يونس 60,59:10.

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

"اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بیان کرنے کی وجہ سے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (ان کے لیے) تھوڑا سا فائدہ ہے اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔" [1]

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو چیز اللہ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دی ہے، وہی حلال ہے اور جسے حرام ٹھہرایا ہے، وہ حرام ہے اور جس چیز کی نسبت خاموشی اختیار فرمائی ہے، اس میں آرام و عافیت ہے، پس اللہ کی طرف سے دیے گئے آرام و عافیت کو قبول کرو، پھر یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝﴾ [2] "اور آپ کا رب کبھی بھولنے والا نہیں۔" [3]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

«فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ»

"جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں، تو جس قدر ہمت ہو کر گزرو اور جب کسی چیز سے روکوں تو اسے چھوڑ دو۔" [4]

قرآن کریم میں بیان کردہ حرام اشیاء: سورۂ انعام میں ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ﴾

"اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس (حلال جانور) کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمھارے لیے ان (سب جانوروں) کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کیے ہیں، مگر جسے تم کھانے پر مجبور ہو جاؤ (تو اس کے کھانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔)" [5]

حرام غذا کی تفصیل سورۂ مائدہ کی تیسری آیت میں بیان فرمائی گئی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ

[1] النحل 16:116،117. [2] مريم 19:64. [3] [حسن] المستدرك للحاكم: 2/375. [4] صحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث: 1337، والنسائي، مناسك الحج، باب وجوب الحج، حديث: 2620. [5] الأنعام 6:119.

نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳﴾

"تمھارے لیے حرام کیے گئے ہیں مردہ جانور، خون، سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے سے مرجانے والا، چوٹ لگ کر مرنے والا، اوپر سے گر کر مرجانے والا، کسی کا سینگ لگ کر مرنے والا اور وہ جانور بھی جسے درندے کھا جائیں، سوائے اس کے جسے تم ذبح کرلو اور وہ جانور جو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تم فال کے تیروں سے قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔ آج وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، تمھارے دین سے ناامید ہو گئے، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھی سے ڈرو، آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا، پس جو شخص بھوک سے بے بس ہو جائے جبکہ وہ گناہ پر مائل ہونے والا نہ ہو، تو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔" [1]

«اَلْأَزْلَام» کی تفسیر یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے عربوں نے کچھ تیر قرعہ اندازی اور فال گیری کے لیے خاص کر رکھے تھے، بعض تیروں پر لکھ رکھا تھا: «أَمَرَنِي رَبِّي» "میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے" کچھ پر لکھا تھا: «نَهَانِي رَبِّي» "میرے رب نے مجھے منع کیا ہے۔" اور کچھ تیر بغیر تحریر کے خالی بھی تھے، جب انھیں کوئی سفر درپیش ہوتا یا شادی کرنا چاہتے تو اپنے بت خانے میں آ جاتے تھے جہاں یہ تیر رکھے ہوتے تھے۔ پھر وہ ان تیروں سے فال نکالتے تھے، اگر وہ تیر نکلتا جس میں کام کرنے کا اشارہ ہوتا تو وہ کام کر گزرتے تھے اور اگر ممانعت کا تیر نکلتا تو اس کام سے باز رہتے تھے اور اگر خالی تیر نکلتا تو پھر ان تیروں کو بار بار نکالتے تھے حتی کہ کام کا حکم دینے والا تیر یا کام سے روکنے والا تیر نکل آتا۔

سورۂ انعام میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَاۡكُلُوۡا مِمَّا لَمۡ یُذۡكَرِ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَیۡهِ وَاِنَّهٗ لَفِسۡقٌ ؕ ﴾

"اور تم اس (جانور) کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو، اور یہ (کھانا) یقیناً نافرمانی ہے۔" [2]

مزید فرمایا:

﴿ قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّكُوۡنَ مَیۡتَةً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ فَاِنَّهٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُهِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ ﴾

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر جو اسے کھائے، حرام ہو مگر یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت، کیونکہ وہ ناپاک

[1] المآئدة 5:3. [2] الأنعام 6:121.

ہے، یا وہ فسق ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔'' [1]

مزید فرمایا گیا ہے: ﴿ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ﴾

''اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو، تمھارے لیے خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے۔'' [2]

اور سورۂ اعراف میں ہے: ﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَٰٓئِثَ ﴾ ''اور وہ ان پر ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے۔'' [3]

سنت نبویہ میں حرام ٹھہرائی گئی غذائیں: * ہر وہ درندہ جو کچلیوں والا ہو: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ ذِي نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ، فَأَكْلُهُ حَرَامٌ»

''ہر وہ درندہ جو کچلیوں والا ہو، اس کا کھانا حرام ہے۔'' [4]

* وہ پرندے جو اپنے پنجوں سے شکار کرتے ہیں: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس درندے سے منع فرمایا ہے جو نیش دار ہو اور ہر اس پرندے سے (بھی) جو اپنے پنجوں سے شکار کرتا ہے۔ [5]

* پالتو گدھے: براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم پالتو (گھریلو) گدھوں کا گوشت انڈیل دیں، کچا ہو یا پکا ہوا، پھر اس کے بعد آپ نے ہمیں اس کے کھانے کا کوئی حکم نہیں دیا۔ [6]

* گندگی کھانے والا جانور جب تک اس کی مکمل اندرونی صفائی نہ ہو جائے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ جانور (گندگی خور جانور) اور اس کے دودھ سے منع فرمایا ہے۔ [7]

* کتا: اس کی حرمت میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے۔ یہ درندہ بھی ہے اور مردار خور جانور ہے۔ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھانے سے بھی منع کیا گیا ہے، جیسا کہ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، فاحشہ کی کمائی اور کاہن کی شیرینی (کھانے) سے منع فرمایا ہے۔ [8]

یہ ایک مسلمہ شرعی قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز حرام ہو تو اس کی آمدنی اور قیمت بھی حرام ہوتی ہے۔ جیسے کہ

[1] الأنعام 145:6. [2] المآئدة 96:5. [3] الأعراف 157:7. [4] صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب تحريم أكل كل ذي ناب من السباع و كل ذي مخلب من الطير، حديث: 1933. [5] صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب تحريم أكل كل ذي ناب من السباع و كل ذي مخلب من الطير، حديث: 1934. [6] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4226، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب تحريم أكل لحم الحمر الإنسية، حديث: 1938. [7] [صحيح] سنن أبي داود، الأطعمة، باب النهي عن أكل الجلالة وألبانها، حديث: 3785، وسنن ابن ماجه، الذبائح، باب النهي عن لحوم الجلالة، حديث: 3189. [8] صحيح البخاري، البيوع، باب ثمن الكلب، حديث: 2237، وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب، وحلوان الكاهن ومهر البغي والنهي عن بيع السنور، حديث: 1567.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے پاس بیٹھے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور ہنس دیے، پھر فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ» ثَلَاثًا ، «إِنَّ اللهَ تَعَالَى حَرَّمَ عَلَيْهِمُ الشُّحُومَ فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا ، وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى إِذَا حَرَّمَ عَلَى قَوْمٍ أَكْلَ شَيْءٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهُ»

''اللہ یہودیوں پر لعنت کرے۔'' آپ نے یہ جملہ تین بار فرمایا، (پھر فرمایا:) ''بلاشبہ اللہ نے ان پر چربی کو حرام ٹھہرایا تھا، انھوں نے اسے بیچنا اور اس کی قیمت کھانا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کے لیے کسی چیز کا کھانا حرام کر دیتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی ان پر حرام کر دیتا ہے۔'' [1]

بلی: یہ بھی درندوں کی قبیل سے ہے اور مردار کھاتی ہے، اس کی قیمت کھانا منع ہے۔ ابوزبیر بیان کرتے ہیں: میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے کتے اور بلی کی قیمت کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ نے ان (کتے اور بلی کی قیمت لینے) سے منع فرمایا ہے۔ [2]

مذکورہ بالا جانوروں کے علاوہ جن جانوروں کے بارے میں ان کے حرام یا حلال ہونے کے سلسلے میں کوئی نص نہ ہو، نہ ان کے قتل کا حکم ہو، نہ قتل سے منع ثابت ہو تو ایسے جانوروں کے بارے میں ان اہلِ عرب کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو شہروں اور قصبوں کے رہنے والے ہوں، گنوار اور ان پڑھ بدویوں کی طرف نہیں، اس بارے میں ان کے قول و عمل کا اعتبار ہوگا کیونکہ شریعت نے ابتدا میں ان ہی لوگوں سے خطاب کیا ہے اور نبی ﷺ ان ہی میں مبعوث ہوئے ہیں اور قرآن بھی انھی کے مابین اترا ہے۔

جسے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہو وہ جانور حلال نہیں: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ: اَلْفَأْرَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْحُدَيَّا، وَالْغُرَابُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ»

''پانچ قسم کے جانور (فاسق) موذی اور شریر ہیں، (حتی کہ) انھیں حرم میں بھی ہلاک کر دیا جائے: چوہا، بچھو، چیل، کوا اور کاٹ کھانے والا کتا۔'' [3]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، حديث: 3488. [2] صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب، وحلوان الكاهن ومهر البغي، والنهي عن بيع السنور، حديث: 1569. [3] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب في شراب أحدكم فليغمسه فإن في أحد جناحيه داءً وفي الآخر شفاءً، وخمس من الدواب فواسق يقتلن في الحرم، حديث: 3314، وصحيح مسلم، الحج، باب مايندب للمحرم وغيره قتله من الدواب في الحلّ والحرم، حديث: 1198.

سائبہ رحمہا اللہ فاکہ بن مغیرہ کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حاضر ہوئی: میں نے ان کے ہاں ایک نیزہ دیکھا، عرض کیا: اے ام المؤمنین! آپ اس نیزے کا کیا کرتی ہیں؟ انھوں نے فرمایا: یہ چھپکلیوں کے لیے ہے، اس سے ہم چھپکلیاں مارتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو زمین کے سب جانور اس آگ کو بجھانے کے لیے کوشاں تھے، سوائے چھپکلی (گرگٹ) کے، یہ اس آگ میں پھونکیں مار رہا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہلاک کرنے کا حکم دیا ہے۔ [1]

جن جانوروں کو مار دینے سے روکا گیا ہے وہ بھی حلال نہیں: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار قسم کے جانوروں کو ہلاک کرنے سے منع فرمایا ہے: چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد۔ [2]

صُرَد ایسا پرندہ ہے جو چڑیا سے بڑا ہوتا ہے اور بقول علامہ ازہری چڑیوں کا شکار کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا سر بڑا، چونچ لمبی، پر لمبے آدھے سفید اور آدھے سیاہ ہوتے ہیں، یہ درختوں میں بسیرا کرتا ہے۔

مجبوری کی حالت میں حرام جانور کا گوشت کھا لینا جائز ہے: اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

"پھر جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ وہ سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔" [3]

مزید فرمایا: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

"پس جو شخص بھوک سے بے بس ہو جائے، جبکہ وہ گناہ پر مائل ہونے والا نہ ہو، تو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔" [4]

شکار کے مسائل

کن چیزوں کے ذریعے سے شکار کرنا جائز ہے؟ جو چیز کسی زخمی کرنے والے آلے یا شکاری جانوروں سے شکار کی گئی ہو، وہ حلال ہے، بشرطیکہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

[1] [صحیح] سنن النسائي، مناسك الحج، قتل الوزغ، حديث: 2889، ومسند أحمد: 83/6. [2] [صحیح] سنن ابن ماجه، الصيد، باب ما ينهى عن قتله، حديث: 3224. [3] البقرة 2:173. [4] المآئدة 5:3.

ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم لوگ اہل کتاب کے علاقے میں رہتے ہیں، کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا لیا کریں؟ ہمارے علاقے میں شکار بھی وافر ہے، میں اپنے تیر کمان اور بغیر سدھائے ہوئے اور سدھائے ہوئے کتے سے شکار کرتا ہوں، میرے لیے کیا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا:

«أَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَإِنْ وَّجَدْتُّمْ غَيْرَهَا فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا ، وَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا فِيهَا ، وَمَا صِدْتَّ بِقَوْسِكَ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ، وَمَا صِدْتَّ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَكُلْ ، وَمَا صِدْتَّ بِكَلْبِكَ غَيْرِ مُعَلَّمٍ فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْ»

”اہل کتاب کا جو تم نے ذکر کیا، اگر تمھیں ان لوگوں کے برتنوں کے علاوہ اور برتن مل جائیں تو ان کے برتنوں میں مت کھاؤ، نہ ملیں تو انھیں دھولو، پھر ان میں کھا لو۔ اور جو تم اپنی کمان سے شکار کرو اور اس پر اللہ کا نام لیا ہو تو وہ کھا لو اور جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے سے شکار کرو اور اسے اللہ کا نام لے کر چھوڑو تو وہ شکار کھا لو اور اگر بغیر سدھائے کتے سے شکار کرو اور پھر تم اسے (زندہ) پالو اور ذبح کر لو تو کھا لو۔“ [1]

بھالے سے شکار کے لیے شرط ہے کہ اس کی دھار جانور کو پھاڑ دے: عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھالے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

«إِذَا أَصَابَ بِحَدِّهِ فَكُلْ، وَإِذَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُرْسِلُ كَلْبِي وَأُسَمِّي فَأَجِدُ مَعَهُ عَلَى الصَّيْدِ كَلْبًا آخَرَ لَمْ أُسَمِّ عَلَيْهِ، وَلَا أَدْرِي أَيُّهُمَا أَخَذَ؟ قَالَ: «لَا تَأْكُلْ، إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلٰى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى الْآخَرِ»

”جب یہ جانور کو اپنی دھار والی جانب سے لگے تو کھا لو اور اگر عرض کی طرف سے لگے اور چوٹ اسے ہلاک کرے تو اسے نہ کھاؤ کیونکہ یہ چوٹ سے مرنے والا ہوگا۔“ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں، اس پر میں نے اللہ کا نام بھی لیا ہوتا ہے، مگر میں شکار کے پاس پہنچتا ہوں تو اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی پاتا ہوں جس پر میں نے اللہ کا نام نہیں لیا ہوتا، اس حالت میں مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ شکار کون سے کتے نے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”مت کھاؤ، تم نے اپنے کتے پر اللہ کا نام لیا ہے،

[1] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب صيد القوس، حديث: 5478، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي، حديث: 1930.

دوسرے کتے پر نہیں لیا۔‘‘ [1]

جب سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شریک ہو جائے تو ان کا شکار حلال نہیں ہو گا: اس کی دلیل مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہو چکی ہے۔ درج ذیل حدیث میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے۔

اگر سدھائے ہوئے کتے نے شکار میں سے کچھ کھا لیا تو وہ حلال نہیں: کیونکہ یہ اس نے اپنے لیے پکڑا ہے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ کتوں کے ذریعے شکار کرتے ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا:

’’جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے چھوڑو اور اللہ کا نام بھی لو تو اسے کھالو جو وہ تمھارے لیے پکڑیں، چاہے وہ مر بھی گیا ہو، لیکن اگر کتے نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہو تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اس نے اپنے لیے پکڑا ہو گا اور اگر تمھارے کتوں کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے ہوں تو مت کھاؤ۔‘‘ [2]

ایسا شکار جو کئی دن کے بعد ملے: نشانہ لگنے کے بعد اگر شکار مردہ حالت میں ملے، چاہے کئی دن کے بعد ملے وہ حلال ہے، بشرطیکہ پانی میں گرا ہوا نہ ملے اور جب تک کہ وہ بدبودار نہ ہو جائے۔ یا یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کسی اور کے تیر سے مرا ہو گا۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ وَسَمَّيْتَ فَأَمْسَكَ وَقَتَلَ فَكُلْ، وَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلٰى نَفْسِهِ، وَإِذَا خَالَطَ كِلَابًا لَّمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهَا فَأَمْسَكْنَ فَقَتَلْنَ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهَا قَتَلَ، وَإِنْ رَمَيْتَ الصَّيْدَ فَوَجَدْتَهُ بَعْدَ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ لَيْسَ بِهِ إِلَّا أَثَرُ سَهْمِكَ فَكُلْ، وَإِنْ وَّقَعَ فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ»

’’جب تم اپنا کتا چھوڑو اور اللہ کا نام لو اور وہ (تمھارے لیے) روکے رہے، چاہے وہ اسے مار بھی ڈالے، تب بھی اسے کھا لو۔ اور اگر کتا اس میں سے کچھ کھالے تو پھر مت کھاؤ کہ وہ اس نے اپنے لیے روکا ہے۔ اور جب تیرا کتا دوسرے کتوں کے ساتھ مل جائے، جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، چاہے وہ اسے روکے بھی رکھیں اور مار ڈالیں تو مت کھاؤ کیونکہ تمھیں معلوم نہیں کہ کس نے مارا ہے۔ اور اگر تم شکار کو نشانہ بناؤ اور

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب تفسير المشبهات، حديث: 2054، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي، حديث: 1929. [2] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب إذا أكل الكلب، وقوله تعالىٰ: ﴿يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ﴾، حديث: 5483، وصحيح مسلم، الصيد، والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلّمة والرمي، حديث: 1929.

پھر اسے ایک یا دو دن کے بعد پاؤ اور اس میں تمھارے تیر کے علاوہ کسی اور کا نشان نہ ہو تو کھا لو اور اگر وہ پانی میں گرا ہوا ہو تو مت کھاؤ۔'' [1]

جانور ذبح کرنے کے مسائل

ذبح کی تعریف: اس سے مراد ہے: خون بہانا اور ان رگوں کو کاٹنا جو حلق کے دونوں طرف ہوتی ہیں۔

کس چیز سے ذبح کرنا صحیح ہے؟ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہماری کل دشمن سے مڈبھیڑ ہونے والی ہے مگر ہمارے پاس چھریاں موجود نہیں، آپ نے فرمایا:

«أَعْجِلْ أَوْ أَرِنِي مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ، وَسَأُحَدِّثُكَ، أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشِ» قَالَ: وَأَصَبْنَا نَهْبَ إِبِلٍ وَغَنَمٍ، فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ، فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ لِهٰذِهِ الْإِبِلِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَإِذَا غَلَبَكُمْ مِّنْهَا شَيْءٌ، فَاصْنَعُوا بِهِ هٰكَذَا».

''جلدی کرو یا تیزی سے کاٹ لو، جو خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو وہ کھاؤ مگر دانت یا ناخن نہ ہو۔ میں تجھے بتاتا ہوں کہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔'' فرماتے ہیں کہ پھر ہمیں غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ملیں، ان میں سے ایک اونٹ بھاگ نکلا، ایک آدمی نے تیر مارا، تو اسے روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان اونٹوں میں کچھ بدک کر بھاگنے والے بھی ہوتے ہیں، جیسے کہ وحشی ہوں، چنانچہ جب کوئی ان میں سے تم پر غالب آجائے تو اس کے ساتھ اسی طرح کیا کرو۔'' [2]

حدیث میں مذکور لفظ «أرني» کے معنی ہیں: غیر منقطع طور پر مسلسل تیزی سے کاٹو مطلق نہ رکو۔ اور یہ «رَنَوْتُ النَّظَرَ إِلَى الشَّيْءِ» ''میں نے ایک چیز کو متواتر ٹکٹکی باندھ کر دیکھا'' سے ہے یا یہ مفہوم ہے کہ دیکھو ذبح کرتے ہوئے چھری حلقوم سے ادھر ادھر نہ ہونے پائے۔ اور یہ کلمہ إرن بروزن إرم ہوگا۔

[1] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب الصيد إذا غاب عنه يومين أو ثلاثة، حديث: 5484، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي، حديث: 1929. [2] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب إذا أصاب قوم غنيمة فذبح بعضهم غنما أو إبلا بغير أمر أصحابه لم تؤكل......، حديث: 5543، وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم إلا السن وسائر العظام، حديث: 1968 واللفظ له.

بے قابو جانور کو ذبح کرنا دشوار ہو تو اسے تیز نیزہ یا چھرا گھونپا جا سکتا ہے۔ اس کی دلیل رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔

جانور کو تکلیف دینا حرام ہے: شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی دو ہدایات اچھی طرح یاد ہیں، آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان، یعنی حسن سلوک واجب ٹھہرایا ہے، پس جب تم قتل کرو تو عمدہ طریقے سے قتل کرو، جب ذبح کرو تو عمدہ طریقے ہی سے ذبح کرو، ذبح کرنے والے کو اپنی چھری اچھی طرح تیز کر لینی چاہیے اور اپنے ذبیحے کو راحت پہنچانی چاہیے۔'' [1]

''جانور کو راحت دینا'' یہی ہے کہ چھری خوب تیز ہو اور پوری تیزی سے چلائی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ چھری جانور کے سامنے تیز نہ کی جائے، ایک جانور کو دوسرے کے سامنے ذبح نہ کیا جائے، نہ اسے مذبح کی طرف گھسیٹا جائے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے: ابوطفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: آپ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے کوئی خاص بات بھی ارشاد فرمائی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ نے ہمیں عام لوگوں سے ہٹ کر کوئی خاص بات خصوصیت سے نہیں فرمائی، سوائے اس کے جو میری تلوار کی میان میں ہے، پھر آپ نے ایک صحیفہ نکالا، اس میں لکھا تھا:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ لَّعَنَ وَالِدَهُ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا»

''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے، اللہ کی لعنت ہے اس پر جو زمینوں کے نشانات چوری کرے، اللہ کی لعنت ہے اس پر جو اپنے باپ کو لعنت کرے اور اللہ کی لعنت ہے اس پر جو کسی بدعتی کو جگہ دے۔'' [2]

جانور کے پیٹ کے بچے کا ذبح ہونا اس کی ماں کے ذبح ہونے میں شامل ہے: یعنی کسی ذبح کی گئی مادہ کے

[1] صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل، وتحدید الشفرة، حدیث:1955. [2] صحیح مسلم، الأضاحي، باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالٰی ولعن فاعله، حدیث:1978.

پیٹ سے بچہ برآمد ہو جبکہ اس میں روح نہیں پڑی تھی، یا ماں کے ذبح ہونے پر بچے کی روح بھی نکل گئی تو وہ حلال ہے۔

مسند کی روایت میں ہے، ہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! ہم اونٹنی، گائے یا بکری ذبح کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں، تو کیا اسے پھینک دیں یا کھالیں؟ آپ نے فرمایا:

«كُلُوهُ إِنْ شِئْتُمْ. فَإِنَّ ذَكَاتَهُ ذَكَاةُ أُمِّهِ»

''اگر چاہو تو کھالو، اس کا ذبح ہونا اس کی ماں کے ذبح ہونے میں (شامل) ہے۔'' [1]

زندہ جانور سے کاٹا گیا گوشت مردار ہے: ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ»

''جانور سے کاٹا گیا گوشت جبکہ وہ زندہ ہو، مردار ہے۔'' [2]

مرداروں میں سے مچھلی، ٹڈی اور خون میں سے کلیجی اور تلی حلال ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ. فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ. وَأَمَّا الدَّمَانِ، فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ»

''ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں: دو مردار مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی۔'' [3]

شراب اور دیگر مشروبات سے متعلقہ مسائل

ہر نشہ آور چیز خمر اور حرام ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ»

''ہر نشہ آور چیز خمر ہے (شراب کے حکم میں داخل ہے) اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' [4]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الضحايا، باب ما جاء في ذكاة الجنين، حديث: 2827، وجامع الترمذي، الصيد، باب ماجاء في ذكاة الجنين، حديث: 1476، وسنن ابن ماجه، الذبائح، باب ذكاة الجنين ذكاة أمه، حديث: 3199. [2] [حسن] سنن أبي داود، الضحايا، باب إذا قطع من الصيد قطعة، حديث: 2858، وجامع الترمذي، الصيد، باب ما جاء ما قطع من الحي فهو ميت، حديث: 1480. [3] [صحيح] سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الكبد والطحال، حديث: 3314، ومسند أحمد: 2/97، والسنن الكبرى للبيهقي: 2/257. [4] صحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر وأن كل خمر حرام، حديث: 2003.

جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو، اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَا أَسْكَرَ مِنْهُ الْفَرْقُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ»

”ہر نشہ آور شے حرام ہے اور جس کا ایک فرق (پیمانہ) نشہ طاری کر دے، اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔“ [1]

فَرَق، ر، کے سکون اور فتحہ کے ساتھ، چیزیں بھرنے کا ایک مخصوص برتن اور پیمانہ ہے، تین صاع، تقریباً 6.5 (ساڑھے چھ) کلو کے برابر ہوتا ہے۔

نبیذ بنانے کے لیے ہر قسم کے برتن استعمال ہو سکتے ہیں: بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْأَشْرِبَةِ فِي ظُرُوفِ الْأَدَمِ، فَاشْرَبُوا فِي كُلِّ وِعَاءٍ غَيْرَ أَنْ لَّا تَشْرَبُوا مُسْكِرًا»

”میں نے تمھیں چمڑے کے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا، اب تم ہر قسم کے برتنوں میں پی سکتے ہو، لیکن نشہ آور چیزیں مت پیو۔“ [2]

نبیذ بنانے کے لیے دو مختلف اجناس باہم نہ ملائی جائیں: جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشمش اور خشک کھجور کو ملا کر یا تازہ کھجور (جو بالکل پک کر تیار ہو چکی ہو) اور نیم پکی کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ [3]

شراب کو سرکے میں تبدیل کرنا حرام ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا شراب کو سرکہ بنا لیا جائے؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ [4]

پھلوں کا رس اور نبیذ جھاگ اٹھنے سے پہلے پی لینی چاہیے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کشمش کا شربت (خیساندہ) بنایا جاتا تھا، تو آپ پہلے دن، پھر اگلے دن، پھر اس سے اگلے روز، یعنی

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الأشربة، باب ما جاء في السكر، حديث: 3687، وجامع الترمذي، الأشربة، باب ما أسكر كثيره فقليله حرام، حديث: 1886. [2] صحيح مسلم، الأشربة، باب النهي عن الانتباذ في المزفت والدباء والحنتم والنقير، وبيان أنه منسوخ، وأنه اليوم حلال، مالم يصر مسكرا، حديث: 977 قبل الحديث: 2000. [3] صحيح البخاري، الأشربة، باب من رأى أن لايخلط البسر والتمر إذا كان مسكرا وأن لا يجعل إدامين في إدام، حديث: 5601، وصحيح مسلم، الأشربة، باب كراهة انتباذ التمر والزبيب مخلوطين، حديث: 1986. [4] صحيح مسلم، الأشربة، باب تحريم تخليل الخمر، حديث: 1983.

تیسرے دن کی شام تک نوش فرماتے تھے، پھر اس کے بارے میں حکم دیتے کہ یا تو پی لیا جائے یا گرا دیا جائے۔ [1]

پینے کے آداب: (1) برتن میں سانس نہ لیا جائے: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ»

"جب تم میں سے کوئی (پانی، دودھ یا کوئی اور مشروب) پیے تو برتن میں سانس نہ لے۔" [2]

(2) دائیں ہاتھ سے پیا جائے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ، وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ»

"جب تم میں سے کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پیے تو دائیں ہاتھ سے پیے، بلاشبہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ ہی سے پیتا ہے۔" [3]

(3) بیٹھ کر پینا چاہیے: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے۔ [4] یہ حدیث، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے خلاف نہیں ہے، جس میں وہ بتاتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو زمزم کا پانی پیش کیا تو آپ نے کھڑے ہو کر پیا۔" [5]

کیونکہ ان احادیث کو جمع کر لینا ممکن ہے کہ کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت تنزیہی ہے، یعنی ناپسندیدہ ہے (حرام نہیں ہے۔) واللہ أعلم.

(4) مجلس میں مشروب دائیں طرف سے پلایا جائے: انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ لایا گیا، جس میں پانی کی آمیزش کر کے کچی لسی بنائی گئی تھی، آپ کی دائیں جانب ایک دیہی (اعرابی) شخص بیٹھا تھا اور بائیں جانب ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے تو پہلے آپ نے پیا، پھر اس اعرابی کو دے دیا اور فرمایا:

«اَلْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ» "دائیں طرف کو، پھر دائیں طرف کو، یعنی دائیں طرف کے افراد کو دیتے جاؤ۔" [6]

---

[1] صحيح مسلم، الأشربة، باب إباحة النبيذ الذي لم يشتد ولم يصر مسكرا، حديث: 2004. [2] صحيح البخاري، الأشربة، باب النهي عن التنفس في الإناء، حديث: 5630، وصحيح مسلم، الأشربة، باب كراهة التنفس في نفس الإناء واستحباب التنفس ثلاثا، خارج الإناء، حديث: 267 بعد الحديث: 2027. [3] صحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث: 2020. [4] صحيح مسلم، الأشربة، باب في الشرب قائما، حديث: 2025. [5] صحيح البخاري، الأشربة، باب الشرب قائما، حديث: 5617، وصحيح مسلم، الأشربة، باب في الشرب من زمزم قائما، حديث: 2027. [6] صحيح البخاري، الأشربة، باب الأيمن فالأيمن في الشرب، حديث: 5619، وصحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب إدارة الماء واللبن ونحوهما على يمين المبتدئ، حديث: 2029.

5 مجلس کو پلانے والا سب سے آخر میں پیے: ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث مروی ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا» ''قوم کو پلانے والا آخر میں پیتا ہے۔'' [1]

6 مشکیزے کے منہ سے براہ راست پانی پینا ناپسندیدہ حرکت ہے: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کا منہ الٹ کر براہ راست پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ [2]

* اگر گھی وغیرہ میں چوہا گر کر مر جائے تو اسے نکال کر پھینک دو اور گھی استعمال میں لاؤ (گھی خواہ مائع ہو یا جامد۔) ابن عباس رضی اللہ عنہما (اپنی خالہ) ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: گھی میں چوہا گر گیا ہے (اب کیا کیا جائے؟) آپ نے فرمایا:

«أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ» ''اسے اور اس کے اردگرد کے گھی کو نکال پھینکو، بقیہ کھا لو۔'' [3]

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے: حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ وَلَا الدِّيبَاجَ، وَلَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ»

''ریشم باریک ہو یا گاڑھا، مت پہنو، نہ سونے چاندی کے برتنوں میں پیو، نہ ان کے پیالوں میں کھاؤ، بلاشبہ یہ کفار کے لیے دنیا میں ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔'' [4]

آدابِ ضیافت

استطاعت رکھنے والے مسلمان پر واجب ہے کہ آنے والے مہمان کا اکرام کرے اور اس کی ضیافت کرے۔ مہمانی کی حد تین دن تک ہے، جو اس سے زیادہ ہو، وہ صدقہ ہے، مہمان کو زیبا نہیں کہ اپنے میزبان ہی کے پاس

---

[1] صحیح مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها، حديث: 681. [2] صحيح البخاري، الأشربة، باب اختناث الأسقية، حديث: 5625، وصحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث: 2023. [3] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب إذا وقعت الفأرة في السمن الجامد أو الذائب، حديث: 5540. [4] صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل في إناء مُفَضَّضٍ، حديث: 5426، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء......، حديث: 2067.

پڑاؤ ڈال کر بیٹھ جائے یہاں تک کہ اسے حرج و مشقت میں ڈال دے۔ ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ» قَالَ: وَمَا جَائِزَتُهُ؟ يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَالَ: «يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ، وَالضِّيَافَةُ: ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَمَا كَانَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهِ»

"جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے بالخصوص جائزہ کے دورانیے میں۔" صحابہ سے پوچھا گیا کہ اس کا جائزہ کیا ہے؟ اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: "اس کے ایک دن اور ایک رات کی خصوصی مہمانی اور مہمانداری تین دن تک ہے، اور جو اس سے زیادہ ہو تو وہ اس پر صدقہ ہے۔" [1]

اگر وسعت والا حق ضیافت ادا نہ کرے، تو مہمان اپنی مہمانی کے بقدر اس کا مال لے سکتا ہے: عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں روانہ فرماتے ہیں اور ہم کسی قوم کے پاس پڑاؤ کرتے ہیں، مگر اس قوم کے لوگ ہماری کوئی مہمانداری نہیں کرتے، اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

«إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا، فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ»

"جب تم کسی قوم کے پاس پڑاؤ کرو اور وہ اس چیز کو پیش کر دیں جو مہمان کے لائق ہے تو اسے قبول کر لو اور اگر ایسا نہ کریں، تو ان (کے مال میں) سے حق ضیافت جو ان کی استطاعت کے لائق ہو، لے لو۔" [2]

کسی کا کھانا اس کی اجازت کے بغیر کھا لینا حرام ہے: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ "اور تم اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔" [3]

بلا اجازت کسی کا جانور دوہ لینا جائز نہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَّاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ، أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تُؤْتٰى مَشْرَبَتُهُ، فَتُكْسَرَ

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر.....، حديث: 6019، وصحيح مسلم، اللقطة، باب الضيافة ونحوها، حديث: 48 قبل الحديث: 1727. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب إكرام الضيف وخدمته إياه بنفسه.....، حديث: 6137، وصحيح مسلم، اللقطة، باب الضيافة ونحوها، حديث: 1727. [3] البقرة 2:188.

خِزَانَتُهُ، فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ؟ فَإِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِيهِمْ أَطْعِمَتَهُمْ، فَلَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَّاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ»

''کوئی شخص کسی دوسرے کا جانور اس کی اجازت کے بغیر ہرگز نہ دوہے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کی کوٹھڑی میں گھسا جائے اور اس کا ذخیرہ خانہ توڑ کر اس کا طعام لے جایا جائے، ان کے جانور بھی اپنے تھنوں میں ان کے طعام کا ذخیرہ رکھتے ہیں، پس کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے جانور کا دودھ نہ نکالے، تاہم اس کی اجازت سے (نکال سکتا ہے۔)'' [1]

شرعی ضرورت کی صورت میں صاحب مال کے نہ ہونے پر اس کا مال بغیر اجازت کھا لینے کی اجازت:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أَتَيْتَ عَلٰى رَاعٍ، فَنَادِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ. فَإِنْ أَجَابَكَ، وَإِلَّا فَاشْرَبْ فِي غَيْرِ أَنْ تُفْسِدَ. وَإِذَا أَتَيْتَ عَلٰى حَائِطِ بُسْتَانٍ، فَنَادِ صَاحِبَ الْبُسْتَانِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. فَإِنْ أَجَابَكَ، وَإِلَّا فَكُلْ فِي أَنْ لَّا تُفْسِدَ»

''جب تم کسی چرواہے کے پاس پہنچو تو اسے تین بار آواز دو، اگر وہ جواب دے تو بہتر ہے ورنہ تم پی لو مگر فساد نہ کرو اور جب تم کسی باغ کے احاطے میں پہنچو تو باغ والے کو تین مرتبہ آواز دو، اگر وہ جواب دے تو بہتر ورنہ تم کھا لو اور فساد نہ کرو۔'' [2]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ، وَلَا يَتَّخِذْ خُبْنَةً» ''جو شخص کسی باغ میں داخل ہو تو اس میں سے کچھ کھا لے، اپنے پلو میں کوئی چیز باندھے، نہ چھپائے۔'' [3]

کھانے کے آداب

کھانا شروع کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھنا:

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، اللقطة، باب لا تحتلب ماشية أحد بغير إذنه، حديث: 2435، وصحيح مسلم، اللقطة، باب تحريم حلب الماشية بغير إذن مالكها، حديث: 1726 واللفظ له. [2] [صحيح] جامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في الرخصة في أكل الثمرة للمار بها، حديث: 1287، وسنن ابن ماجه، التجارات، باب من مر على ماشية قوم أو حائط، هل يصيب منه؟ حديث: 2300 واللفظ له. [3] جامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في الرخصة في أكل الثمره للمار بها، حديث: 1287 اور کہا «حديث غريب»، و سنن ابن ماجه، التجارات، باب من مر على ماشية أو حائط، هل يصيب منه؟ حديث: 2301.

«إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ، فَإِنْ نَسِيَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ»

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو چاہیے کہ بسم اللہ پڑھے، اگر ابتدا میں بھول جائے تو یوں کہہ لے کہ اللہ کے نام سے اس کھانے کی ابتدا کرتا ہوں اور انتہا بھی۔'' [1]

دائیں ہاتھ سے کھانا: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ، وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ»

''جب تم میں سے کوئی کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پیے تو دائیں ہاتھ سے پیے، بلاشبہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہی سے پیتا ہے۔'' [2]

برتن کے اطراف سے کھانا چاہیے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ فَكُلُوا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهِ»

''برکت کھانے کے بیچ میں اترتی ہے، اس لیے اس کے اطراف سے کھاؤ، درمیان سے نہ کھاؤ۔'' [3]

اپنے سامنے سے کھانا: عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ابھی چھوٹا لڑکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھا (ایک بار کھانے کی مجلس میں) میرا ہاتھ پیالے میں گھوم رہا تھا، آپ نے مجھ سے فرمایا:

«يَا غُلَامُ! سَمِّ اللهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ»، فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طِعْمَتِي بَعْدُ»

''اے لڑکے! اللہ کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔'' چنانچہ میں بعد میں ہمیشہ اسی انداز سے کھاتا رہا۔'' [4]

کھانے کے بعد انگلیاں اور پیالے کو چاٹ لینا: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الأطعمة، باب التسمية على الطعام، حديث: 3767، وجامع الترمذي، الأطعمة، باب ما جاء في التسمية على الطعام، حديث: 1858 واللفظ له. [2] صحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث: 2020. [3] [صحيح] جامع الترمذي، الأطعمة، باب ما جاء في كراهية الأكل من وسط الطعام، حديث: 1805، وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب النهي عن الأكل من ذروة الثريد، حديث: 3277. [4] صحيح البخاري، الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، حديث: 5376، وصحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث: 2022.

کھا لیتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے تھے۔ اور فرماتے تھے:

«إِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيُمِطْ عَنْهَا الْأَذٰى، وَلْيَأْكُلْهَا، وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ» وَأَمَرَنَا أَنْ نَّسْلُتَ الْقَصْعَةَ، قَالَ: «فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ فِي أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ»

''اگر تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو چاہیے کہ اس سے تکلیف دہ چیزیں دور کر کے اسے کھا لے، اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔'' آپ نے ہمیں حکم دیا کہ پیالے کو خوب اچھی طرح پونچھ لیا کرو اور فرماتے تھے: ''تمھیں کیا معلوم کہ تمھارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔'' [1]

کھانا کھانے کے بعد دعا کرنا: ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کا دسترخوان اٹھا لیا جاتا تھا تو آپ یہ دعا پڑھتے تھے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ، غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا»

''تمام تعریفیں اللہ کی، بہت زیادہ، پاکیزہ اور برکت والی (اس میں اور اضافہ ہو) اس حال میں کہ اس سے کفایت نہیں کی جاتی اور نہ یہ چھوڑ دیے جانے کے لائق ہے اور نہ اس سے بے پروائی کی جا سکتی ہے، اے ہمارے رب!'' [2]

معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَكَلَ طَعَامًا فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هٰذَا وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّي وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جس نے کوئی کھانا کھایا اور پھر یوں کہا: تعریف اس اللہ کی جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھے میری کسی محنت و مشقت کے بغیر ہی یہ عنایت فرمایا۔ تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔'' [3]

کھانے کے لیے ٹھیک طرح بیٹھے، ٹیک لگا کر نہ کھائے: ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ نے ایک شخص سے جو آپ کے پاس بیٹھا تھا، فرمایا:

«لَا آكُلُ وَأَنَا مُتَّكِئٌ» ''میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔'' [4]

---

[1] صحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة، وأكل اللقمة الساقطة بعد مسح ما يصيبها من أذى......، حديث:2034. [2] صحيح البخاري، الأطعمة، باب مايقول إذا فرغ من طعامه، حديث: 5458 [3] جامع الترمذي، الدعوات، باب مايقول إذافرغ من الطعام، حديث :3458. [4] صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل متكئًا، حديث:5399.

قربانی کے مسائل

قربانی کی تعریف: جو چوپایہ جانور دس ذوالحجہ اور تشریق کے دنوں میں اللہ کی رضا کے لیے ذبح کیا جائے، وہ ''اضحیہ'' (قربانی) کہلاتا ہے۔

قربانی مشروع ہے: عطاء بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قربانیاں کس طرح ہوتی تھیں؟ انھوں نے بتایا کہ آدمی اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کیا کرتا تھا، چنانچہ وہ خود کھاتے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے، حتی کہ یہ نوبت آ گئی کہ لوگوں نے اس کو فخر کے اظہار کا ذریعہ بنا لیا اور حالت یہ ہو گئی جو تم دیکھ رہے ہو۔ [1]

قربانی کا شرعی حکم: قربانی ہر صاحبِ استطاعت پر واجب ہے۔ سیدنا مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات میں وقوف کیے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا:

«يَاأَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ عَلٰى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةً وَّعَتِيرَةً، أَتَدْرُونَ مَا الْعَتِيرَةُ؟ هٰذِهِ الَّتِي يَقُولُ النَّاسُ الرَّجَبِيَّةُ»

''لوگو! ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی ہے اور عتیرہ بھی، جانتے ہو کہ عتیرہ کیا ہے؟ یہی جسے لوگ رجبی کہتے ہیں۔'' [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ، وَلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا»

''جسے وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے، تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔'' [3]

قربانی کا وقت کب تک ہے؟ قربانی کا وقت دس ذوالحجہ کو نماز عید کے بعد سے لے کر ایام تشریق کے آخر تک ہے۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی والے دن فرمایا:

---

[1] [صحيح] جامع الترمذي، الأضاحي، باب ما جاء أن الشاة الواحدة ......، حديث: 1505، وسنن ابن ماجه، الأضاحي، باب من ضحى بشاة عن أهله، حديث: 3147. [2] [حسن] سنن أبي داود، الضحايا، باب ما جاء في إيجاب الأضاحي، حديث: 2788، ومسند أحمد: 215/4 رجبی سے مراد وہ جانور ہے جسے لوگ رجب کے مہینے میں ذبح کرتے تھے، اس کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ [3] [حسن] سنن ابن ماجه، الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا؟ حديث: 3123، ومسند أحمد: 321/2.

«مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ» ''جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی ہو، وہ دوبارہ کرے۔''[1]

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ عَرَفَاتٍ مَّوْقِفٌ وَّارْفَعُوا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ، وَكُلُّ مُزْدَلِفَةَ مَوْقِفٌ وَّارْفَعُوا عَنْ مُّحَسِّرٍ، وَكُلُّ فِجَاجِ مِنًى مَنْحَرٌ، وَفِي كُلِّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ»

''عرفات سارے کا سارا وقوف کی جگہ ہے، وادیِ عرنہ سے اٹھ آؤ اور عرفات میں وقوف کرو اور وادیِ مزدلفہ سب ہی وقوف کی جگہ ہے اور محسر سے اُٹھ آؤ اور منیٰ کے سب رستے قربان گاہ ہیں اور تشریق کے سب دنوں میں قربانی ہو سکتی ہے۔''[2]

بکری ایک آدمی کی طرف سے اور اونٹنی دس افراد کی طرف سے اور گائے سات افراد کی طرف سے کافی ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے کہ قربانی کا وقت آیا تو ہم اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے اور گائے میں سات۔[3] البتہ ہدی کے اونٹ اور گائے میں سات سات افراد ہی شریک ہو سکتے ہیں: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانیاں کیں، اونٹنی سات افراد کی طرف سے اور گائے بھی سات افراد کی طرف سے۔[4]

قربانی دو دانتوں والی (مسنہ) بکری کی دی جائے: براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے ماموں ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے قربانی نماز سے پہلے ہی ذبح کر دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«شَاتُكَ شَاةُ لَحْمٍ»، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ عِنْدِي دَاجِنًا جَذَعَةً مِّنَ الْمَعْزِ، قَالَ: «اِذْبَحْهَا وَلَا تَصْلُحُ لِغَيْرِكَ»، ثُمَّ قَالَ: «مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ»

''تمھاری یہ بکری گوشت کے لیے ہوئی۔'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک گھریلو پالتو بکری ہے جو سال بھر کی ہے، آپ نے فرمایا: ''اسے ہی ذبح کر دے، مگر کسی اور کے لیے یہ جائز نہ ہوگی۔''

[1] صحيح البخاري، الأضاحي، باب ما يشتهى من اللحم يوم النحر، حديث: 5549، وصحيح مسلم، الأضاحي، باب وقتها، حديث: 1962. [2] [صحيح] مسند أحمد: 82/4، والسنن الكبرى للبيهقي: 295/9، وصحيح ابن حبان (ابن بلبان)، حديث: 3854. [3] جامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في الاشتراك في البدنة والبقرة، حديث: 905. [4] صحيح مسلم، الحج، باب جواز الاشتراك في الهدي وإجزاء البدنة والبقرة كل واحدة منهما عن سبعة، حديث: 1318، وسنن أبي داود، الضحايا، باب البقر والجزور عن كم تجزئ؟ حديث: 2809.

پھر آپ نے فرمایا: ”جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا، اس نے اپنے لیے ذبح کیا اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی مکمل ہوئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقے پر عمل کیا۔“ [1]

قربانی کا جانور کانا، بیمار، لنگڑا یا انتہائی لاغر نہیں ہونا چاہیے: براء بن عازب رضی اللہ عنہما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

«لَا يُضَحّٰى بِالْعَرْجَاءِ بَيِّنٌ ظَلْعُهَا ، وَلَا بِالْعَوْرَاءِ بَيِّنٌ عَوَرُهَا ، وَلَا بِالْمَرِيضَةِ بَيِّنٌ مَّرَضُهَا ، وَلَا بِالْعَجْفَاءِ الَّتِي لَا تُنْقِي»

”لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن نمایاں ہو، قربان نہ کیا جائے، نہ اندھا جس کا اندھا پن نمایاں ہو، نہ بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، نہ لاغر ہو کہ اس کی ہڈیوں میں مخ ہی نہ ہو۔“ [2]

قربانی کا گوشت صدقہ بھی کرے، خود بھی کھائے اور ذخیرہ بھی کرلے تو کوئی قدغن نہیں: عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع فرمایا ہے۔ عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات عمرہ سے کی، انھوں نے کہا: ٹھیک ہے، میں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک بار قربانی کے موقع پر دیہاتی لوگ زیادہ تعداد میں آگئے، آپ نے فرمایا:

«اِدَّخِرُوا ثَلَاثًا ، ثُمَّ تَصَدَّقُوا بِمَا بَقِيَ» فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ قَالُوا : يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ النَّاسَ يَتَّخِذُونَ الْأَسْقِيَةَ مِنْ ضَحَايَاهُمْ وَيَجْمُلُونَ مِنْهَا الْوَدَكَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : «وَمَا ذَاكَ؟» قَالُوا : نَهَيْتَ أَنْ تُؤْكَلَ لُحُومُ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ . فَقَالَ : «[إِنَّمَا] نَهَيْتُكُمْ مِّنْ أَجْلِ الدَّافَّةِ الَّتِي دَفَّتْ ، فَكُلُوا وَادَّخِرُوا وَتَصَدَّقُوا»

”تین دن تک کے لیے رکھ لو اور باقی کو صدقہ کر دو۔“ پھر جب اس کے بعد قربانی کا موقع آیا تو لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! لوگ اپنی قربانیوں کی کھالوں سے مشکیزے بنا لیتے ہیں اور چربی پگھلا لیتے ہیں، آپ نے فرمایا: ”مسئلہ کیا ہے؟“ انھوں نے کہا کہ آپ نے قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے

---

[1] صحيح البخاري، الأضاحي، باب قول النبي ﷺ لأبي بردة: (ضحِّ بالجذع من المعز، ولن تجزي عن أحد بعدك)، حديث: 5556، وصحيح مسلم، الأضاحي، باب وقتها، حديث: 1961. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الضحايا، باب مايكره من الضحايا، حديث: 2802، وجامع الترمذي، الأضاحي، باب مالا يجوز من الأضاحي، حديث: 1497 واللفظ له.

سے منع فرمایا تھا، آپ نے کہا: ’’وہ تو میں نے اس ہجوم کی وجہ سے کہا تھا جو غریب لوگ کثرت سے آ گئے تھے۔ (قربانی کا گوشت) کھاؤ، ذخیرہ کرلو اور صدقہ بھی کرو۔‘‘ [1]

عید گاہ میں قربانی کرنا افضل ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قربانی عیدگاہ میں ذبح یا نحر کیا کرتے تھے۔ [2]

جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اسے یہ حکم ہے کہ عشرۂ ذوالحجہ کے دنوں میں اپنے بال اور ناخن نہ تراشے جب تک کہ قربانی نہ کرلے: ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

’’جب تم ذوالحج کا چاند دیکھ لو اور پھر جس کا ارادہ ہو کہ وہ قربانی کرے گا تو وہ اپنے بال اور ناخن تراشنے سے باز رہے۔‘‘ [3]

قصاب کی مزدوری قربانی کے گوشت میں سے نہ دی جائے: علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کی قربانی کی اونٹنیوں کی نگرانی کروں، ان کا گوشت، کھالیں اور جھول مسکینوں میں تقسیم کر دوں اور اس کام کی مزدوری میں ان میں سے کچھ نہ دوں۔‘‘ [4]

بھیڑ بکری کو اس کے بائیں پہلو پر لٹا کر ذبح کرنا اور قبولیت کی دعا کرنا مستحب ہے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ایسا مینڈھا لانے کا حکم دیا جو سینگوں والا ہو، اس کے کھر (پاؤں) سیاہ ہوں، بیٹھتا سیاہی میں ہو (پیٹ سیاہ ہو) دیکھتا سیاہی میں ہو (آنکھیں سیاہ ہوں)، چنانچہ وہ لایا گیا کہ آپ اس کی قربانی کریں۔ آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: «هَلُمِّي الْمُدْيَةَ» ’’چھری لاؤ۔‘‘

پھر فرمایا: «اِشْحَذِيهَا بِحَجَرٍ» ’’اسے پتھر پر تیز کردو۔‘‘

چنانچہ انھوں نے ایسے ہی کیا، پھر آپ نے چھری لی، مینڈھے کو پکڑا، اسے لٹایا اور ذبح کے لیے تیار ہوئے اور کہا: ’’اللہ کے نام کے ساتھ (میں ذبح کرتا ہوں)، اے اللہ! محمد ﷺ سے، محمد ﷺ کی آل سے اور محمد ﷺ کی امت سے قبول فرما۔‘‘ اور پھر قربان کر دیا۔ [5]

---

[1] صحيح مسلم، الأضاحي، باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الإسلام وبيان نسخه و إباحته إلى متى شاء، حديث: 1971. [2] صحيح البخاري، الأضاحي، باب الأضحى والنحر بالمصلّى، حديث: 5552. [3] صحيح مسلم، الأضاحي، باب نهي من دخل عليه عشر ذي الحجة، وهو يريد التضحية، أن يأخذ من شعره وأظفاره شيئا، حديث: 1977. [4] صحيح البخاري، الحج، باب يتصدق بجلود الهدي، حديث: 1717، وصحيح مسلم، الحج، باب الصدقة بلحوم الهدايا وجلودها وجلالها وأن لا يعطى الجزار منها شيئا......، حديث: 1317. [5] صحيح مسلم، »

عقیقے کے مسائل

تعریف: عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جو نومولود کی ولادت پر ذبح کیا جاتا ہے۔

عقیقہ کرنا مستحب ہے: جناب سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

«مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا، وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذٰى»

''بچے کے ساتھ عقیقہ لازم ہے، اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے بال وغیرہ دور کرو۔'' [1]

لڑکے اور لڑکی کا عقیقہ: لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنی چاہیے۔ یوسف بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ہم حفصہ بنت عبدالرحمٰن کے ہاں گئے اور ان سے عقیقے کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سلسلے میں یہ بات بتائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ایک جیسی اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔ [2]

عقیقے کا وقت اور نام رکھنے اور سر منڈانے کا مناسب موقع: سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ، وَيُسَمّٰى، وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ»

''لڑکا اپنے عقیقے کے ساتھ گروی ہوتا ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور سر صاف کیا جائے۔'' [3]

سر کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی کا صدقہ کیا جائے: جناب ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب

الأضاحي، باب استحباب استحسان الضحية، وذبحها مباشرة بلا توكيل، والتسمية والتكبير، حديث: 1967، وسنن أبي داود، الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، حديث: 2792. [1] صحيح البخاري، العقيقة، باب إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة، حديث: 5472. بعض محققین نے اسے واجب قرار دیا ہے، درج بالا حدیث سے بھی اس کا واجب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ [2] [صحيح] جامع الترمذي، الأضاحي، باب ماجاء في العقيقة، حديث: 1513. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، حديث: 2838، وجامع الترمذي، الأضاحي، باب من العقيقة، حديث: 1522 واللفظ له.

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ہاں حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو فاطمۃ الزہراء نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنے اس بیٹے کی طرف سے ایک خون کا عقیقہ نہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا:

«لَا ، وَلٰكِنِ احْلِقِي شَعْرَهُ وَتَصَدَّقِي بِوَزْنِهِ مِنَ الْوَرِقِ عَلَى الْأَوْفَاضِ أَوْ عَلَى الْمَسَاكِينِ»

”نہیں، لیکن اس کے بال مونڈ واوران کے وزن کے برابر چاندی اہل صفہ یا مساکین کو صدقہ کر دو۔“ [1]

[1] [حسن] مسند أحمد:6/390، والسنن الكبرٰى للبيهقي:9/304 واللفظ له.

قال النبي صلى الله عليه وسلم:

مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً

(صحيح البخاري، حديث: 5678)

علاج معالجے کے مسائل

حلال چیزوں ہی سے علاج کرنا مشروع ہے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرِأَ بِإِذْنِ اللهِ تَعَالٰى»

''ہر بیماری کا علاج ہے، جب کوئی دوا بیماری کے مطابق صحیح بیٹھ جاتی ہے تو اللہ عزوجل کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔'' [1]

صبر کے ساتھ توکل کرنا افضل ہے: عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تمھیں ایک جنتی عورت نہ دکھلاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! انھوں نے کہا: وہ جو سیاہ رنگ کی عورت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی، اس نے کہا: مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور اس وجہ سے میں عریاں ہو جاتی ہوں، میرے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائیے۔

آپ نے فرمایا:

«إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَكِ» . قَالَتْ: أَصْبِرُ، قَالَتْ: فَإِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللهَ أَنْ لَا أَتَكَشَّفَ، فَدَعَا لَهَا»

''اگر تو چاہے تو صبر کرے تو تیرے لیے جنت ہے! اگر چاہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، اللہ تجھے عافیت دے دے گا۔'' اس نے کہا: میں صبر کرتی ہوں، پھر بولی کہ میں عریاں ہو جاتی ہوں، اللہ سے دعا کیجیے کہ عریاں ہونے سے محفوظ رہوں۔ چنانچہ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔'' [2]

حرام چیزوں سے علاج کرنا حرام ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوا سے

[1] صحيح مسلم، السلام، باب لكل داء دواء واستحباب التداوي، حديث: 2204. [2] صحيح البخاري، المرضٰى، باب فضل من يصرع من الريح، حديث: 5652، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض أو حزن أو نحو ذلك، حتى الشوكة يشاكها، حديث: 2576 واللفظ له.

(علاج کرنے سے) منع فرمایا ہے۔[1] ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ، وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً، فَتَدَاوَوْا وَلَا تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»

"اللہ تعالیٰ نے بیماری نازل کی ہے تو دوا بھی اتاری ہے، اس نے ہر بیماری کی دوا بنائی ہے، دوا کا اہتمام کرو مگر حرام دوا سے دور رہو۔"[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلشِّفَاءُ فِي ثَلَاثٍ: شَرْبَةِ عَسَلٍ، وَشَرْطَةِ مِحْجَمٍ، وَكَيَّةِ نَارٍ، وَأَنْهٰى أُمَّتِي عَنِ الْكَيِّ»

"شفا تین چیزوں میں ہے: شہد پینے میں، سینگی کے نشتر میں اور آگ سے داغنے میں مگر میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔"[3]

داغنے سے علاج کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔[4]

سینگی سے علاج: انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی گردن کی اطراف کی رگوں میں اور کمر کے پٹھے میں سینگی لگوایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کا یہ معمول مہینے کی سترہ، انیس اور اکیس تاریخ کو ہوتا تھا۔[5]

نظر لگ جائے تو دم کیا جائے: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اہل وعیال میں سے جب کوئی بیمار ہو جاتا تھا تو آپ اس پر معوذات پڑھ کر پھونکتے تھے، جب آپ مرض الوفات میں تھے، تو میں بھی آپ پر معوذات پڑھ کر پھونکنے لگی اور میرا عمل یہ تھا کہ آپ ہی کے دست مبارک کو آپ کے بدن اطہر پر پھیرتی تھی، کیونکہ آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ کے مقابلے میں زیادہ برکت والا تھا۔[6]

---

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، حديث: 3870 قبل الحديث: 3872، وجامع الترمذي، الطب، باب ماجاء فيمن قتل نفسه بسم أوغيره، حديث: 2045. [2] [حسن] سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، حديث: 3874 قبل الحديث: 3871. [3] صحيح البخاري، الطب، باب الشفاء في ثلاث، حديث: 5680. [4] مکروہ تنزیہی معروف فقہی اصطلاح ہے۔ اس سے مراد وہ کام ہے جو شرعًا ناپسندیدہ ہو لیکن حرام اور قابل مؤاخذہ نہ ہو۔ اس کے کرنے سے گناہ لازم نہیں آتا۔ [5] [صحيح] سنن أبي داود، الطب، باب في موضع الحجامة، حديث: 3860، وجامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الحجامة، حديث: 2051. [6] صحيح البخاري، الطب، باب المرأة ترقي الرجل، حديث: 5751، وصحيح مسلم، السلام، باب رقية المريض بالمعوذات والنفث، حديث: 2192.

عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے، ہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

«اِعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ، لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ»

''اپنے دم بتاؤ، ویسے دم میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس میں شرک نہ ہو۔'' [1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ڈنک اور کاٹنے کے زہر، پہلو میں نکلنے والے دانے اور بدنظری میں دم کرانے کی رخصت دی گئی ہے۔ [2]

[1] صحيح مسلم، السلام، باب لابأس بالرقي مالم يكن فيه شرك، حديث: 2200. [2] صحيح مسلم، السلام، استحباب الرقية من العين والنملة والحمة والنظرة، حديث: 2196.

12

لباس کے احکام ومسائل

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ

(الأعراف7:26)

لباس کے احکام و مسائل

لوگوں کے سامنے اور تنہائی دونوں حالتوں میں شرمگاہ ڈھانپے رکھنا فرض ہے: بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ بہز کے دادا (معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ہماری شرمگاہوں کے بارے میں ہمیں کیا حکم ہے کہ کیا ڈھانپیں اور کیا چھوڑیں؟

آپ نے فرمایا:

«اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ»

"اپنی بیوی یا لونڈی کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔"

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں تب؟ فرمایا:

«إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَّا يَرَيَنَّهَا أَحَدٌ فَلَا يَرَيَنَّهَا»

"جہاں تک ہو سکے کہ تیری شرمگاہ کوئی نہ دیکھے تو اسے ہرگز کوئی نہ دیکھے۔"

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب کوئی اکیلا ہو تو؟ فرمایا:

«اَللهُ أَحَقُّ أَنْ يُّسْتَحْيٰى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ»

"لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔" [1]

سونے اور ریشم کا لباس مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِي وَحُرِّمَ عَلٰى ذُكُورِهَا»

"سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال ہیں جبکہ مردوں پر حرام ہیں۔" [2]

[1] [حسن] سنن أبي داود، الحمام، باب في التعري، حديث: 4017، وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في حفظ العورة، حديث: 2769، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب التستر عند الجماع، حديث: 1920. [2] سنن النسائي، الزينة،

مردوں کو چار انگلیوں کے برابر ریشم استعمال کر لینا جائز ہے: ابوعثمان کا بیان ہے کہ ہم لوگ آذربائیجان میں تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ ارشاد لکھ بھیجا کہ نبی ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے مگر اس قدر، اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں سے اشارے کے ذریعے سے وضاحت فرمائی تھی، راویِ حدیث زہیر نے اسی طرح اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلی بلند کر کے دکھائی۔[1]

اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

«نَهٰى نَبِيُّ اللهِ ﷺ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ، إِلَّا مَوْضِعَ إِصْبَعَيْنِ، أَوْ ثَلَاثٍ، أَوْ أَرْبَعٍ»

"نبیِ اکرم ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے، سوائے اس کے کہ دو انگلیوں کے برابر ہو، تین کے یا چار کے۔"[2]

بغرض علاج ریشمی لباس پہننا مردوں کو بھی جائز ہے: انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زبیر اور عبدالرحمن رضی اللہ عنہما کو خارش ہوگئی تھی، اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ریشم پہننے کی رخصت دی تھی۔[3]

ریشم کا بستر بنانا جائز نہیں: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ہمیں سونے یا چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے اور حریر و دیباج (ریشم) کا لباس پہننے اور ریشمی بستر پر بیٹھنے کی ممانعت بھی فرمائی ہے۔[4]

مردوں کے لیے زعفرانی رنگ کا لباس پہننا حرام ہے: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے منع فرمایا ہے کہ میں سونے کی انگوٹھی پہنوں، قسی (مصری ریشم) کا لباس پہنوں، رکوع اور سجدے میں قرآن کی قراءت کروں، یا زعفرانی رنگ کا لباس پہنوں۔[5]

شہرت طلبی کا لباسِ فاخرہ پہننا حرام ہے: یعنی منفرد نوعیت کا ایسا لباس جس پر لوگ انگلیاں اٹھائیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

»» باب تحريم الذهب على الرجال، حديث: 5151، وجامع الترمذي، اللباس، باب ماجاء في الحرير والذهب للرجال، حديث: 1720. [1] صحيح البخاري، اللباس، باب لبس الحرير للرجال وقدرما يجوز منه، حديث: 5829، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم لبس الحرير وغير ذلك للرجال، حديث: 2069. [2] صحيح مسلم، اللباس، والزينة، باب تحريم لبس الحرير وغير ذلك للرجال، حديث: 2069. [3] صحيح البخاري، اللباس، باب مايرخص للرجال من الحرير للحكة، حديث: 5839، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب إباحة لبس الحرير للرجل إذا كان به حكة أونحوها، حديث: 2076. [4] صحيح البخاري، اللباس، باب افتراش الحرير، حديث: 5837. [5] صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب النهي عن لبس الرجل ««

«مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ أَلْبَسَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ»

''جس نے شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ذلت کا لباس پہنائے گا۔'' [1]

مردوں کو زنانہ اور عورتوں کو مردانہ لباس پہننا حرام ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ [2]

الثوب المعصفر، حديث:2078. [1] [حسن] سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث:4029، وسنن ابن ماجه، اللباس، باب من لبس شهرة من الثياب، حديث: 3606 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، حديث :5885

13

حدود کے احکام و مسائل

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

(النور 24:2)

وصیت کے مسائل

وصیت کی تعریف: وصیة کا لفظ «وَصَيْتُ الشَّيْءَ أَصِيهِ» سے ماخوذ ہے، بمعنی ملانا، یعنی وصیت کرنے والے نے اسے جو اس کی زندگی میں تھا، موت کے بعد تک ملایا۔

شرعی اصطلاح میں اس کی تعریف اس طرح ہے کہ انسان کسی کو کوئی عینی چیز یا قرض یا کسی فائدے اور منفعت کی چیز بطور عطیہ دے یا ہبہ کرے اس طرح کہ جسے وصیت کی جائے، وہ شخص وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اس کا مالک بنے۔

وصیت کا حکم: جس کے پاس کوئی ایسا مال ہو جس کے بارے میں وصیت کرنا ضروری ہو تو اس کے حق میں یہ ضروری اور واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۞﴾

''تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے، اگر وہ مال چھوڑے جا رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیت کرے، یہ متقیوں پر لازم ہے۔'' [1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا حَقُّ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ»

''کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ اس کے پاس قابل وصیت کوئی چیز ہو اور وہ اس کی وصیت اپنے پاس لکھے بغیر دو راتیں گزارے۔'' [2]

---

[1] البقرة 2:180. [2] صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصايا، حديث: 2738، وصحيح مسلم، الوصية، باب وصية الرجل مكتوبة عنده، حديث: 1627.

ناجائز وصیت: ایسی وصیت جس میں کسی کو نقصان پہنچانے کا بندوبست کیا گیا ہو، حرام اور ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ ﴾

''(یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی) جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے اور اللہ خوب جاننے والا، بڑے حوصلے والا ہے۔'' [1]

جس کا وراثت میں حصہ ہو اس کے لیے وصیت نہیں ہوسکتی: عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے خطبہ ارشاد فرمایا، اس وقت میں اونٹنی کی گردن کے نیچے تھا، وہ جگالی کر رہی تھی اور اس کا لعاب میرے کندھوں پر گر رہا تھا، میں نے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہوسکتی۔'' [2]

شرحبیل بن مسلم، ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں ہے۔'' [3]

کس قدر مال کی وصیت ہوسکتی ہے؟ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ، عِنْدَ وَفَاتِكُمْ، بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ، زِيَادَةً لَّكُمْ فِي أَعْمَالِكُمْ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھاری وفات کے وقت تمھارے تہائی مال کا صدقہ کیا ہے، تاکہ تمھارے لیے تمھارے اعمال میں اضافہ ہو۔'' [4]

[1] النسآء 4:12. [2] [صحيح] جامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لاوصية لوارث، حديث: 2121، وسنن النسائي، الوصايا، باب إبطال الوصية للوارث، حديث: 3671، وسنن ابن ماجه، الوصايا، باب لا وصية لوارث، حديث: 2712. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، حديث: 2870، وجامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لاوصية لوارث، حديث: 2120، وسنن ابن ماجه، الوصايا، باب لاوصية لوارث، حديث: 2713. [4] [حسن] سنن ابن ماجه، الوصايا، باب الوصية بالثلث، حديث: 2709، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 6/269.

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ اگر لوگ چوتھائی مال تک کمی کر لیں تو بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«اَلثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ»

”تہائی (مال کی وصیت ہو سکتی ہے) اور تہائی بھی زیادہ ہے۔“ [1]

وصیت سے پہلے ادائے قرض ضروری ہے: سیدنا سعد بن اطول رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کا بھائی فوت ہو گیا اور تین سو درہم چھوڑ گیا، اس کے اہل و عیال بھی تھے، میں نے چاہا کہ رقم اس کے عیال پر خرچ کر دوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَخَاكَ مُحْتَبَسٌ بِدَيْنِهِ فَاقْضِ عَنْهُ». فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ أَدَّيْتُ عَنْهُ إِلَّا دِينَارَيْنِ، ادَّعَتْهُمَا امْرَأَةٌ وَّلَيْسَ لَهَا بَيِّنَةٌ. قَالَ: «فَأَعْطِهَا فَإِنَّهَا مُحِقَّةٌ»

”تیرا بھائی اپنے قرضے میں گرفتار ہے، وہ اس کی طرف سے ادا کرو۔“ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے وہ قرضہ ادا کر دیا ہے، سوائے دو دیناروں کے، ایک عورت نے ان کا دعویٰ کیا مگر اس کے پاس کوئی دلیل (گواہ) نہیں ہے، آپ نے فرمایا: ”اسے دے دو، وہ سچی ہے۔“ [2]

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ ﴾

”(یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی) جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے اور اللہ خوب جاننے والا، بڑے حوصلے والا ہے۔“ [3]

اگر مرنے والے نے اپنے قرض کی بے باقی کے لیے کچھ نہ چھوڑا ہو تو اس کا قرض حاکم ادا کرے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے مرنے والے لائے جاتے تھے جن پر قرضہ ہوتا، آپ دریافت فرماتے تھے:

«هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلًا؟» فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ لِدَيْنِهِ وَفَاءً صَلَّى وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِينَ: «صَلُّوا عَلٰى صَاحِبِكُمْ». فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ: «أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ

[1] صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصية بالثلث، حديث: 2743، وصحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، حديث: 1629. [2] [صحيح] سنن ابن ماجه، الصدقات، باب أداء الدين عن الميت، حديث: 2433.
[3] النسآء 4:12.

أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ»

''کیا اس نے ادائے قرض کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟'' اگر بتایا جاتا کہ اس نے ادا کرنے کے لیے کچھ چھوڑا ہے تو آپ اس کا جنازہ پڑھتے تھے، ورنہ مسلمانوں سے کہہ دیتے: ''اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ دو۔'' پھر جب اللہ نے آپ کو فتوحات دیں تو فرمانے لگے: ''میں مومنین کے لیے ان کی جانوں سے بھی قریب ہوں، تو جو مومن فوت ہو جائے اور قرضہ چھوڑ جائے، اس کی بے باقی میرے ذمے ہے اور جو مال چھوڑ جائے، وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔'' [1]

[1] صحيح البخاري، الكفالة، باب الدين حديث :2298، وصحيح مسلم، الفرائض، باب من ترك مالا فلورثته، حديث: 1619 .

14

وراثت کے احکام ومسائل

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○

(النساء7:4)
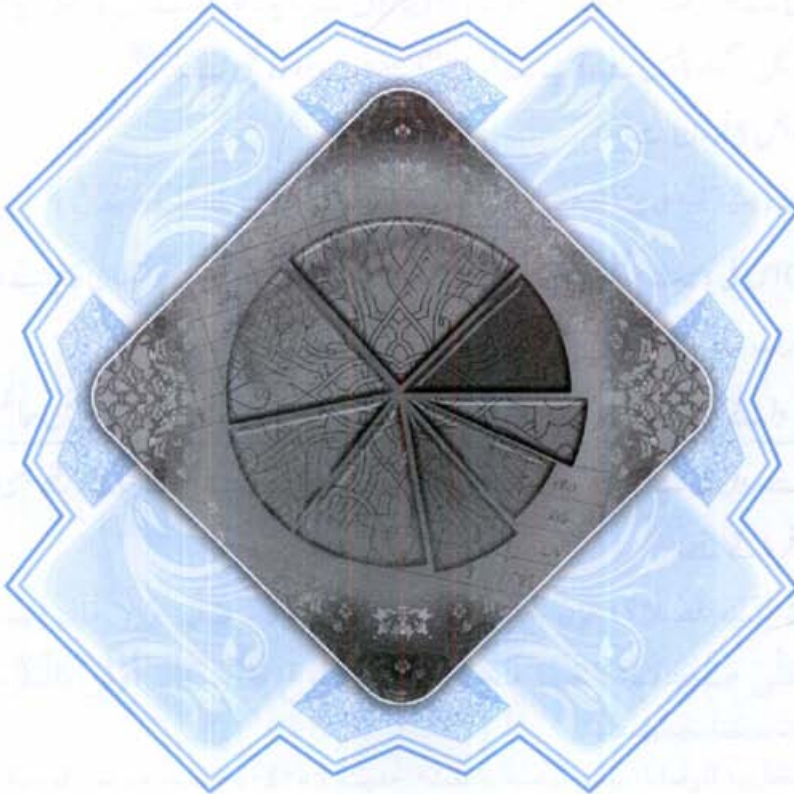
فرائض، یعنی وراثت کے مسائل

فرائض کی تعریف: فرائض، فریضۃ کی جمع اور فرض سے ماخوذ ہے، یعنی معین کرنا، مقرر کرنا۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿ فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ﴾ ”تو اس (مہر) کا نصف ادا کرنا ہوگا جو تم نے مقرر کیا ہو۔“ [1]

اور شرعی اصطلاح میں وارث کے لیے مقررہ حصے کو ”فرض“ کہتے ہیں۔

وارث ہونے کے تین اسباب ہیں: نسب، ولاء اور نکاح۔ (1) نسب: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ ﴾

”اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں ان کے بعض، بعض پر دوسرے ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے زیادہ حق دار ہیں۔“

(2) وَلَاء: غلام جو آزاد کیا گیا ہو، اس کے اور اس کے آزاد کرنے والے کے مابین تعلق اور نسبت کو وَلَاء کہتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے: «اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ»

”ولاء ویسا ہی ایک تعلق ہے جیسا کہ نسب ہوتا ہے، اسے بیچا نہیں جا سکتا، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔“ [2]

(3) نکاح: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ ﴾ ”اور تمھاری بیویوں کے ترکے میں تمھارا آدھا حصہ ہے۔“ [3]

وراثت سے محرومی کے تین اسباب ہیں: قتل، اختلافِ دین اور غلامی۔

وراثت کے احکام قرآن مجید میں مکمل وضاحت سے بیان ہوئے ہیں: یہ مسائل تین آیات میں بیان ہوئے ہیں، جن میں علمِ وراثت کے فرائض، ارکان اور دیگر احکام کو جمع کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں:

---

[1] البقرة 2:237. [2] [صحیح] صحیح ابن حبان، حدیث: 4950، والمستدرك للحاكم: 4/341، 342، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 10/292. [3] النسآء 4:12.

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر (دویا) دو سے زیادہ عورتیں ہی ہوں تو ان کے لیے ترکے میں دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے اور اس (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے ترکے میں چھٹا حصہ ہے، اگر اس کی اولاد ہو۔ پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔ پھر اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی، تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے۔ (یہ تقسیم) اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔'' [1]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴾

''اور تمھاری بیویوں کے ترکے میں تمھارا آدھا حصہ ہے، اگر ان کی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکے میں تمھارا چوتھا حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) ان کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی اور اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکے میں تمھاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے، پھر اگر تمھاری اولاد ہو تو تمھارے ترکے میں ان کا آٹھواں حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) تمھاری وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جا رہا ہو، اس کی اولاد ہو نہ باپ، یا ایسی ہی عورت ہو اور اس کا ایک بھائی یا

[1] النسآء 4:11.

ایک بہن ہوتو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ پھر اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہوتو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی) جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے اور اللہ خوب جاننے والا، بڑے حوصلے والا ہے۔''[1]

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۧ﴾

''(اے نبی!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ خود تمھیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے، اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے اور اگر بہن کی اولاد نہ ہو تو اس کا بھائی اس بہن کا وارث ہوگا، پس اگر بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) تو ان کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی حصہ ہے اور اگر کئی بھائی بہن مرد اور عورتیں (وارث) ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے وضاحت سے بیان فرما رہا ہے تاکہ تم بہک نہ جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''[2]

ان کے علاوہ بھی کچھ دوسری آیات میں وراثت کے احکام آئے ہیں لیکن ان میں اجمال ہے اور وراثت کے احکام بغیر تفصیل کے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۧ﴾

''اور اللہ کی کتاب میں (خون کے) رشتے دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''[3]

نیز فرمایا:

﴿ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝﴾

''اور رشتے دار اللہ کی کتاب کی رو سے (دوسرے) مومنین اور مہاجرین کی نسبت آپس میں (ترکے کے) زیادہ

[1] النسآء 4:12۔ [2] النسآء 4:176۔ [3] الأنفال 8:75۔

حقدار ہیں، مگر تم اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی کرنا چاہو (تو کر سکتے ہو)، یہ کتاب الٰہی میں لکھا ہوا ہے۔"[1]

اور فرمایا:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴾

"مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، (یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔"[2]

ان آیات کی تفصیل اوپر کی ان آیات میں بیان ہوئی ہے جن میں ہر وارث کا حصہ متعین کیا گیا ہے۔علمِ میراث کا محور یہی آیات ہیں۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ سے اجاگر ہونے والے نکات

* اول: قرضہ وصیت کے نفاذ سے پہلے ادا کیا جانا چاہیے۔
* دوم: بیٹوں اور بیٹیوں کے احکام۔ (1) جب کوئی ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر فوت ہو جائے تو ان میں مال کی تقسیم اس طرح ہے کہ بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملتا ہے۔

(2) اگر بیٹے بیٹیاں متعدد ہوں تو ان میں بھی بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔

(3) جب اولاد کے ساتھ اصحاب الفروض بھی ہوں، یعنی جن کے حصے قرآن کریم نے مقرر کر دیے ہیں، مثلاً: میاں بیوی یا ماں باپ تو پہلے ان اصحاب الفروض کا حصہ نکالنے کے بعد بقیہ اولاد میں حسب قاعدہ تقسیم کیا جائے گا، یعنی بیٹے کو بیٹی سے دوگنا۔

(4) اگر میت کا وارث صرف ایک ہی بیٹا ہو تو وہ کل مال کا وارث ہوگا۔اور یہ حکم ان آیات کریمہ سے لیا گیا ہے:

﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾ "مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔"[3]

﴿ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ﴾ "اور اگر ایک ہی (بیٹی) ہو تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے۔"[4]

اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ بیٹا اگر اکیلا ہو تو سارا مال اس کا ہے۔

جب میت کی اپنی صلبی اولاد نہ ہو تو بیٹے کی اولاد صلبی اولاد کے قائم مقام ہوتی ہے کیونکہ لفظ ﴿ أَوْلَادِكُمْ ﴾ عام

[1] الأحزاب 6:33. [2] النسآء 7:4. [3] النسآء 11:4. [4] النسآء 11:4.

ہے۔ جو صلبی اولاد اور بیٹے کی اولاد نیچے تک کو شامل ہے۔ اور اس پر اجماع ہے۔

* سوم: ماں باپ کا حکم: ① میت کے وارثوں میں اس کی اولاد بھی ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔

② اگر میت کی اولاد نہ ہو تو ماں باپ میں سے ماں کو کل مال کا تیسرا حصہ اور باپ کو بقیہ دو تہائی ملے گا۔

③ جب ماں باپ کے ساتھ میت کے بھائی بھی ہوں، دو یا زیادہ، تو ماں چھٹے حصے کی وارث ہوگی اور بقیہ 5/6 (پانچ سدس) باپ کے لیے ہوگا۔ اور بھائی بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ باپ ان کے لیے حاجب ہے۔

* چہارم: شوہر کا حکم: ① بیوی فوت ہو جائے اور اپنے وارثوں میں اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو شوہر کو آدھا مال ملتا ہے۔

② اگر اس کے وارثوں میں اولاد بھی ہو تو شوہر کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔

* پنجم: ایک یا متعدد بیویوں کے بارے میں احکام وراثت: ① شوہر فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد وارث نہ ہو تو بیوی یا بیویوں کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔

② اگر شوہر کی اولاد بھی وارث ہو تو بیوی یا بیویوں کے لیے آٹھواں حصہ مقرر ہے۔

* ششم: اخیافی، یعنی ماں جائے بھائی بہنوں کا حکم: ① اگر مرنے والا ایک مادری بھائی یا ایک ماں جائی بہن چھوڑے تو اس کے لیے چھٹا حصہ ہے، چاہے وہ بھائی ہو یا بہن۔

② اور اگر زیادہ ہوں، یعنی دو یا دو سے زیادہ ماں جائے بھائی یا بہنیں تو ان سب کے لیے تیسرا حصہ مقرر ہے جو برابر برابر تقسیم ہوگا۔

* ہفتم: حقیقی بہن بھائی ہوں یا باپ شریک، ان کا حکم: ① اگر میت اپنے پیچھے ایک حقیقی بہن چھوڑ مرے یا جو باپ کی طرف سے ہو اور میت کے وارثوں میں ماں باپ یا کوئی اولاد نہ ہو تو حقیقی بہن یا جو باپ کی طرف سے بہن ہوگی، وہ آدھا ترکہ لے جائے گی۔

② اگر دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں وارث ہوں یا جو باپ کی طرف سے بہنیں ہوں اور میت کی کوئی اولاد نہ ہو اور نہ ماں باپ تو ان حقیقی یا پدری بہنوں کے لیے ترکے میں دو تہائی حصہ ہے۔

③ اگر کئی بہن بھائی ہوں حقیقی یا پدری تو ان بھائی بہنوں میں مال کی تقسیم اسی قاعدے کے تحت ہوگی کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔

④ جب کوئی حقیقی بہن فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اصل یا فرع نہ ہو (ماں باپ یا اولاد میں سے کوئی بھی نہ ہو)

تو حقیقی بھائی کل مال لے جائے گا۔ اور اگر یہ بھائی کئی ہوں تو مال برابر تقسیم ہو گا۔ اور یہی حکم پدری بھائیوں یا پدری بہنوں کا ہے جب میت کے حقیقی بھائی بہن موجود نہ ہوں۔

ترکے کی تقسیم کا آغاز اصحاب الفروض سے کیا جائے اور باقی ماندہ مال عصبہ کے لیے ہوگا: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ»

''مقررہ حصے ان کے مستحقین کو دو، ان سے جو بچے تو وہ قریب ترین مرد کے لیے ہے۔''[1]

فرائض سے مراد مقررہ حصے ہیں اور ان کے حقداروں کا بیان بھی منصوص ہے۔ ان کے حصے دینے کے بعد بقیہ مال قریب ترین مرد یا مردوں کے لیے ہوتا ہے۔

بہنیں، بیٹیوں کے ساتھ مل کر عصبہ کے حکم میں داخل ہیں: یعنی اصحاب الفروض کے حصے دینے کے بعد باقی جس قدر مال بچے، بہنیں، بیٹیوں کی معیت میں اس کی بطور عصبہ حقدار ہوتی ہیں، جیسا کہ مرد بقیہ کا وارث ہوتا ہے، ابوقیس سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے ہزیل بن شرحبیل سے سنا، کہتے تھے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ بیٹی، پوتی اور بہن میں ترکہ کیسے تقسیم ہو گا؟ فرمایا کہ بیٹی کے لیے آدھا ہے اور بہن کے لیے بھی آدھا ہے، مزید کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ، وہ بھی میری تائید کریں گے۔ چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اور انھیں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی بات بھی بتائی گئی، تو انھوں نے جواب دیا: اگر میں اسی طرح کہوں جس طرح انھوں نے کہا ہے تو گمراہ ٹھہروں گا اور ہدایت والوں میں سے نہ رہوں گا، میں تو اس سلسلے میں وہی فیصلہ کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا: بیٹی کے لیے آدھا ہے اور پوتی کے لیے چھٹا حصہ تا کہ دو تہائی پورے ہو جائیں اور باقی بہن کے لیے ہے، چنانچہ ہم ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بات بتائی تو انھوں نے کہا: جب تک تم میں یہ عظیم عالم موجود ہے، مجھ سے مسئلہ مت پوچھا کرو۔[2]

چھٹے حصے کے مستحق وارث

1. پوتی، بیٹی کی معیت میں۔ جیسے کہ مذکورہ بالا صحیح حدیث میں بتایا گیا ہے۔

[1] صحيح البخاري، الفرائض، باب :ابني عم أحدهما أخ للأم والآخر زوج، حديث :6746، وصحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فلأولى رجل ذكر، حديث : 1615. [2] صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث ابنة ابن مع ابنة، حديث :6736.

2. پدری بہن حقیقی بہن کی معیت میں، یہ قیاس ہے پوتی پر جب کہ وہ بیٹی کے ساتھ ہو۔

3. دادی یا نانی جب کہ ماں نہ ہو۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے جبکہ ماں نہ ہو۔[1]

4. دادا، جب کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا عزیز نہ ہو جو اسے محروم کر دے۔

اور یہ بالا جماع "باپ" پر قیاس ہے۔ امام ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ دادا باپ کے حکم میں ہوتا ہے۔[2]

5. ماں، جب میت کے بیٹے یا بھائیوں کے ساتھ ہو: سورۂ نساء میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ﴾

"پھر اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔"[3]

6. ماں شریک بھائی جب کہ وہ اکیلا ہو، یا اکیلی ماں شریک بہن ہو: جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوا ہے۔

7. باپ میت کے بیٹے کی معیت میں ہو: جیسے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ﴾

"اور اس (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے ترکے میں چھٹا حصہ ہے، اگر اس کی اولاد ہو۔"[4]

اگر میت کا بیٹا، پوتا یا باپ زندہ ہو تو بھائیوں اور بہنوں کے لیے کچھ نہیں ہے: اور اس پر اہلِ علم کا قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دادا کے ہوتے ہوئے میت کے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت: اس میں راجح یہ ہے کہ بھائی بہن حقیقی ہوں یا باپ کی طرف سے، دادا کے ہوتے ہوئے وارث بنتے ہیں اور دادا ان کے لیے وراثت میں رکاوٹ نہیں بنتا جیسا کہ باپ کا حال ہے (کہ وہ رکاوٹ بنتا ہے) اور دلیل اس کی یہ ہے کہ دادا اور بھائی میت کے ساتھ تعلق میں ایک ہی درجے میں ہیں۔ جیسا کہ دادا (میت کے) باپ کے واسطے سے میت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اسی طرح بھائی بھی باپ کے واسطے سے اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور دادا باپ کا اصل ہے تو بھائی باپ کی فرع ہیں،

[1] [حسن] سنن أبي داود، الفرائض، باب في الجدة، حديث: 2895. [2] كتاب الإجماع، ص 74. [3] النسآء 4:11.
[4] النسآء 4:11.

چونکہ دونوں فریقوں کا میت کے ساتھ برابر کا تعلق ہے، اس لیے یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ ایک فریق کو وارث بنایا جائے اور دوسرے کو محروم کر دیا جائے۔

میت کے بھائیوں کی وراثت میت کی بیٹیوں کی معیت میں: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی، سعد کی دو بیٹیوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! یہ سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں، ان کا باپ اُحد کے روز آپ کی معیت میں تھا کہ شہید ہو گیا، ان کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے، ان کا نکاح نہیں ہو سکے گا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَقْضِي اللهُ فِي ذٰلِكَ» . فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلٰى عَمِّهِمَا فَقَالَ «أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ»

"اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فیصلہ فرما دے گا۔" چنانچہ آیتِ میراث نازل ہوئی۔ آپ نے ان کے چچا کو بلوا بھیجا۔ اور اس سے کہا: "سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور باقی جو بچے، وہ تمھارا ہے۔"[1]

مادری بھائی بیٹی کی معیت میں وارث نہیں ہو سکتے: کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ﴾

"اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جا رہا ہو، اس کی اولاد ہو نہ باپ، یا ایسی ہی عورت ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔"[2]

اور یہاں «إِخْوَةٌ لِأُمٍّ» مراد ہیں، یعنی ماں کی طرف سے بھائی، جیسے کہ کچھ قراءتوں میں آیا ہے۔

کَلالہ اس کو کہتے ہیں جو وارثوں میں سے اصل (باپ) ہو نہ فرع (اولاد) یا وہ شخص جس کا نہ اصل ہو (باپ) اور نہ فرع۔ اور یہاں أخ اور أخت سے ماں کی طرف سے بہن بھائی مراد ہیں جیسا کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تفسیر کی ہے۔[3]

حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں پدری بھائی محروم ہو جاتا ہے: علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ تم لوگ یہ آیت کریمہ

[1] [حسن] سنن أبي داود، الفرائض، باب ماجاء في ميراث الصلب، حديث :2892، وجامع الترمذي، الفرائض، باب ماجاء في ميراث البنات، حديث:2092 واللفظ له ، وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب فرائض الصلب، حديث:2720.
[2] النسآء 12:4. [3] تفسير ابن كثير، النسآء 12:4.

پڑھتے ہو: ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ﴾

”(یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی۔)“ [1]

اور رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ قرضہ پہلے ادا ہو اور وصیت بعد میں۔ اور حقیقی بھائی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں، ان کے ہوتے ہوئے پدری بھائی وارث نہیں بنتا۔ [2]

نوٹ: جو بھائی ایک ماں باپ سے ہوں انھیں عینی، جو صرف باپ کی طرف سے ہوں انھیں علّاتی اور جو صرف ماں کی طرف سے ہوں انھیں اَخیافی کہا جاتا ہے۔

وارثوں میں تیسرا درجہ ذوی الارحام کا ہے: یعنی ایسے عزیز واقارب جو براہ راست (ذوی الفروض اور عصبہ کی موجودگی میں) وارثوں میں شمار نہیں ہوتے، سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾

”اور اللہ کی کتاب میں (خون کے) رشتے دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔“ [3]

ابوامامہ بن سہل بن حنیف کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ مَوْلٰى مَنْ لَّا مَوْلٰى لَهُ، وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهُ»

”اللہ اور اس کا رسول اس کے دوست ہیں جس کا کوئی دوست نہ ہو اور ماموں وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہ ہو۔“ [4]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا ایک آزاد کردہ غلام تھا، وہ کھجور سے گر کر مر گیا، آپ نے دریافت فرمایا:

«اُنْظُرُوا هَلْ لَهُ مِنْ وَّارِثٍ؟» قَالُوا: لَا، قَالَ: «فَادْفَعُوهُ إِلٰى بَعْضِ أَهْلِ الْقَرْيَةِ»

”دیکھو! کیا اس کا کوئی وارث بھی ہے؟“ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ”اس کا ترکہ اس کی بستی والوں میں سے کسی کے حوالے کر دو۔“ [5]

---

[1] النسآء 12:4. [2] [حسن] جامع الترمذي، الفرائض، باب ماجاء في ميراث الإخوة من الأب والأم، حديث: 2094، وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب ميراث العصبة، حديث: 2739. [3] الأنفال 75:8. [4] [صحيح] جامع الترمذي، الفرائض، باب ماجاء في ميراث الخال، حديث: 2103، وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب ذوي الأرحام، حديث: 2737. [5] [صحيح] سنن أبي داود، الفرائض، باب في ميراث ذوي الأرحام، حديث: 2902، وجامع الترمذي، الفرائض، باب ماجاء في الذي يموت وليس له وارث، حديث: 2105 و اللفظ له، وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب ميراث الولاء، حديث: 2733.

ترکے کی تقسیم میں عول کا طریقہ: علم میراث میں ''عَوْل'' سے مراد یہ ہے کہ اصل مسئلہ بڑھا کر وارثوں کے حصوں میں کچھ کمی کر دی جائے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اصحاب الفروض زیادہ ہوں اگر ان کے حصوں کے مطابق مال تقسیم کیا جائے تو چند ایک ہی میں وہ مال کھپ جائے اور کئی اصحاب الفروض باقی رہ جاتے ہوں اور انھیں کچھ نہ ملتا ہو تو اصل مسئلے کو (خاص حساب سے) زیادہ کر دیا جاتا ہے تاکہ تمام وارثوں کو حصہ مل جائے، کوئی محروم نہ رہے مگر اس طرح ہر وارث کے حصے میں کچھ کمی آ جاتی ہے۔

عول کا واقعہ سب سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا، انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عول کا مشورہ دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کے مقررہ حصوں کو کچھ کم کر دو، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی تائید کی، پھر اس (عول) پر اجماع ہو گیا۔[1]

مسائلِ وراثت کے بنیادی اصول سات ہیں، یعنی جن سے مسائلِ وراثت حل ہوتے ہیں، ان میں سے تین میں عول ہوتا ہے اور چار میں نہیں ہوتا، جن میں عول ہوتا ہے، وہ یہ ہیں: 12،6 اور 24 اور جن میں عول نہیں ہوتا، وہ یہ ہیں: 4،3،2 اور 8۔

لعان کرنے والی، زانیہ عورت اور ان کی اولاد کی وراثت کا مسئلہ: لعان کرنے والی یا زانیہ عورت کا بچہ صرف اپنی ماں اور اس کے رشتہ داروں کا وارث بنتا ہے، اسی طرح یہی عورتیں اپنی ان اولاد کی وارث بنتی ہیں۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کی حدیث میں، جس میں لعان کے واقعے کی تفصیل ہے، بتایا گیا ہے کہ اس عورت کا بیٹا اپنی ماں ہی کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، پھر یہی طریقہ جاری ہو گیا کہ جو حصہ اللہ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے، اس کے مطابق ایسی عورت اپنے بیٹے کی اور بیٹا اپنی ماں کا وارث ہے۔[2]

نومولود کی میراث: نومولود اگر زندہ پیدا ہو، جس کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ رو پڑے، آواز نکالے، تو وارث شمار ہو گا چاہے اس کے بعد فوراً ہی مر جائے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُودُ وُرِّثَ» ''نومولود جب چیخ مار دے (آواز نکالے) تو اسے وارث بنایا جائے۔''[3]

آزاد کردہ غلام کی وراثت کا مسئلہ: آزاد کردہ غلام (مولیٰ) کی وراثت اسے آزاد کرنے والے کو ملتی ہے، اگر آزاد کردہ غلام کے اپنے عصبات ہوں تو پھر مولیٰ (آزاد کرنے والے) کو کچھ نہیں ملتا، البتہ حصہ داروں (ذوی

[1] فقه السنة للسيد سابق: 442/3. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب التلاعن في المسجد، حديث: 5309، وصحيح مسلم، اللعان، حديث: 1492. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الفرائض، باب في المولود يستهل ثم يموت، حديث: 2920.

الفروض) سے اگر کچھ بچ رہے تو اسے ملتا ہے۔ عبداللہ بن شداد، حمزہ بن ابی لیلیٰ کی صاحبزادی سے نقل کرتے ہیں (یہ خاتون عبداللہ بن شداد کی ماں کی طرف سے بہن ہیں) وہ بیان کرتی ہیں کہ میرا ایک آزاد کردہ (مولیٰ) غلام فوت ہوگیا، اس کی ایک بیٹی بھی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس کا مال میرے اور اس کی بیٹی کے درمیان آدھا آدھا تقسیم فرما دیا (آدھا مجھے بوجۂ عصبہ ہونے کے اور آدھا اس کی بیٹی کو بوجۂ ذوی الفروض ہونے کے۔) [1]

ہزیل، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: اہل اسلام اپنے (آزاد کیے جانے والے) غلاموں کو سائبہ نہیں بناتے جبکہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ انھیں سائبہ کر دیتے تھے۔ [2]

سائبہ سے یہاں مراد یہ ہے کہ غلام کو آزاد کیا جائے اور پھر آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے کے درمیان تعلق ولاء باقی نہ رہے۔

ولاء کا بیچنا یا کسی کو ہبہ کرنا حرام ہے: ولاء، آزاد کرنے والے مالک اور آزاد کیے جانے والے غلام کے درمیان نسبی تعلق جیسا تعلق اور حکمی قرابت ہے جسے ولاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولاء کو بیچنے یا ہبہ کر دینے سے منع فرمایا ہے۔ [3]

مسلمان اور کافر کے درمیان وراثت نہیں چلتی: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»

''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا۔'' [4]

قاتل اپنے مقتول کا وارث نہیں بن سکتا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْقَاتِلُ لَا يَرِثُ» ''قاتل وارث نہیں ہوسکتا۔'' [5]

وراثت کے معاملے میں کسی طرح کا ظلم کرنا حرام ہے: عرب لوگ زمانۂ جاہلیت میں صرف مردوں کو وارث بناتے تھے اور عورتوں کو محروم کر دیتے تھے۔ بڑوں کو دیتے تھے، بچوں کو کچھ نہ دیتے تھے، چنانچہ جب

[1] [حسن] سنن ابن ماجه، الفرائض، باب ميراث الولاء، حديث: 2734، والمستدرك للحاكم: 66/4. [2] صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث السائبة، حديث: 6753. [3] صحيح البخاري، العتق، باب بيع الولاء وهبته، حديث: 2535، وصحيح مسلم، العتق، باب النهي عن بيع الولاء وهبته، حديث: 1506. [4] صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم وإذا أسلم قبل أن يقسم الميراث فلا ميراث له، حديث: 6764، وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ولا يرث الكافر المسلم، حديث: 1614 وللفظ له. [5] [صحيح] جامع الترمذي، الفرائض، باب ما جاء في إبطال ميراث القاتل، حديث: 2109، وسنن ابن ماجه، الديات، باب القاتل لا يرث، حديث: 2645.

اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عنایت فرمایا۔ اور ان حقوق کو اللہ کی وصیت اور اللہ کا فریضہ قرار دیا۔ بلکہ ان آیات کے آخر میں بڑے سخت کلمات کہے گئے ہیں اور وراثت میں شریعت کی مخالفت کرنے والوں کے لیے بڑی سخت وعید آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾

"یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے آگے نکلے گا تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔"[1]

وراثت میں حجب اور حرمان: (کسی کا دوسرے کے لیے مانع بن جانا یا وراثت سے محروم کر دیا جانا۔)

* حجب: کا لفظ حجاب سے ہے اور لغت میں ممانعت اور رکاوٹ کو بھی حجب کہتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے اس کے حق وراثت میں کلی یا جزوی طور پر اس طرح رکاوٹ بن جائے کہ وہ اس کا مستحق نہ رہے۔

* حرمان: اس سے مراد یہ ہے کہ وارث کے لیے کوئی سبب آڑے آ جائے جس سے وہ حق وراثت سے محروم کر دیا جائے، مثلاً: قتل وغیرہ۔

حجب کی دو قسمیں ہیں: (1) حجب نقصان: یعنی وارث کا حصہ کم ہو جائے۔ (2) حجب حرمان: یعنی وارث وراثت سے یکسر محروم ہو جائے۔ حجب نقصان پانچ قسم کے افراد کو لاحق ہو سکتا ہے:

1. شوہر: فوت شدہ بیوی کی اولاد موجود ہو تو شوہر کا استحقاق نصف سے چوتھائی حصے تک کم ہو جاتا ہے۔
2. بیوی: فوت شدہ شوہر کی اولاد موجود ہو تو بیوی کا استحقاق چوتھائی سے آٹھویں حصے تک کم ہو جاتا ہے۔
3. ماں: فوت شدہ شخص کی وارث اولاد موجود ہو تو ماں کا استحقاق ایک تہائی سے چھٹے حصے تک آ جاتا ہے۔
4. پوتی: میت کی ایک حقیقی بیٹی موجود ہو تو پوتی کا حصہ نصف سے چھٹے حصے کی طرف آ جاتا ہے۔
5. وہ بہن جو باپ کی طرف سے ہو۔ میت کی ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں باپ شریک بہن کا حصہ نصف سے چھٹے حصے کی طرف آ جاتا ہے۔

[1] النسآء 4:13،14.

حجب حرمان یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے کلی طور پر وراثت سے محرومی کا باعث بن جائے، مثلاً: بھائی، بیٹے کے ہوتے ہوئے محروم رہتا ہے۔ اور درج ذیل چھ وارثوں کو حجب حرمان نہیں ہوتا ہے، یعنی وہ کبھی محروم نہیں ہوتے اگرچہ بعض اوقات حجب نقصان سے دو چار ہو جاتے ہیں: (1) باپ (2) ماں (3) بیٹا (4) بیٹی (5) شوہر (6) بیوی ان کے علاوہ رشتوں میں حجب حرمان آتا ہے، جو دو بنیادوں پر قائم ہے:

(1) ہر وہ شخص جو میت کے ساتھ کسی شخص کے ذریعے سے ناطہ رکھتا ہو تو وہ اس شخص کی موجودگی میں وارث نہیں بن سکتا، مثلاً: پوتا، یہ بیٹے کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوتا، سوائے ماں کی اولاد کے، ماں کی اولاد اپنی ماں کے ساتھ ترکے کی وارث ہوتی ہے، حالانکہ وہ اسی ماں کے واسطے سے اس میت کے تعلق دار بنتے ہیں۔[1]

(2) قریبی رشتہ دار کو دور والے سے مقدم رکھا جاتا اور ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ بیٹا میت کے بھتیجے کے لیے مانع وراثت ہے۔ اگر ان رشتہ داروں کا تعلق میت کے ساتھ ایک ہی درجے میں ہو تو پھر قوتِ قرابت کی وجہ سے ترجیح دی جائے گی جیسا کہ حقیقی بھائی، پدری بھائی کے لیے مانعِ وراثت ہے۔

[1] ملاحظہ ہو: فقه السنة للسيد سابق :441،440/3

وصیت کے احکام ومسائل

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ○

(البقرة2:180)

شرعی سزاؤں کا بیان

حدود کی تعریف: لفظ حدود، حد کی جمع ہے۔ بنیادی طور پر ہر اس شے کو حد کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل اور رکاوٹ بنی ہوئی ہو، اسی سے بمعنی رکاوٹ اور منع بھی وارد ہے۔

اور اصطلاحاً ان مقررہ سزاؤں کو کہتے ہیں جو شرعی احکام کی خلاف ورزی کے نتیجے میں لازم آتی ہیں، تاکہ وہ ممنوعہ باتوں کے ارتکاب کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔

مقدمہ حاکم تک پہنچ جائے تو کسی حد میں سفارش کرنا ناجائز ہے: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اہل قریش کے لیے بنو مخزوم کی اس عورت کا مقدمہ بڑی پریشانی کا باعث بنا جس نے چوری کر لی تھی۔ انھوں نے کہا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کون بات کرے؟ اس کے لیے آپ کے چہیتے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے علاوہ اور کوئی جرأت گفتار نہیں کرسکتا، چنانچہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی، تو آپ نے فرمایا:

«أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللهِ؟» ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ، فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا ضَلَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ الضَّعِيفُ فِيهِمْ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا»

”کیا تو اس حد کے بارے میں سفارش کرتا ہے جو اللہ کی حدوں میں سے ہے؟!“ پھر آپ کھڑے ہو گئے، خطبہ دیا اور فرمایا: ”لوگو! تم سے پہلے لوگ صرف اسی وجہ سے گمراہ ہو گئے تھے کہ ان میں جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو وہ اسے چھوڑ دیتے تھے اور کمزور اور کم درجے کا آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے تھے، اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو محمد (ﷺ) اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔“[1]

کسی صاحب ایمان کی غلطی پر پردہ ڈالنا مستحب ہے: آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»

[1] صحيح البخاري، الحدود، باب كراهية الشفاعة في الحد إذا رفع إلى السلطان، حديث :6788.

’’جس نے کسی مسلمان کا پردہ رکھا، اللہ دنیا اور آخرت میں اس کا پردہ رکھے گا۔‘‘ [1]

انسان کو چاہیے کہ خود بھی اپنے اوپر پردہ ڈالے رکھے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ، وَإِنَّ مِنَ الْمُجَاهَرَةِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا، ثُمَّ يُصْبِحَ وَقَدْ سَتَرَهُ اللهُ فَيَقُولُ: يَا فُلَانُ! عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللهِ عَنْهُ»

’’میری امت کے سب لوگ معافی پا جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جو اعلانیہ (ممنوعہ باتوں کے) مرتکب ہوتے ہیں (اللہ کی حدیں توڑتے ہیں) اعلان و اظہار کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی رات کے وقت کوئی کام کرے، جبکہ اللہ نے اس پر پردہ ڈالا ہوا تھا، لیکن وہ صبح ہونے پر بولنے لگے: ارے فلاں! میں نے آج رات یہ یہ کیا ہے، حالانکہ رات گزری اور اللہ نے اس پر پردہ ڈالا ہوا تھا اور وہ صبح ہونے پر اللہ کے پردے کو نوچ ڈالتا ہے۔‘‘ [2]

حد کا نفاذ مرتکب کے لیے کفارہ بن جاتا ہے: عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا:

«بَايِعُونِي عَلٰى أَنْ لَّا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا - وَقَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ كُلَّهَا - فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ فَهُوَ إِلَى اللهِ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ»

’’مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے، چوری کرو گے نہ بدکاری۔‘‘ پھر آپ نے یہ (سورۂ ممتحنہ کی) آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: ’’جس نے یہ اعمال پورے کیے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور جو کسی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا اور اسے سزا دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگی اور جو مرتکب ہوا اور اللہ نے اس کو پردے میں رکھا تو پھر اس کا معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے، چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو سزا دے۔‘‘ [3]

[1] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث: 2699. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب ستر المؤمن على نفسه، حديث: 6069، وصحيح مسلم، الزهد، باب النهي عن هتك الإنسان ستر نفسه، حديث: 2990. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب 11، حديث: 18 و 6784، وصحيح مسلم، الحدود، باب الحدود

حد کون جاری کرے؟ حد جاری کرنا حاکم اعلیٰ (امام) یا اس کے نائب کا کام ہے کیونکہ آپ علیہ السلام اپنی زندگی میں خود ہی حدیں جاری کیا کرتے تھے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء بھی، ایک بار آپ نے اپنے ایک صحابی کو نمائندہ بنا کر یہ فرض سونپا تھا اور فرمایا تھا:

«وَاغْدُ، يَا أُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»

''انیس! کل صبح اس کی عورت کے پاس جانا، اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دینا۔''[1]

غلام کے مالک (اور آقا) کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے مملوک پر حد جاری کر دے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ، ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعْرٍ»

''جب لونڈی زنا کرے اور زنا واضح طور پر ثابت ہو جائے تو مالک کو چاہیے کہ اس پر حد لگائے اور طعن و تشنیع نہ کرے، اگر دوبارہ زنا کی مرتکب ہو تو اسے حد لگائے اور اسے طعن و تشنیع نہ کرے، اگر تیسری بار پھر ایسا کر لے تو اسے فروخت کر ڈالے، چاہے بالوں کی ایک رسی کے عوض ہی کیوں نہ ہو۔''[2]

زنا کاری کی حد

زنا حرام ہے اور سب سے بڑے گناہوں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾

''اور تم زنا کے قریب بھی مت جاؤ، یقیناً وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔''[3]

زانی یا زانیہ اگر غیر شادی شدہ ہو: زنا کرنے والا شخص غیر شادی شدہ اور آزاد ہو (غلام، لونڈی نہ ہو) تو اس کی حد یہ ہے کہ اسے سو کوڑے مارے جائیں، پھر ایک سال تک کے لیے شہر سے نکال دیا جائے۔ سورۂ نور میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

» کفارات لأهلها، حديث: 1709. [1] صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصُّلح مردود، حديث: 2696,2695 و 2315,2314، وصحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنٰى، حديث: 1698,1697.
[2] صحيح البخاري، الحدود، باب لا يُثَرَّبُ على الأمة إذا زنت ولا تُنفى، حديث: 6839، وصحيح مسلم، الحدود، باب رجم اليهود أهل الذمة في الزنٰى، حديث: 1703. [3] بنی إسرآءیل 32:17.

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

''چنانچہ زانیہ عورت اور زانی مرد، ان دونوں میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین (پر عمل کرنے) کے معاملے میں تمھیں ان دونوں (زانی اور زانیہ) پر قطعاً ترس نہیں آنا چاہیے اور مومنوں میں سے ایک گروہ ان دونوں کی سزا کے وقت موجود ہونا چاہیے۔'' [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو زنا کا مرتکب ہو اور شادی شدہ نہ ہو، یہ فیصلہ فرمایا کہ اسے ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا جائے اور اس پر حد بھی لگائی جائے۔ [2]

زانی اگر شادی شدہ ہو: اگر کوئی شادی شدہ ہونے کے بعد بھی زنا کا مرتکب ہو تو اسے بھی اسی طرح کوڑے لگائے جائیں جس طرح غیر شادی شدہ کو لگائے جاتے ہیں، پھر پتھروں سے سنگسار کر دیا جائے حتی کہ وہ مر جائے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، فَقَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ، جَلْدُ مِائَةٍ وَّالرَّجْمُ»

''مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو، اللہ نے ان زنا کی مرتکب عورتوں کے بارے میں راہ متعین کر دی ہے، کنوارا کنواری کے ساتھ ملوث ہو تو سو کوڑے مارنا ہے اور ایک سال کے لیے شہر بدری ہے اور اگر شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ ملوث ہو تو سو کوڑے مارنا اور سنگسار کر دینا ہے۔'' [3]

امام، یعنی حاکم اور قاضی کے لیے جائز ہے کہ بیک وقت دونوں سزائیں کوڑے مارنا اور رجم کرنا جمع کر دے۔ مگر مستحب یہ ہے کہ صرف سنگسار کرنے پر اکتفا کرے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، اس میں حکمت یہ ہے کہ سنگسار کی شدید ترین سزا جان کا تلف کرنا ہے اور کوڑے مارنا اس سزا کو مزید سخت بنانا ہے جسے چھوڑنے کی رخصت ہے۔ واللّٰہ أعلم.

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

«أَحَقٌّ مَّا بَلَغَنِي عَنْكَ؟» قَالَ: وَمَا بَلَغَكَ عَنِّي؟ قَالَ: «بَلَغَنِي أَنَّكَ وَقَعْتَ بِجَارِيَةِ آلِ فُلَانٍ» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ، ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ»

[1] النور 2:24. [2] صحيح البخاري، الحدود، باب البكران يجلدان ويُنفيان......، حديث: 6833. [3] صحيح مسلم، الحدود، باب حد الزنى، حديث: 1690.

''تمھاری جو بات مجھ تک پہنچی ہے، کیا وہ صحیح ہے؟'' اس نے پوچھا: آپ کو میرے بارے میں کیا معلوم ہوا ہے؟ فرمایا: '' مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم فلاں آل کی لونڈی کے ساتھ ملوث ہو۔'' اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر اس نے چار گواہیاں دیں (چار بار اقرار و اعتراف کیا)، آپ کے حکم پر اسے سنگسار کر دیا گیا۔''[1]

زنا کا اثبات ایک مرتبہ کے اقرار سے ہو جاتا ہے چار بار کہلوانا مزید پختگی کے لیے ہے: کیونکہ اقرار کرنے والے کا اس کے اپنے اقرار پر مؤاخذہ کر لینا شریعت میں ثابت ہے جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے انیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «وَاغْدُ، يَا أُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا» ''اے انیس! صبح اس کی عورت کے پاس جانا، اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دینا۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی مرتکب عورت کے ایک دفعہ کے اعترافِ جرم پر اکتفا کیا تھا جیسا کہ بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں غامدی خاتون کا ذکر ہے کہ اس نے صرف ایک بار اقرار کیا تھا۔[3]

وہ احادیث جن میں یہ واقعہ آیا ہے کہ حد کا مرتکب ایک بار اقرار کرنے کے بعد اپنے آپ پر حد لاگو کرنے کے لیے کہتا ہے، مگر آپ اس سے بار بار اقرار لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ احادیث ایک خاص حکمت کی آئینہ دار ہیں، یعنی اعترافِ جرم کرنے والے کے عقل و شعور پر کوئی شک ہو تو وہ دور ہو جائے، یا اس نے کوئی نشہ کر رکھا ہو تو پتہ چل جائے، بس اسی غرض و غایت کے لیے بار بار اقرار لیا گیا۔

اور ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصے میں جو آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے حتی کہ ماعز نے چار بار اقرار کیا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نفاذِ حد کے لیے چار بار کہنا شرط ہے، بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کو حق حاصل ہے کہ بعض احوال میں مزید تاکید و پختگی کے لیے ایسا طرزِ عمل اختیار کرے تو جائز ہے۔

زنا کا اثبات چار گواہوں کی گواہی سے بھی ہو جاتا ہے: جیسے کہ درج ذیل آیات قرآنیہ میں اس کا بیان آیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً ﴾

[1] صحيح البخاري، الحدود، باب هل يقول الإمام للمقر: لعلك لَمَستَ أو غَمَزْتَ، حديث: 6824، صحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: 1693 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، حديث: 2696,2695، وصحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: 1698,1697. [3] صحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: 1695. جبکہ بعض محققین چار بار اعتراف کو حد کے نفاذ کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حدیثوں سے چار بار کی نفی نہیں ہوتی، اس لیے کہ عدمِ ذکر سے عدم لازم نہیں آتا۔ (عبدالولی)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے، تو تم انھیں اسّی کوڑے مارو۔'' [1]

یہ صریح دلیل ہے کہ زنا کا ثبوت ان چار افراد کی گواہی ہی سے ہوگا۔ اگر چار گواہ نہ ہوں گے تو زنا کا الزام لگانے والوں کو کوڑے لگیں گے: سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ﴾

''اور تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں، تو تم ان پر اپنے میں سے چار مرد گواہ ٹھہرالو۔'' [2]

سورۂ نور میں واقعہ افک کے ضمن میں فرمایا گیا ہے:

﴿ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾

''وہ اس (الزام) پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ پھر جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی لوگ اللہ کے ہاں جھوٹے ہیں۔'' [3]

اقرار یا گواہی میں یہ صراحت ہونا واجب ہے کہ اقرار کرنے والا یا گواہ یہ کہے کہ ایک کا عضو دوسرے کی شرمگاہ میں داخل ہوا ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ جب ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، تو آپ نے اس سے کہا:

«لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ أَوْ غَمَزْتَ أَوْ نَظَرْتَ؟» قَالَ: لَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «أَنِكْتَهَا؟» لَا يَكْنِي، قَالَ: فَعِنْدَ ذٰلِكَ أَمَرَ بِرَجْمِهِ»

''شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، چٹکی بھری ہوگی یا دیکھا ہوگا؟'' اس نے کہا: نہیں اے اللہ کے رسول! اب آپ نے واضح لفظوں میں پوچھا: ''کیا تو نے اس کے ساتھ جماع کیا ہے؟'' چنانچہ اس کے اقرار پر آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔'' [4]

تین افراد گواہی دیں اور چوتھا منکر ہو جائے تو تینوں پر قذف کی حد لاگو ہوگی: کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے، تو تم انھیں اسّی کوڑے مارو

[1] النور 24:4. [2] النسآء 4:15. [3] النور 24:13. [4] صحيح البخاري، الحدود، باب: هل يقول الإمام للمقر: لعلك لَمَسْتَ أو غَمَزْتَ، حديث: 6824.

اور تم ان کی شہادت (گواہی) کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔"[1]

قسامہ بن زہیر سے روایت ہے کہ جب ابوبکرہ اور مغیرہ بن شعبہ کے مابین جو معاملہ پیش آیا، یعنی ابوبکرہ نے مغیرہ بن شعبہ پر بدکاری کی تہمت لگائی...... تو عمر رضی اللہ عنہ نے گواہ طلب کیے، چنانچہ ابوبکرہ، شبل بن معبد اور ابوعبداللہ نافع نے گواہی دے دی، عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی پریشانی ہوئی، جب زیاد آیا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان شاء اللہ تو حق و صداقت ہی کی گواہی دے گا۔ زیاد نے کہا: زنا کی تو میں گواہی نہیں دیتا، لیکن میں نے بڑی قبیح حالت دیکھی ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اکبر! انھیں حد لگاؤ، چنانچہ تینوں گواہوں کو حد قذف لگائی گئی۔ ابوبکرہ نے حد لگائے جانے کے بعد بھی کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ زانی ہے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے پھر ارادہ کیا کہ اس پر دوبارہ حد قذف لگا دیں لیکن علی رضی اللہ عنہ نے روک دیا۔ اور فرمایا: اگر آپ اسے حد لگاتے ہیں تو پہلے اپنے اس صاحب کو رجم کیجیے، چنانچہ اسے چھوڑ دیا اور حد نہیں لگائی۔[2]

اپنے اقرار سے رجوع کرنے والے سے حد ساقط ہو جاتی ہے: محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا، تو انھوں نے کہا: مجھے حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب نے بتایا کہ مجھے قبیلۂ اسلم کے کئی معتبر افراد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ماعز کے بارے میں) صحابہ سے فرمایا تھا: «فَهَلَّا تَرَكْتُمُوهُ!» "تو تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا!"

حسن بن محمد کہتے ہیں کہ یہ روایت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تو میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا، ان سے کہا کہ قبیلۂ اسلم کے لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب ماعز پر پتھر برسے اور اس کی چیخ پکار بلند ہوئی تو بعد میں یہ کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی، تو آپ نے فرمایا:

«أَلَّا تَرَكْتُمُوهُ!» "تو تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا!"

یہ روایت واضح نہیں ہو رہی۔ مجھ سے یہ بات سن کر جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے! میں اس واقعے سے سب سے زیادہ آگاہ ہوں۔ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے ماعز کو پتھر مارے تھے۔ ہم لوگ اسے لے گئے اور اس پر پتھر برسانے لگے، وہ پتھروں کی ضرب کی تاب نہ لا کر چیخ اٹھا: اے میری قوم! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو، مجھے میری قوم نے مروا ڈالا، ان لوگوں نے مجھے میری جان کے بارے میں دھوکہ دیا ہے، انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے قتل نہیں کریں گے، ماعز اسی طرح چیختا رہا مگر ہم نے اسے نہیں چھوڑا، برابر پتھراؤ کیا حتی

[1] النور 24:4. [2] [صحیح] السنن الکبری للبیهقي: 8/234، والإرواء، حدیث: 2679.

کہ اسے مار ہی ڈالا۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس پہنچے اور آپ کو اس کی روداد سنائی تو آپ نے فرمایا:

«فَهَلَّا تَرَكْتُمُوهُ وَجِئْتُمُونِي بِهِ»

''تو تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا اور میرے پاس کیوں نہ لے آئے!''

یہ اس لیے فرمایا کہ آپ اس سے معاملے کی مزید تصدیق کرنے کے خواہش مند تھے، یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ ''حد'' پر عمل درآمد روک دیں، یہ بات ہرگز نہ تھی۔ حسن بن محمد کہتے ہیں کہ اس طرح یہ ماجرا سن کر مجھ پر اس حدیث کی حقیقت واضح ہوگئی۔ [1]

عورت کے باکرہ یا رتقاء اور مرد کے مقطوع الذکر یا نامرد ثابت ہونے پر حد ساقط ہو جاتی ہے: کیونکہ ان صورتوں میں ملاپ کا کوئی امکان نہیں، پس یہ محض زنا کا الزام ہوگا اور اس بارے میں ہر گواہی یا اقرار باطل ہو جائے گا کیونکہ اس دعوے کا جھوٹ بہت واضح ہے۔

زانی کو سزا دینے کے لیے سینے تک گڑھا کھودا جائے: بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں۔ آپ نے واپس بھیج دیا۔ اگلا دن طلوع ہوا، وہ پھر آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے اسے لوٹا دیا اور اس کی قوم سے دریافت کرایا:

«أَتَعْلَمُونَ بِعَقْلِهِ بَأْسًا تُنْكِرُونَ مِنْهُ شَيْئًا؟»

''کیا تم اس کی عقل میں کچھ فرق اور اس کی باتوں میں کچھ فتور محسوس کرتے ہو؟''

انھوں نے جواب دیا: ہم تو اسے بالکل صحیح اور باشعور پاتے ہیں اور بظاہر دیکھنے میں یہ ہمارے صالح افراد میں سے ہے۔ ماعز تیسری بار آپ کے پاس آیا، آپ نے اس کی قوم سے پھر تحقیق کرائی تو ان لوگوں نے کہا: اسے کوئی مرض نہیں، اس کی عقل بھی کسی طرح متاثر نہیں ہے۔ پس جب وہ چوتھی بار آیا (اور اقرار کیا) تو اس کے لیے گڑھا کھودا گیا اور آپ کے حکم سے اسے رجم کر دیا گیا۔ [2]

زانیہ اگر حاملہ ہو تو اسے کب رجم کیا جائے گا؟ جو عورت حاملہ ہو اسے اس وقت تک رجم نہ کیا جائے جب تک کہ بچے کو جنم نہ دے لے اور اپنے بچے کو دودھ نہ پلا لے (جب اس کے لیے کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الحدود، باب رجم ماعز بن مالك، حديث: 4420. [2] صحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنٰى، حديث: 1695.

ہو)۔ جناب بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلۂ ازد کے خاندان غامد کی عورت آئی، کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا:

«وَيْحَكِ! ارْجِعِي فَاسْتَغْفِرِي اللهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ»، فَقَالَتْ: أَرَاكَ تُرِيدُ أَنْ تُرَدِّدَنِي كَمَا رَدَّدْتَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: «وَمَا ذَاكِ؟» قَالَتْ: إِنَّهَا حُبْلٰى مِنَ الزِّنٰى، فَقَالَ: «آنْتِ؟» قَالَتْ: نَعَمْ، فَقَالَ لَهَا: «حَتّٰى تَضَعِي مَا فِي بَطْنِكِ»، قَالَ: فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ حَتّٰى وَضَعَتْ، قَالَ: فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ، فَقَالَ: «إِذًا لَّا نَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيرًا لَّيْسَ لَهُ مَنْ يُّرْضِعُهُ» فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: إِلَيَّ رَضَاعُهُ، يَا نَبِيَّ اللهِ! قَالَ: فَرَجَمَهَا.

''تجھ پر افسوس! واپس چلی جا، اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر۔'' تو اُس نے کہا: میرا خیال ہے آپ مجھے بھی اسی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں جس طرح ماعز بن مالک کو لوٹا دیا تھا۔ آپ نے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' اس نے کہا کہ میں زنا کی وجہ سے حاملہ ہوں، آپ نے کہا: ''کیا تو؟'' اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''اس وقت تک کے لیے توقف کرو کہ جو تمھارے بطن میں ہے، اسے جنم دے دو۔'' راوی کا بیان ہے کہ پھر ایک انصاری نے اس کی ذمہ داری لے لی، حتی کہ اس نے بچے کو جنم دیا، پھر وہ انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی کہ اس غامدی عورت نے ایک بچے کو جنم دیا ہے، آپ نے فرمایا: ''ابھی تو ہم اسے رجم نہیں کر سکتے کہ اس کے بچے کو چھوٹا ہی چھوڑ دیں اور اسے کوئی دودھ پلانے والا ہی نہ ہو۔'' یہ ارشاد سن کر ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اس کا دودھ پلانا میرے ذمے رہا، اے اللہ کے نبی! چنانچہ آپ نے اس خاتون کو رجم کرنے کا حکم دے دیا۔'' [1]

غیر شادی شدہ بیمار زانی کو کھجور کی ڈالی سے بھی سزا دی جا سکتی ہے: جب کوئی (غیر شادی شدہ) زانی بیمار ہو اور اس کی شفایابی کی بھی امید نہ ہو تو اس صورت میں اسے کھجور کی ایک ڈالی سے بھی سزا دی جا سکتی ہے۔

جناب سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے محلے میں ایک آدمی تھا، وہ جسمانی طور پر بڑا ناقص الخلقت اور انتہائی کمزور تھا لیکن ایک دن اچانک (خلاف توقع) اسے دیکھا گیا کہ وہ محلے کی ایک لونڈی پر چھایا ہوا تھا اور اس کے ساتھ خباثت کر رہا تھا۔ چنانچہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] صحیح مسلم، الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنٰی، حدیث: 1695.

«اِجْلِدُوهُ ضَرْبَ مِائَةِ سَوْطٍ» قَالُوا : يَا نَبِيَّ اللهِ! هُوَ أَضْعَفُ مِنْ ذٰلِكَ . لَوْ ضَرَبْنَاهُ مِائَةَ سَوْطٍ مَّاتَ. قَالَ : «فَخُذُوا لَهُ [عِثْكَالًا] فِيهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ، فَاضْرِبُوهُ ضَرْبَةً وَّاحِدَةً»

''اسے سو کوڑے لگاؤ۔'' صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ انتہائی کمزور ہے، ہم نے اس کو سو کوڑے لگائے تو وہ مر جائے گا۔ آپ نے فرمایا: ''اس کے لیے کھجور کی ایک ڈالی لے لو جس میں سو شاخیں ہوں اور وہ اسے ایک ہی مار دو۔'' [1]

لیکن اگر مجرم مریض ایسا ہو جس کے شفا یاب ہونے کی امید ہو تو اسے مہلت دی جائے گی: ابو عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! اپنے غلاموں پر (بھی) حد لگایا کرو، شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے زنا کیا تھا، آپ نے مجھے حکم دیا کہ اسے کوڑے لگاؤں، مگر مجھے معلوم ہوا کہ یہ ابھی ابھی نفاس سے اٹھی ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے اسے کوڑے مارے تو یہ مر جائے گی، میں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: ''تو نے بہت اچھا کیا۔'' [2]

لواطت کی حد قتل ہے، فاعل اور مفعول شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ دونوں کو قتل کر دیا جائے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ وَّجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ»

''تم جسے قوم لوط کا سا کام کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔'' [3]

لواطت سے مراد یہ ہے کہ کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی دبر میں بدکاری کرے یا کسی اجنبی عورت کے ساتھ یہی بدفعلی کرے تب بھی یہی حکم ہے۔

حیوان سے بدفعلی کی سزا تعزیر ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: ''جو شخص کسی حیوان سے بدفعلی کرے، اس پر حد نہیں ہے۔'' [4]

---

[1] [صحیح] سنن ابن ماجه، الحدود، باب الكبير والمريض ......، حديث: 2574. [2] صحيح مسلم، الحدود، باب تأخير الحد ......، حديث: 1705. [3] [ضعيف] سنن أبي داود، الحدود، باب فيمن عمل ......، حديث: 4462، وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد اللوطي، حديث: 1456، وسنن ابن ماجه، الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط، حديث: 2561. لیکن یہ حدیث ثابت نہیں کیونکہ یہ عمرو بن ابی عمرو عن عکرمۃ کی روایت ہے جو کہ ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا اس جرم عظیم اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لیے بھی سخت تعزیر ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المحلی لابن حزم: 385/11. (عبدالولی) [4] [صحیح] سنن أبي داود، الحدود، باب فيمن أتى بهيمة، حديث: 4465، وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء فيمن يقع ......، حديث: 1455.

جب ایسا فعل کرنے والے پر حد نہ ہوگی تو تعزیر اس پر لازم آئے گی کیونکہ اس نے ایسا جرم کیا ہے جس کی شرعی حد نہیں ہے اور نہ کفارہ ہی۔

مملوک غلام کی حد، آزاد کی سزا سے آدھی ہوتی ہے: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ﴾

''(اور اس کے بعد وہ بدکاری کریں) تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہے۔''[1]

نیز علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی یہی بات بیان کی گئی جو اسی باب میں گزر چکی ہے۔

جسے بدکاری پر مجبور کیا گیا ہو اس پر حد نہیں: جناب ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی، اسے پیاس نے پریشان کر دیا تھا، وہ ایک چرواہے کے پاس سے گزری تو اس سے پانی مانگا، چرواہے نے انکار کر دیا، الا یہ کہ وہ اسے بدکاری کا موقع دے، چنانچہ یہ عورت بدی پر مجبور ہوگئی، عمر رضی اللہ عنہ نے اسے رجم کرنے کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ خاتون مجبور تھی، میرا خیال یہ ہے کہ آپ اسے چھوڑ دیں، چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا۔[2]

حد قذف (کسی پر زنا کی تہمت لگا دینے کی سزا)

تہمت لگانے کی حد اسی کوڑے ہے: جیسا کہ اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاۗءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے، تو تم انھیں اَسّی کوڑے مارو۔''[3]

یہ جرم خود مجرم کے اعتراف یا دو عادل گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے۔

تہمت لگانے والا عادل نہیں رہتا حتی کہ توبہ کرے: جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ﴾ ''اور تم ان کی شہادت (گواہی) کبھی قبول نہ کرو۔''[4]

تہمت لگانے والے سے حد قذف دو صورتوں میں ٹل سکتی ہے: (1) جب وہ چار گواہ پیش کر دے: اس صورت میں اس کی بات قذف اور تہمت نہیں ہوگی بلکہ ان چار گواہوں کے بیان سے ثابت ہوگا کہ زنا کا ارتکاب ہوا ہے۔

---

[1] النسآء 4:25. [2] [صحیح] السنن الکبرٰی للبیهقي: 236/8، والإرواء، حدیث: 2313. [3] النور 24:4. [4] النور 24:4.

2 جب تہمت زدہ فرد زنا کا اقرار کر لے: اس صورت میں الزام لگانے والے پر حد قذف کے بجائے زنا کے معترف پر حد لاگو ہوگی۔

چوری کی حد

چور پر حد جاری کرنے کی شرطیں

چور شرعی امور کا مکلّف اور صاحب اختیار ہو: مکلّف ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا آدمی مسلمان ہو، بالغ ہو اور عقل مند ہو۔ مسلمان ہونے کی شرط اس دلیل سے ثابت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روانہ کیا اور فرمایا:

«إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ»

”تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، ان لوگوں کو شہادت توحید و رسالت کی دعوت دینا، اگر وہ تمھاری اطاعت کریں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔“ [1]

عاقل اور بالغ ہونے کی شرط اور اس کی دلیل: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ»

”تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سوئے ہوئے سے حتی کہ جاگ جائے، چھوٹے بچے سے حتی کہ بالغ ہو جائے اور پاگل سے حتی کہ عقل مند ہو جائے۔“ [2]

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء وترد في الفقراء حيث كانوا، حديث: 1496، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، حديث: 19 واللفظ له. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أويصيب حدا، حديث: 4398، وسنن النسائي، الطلاق، باب من لا يقع طلاقه من الأزواج، حديث: 3462، وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه والصغير والنائم، حديث: 2041، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 83/3 واللفظ له.

با اختیار ہونے کی شرط اور اس کی دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»

''اللہ تعالیٰ نے میری امت پر غلطی، بھول چوک اور جس پر انھیں مجبور کیا جائے، وہ امر معاف فرما دیا ہے۔''[1]

چوری شدہ مال بحفاظت رکھا گیا ہو: ''حرز'' (جائے حفاظت) سے مراد ایسی جگہ ہے جو معروف معنوں میں ''تحفظ'' کی جگہ سمجھی جاتی ہو، یا ایسی حالت میں ہو کہ اس تک مالک کے علاوہ کسی غیر کا ہاتھ نہ پہنچ پائے۔

مال کا اپنے 'حرز' یعنی محفوظ جگہ میں ہونا کئی احادیث سے ثابت ہے۔ جناب عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے پھل کی چوری کے متعلق پوچھا گیا جو درختوں پر لگا ہوتا ہے، آپ نے فرمایا: ''اگر کسی ضرورت مند نے لیا ہو بشرطیکہ اس نے اپنے پلے میں کچھ نہ باندھا ہو تو اس پر کوئی باز پرس نہیں، البتہ اگر کوئی کچھ لے کر نکلا ہو تو اس پر اس کا دوگنا جرمانہ ہے اور سزا بھی! اگر کوئی ایسے پھل چرائے جو کھلیان، یعنی پھل خشک اور محفوظ کرنے کی جگہ رکھے گئے ہوں اور اس کی قیمت ایک ڈھال کو پہنچتی ہو تو اس پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو اس سے کم چرائے تو اس پر اسی کا دوگنا جرمانہ ہے اور سزا بھی۔''[2]

اس روایت میں ''سزا'' سے مراد ''تعزیر'' ہے۔

چوتھائی دینار مالیت تک کا مال چوری کرنے کی سزا: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''ہاتھ چوتھائی دینار (مالیت تک کی چوری) اور اس سے زیادہ پر کاٹا جاتا ہے۔''[3]

چوتھائی دینار (سونے کا وزن) 1.0625 گرام کے برابر ہوتا ہے۔

* چوری کا ثبوت دو طرح عیاں ہوتا ہے: (1) چور کا اقبالی بیان: اس کی دلیل وہ صحیح احادیث ہیں جو حد زنا کے اثبات میں پہلے گزر چکی ہیں۔

(2) دو عادل گواہوں کی شہادت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] [صحيح] المستدرك للحاكم: 198/2، وابن حبان (الموارد)، حديث: 1498 واللفظ له. [2] [حسن] سنن أبي داود، الحدود، باب مالا قطع فيه، حديث: 4390، وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في الرخصة في أكل الثمرة للماربها، حديث: 1289، وسنن النسائي، قطع السارق، باب الثمر يسرق بعد أن يؤويه الجرين، حديث: 4961. [3] صحيح البخاري، الحدود، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا أَيْدِيَهُمَا﴾ وفي كم يقطع؟ حديث: 6789، وصحيح مسلم، الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حديث: 1684.

﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ ﴾

''اور تم اپنے مسلمان مردوں میں سے دو گواہ بنا لو، پھر اگر دو مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہی دیں) جنھیں تم گواہوں کے طور پر پسند کرو (یہ اس لیے) کہ ان میں سے ایک عورت اگر بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔''[1]

چور کا دایاں ہاتھ (پہنچے سے) کاٹ دیا جائے: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

''اور تم چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ اللہ کی طرف سے اس گناہ کی عبرت ناک سزا ہے جو انھوں نے کیا اور اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے۔''[2]

چوری کا مقدمہ حاکم مجاز تک پہنچنے سے پہلے صاحب مال معاف کر دے تو حد ساقط ہو جائے گی:

جناب عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَعَافَوُا الْحُدُودَ فِيمَا بَيْنَكُمْ، فَمَا بَلَغَنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ»

''حدود کے معاملات آپس ہی میں معاف کر کرا دیا کرو، حد کا جو معاملہ مجھ تک پہنچ گیا، وہ واجب ہو گیا۔''[3]

چار صورتوں میں ہاتھ نہیں کٹتا: ① کوئی شخص پھل درخت سے توڑ کر کھا لے اور گھر نہ لے جائے۔

② خائن ③ مال لوٹنے والا لٹیرا ④ جھپٹا مار کر لے جانے والا اچکا۔

درختوں سے پھل توڑ کر کھانے والے کے بارے میں حدیث مسئلۂ حرز کے ذیل میں پہلے گزر چکی ہے اور بقیہ کے متعلق دلیل یہ ہے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ عَلٰى خَائِنٍ وَّلَا مُنْتَهِبٍ وَّلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ»

''خائن، لٹیرے اور اچکے کا ہاتھ نہیں کٹتا۔''[4]

---

[1] البقرة 2:282. [2] المآئدة 5:38. [3] [صحيح] سنن أبي داود، الحدود، باب يعفى عن الحدود مالم تبلغ السلطان، حديث: 4376، وسنن النسائي، قطع السارق، باب مايكون حرزا ومالايكون، حديث: 4890. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الحدود، باب القطع في الخلسة والخيانة، حديث: 4391-4393، وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في الخائن والمختلس والمنتهب، حديث: 1448. ایسے مجرموں پر قاضی کوئی اور شدید تعزیر نافذ کرے گا۔ (مترجم)

① چور سے حد ٹالنے والی تلقین کرنے کی دلیل ضعیف ہے: ابوامیہ مخزومی کی روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا، اس نے چوری کا اعتراف کیا تھا، مگر اس کے پاس سے کوئی مال نہیں ملا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا إِخَالُكَ سَرَقْتَ؟» قَالَ: بَلٰى، فَأَعَادَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَمَرَ بِهِ فَقُطِعَ وَجِيءَ بِهِ، فَقَالَ: «اِسْتَغْفِرِ اللهَ وَتُبْ إِلَيْهِ»، فَقَالَ: أَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ. فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ! تُبْ عَلَيْهِ»، ثَلَاثًا»

''میں نہیں سمجھتا کہ تو نے چوری کی ہے؟'' وہ بولا: کیوں نہیں! آپ نے اپنی بات دو یا تین بار دہرائی۔ پھر آپ نے حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، اسے دوبارہ آپ کے پاس لایا گیا، تو آپ نے اس سے فرمایا: ''اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر۔'' اس نے کہا: میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں اور اس کے حضور توبہ کرتا ہوں، تب آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما: یہ تین بار فرمایا۔''[1]

② کٹی ہوئی جگہ کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈبونے کی دلیل ضعیف ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا، اس نے ایک چادر چرائی تھی، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس نے چوری کی ہے، آپ نے فرمایا:

«اِذْهَبُوا بِهِ فَاقْطَعُوا ثُمَّ احْسِمُوهُ، ثُمَّ ائْتُونِي بِهِ» فَقُطِعَ فَأُتِيَ بِهِ، فَقَالَ «تُبْ إِلَى اللهِ»، فَقَالَ: قَدْ تُبْتُ إِلَى اللهِ قَالَ: «تَابَ اللهُ عَلَيْكَ»

''اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو، پھر اسے کھولتے ہوئے تیل میں ڈبو دو اور پھر میرے پاس لاؤ۔'' چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور آپ کے پاس لایا گیا، تو آپ نے اس سے فرمایا: ''اللہ سے توبہ کرو۔'' اس نے کہا: میں اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: ''اللہ تیری توبہ قبول فرمائے۔''[2]

یاد رہے کہ ضعیف حدیث سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

③ عبرت کے لیے چور کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکانے کی دلیل ضعیف ہے: عبدالرحمن بن محیریز سے روایت ہے کہ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا چور کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکانا سنت ہے؟ تو انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا، اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا، پھر آپ نے اس ہاتھ کے بارے میں حکم دیا تو اسے اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔[3]

[1] [ضعیف] الإرواء، حدیث:2426. [2] [ضعیف] الإرواء، حدیث:2431. [3] [ضعیف] الإرواء، حدیث:2432.

شراب پینے کی حد

شراب پینا سب سے بڑے گناہوں میں سے ایک ہے: اہل علم کا یہی قول اور فتویٰ ہے۔[1]

وجوبِ حد کی شرطیں: اس کی شرط یہ ہے کہ شراب پینے والا شرعی احکام کا مکلّف اور صاحبِ اختیار ہو، اس کے دلائل پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔

شرابی کی حد چالیس کوڑے ہے: انس بنؓ مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب پینے کے جرم پر کھجور کی چھڑیوں اور جوتوں سے بھی پٹائی کرائی ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے ہیں۔[2]

ایک اور روایت میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی لایا گیا، اس نے شراب پی لی تھی، آپ نے اسے کھجور کی دو چھڑیوں سے تقریباً چالیس (40) ضربیں لگائیں۔ انس رضی اللہ عنہ مزید کہتے ہیں کہ بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا اور جب عمر رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت آیا تو انھوں نے اس بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے کم اور ہلکی حد اسی درّے ہے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم دے دیا۔[3]

یہ حد اس صورت میں لاگو ہوگی جب مرتکب خود شراب پینے کا اعتراف کرے یا دو عادل گواہ شہادت دیں: اس کی دلیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

شرابی پر حد اس وقت ثابت ہوگی جب دو عادل گواہ شہادت دیں، چاہے قے کرنے پر: حضین بن منذر ابوساسان فرماتے ہیں کہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر تھا کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو لایا گیا، اس نے فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے دو رکعتیں پڑھانے کے بعد نمازیوں سے پوچھا تھا: کیا اور بھی پڑھا دوں؟ اس کے بارے میں دو آدمیوں نے گواہی دی، ان میں سے ایک حمران تھا، اس نے بتایا کہ ولید نے شراب پی ہے، دوسرے گواہ نے کہا کہ میں نے اسے (بوجۂ شراب) قے کرتے دیکھا ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے قے ہی

---

[1] ملاحظہ ہو: الكبائر للذهبي، ص: 133، الكبيرة التاسعة عشرة. [2] صحيح البخاري، الحدود، باب ماجاء في ضرب شارب الخمر، حديث: 6773، وصحيح مسلم، الحدود، باب حد الخمر، حديث: 1706. [3] صحيح مسلم، الحدود، باب حد الخمر، حديث: 1706.

اس لیے کی ہے کہ اس نے پی رکھی تھی، پھر علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اٹھیے اور اسے کوڑے لگائیے۔ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے کہا: اے حسن! اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ، وہ بولے: اس کی تلخی تو وہی برداشت کرے جو خلافت کے مزے لیتا ہے (وہ کچھ خفا سے تھے) اس پر علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر سے فرمایا: اٹھ اور اسے کوڑے لگا، چنانچہ انھوں نے کوڑے لگائے اور وہ کوڑے مارتے جاتے اور علی رضی اللہ عنہ گنتے جاتے تھے حتی کہ وہ چالیس تک پہنچے تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس رک جاؤ، پھر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس تازیانے مارے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑے مارے اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی، سبھی سنت ہے مگر یہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔ [1]

چوتھی بار شراب پینے پر قتل کا حکم منسوخ ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ، فَإِنْ عَادَ فَاجْلِدُوهُ، فَإِنْ عَادَ فَاجْلِدُوهُ، فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ، فَاقْتُلُوهُ»

”اگر شراب پیے اسے کوڑے لگاؤ، دوبارہ پیے تو پھر کوڑے لگاؤ، پھر پیے تو پھر کوڑے لگاؤ اور چوتھی بار پیے تو اسے قتل کر دو۔“

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس نعمان کو لایا گیا۔ اس نے چوتھی بار شراب پی تھی، آپ نے اسے تازیانے مارے مگر قتل نہیں کیا، پس یہ فیصلہ قتل کے حکم کا ناسخ ہوا۔ [2]

ایسی خلاف ورزیاں جن پر کوئی شرعی حد ثابت نہیں، ان پر تعزیر لگانا جائز ہے: ابوبردہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَا يُجْلَدُ أَحَدٌ فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللهِ»

”کسی شخص کو دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دی جائے، الّا یہ کہ یہ خلاف ورزی کی کوئی ایسی حرکت ہو جس پر اللہ کی طرف سے شرعی حد ثابت ہو۔“ [3]

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ایک الزام کے تحت قید کر رکھا تھا۔ [4]

[1] صحيح مسلم، الحدود، باب حدّ الخمر، حديث: 1707. [2] [حسن] جامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء من شرب الخمر فاجلدوه ومن عاد في الرابعة فاقتلوه، حديث: 1444، والسنن الكبرٰى للنسائي: 256/3، حديث: 5300، والمستدرك للحاكم: 371/4 واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الحدود، باب كم التعزير والأدب؟ حديث: 6848، وصحيح مسلم، الحدود، باب قدر أسواط التعزير، حديث: 1708 واللفظ له. [4] [حسن] سنن أبي داود، القضاء، باب في الدَّين ››

شراب پینے والے کو بددعا دینا جائز نہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ایک آدمی تھا، اس کا نام عبداللہ تھا مگر وہ حمار (گدھے) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ شخص نبی ﷺ کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں بھی کرتا تھا اور آپ کو ہنساتا تھا۔ آپ نے اسے شراب پینے کے جرم پر حد لگائی۔ اور اسے پھر ایک دفعہ پکڑ کر لایا گیا، آپ نے حکم دیا اور اسے کوڑے مارے گئے، قوم میں سے ایک آدمی نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر، اسے کس قدر بار بار لایا جاتا ہے! نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ، أَنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ»

اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! جو مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔'' [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نشے میں تھا۔ اسے نبی ﷺ کے پاس لایا گیا، آپ نے اس کی پٹائی کرنے کا حکم دیا۔ ہم میں سے کچھ نے اسے اپنے ہاتھ سے مارا، کسی نے جوتے سے مارا اور کسی نے اپنے کپڑے سے مارا، جب اس سے فارغ ہوئے تو ایک شخص بولا: اسے کیا ہوا ہے، اللہ اسے رسوا کرے! یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَكُونُوا عَوْنَ الشَّيْطَانِ عَلَى أَخِيكُمْ»

''اپنے بھائی کے مقابلے میں شیطان کے معاون مت بنو۔'' [2]

حرابہ (راہزنی) پر حد

حرابہ کی تعریف: دارالاسلام میں جب کوئی مسلمان فرد یا گروہ فتنہ فساد، قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے لگے، لوگوں کی عزت پامال کرے، کھیتیاں ویران کرے، نسلیں برباد کرنے کے درپے ہو جائے اور یوں دین و اخلاق، نظامِ حکومت اور قانون کی بالادستی کو چیلنج کرے تو یہ عمل حرابہ کہلاتا ہے۔

محاربین کو عبرتناک سزا دینے کا حکم: جو لوگ مذکورہ بالا قسم کے جرائم کے مرتکب ہوں، انھیں درج ذیل چار

هل يحبس به، حديث:3630، و جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في الحبس في التهمة، حديث: 1417. [1] صحيح البخاري، الحدود، باب مايكره من لعن شارب الخمر، وإنه ليس بخارج من الملة، حديث :6780. [2] صحيح البخاري، الحدود، باب مايكره من لعن شارب الخمر، وإنه ليس بخارج من المِلَّة، حديث :6781.

سزاؤں میں سے کوئی ایک سزا دی جا سکتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے: قتل کر ڈالنا، سولی پر چڑھانا، مخالف اطراف سے ہاتھ پاؤں کا کاٹ دینا یا ملک بدر کر دینا۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

﴿ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔"[1]

﴿ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ و رسول کے قانون کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ کی مخلوق پر ظلم ڈھانے لگیں۔

﴿ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے کرتوتوں سے لوگوں کا امن وسکون غارت ہو جائے، یہ انھیں قتل کرنے کے درپے ہوں، ان کے مال لوٹنے لگیں اور انھیں ڈرائیں دھمکائیں۔

﴿ يُنفَوْا۟ ﴾ انھیں ملک سے نکال باہر کیا جائے، انھیں عبرت ناک سزا دی جائے یا یہ لوگ قید کر دیے جائیں۔

﴿ خِزْىٌ ﴾ سے مراد ہے: ذلت، رسوائی اور تادیب۔

امام کو حق حاصل ہے کہ محاربین کے ساتھ ایسا سلوک کرے جو اللہ کے دین کی رو سے اصلاح وامن کا باعث ہو: نبی ﷺ نے قبیلۂ عرینہ کے مفسدین کے لیے یہی صورت اپنائی تھی جس کا اوپر آیت کریمہ میں تذکرہ آیا ہے، یعنی ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیے تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ انھیں مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی، آپ نے ان سے فرمایا:

«إِنْ شِئْتُمْ أَنْ تَخْرُجُوا إِلَى إِبِلِ الصَّدَقَةِ فَتَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا»

"اگر چاہو تو باہر بادیہ (گاؤں) میں صدقے کے اونٹوں میں چلے جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔"

انھوں نے ایسے ہی کیا اور صحت مند ہو گئے، پھر وہ چرواہوں پر چڑھ دوڑے، انھیں قتل کر ڈالا اور اسلام سے بھی مرتد ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے اونٹ لے بھاگے۔ نبی اکرم علیہ السلام کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے ان کا تعاقب

[1] المآئدة 5:33.

کرایا۔ وہ پکڑے گئے اور انھیں نبی کریم ﷺ کے پاس لایا گیا، تو آپ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیے، ان کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں پھیریں، انھیں پتھریلی زمین میں چھوڑ دیا جہاں وہ بالآخر مر گئے۔ [1]

حَـرّة: یہ مدینہ منورہ میں ایک معروف سنگلاخ جگہ ہے جس میں کالے پتھر بہت زیادہ ہیں۔ اور ان لوگوں کو وہاں اس لیے ڈالا گیا تھا کہ یہ جگہ جہاں انھوں نے قتل اور غارت گری کی ہولناک واردات کی تھی، اس مقام کے نزدیک تھی۔

محاربین گرفتاری سے پہلے توبہ کر لیں تو ان پر حد نافذ نہیں ہو گی: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

”سوائے ان لوگوں کے جو اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کر لیں، پس تم جان لو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔“ [2]

حد قتل کن لوگوں پر نافذ ہوتی ہے؟

حربی، یعنی وہ کافر جس سے مسلمانوں کا کسی قسم کا معاہدہ نہ ہو: اس لیے اللہ عز وجل نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر مشرکین سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے، مثلاً:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾

”ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں ٹھہراتے جسے اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے، وہ جو اہل کتاب میں سے ہیں، (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔“ [3]

اور فرمایا: ﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾

”اور تمام مشرکین سے لڑو جیسے وہ سارے تم سے لڑتے ہیں۔ اور جان لو کہ بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔“ [4]

[1] صحيح البخاري، الوضوء، باب أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، حديث: 233، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب حكم المحاربين والمرتدين، حديث: 1671 واللفظ له. [2] المآئدة 5:34. [3] التوبة 9:29. [4] التوبة 9:36.

نبی ﷺ سے بھی متواتر طور پر ثابت ہے کہ آپ نے مشرکین کے ساتھ جنگیں کی ہیں۔ آپ انھیں تین باتوں کی دعوت دیا کرتے تھے اور اپنے کمان داروں کو بھی یہی تاکید فرماتے تھے کہ جنگ کے موقع پر وہ مشرکوں سے ان باتوں کا مطالبہ کریں، یہ تین باتیں ذیل کی حدیث میں آ رہی ہیں:

بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر یا کسی مہم کا قائد بناتے تھے تو اسے تاکید فرماتے تھے کہ وہ خاص طور پر اپنی ذات میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے معاملے میں بھی بھلائی اختیار کرے اور فرماتے: ''جنگ کرو اللہ کے نام سے اس کے راستے میں ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ کا کفر کرتے ہیں۔ لڑائی کرو اور خیانت نہ کرنا، دھوکہ نہ دینا، مثلہ نہ کرنا، کسی بچے کو قتل نہ کرنا اور جب تمھارا مشرک دشمنوں سے آمنا سامنا ہو تو انھیں تین باتوں کی دعوت دینا اور ان میں سے جو بات وہ قبول کر لیں، تم بھی قبول کر لینا اور لڑائی سے باز رہنا (سب سے پہلے) انھیں اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ یہ قبول کر لیں، تو بہتر ہے، پھر ان سے اپنا ہاتھ روک لینا اور پیش کش کرنا کہ وہ اپنے گھروں سے دار المہاجرین کی طرف منتقل ہو جائیں۔ انھیں بتانا کہ اگر وہ ایسا کر لیں گے تو ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں اور ان کی ذمہ داریاں بھی وہی ہوں گی جو مہاجرین کی ہیں، اگر وہ منتقل ہونے سے انکار کریں تو انھیں بتانا کہ تمھارا حال دیہاتی مسلمانوں کا سا ہوگا اور تم پر اللہ کا وہی حکم نافذ ہوگا جو اہل ایمان پر جاری ہوتا ہے اور انھیں غنیمت اور فے میں سے کچھ نہیں ملے گا سوائے اس کے کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔ (دوسری بات) اگر یہ مشرک اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان سے جزیے کا مطالبہ کرنا، اگر وہ تسلیم کر لیں تو بہتر ہے، پھر ان سے اپنا ہاتھ روک لینا، اگر وہ اس سے بھی انکاری ہوں تو (تیسری بات ہوگی کہ) اللہ سے مدد مانگتے ہوئے ان کے ساتھ جنگ آزما ہو جانا......۔'' [1]

مرتد، یعنی جو اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے پھر جائے: جناب عکرمہ سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو آگ میں جلایا۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خبر ملی تو کہا: اگر میں ہوتا تو انھیں آگ میں نہ جلاتا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

''اللہ کے عذاب جیسا کسی کو عذاب نہ دو۔'' میں انھیں قتل کر دیتا جیسے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''جو اپنا

[1] صحيح مسلم، الجهاد، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث، ووصيته إياهم بآداب الغزو وغيرها، حديث: 1731.

دین بدل لے، اسے قتل کر دو۔"[1]

جادوگر: جادو کرنا کفر کی ایک قسم ہے۔ اس کا مرتکب مرتد ہے اور اسی سزا کے لائق ہے جس کا مستحق مرتد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہاروت اور ماروت کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ړ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾

"اور انھوں نے اس کی پیروی کی جسے شیطان، سلیمان کی بادشاہت میں پڑھتے تھے اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور انھوں نے اس کی پیروی کی جو بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا، وہ دونوں (فرشتے) جادو سکھانے سے پہلے کہہ دیتے تھے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں، لہٰذا تو کفر نہ کر، چنانچہ لوگ ان دونوں سے وہ جادو سیکھتے جس کے ذریعے سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے اور وہ اس جادو سے اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اور لوگ ان سے وہ علم سیکھتے تھے جو انھیں نقصان پہنچاتا تھا، ان کو نفع نہیں دیتا تھا، حالانکہ وہ بالیقین جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خریدا، آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں اور البتہ وہ بہت بری چیز تھی جس کے بدلے میں انھوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں، کاش! وہ جانتے ہوتے۔"[2]

یقیناً جادو کبیرہ گناہوں میں سے ہے، ملاحظہ ہو امام ذہبی رحمہ اللہ کی تالیف کتاب الکبائر۔ (الکبیرة الثالثة)

کاہن (غیب کی خبریں بتانے والا): کہانت کا عمل کفر کی ایک قسم ہے اور اس کا مرتکب بھی کفر ہی کا عمل کرتا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ کاہن کی تصدیق کرنا کفر ہے، جب اس کی تصدیق کفر ہے تو خود کاہن اور اس کا عمل کہانت بدرجۂ اولیٰ کفر ہے۔

صفیہ بنت ابی عبید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله، حديث: 3017. [2] البقرة 2:102.

نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً»

''جو کسی عراف (غیب کی خبریں بتانے والے) کے پاس گیا اور اس سے کچھ پوچھا تو اس کی چالیس رات کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔''[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى حَائِضًا أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِها أَوْ كَاهِنًا، فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ»

''جو شخص حائضہ عورت سے مباشرت کرے، یا عورت سے اس کی دبر میں مباشرت کرے، یا کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے محمد ﷺ پر نازل کی گئی چیزوں کا کفر کیا۔''[2]

اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، اللہ کی کتاب، نبی کی سنت یا اسلام کو گالی دینے والا: یہ اعمال کفر صریح کے موجب ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی مرتکب مرتد ہے۔

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی ﷺ کو گالیاں دیتی تھی اور برا بھلا بھی کہتی تھی۔ ایک دن ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ مرگئی، رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون ضائع قرار دے دیا۔[3]

زندیق: یعنی وہ شخص جو بظاہر تو مسلمان ہو مگر اپنا کفر چھپائے ہوئے ہو اور اللہ کی شریعت کے باطل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو ایسا آدمی اللہ اور اس کے دین کا کافر ہے، اس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ جب اس کے قول و فعل سے اس قسم کی کوئی بات صاف ظاہر ہو تو وہ مرتد ہے۔

* مندرجہ بالا قسم کے لوگوں پر حد قتل نافذ کی جائے مگر پہلے توبہ کرائی جائے: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل بنایا گیا، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے، ابوموسیٰ نے انھیں تکیہ پیش کیا اور کہا کہ تشریف لائیں، اس وقت ایک آدمی بندھا ہوا تھا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا ماجرا ہے؟ ابوموسیٰ نے کہا کہ یہ یہودی تھا، مسلمان ہوا، اب پھر یہودی ہو گیا ہے۔ ابوموسیٰ نے کہا: بیٹھیے! معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک

[1] صحيح مسلم، السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان، حديث: 2230. [2] [صحيح] سنن أبي داود، الكهانة والتطير، باب في الكهان، حديث: 3904، وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في كراهية إتيان الحائض، حديث: 135، وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب النهي عن إتيان الحائض، حديث: 639 واللفظ له. [3] [حسن] سنن أبي داود، الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي، حديث: 4362.

اس مرتد کو قتل نہ کر دیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کا یہی فیصلہ ہے۔ انھوں نے یہ جملہ تین بار کہا۔ چنانچہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔[1]

لیکن یاد رہے کہ ان حدود کی تنفیذ کا اختیار خلیفہ، نائب خلیفہ اور حکومت کے پاس ہے، کوئی شخص یا تنظیم ان حدود کی تنفیذ کی مجاز نہیں۔

[1] صحیح البخاري، الأحکام، باب الحاکم یحکم بالقتل علی من وجب علیه دون الإمام الذي فوقه، حدیث: 7157، وصحیح مسلم، الإمارة، باب النهي عن طلب الإمارة والحرص علیها، حدیث: 1733 بعد الحدیث: 1652.

قصاص کے احکام و مسائل

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

(البقرة2:179)
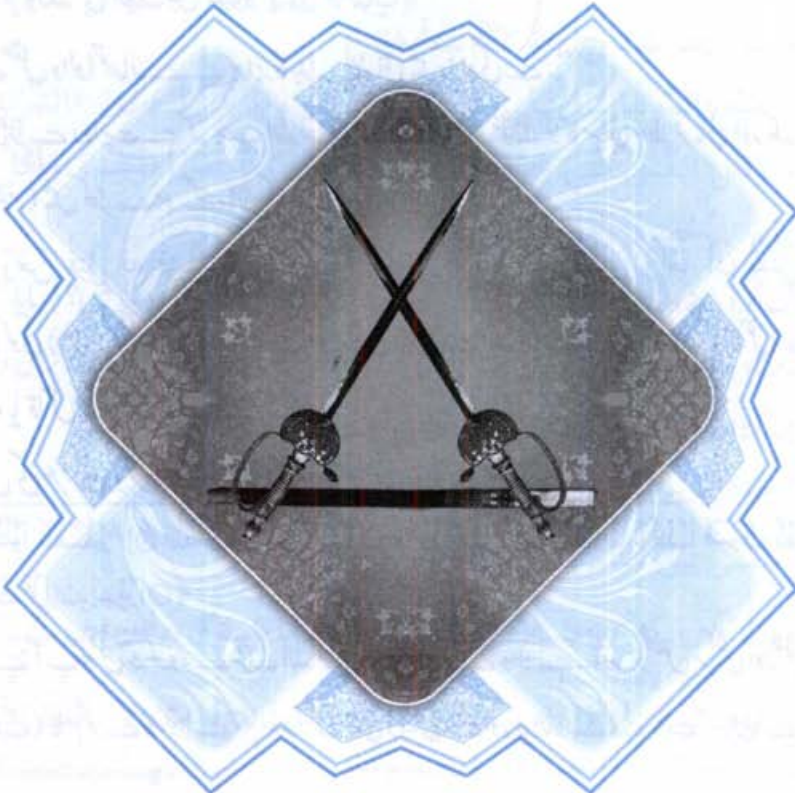
قصاص کے احکام و مسائل

قانونِ قصاص کے لازم ہونے کی دلیل: اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مسلمانوں پر قانونِ قصاص لاگو ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ﴾

''اے ایمان والو! قتل ہو جانے والوں (کے معاملے) میں تمھارے لیے برابر کا بدلہ لینے کا قانون فرض کر دیا گیا ہے۔'' [1]

اور فرمایا: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾

''اور اے عقل والو! تمھارے لیے برابر کا بدلہ لینے ہی میں زندگی ہے۔'' [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو کامیابی عطا فرمائی اور مکہ فتح ہوا تو آپ لوگوں (کے ہجوم) میں کھڑے ہو گئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«... وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِمَّا أَنْ يُفْدٰى وَإِمَّا أَنْ يُقْتَلَ»

''جس کا کوئی (عزیز) قتل ہو گیا ہو تو اسے دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہے: یا قاتل سے خون بہا لے لے، یا قاتل کو قتل کر دیا جائے۔'' [3]

مسلمانوں کی عزت و حرمت کا احترام و تعظیم: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ ﴾

''اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے۔ اور جو شخص سرکشی اور ظلم سے ایسے (نافرمانی کے) کام کرے گا، تو اسے ہم جلد آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔'' [4]

[1] البقرة 2:178. [2] البقرة 2:179. [3] صحيح البخاري، العلم، باب كتابة العلم، حديث: 112، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها وشجرها ولقطتها، إلا لمنشد على...، حديث: 1355 واللفظ له. [4] النسآء 4:29، 30.

اور فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝ ﴾

''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' [1]

مزید فرمایا:

﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ اَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۭ ﴾

''اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو، تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے، تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی۔'' [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ» قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: «اَلشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ»

''سات ہلاک کر دینے والے کاموں سے بچو۔'' پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی محترم جان کو ناحق قتل کر ڈالنا، یتیم کا مال کھا جانا، سود کھانا، لڑائی والے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔'' [3]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فِي الدِّمَاءِ»

''سب سے پہلے لوگوں کے جس معاملے کا قیامت کے دن فیصلہ کیا جائے گا، وہ خون ہوں گے۔'' [4]

[1] النسآء 4:93. [2] المآئدة 5:32. [3] صحيح البخاري، الوصايا، بَابُ قَولِ اللّٰهِ تعالىٰ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ...... ﴾، حديث: 2766، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 89. [4] صحيح البخاري، الرقاق، باب القصاص يوم القيامة، حديث: 6533، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب المجازاة بالدماء في الآخرة وأنها أول مايقضى فيه بين الناس يوم القيامة، حديث: 1678 واللفظ له.

* قصاص کس پر لازم آتا ہے؟ قتل کا قصاص اس شخص پر لازم آتا ہے جو مکلّف ہو، صاحبِ اختیار ہو اور اس نے عمداً قتل کیا ہو۔

قتل کی اقسام

1. قتل عمد: یہ ہے کہ کوئی کسی دوسرے انسان کو جانے بوجھے ارادتاً قتل کرے اور ایسے آلے کے ساتھ کرے جس سے انسان عموماً ہلاک ہو جاتا ہے۔
2. شبہ عمد: اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی دوسرے کو ایسی چیز سے چوٹ مارے جس سے عموماً موت واقع نہیں ہوتی۔
3. قتل خطا: یہ ہے کہ مارنے والے نے مقتول کو مارنے کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا، بلکہ مارنے والا کسی شکار وغیرہ کو مارنا چاہتا تھا مگر غلطی سے گولی اتفاقاً کسی اور کو جا لگی۔

وارثوں کو قصاص سے دستبردار ہو کر دیت لینے کا حق حاصل ہے: اس کی دلیل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔

قتل سرزد ہو جانے کی صورت میں مرتب ہونے والے احکام: قتل اگر شبہ العمد ہو یا خطا سے ہو، ان دو صورتوں میں قاتل پر کفارہ اور اس کے عاقلہ، یعنی عصبہ رشتہ داروں پر دیت لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝﴾

''اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے، مگر غلطی سے (ہو جائے تو اس کا حکم الگ ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے، اس پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور مقتول کے رشتے داروں کو خون بہا ادا کرنا لازم ہے۔ ہاں، اگر وہ لوگ معاف کر دیں (تو اور بات ہے۔) پھر اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہو جبکہ وہ خود مومن ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا لازم ہے۔ اور اگر وہ ایسی قوم میں سے ہو کہ تمھارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا، پھر جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا، ہو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے، یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا،

بہت حکمت والا ہے۔"[1]

اور قتل عمد کی صورت میں مقتول کے وارث کو اختیار ہے کہ قصاص لے یا دیت (خون بہا) لے کر معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

"اے ایمان والو! قتل ہو جانے والوں (کے معاملے) میں تمھارے لیے (قانون) قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد، آزاد کے بدلے، غلام، غلام کے بدلے اور عورت، عورت کے بدلے، پھر جس (قاتل) کو اس کا بھائی (مقتول کا ولی) کچھ (قصاص) معاف کر دے تو معروف طریقے سے اتباع (دیت کا مطالبہ) ہو اور اچھے طریقے سے (دیت کی) ادائیگی ہو۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جس شخص نے زیادتی کی، اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔"[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِمَّا أَنْ يُودَىٰ وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ»

"جس کا کوئی (عزیز) قتل کر دیا گیا ہو، اسے دو باتوں کا اختیار ہے: اسے دیت دی جائے یا قصاص۔"[3]

اور یہ دیت (خون بہا) قتل کا عوض نہیں بلکہ قصاص چھوڑنے کا بدل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقتول کے اولیاء کو حق حاصل ہے کہ متعین دیت کے علاوہ بھی کچھ چاہیں تو عائد کریں، خواہ وہ اس معروف دیت سے زیادہ ہی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«مَنْ قَتَلَ عَمْدًا، دُفِعَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْقَتِيلِ. فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا. وَإِنْ شَاءُوا أَخَذُوا الدِّيَةَ. وَذٰلِكَ ثَلَاثُونَ حِقَّةً وَّثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَّأَرْبَعُونَ خَلِفَةً. وَذٰلِكَ عَقْلُ الْعَمْدِ. وَمَا صُولِحُوا عَلَيْهِ، فَهُوَ لَهُمْ. وَذٰلِكَ تَشْدِيدُ الْعَقْلِ»

"جس نے جان بوجھ کر (عمداً) قتل کیا ہو، اسے مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے، وہ چاہیں تو قتل کر

[1] النسآء 92:4. [2] البقرة 178:2. [3] صحيح البخاري، الديات، باب من قتل فهو بخير النظرين، حديث: 6880، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها وشجرها ولقطتها إلا لمنشد على الدوام، حديث: 1355، والسنن الكبرى للبيهقي: 52/8 واللفظ له.

دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں اور اس کی مقدار 100 (سو) اونٹنیاں ہے: تیس حقہ (جو چوتھے سال میں ہو)، تیس جذعہ (جو پانچویں سال میں ہو) اور چالیس حاملہ، یہ قتل عمد کی دیت ہے اور جس پر بھی اُن (وارثوں) سے مصالحت کی جائے وہ ان کا حق ہے۔ اور یہ سب کچھ دیت (خون بہا) میں شدت اور سختی کی بنا پر ہے۔"[1]

اور بغیر کچھ لیے معاف کر دینا افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى﴾ "اور تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔"[2]

اور نبی ﷺ نے فرمایا: «وَمَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا»

"معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں مزید اضافہ ہی کرتا ہے۔"[3]

عورت کو مرد، غلام کو آزاد اور کافر کو مسلمان کے قصاص میں قتل کیا جائے گا: ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے والد سے اور وہ اس کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ یمن کے لیے ایک تحریر لکھوائی تھی جس میں فرائض، سنن اور دیات کا بیان تھا۔ آپ نے یہ خط عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا، پھر اسے اہلِ یمن کے روبرو پڑھا گیا، اس مکتوب گرامی کا مضمون یہ تھا: "من جانب نبی محمد ﷺ بنام سرداران قبائل ذی رعین، معافر و ہمدان، شرحبیل بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور حارث بن عبد کلال، امابعد! جس نے کسی مومن کو ناحق (بے قصور) قتل کیا اور اس کے گواہ بھی موجود ہوں تو اس پر قصاص ہے الا یہ کہ مقتول کے وارث راضی ہو جائیں اور ایک جان کی دیت سو اونٹ ہے۔ اور ناک پوری کٹی ہو تو اس پر پوری دیت ہے۔ زبان کے لیے پوری دیت ہے۔ ہونٹوں پر پوری دیت ہے۔ خصیتین پر پوری دیت ہے، ذکر پر پوری دیت ہے، کمر توڑ دینے پر پوری دیت ہے، دونوں آنکھوں کے لیے پوری دیت ہے، ایک ٹانگ پر آدھی دیت ہے، کھوپڑی اور بھیجے کی چوٹ پر تہائی دیت ہے، پیٹ کے اس زخم میں جو اندر تک چلا جائے، تہائی دیت ہے اور ایسی چوٹ پر جس سے ہڈی کا جوڑ نکل جائے، پندرہ اونٹ ہیں، انگلی ٹوٹ جائے چاہے ہاتھ کی ہو یا پاؤں کی، اس پر دس اونٹ ہیں، دانت پر پانچ اونٹ ہیں، ایسا زخم جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے، اس پر پانچ اونٹ ہیں۔ اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اور جو سونے کی شکل میں دینا چاہیں، ان کی دیت ایک ہزار دینار ہے۔"[4]

[1] [حسن] جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في الدية كم هي من الإبل ؟ حديث: 1387، وسنن ابن ماجه، الديات، باب من قتل عمدًا فرضوا بالدية، حديث: 2626 واللفظ له. [2] البقرة 2:237. [3] صحيح مسلم، البروالصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حديث: 2588. [4] [صحيح] سنن النسائي، القسامة، ذكر حديث عمرو بن حزم في العقول واختلاف الناقلين له، حديث: 4857، وصحيح ابن حبان (الموارد): 3/75-79، حديث: 793، والمستدرك للحاكم:»

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بچی کچھ زیور پہنے ہوئے تھی کہ ایک یہودی نے اسے پتھر مار کر قتل کر دیا، اس بچی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، ابھی اس کی سانس چل رہی تھی، آپ نے اس سے پوچھا:

«أَقَتَلَكِ فُلَانٌ؟»، فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّانِيَةِ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا، ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّالِثَةَ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ، فَقَتَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِحَجَرَيْنِ»

''کیا تجھے فلاں نے قتل کیا ہے؟'' اس نے اپنے سر کے اشارے سے کہا کہ نہیں، پھر دوسرے کا پوچھا، اس نے اشارہ کیا کہ نہیں، تیسری بار دریافت فرمایا تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں! تو آپ نے اس کو دو پتھروں کی ضرب سے قتل کر دیا۔''[1]

آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا نہ مسلمان کو کافر کے بدلے: سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ﴾

''اے ایمان والو! قتل ہو جانے والوں (کے معاملے) میں تمھارے لیے برابر کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد، آزاد کے بدلے، غلام، غلام کے بدلے اور عورت، عورت کے بدلے۔''[2]

کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوجحیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ اور ایک روایت میں ہے: جو لوگوں کے پاس نہ ہو، انھوں نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور روح کو پیدا کیا ہے! ہمارے پاس تو صرف وہی ہے جو قرآن کریم میں ہے، یا وہ فہم ہے جو اللہ تعالیٰ کتاب میں تدبر کرنے سے کسی کو عنایت فرما دیتا ہے اور یہ ہے جو اس صحیفے میں ہے۔ میں نے کہا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا: دیتوں کی تفصیل ہے اور قیدیوں

395/1-397 و485/3، والسنن الكبرى للبيهقي: 90,89/4. [1] صحيح البخاري، الديات، بَابُ مَنْ أَقَادَ بِالْحَجَرِ، حديث: 6879، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب ثبوت القصاص في القتل بالحجر وغيره، من المحددات والمثقلات وقتل الرجل بالمرأة، حديث: 1672 واللفظ له. [2] البقرة 178:2. آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، یہ علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے، جبکہ ان کے ہاں اس پر قرآن وسنت سے کوئی واضح دلیل نہیں ہے، اس کے برعکس علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ اگر آزاد شخص مسلمان غلام کو قتل کر دے تو اسے قتل کیا جائے گا، جس کی دلیل قرآن کریم کی آیت: ﴿ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ......﴾ ''بے شک نفس کے بدلے نفس کو قتل کیا جائے گا۔'' [المآئدة 45:5] ہے جس کے عموم کے تحت غلام بھی آتا ہے اور اسے اس کے عموم سے نکالنے والی کوئی قابلِ قبول دلیل نہیں ہے۔ مؤلف کا مذکورہ آیت سے استدلال نہایت بعید ہے۔ (عبدالولی)

کو چھڑانے کی ترغیب ہے اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔[1]

عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کرنا: اس میں راجح یہی ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ امام ابن منذر رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔[2]

اصل کو فرع کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا: یعنی ماں باپ کو اولاد کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ ٔ بنی مدلج کے آدمی کی ایک لونڈی تھی، اس آدمی کا اس لونڈی سے ایک لڑکا تھا، وہ آدمی اس لونڈی سے خدمت لیتا تھا، وہ لڑکا جوان ہو گیا، ایک دن باپ نے اس لونڈی کو پکارا اور مختلف کاموں کے لیے کہا کہ یہ کرو اور وہ کرو۔ اس لڑکے نے کہا: اب یہ تیرے پاس نہیں آئے گی، آخر تو کب تک میری ماں پر حکم چلاتا رہے گا؟ باپ کو اس پر بڑا غصہ آیا، اس نے تلوار پھینک کر ماری جو اس کی ٹانگ پر لگی جس سے ٹانگ کٹ گئی، بہت زیادہ خون نکلا حتی کہ وہ لڑکا مر گیا۔ وہ اپنی قوم کا ایک گروہ لے کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے فرمایا: ارے اپنی جان کے دشمن! تو نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا؟ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا:

«لَا يُقَادُ الْأَبُ مِنِ ابْنِهِ» ''باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔''

تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ چل اب اس کی دیت دے۔ چنانچہ وہ ایک سو بیس یا ایک سو تیس اونٹنیاں لایا، عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک سو اونٹنیاں منتخب کر لیں اور اس لڑکے کے وارثوں کو دے دیں اور اس باپ کو کچھ نہیں دیا۔[3]

اعضاء کاٹ دینے یا زخمی کر دینے پر بھی ممکن حد تک قصاص ہے: جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ﴾

''اور ہم نے تورات میں ان کے لیے لکھ دیا تھا کہ بے شک جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کا قصاص ہے۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري، الديات، باب العاقلة، حديث: 6903. [2] الإجماع لابن المنذر، رقم: 653، وصحيح البخاري، معلقًا قبل الحديث: 6886. [3] [صحيح] سنن الدار قطني: 140/3، حديث: 3246، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 38/8 واللفظ له. [4] المآئدة 45:5.

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری پھوپھی ربیع نے ایک لڑکی کے دانت توڑ دیے۔ وہ لوگ اپنا معاملہ نبی ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ نے قصاص کا حکم دیا تو انس بن نضر نے کہا: اے اللہ کے رسول!

أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ، لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَاأَنَسُ! كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ». فَرَضِيَ الْقَوْمُ، فَعَفَوْا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ»

کیا ربیع کے دانت توڑ دیے جائیں گے، نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! ان کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انس! کتاب اللہ کا حکم قصاص ہے۔'' پھر لڑکی والے دیت لینے پر راضی ہو گئے۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر قسم ڈال دیں تو وہ انھیں بری کر دیتا ہے۔'' [1]

وارثوں میں سے کوئی ایک بھی قاتل کو بری کر دے تو قصاص ساقط ہو جاتا ہے: کیونکہ قصاص اور دیت کا معاملہ وارثوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اور انھیں دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوتا ہے، یعنی قصاص کا یا دیت کا جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بتایا گیا ہے۔ اگر وہ سب لوگ مجرم کو قصاص سے بری کریں یا کوئی ایک وارث بھی اسے اپنے حق سے بری کر دے تو قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ قصاص اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ سب وارثوں کو ان کے اپنے حق کے مطابق دیت میں سے حصہ دیا جائے گا۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عصبہ رشتہ داروں کے ذمے ہے جو اس کے وارث نہیں ہوتے سوائے اس چیز کے جو اس کے ذوی الفروض وارثوں سے بچ جائے۔ اگر کوئی عورت قتل ہو جائے تو اس کی دیت اس کے وارثوں کا حق ہے اور وہی اس کے قاتل کو قتل کریں گے۔ [2]

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾، حديث: 4500، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب إثبات القصاص في الأسنان وما في معناها، حديث: 1675 واللفظ له. [2] [حسن] سنن أبي داود، الديات، باب ديات الأعضاء، حديث: 4564، وسنن النسائي، القسامة، ذكر الاختلاف على خالد الحذاء، حديث: »

* اگر وارثوں سے کوئی چھوٹی عمر کا ہو تو قصاص کے معاملے میں اس کا اس کے بلوغ تک انتظار کیا جائے گا۔

اس صورت میں کوئی قصاص نہیں ہے جب متأثرہ شخص خود اس کا سبب بنے: عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے شخص کے ہاتھ پر کاٹ کھایا، اس نے کاٹنے والے کے منہ سے اپنا ہاتھ زور سے کھینچ لیا، اس وجہ سے اس کے اگلے دو دانت ٹوٹ کر باہر نکل آئے، وہ لوگ اپنا جھگڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو آپ نے فرمایا:

''یہ کیسی افسوس ناک بات ہے کہ اپنے بھائی کو یوں چباتا ہے جیسے کہ اونٹ چباتا ہے؟ اس کے لیے کوئی دیت نہیں ہے۔'' [1]

ایک شخص کے قتل کرنے میں کئی لوگ شریک ہوں تو کیا حکم ہے؟ حق یہ ہے کہ کئی مرد ہوں یا عورتیں، وہ کسی کے ناحق قتل عمد میں شریک ہوں گی تو ان سب کو قتل کیا جائے گا، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک لڑکے کو خفیہ طریقے سے قتل کر دیا گیا، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس کے قتل میں صنعاء کے تمام لوگ شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ [2]

قتل خطا کی سزا دیت اور کفارہ ہے: سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِـيْمًا ○﴾

''اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے، مگر غلطی سے (ہو جائے تو اس کا حکم الگ ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے، اس پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور مقتول کے رشتے داروں کو خون بہا ادا کرنا لازم ہے۔ ہاں، اگر وہ لوگ معاف کر دیں (تو اور بات ہے۔) پھر اگر وہ

« 4805، وسنن ابن ماجه، الديات، باب عقل المرأة على عصبتها وميراثها لولدها، حديث: 2647. [1] صحيح البخاري، الديات، باب: إذا عض رَجُلًا فَوَقَعَت ثناياه، حديث :6892، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب الصائل على نفس الإنسان وعضوه ، وإذا دفعه المصول عليه، فأتلف نفسه أوعضوه، لا ضمان عليه، حديث :1673. [2] [صحيح] المؤطا للإمام مالك :341/2، و صحيح البخاري، الديات، باب إذا أصاب قوم من رجل: هل يعاقب أو يقتص منهم كلهم؟ تعليقاً، حديث :6896.

مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہو جبکہ وہ خود مومن ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا لازم ہے۔ اور اگر وہ ایسی قوم میں سے ہو کہ تمھارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا، پھر جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے، یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔"[1]

قتل خطا کی دیت عاقلہ، یعنی اقرباء کے ذمے آتی ہے اور اس سے مراد عصبہ ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ بنی لحیان کی ایک عورت کے جنین کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ اسے ایک غلام یا ایک لونڈی دی جائے، پھر وہ عورت جسے غلام یا لونڈی دینے کا حکم دیا تھا، فوت ہوگئی، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی وراثت اس کے بیٹے اور شوہر کا حق ہے اور دیت اس (مارنے والی) کے عصبہ رشتے داروں کے ذمے ہے۔[2]

[1] النسآء 4:92. [2] صحيح البخاري، الديات، باب جنين المرأة وأن العقل على الوالد وعصبة الوالد لا على الولد، حديث: 6909، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب دية الجنين ووجوب الدية في قتل الخطأ وشبه العمد على عاقلة الجاني، حديث: 1681.

17
دیت کے احکام و مسائل
وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا
فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ
اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ
(النساء 92:4)

دیتوں کا بیان

دیت کی تعریف: «دیت» اس مال یا عوضانہ کو کہتے ہیں جو کسی مجرم سے اس کے جرم کے باعث لے کر متاثرہ مظلوم یا اس کے ولی کو دیا جائے۔ اور یہ دیت، قابلِ قصاص اور غیر قابل قصاص، دونوں طرح کے جرائم میں ہو سکتی ہے۔ اس عوضانے کا ایک نام «العقل» بھی ہے، اس کے لفظی معنی ''باندھنا'' ہیں۔ چونکہ قاتل اپنے جرم کی دیت اونٹوں کی صورت میں مقتول کے وارثوں کے گھروں میں باندھتا ہے، تو اس عوضانے کو «عَقْل» بھی کہہ دیتے ہیں۔ «عَقَلْتُ عَنْ فُلَانٍ» کے معنی یہ ہیں کہ میں نے فلاں آدمی کی طرف سے اس کے جرم کا جرمانہ ادا کیا۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی آیت ہے جو سورۂ نساء میں بیان ہوئی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾

''اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے، مگر غلطی سے (ہو جائے تو اس کا حکم الگ ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے، اس پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور مقتول کے رشتے داروں کو خون بہا ادا کرنا لازم ہے۔ ہاں، اگر وہ لوگ معاف کر دیں (تو اور بات ہے۔) پھر اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہو جبکہ وہ خود مومن ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا لازم ہے۔ اور اگر وہ ایسی قوم میں سے ہو کہ تمھارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا، پھر جو شخص (غلام آزاد کرنے کی) طاقت نہ رکھتا ہو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے، یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔''[1]

[1] النسآء 4:92.

مسلمان کی دیت کی مقدار: اگر کوئی مسلمان قتل کر دیا جائے تو اس کی دیت (خون بہا) ایک سو اونٹ، یا دو سو گائے، یا دو ہزار بکریاں، یا ایک ہزار دینار، یا بارہ ہزار درہم، یا دو سو حُلّے (جوڑے) ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص غلطی سے قتل کر دیا گیا ہو تو اس کی دیت ایک سو اونٹ ہے (اس طرح کہ ان میں) تیس بنت مخاض، یعنی وہ اونٹنیاں جو دوسرے سال میں ہوں، تیس بنت لبون، یعنی وہ اونٹنیاں جو تیسرے سال میں ہوں، تیس حقہ، یعنی وہ اونٹنیاں جو چوتھے سال میں ہوں اور دس ابن لبون، یعنی وہ اونٹ جو تیسرے سال میں ہوں۔'' مزید بتایا کہ نبی ﷺ بستی والوں پر ان کی قیمت چار سو دینار یا اس کے برابر چاندی لازم کرتے تھے۔ اور اونٹوں والوں پر ان کی قیمت ان کے مہنگے ہونے یا سستے ہونے کے لحاظ سے مقرر فرماتے تھے جیسے ان دنوں ان کی قیمت معروف اور مروج ہوتی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کے دور میں ان کی قیمت چار سو سے آٹھ سو دینار یا اس کے برابر چاندی تک پہنچی ہے اور مزید بتایا کہ آپ ﷺ نے گائے والوں پر قتل کی دیت دو سو گائے مقرر فرمائی اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں۔ آپ نے یہ فیصلہ بھی فرمایا کہ دیت مقتول کے اصحاب الفروض وارثوں میں ان کے حصوں کے برابر تقسیم ہو اور جو باقی رہے، وہ عصبہ کے لیے ہے۔ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اگر عورت سے قصور ہو تو اس کی دیت اس کے عصبہ کے ذمے ہوگی جو بھی وہ ہوں اور اس میں سے وہ کسی چیز کے وارث نہ ہوں گے سوائے اس کے جو اس کے وارثوں سے بچ رہے۔ اور اگر عورت قتل ہو جائے، تو اس کی دیت اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی اور وہی اس کے قاتل کو قتل کرنے کے مجاز ہوں گے۔ [1]

معلوم رہے کہ سونے کا ایک دینار 4.25 گرام سونے کے برابر ہوتا ہے۔

دیت کب سخت اور شدید کی جاتی ہے؟ جب کوئی قتل عمداً کیا گیا ہو یا عمد کے مشابہ ہو تو دیت میں تغلیظ و شدت کی جاتی ہے اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ شدت صرف اونٹوں کی صورت میں ہوتی ہے، سونے چاندی کی صورت میں نہیں ہوتی۔

دیت کس طرح شدید ہوتی ہے؟ دیت اونٹوں کی صورت میں ہو تو چالیس اونٹنیاں ایسی ہونی چاہییں جو حاملہ ہوں، اس طرح یہ مغلظ، یعنی بڑی سخت قرار پاتی ہے۔ عقبہ بن اوس عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے

[1] سنن أبي داود، الديات، باب الدية كم هي، حديث:4541، وسنن النسائي، القسامة، باب ذكر الاختلاف على خالد الحذاء، حديث:4805، وسنن ابن ماجه، الديات، باب دية الخطأ، حديث:2630.

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیا، آپ نے تین بار اللہ اکبر کہا، پھر پڑھا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ، أَلَا! إِنَّ كُلَّ مَأْثَرَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تُذْكَرُ وَتُدْعٰى مِنْ دَمٍ أَوْ مَالٍ تَحْتَ قَدَمَيَّ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ سِقَايَةِ الْحَاجِّ وَسِدَانَةِ الْبَيْتِ». ثُمَّ قَالَ: «أَلَا! إِنَّ دِيَةَ الْخَطَإِ شِبْهِ الْعَمْدِ - مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا - مِائَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا»

''ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور (کفار کے) لشکروں کو اس اکیلے نے شکست دی، آگاہ ہو جاؤ! فخر کی ہر وہ بات جو زمانہ جاہلیت میں کی جاتی تھی اور جس کا مطالبہ کیا جاتا تھا، چاہے وہ خون تھا یا مال، اب میرے قدموں تلے ہے، سوائے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت یا بیت اللہ کی خدمت کے۔'' مزید فرمایا: ''خبردار! قتل خطا جو عمد کے مشابہ ہو، یعنی کوڑے اور لاٹھی سے ہوا ہو، اس کی دیت سو اونٹ ہے، ان میں سے چالیس اونٹنیاں ایسی ہوں جن کے پیٹوں میں ان کے بچے ہوں۔'' [1]

ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہوتی ہے: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «دِيَةُ الْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَةِ الْحُرِّ»

''معاہد (ذمی) کی دیت، آزاد (مسلمان) کی دیت سے آدھی ہوتی ہے۔'' [2]

عورت اور اس کے اعضاء کی دیت کی مقدار: اگر کوئی عورت قتل ہو جائے تو اس کی دیت، مرد کی دیت سے آدھی ہوتی ہے اور ایسے ہی اس کے اعضاء کی دیت جب کل کی ایک تہائی سے زیادہ ہو جائے تو آدھی ہوتی ہے (اور اگر ایک تہائی سے کم ہو تو پھر مرد اور عورت کے اعضاء کی دیت برابر ہوتی ہے۔)

قاضی شریح سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میرے پاس عروہ بارقی آئے، وہ عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں سے ہو کر آئے تھے، انھوں نے کہا کہ مردوں اور عورتوں کے زخموں کی دیت دانت ٹوٹنے اور ایسے زخم میں جو ہڈی تک پہنچ جائے، برابر ہے اور جو اس سے زیادہ ہو تو وہ مرد کی دیت سے آدھی ہو گی۔ [3]

[1] [صحيح] سنن أبي داود، الديات، باب في دية الخطأ شبه العمد، حديث:4547. [2] [حسن] سنن أبي داود، الديات، باب في دية الذمي، حديث:4583، وجامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في دية الكفار، حديث:1413، وسنن ابن ماجه، الديات، باب دية الكافر، حديث:2644. [3] [صحيح] المصنف لابن أبي شيبة:411/5، حديث:27488، والسنن الكبرٰى للبيهقي:96,95/8.

راقم کہتا ہے کہ چونکہ اس فیصلے میں صحابہ سے کوئی بھی متذکرہ بالا امور کا مخالف نہیں ہے تو یہ اجماع ہوا اور یہ ایسی بات ہے جو اپنی رائے سے نہیں کہی گئی، لہٰذا حکماً یہ مرفوع حدیث کے معنوں میں ہے۔

اعضاء اور زخموں کی دیت: دونوں آنکھوں، ہونٹوں، ہاتھوں، پاؤں اور دونوں خصیوں کی دیت پوری ہوتی ہے۔ ان میں اگر ایک عضو ضائع ہو تو دیت آدھی ہوگی۔ اسی طرح ناک، کان، زبان، ذکر اور ریڑھ کی ہڈی کی تلفی پر کامل دیت ہے۔ مامومہ (سر کا زخم جس کا اثر بھیجے تک جا پہنچے) اور جائفہ (پیٹ کا زخم، یا ایسا زخم جس کی گہرائی بدن کے اندر تک ہو) کی تہائی دیت ہے۔ اور ایسی چوٹ کی دیت جس میں جوڑ نکل جائے، کل دیت کا دسواں حصہ اور اس کا نصف ہے، یعنی کل پندرہ اونٹ ہیں۔

ایسا زخم جس میں ہڈی چھل جائے اور ٹوٹ جائے تو اس کی دیت دسواں حصہ ہے اور ہر دانت پر دسویں حصے کا نصف (پانچ اونٹ) ہے اور اسی طرح اس زخم کا حکم ہے جو ہڈی تک پہنچ جائے۔

زخموں کی نوعیت اور ان کی دیت: جو زخم سر اور چہرے پر آئیں، ان کی دس قسمیں ہیں:

1. خَارِصَة — ایسا زخم جس سے جلد چھل جائے مگر خون نہ نکلے۔
2. دَامِيَة — ایسا زخم جس سے خون نکل آئے۔
3. بَاضِعَة — جس میں گوشت بڑی حد تک پھٹ جائے۔
4. مُتَلَاحِمَة — ایسا زخم جو گوشت کے اندر تک اتر جائے۔
5. سِمْحَاق — ایسا زخم کہ زخم اور ہڈی کے درمیان باریک سی جھلی باقی رہ جائے۔

ان پانچ زخموں پر کوئی قصاص نہیں ہے، نہ جرمانے کی کوئی شرح یا مقدار معین ہے، ان چیزوں میں حکومۃ، یعنی تحکیم کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔[1]

[1] علامہ ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "حکومۃ وتحکیم" کا مفہوم علماء کے نزدیک یہ ہے کہ کسی انسان کو ایسا زخم لگے کہ اس کی دیت معلوم نہ ہو تو اس کا اندازہ اس طرح ہوگا کہ زخمی ہونے والے کے بارے میں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر یہ غلام ہوتا تو زخم لگنے سے پہلے اس کی قیمت کیا ہوتی، اگر کہا جائے کہ اس کی قیمت سو دینار تھی، اب جبکہ اسے زخم لگا ہے اور ٹھیک بھی ہو گیا ہے، تو اب اس کی قیمت کیا ہے؟ اگر کہا جائے کہ پچانوے دینار ہے تو اس کو زخمی کرنے والے کی جیب سے کل دیت کے دسویں حصے کا نصف، یعنی پانچ اونٹ دلائے جائیں گے۔ اگر معلوم ہو کہ اس کی قیمت نوے دینار رہ گئی ہے تو اس کو کل دیت کا دسواں حصہ، یعنی دس اونٹ دلائے جائیں گے۔ اس دیت میں اسی نسبت سے کمی بیشی ہوگی۔ (الإجماع: 697)

6 مُوَضِّحَة ایسا زخم جو ہڈی تک پہنچ جائے۔ اس پر پانچ اونٹوں کی دیت لازم آتی ہے۔

7 هَاشِمَة جس میں ہڈی ٹوٹ جائے۔ اس پر دس اونٹ دیت ہے۔

8 مُنَقِّلَة جس میں ہڈی اپنی جگہ سے ہل جائے، اس پر پندرہ اونٹ دیت ہے۔

9 مَأْمُومَة یا آمَّة کھوپڑی کا ایسا زخم کہ دماغ کے اوپر ایک جھلی سی باقی رہ جائے۔ اس پر کل دیت کا تہائی لازم آتا ہے۔

10 دَامِغَة جو زخم دماغ تک اثر انداز ہو، اس پر بھی تہائی دیت ہے۔

پیٹ کے بچے (جنین) کی دیت: اگر عمداً یا بھولے چوکے عورت پر اس طرح کا وار ہو کہ اس کے پیٹ کا بچہ مر جائے، مگر ماں نہ مرے تو اس پر ایک غلام دینا لازم آتا ہے، وہ بچہ چاہے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہوئے مرے، یا پیٹ ہی میں مر گیا ہو، لڑکا ہو یا لڑکی، اس کا جرمانہ ایک غلام ہی ہے، اگر عورت بھی مر جائے تو اس کی دیت الگ سے ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلۂ بنی ہذیل کی دو عورتوں میں لڑائی ہو گئی، ایک عورت نے دوسری کو پتھر دے مارا، اس طرح وہ عورت اور اس کے پیٹ کا بچہ دونوں مر گئے۔ یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہوا، آپ نے جنین کی دیت ایک غلام یا ایک لونڈی ٹھہرائی اور عورت کے عاقلہ کے ذمے دیت ڈال دی کہ وہ ادا کریں اور مقتولہ کی اولاد اور اس کے شوہر کو اس کا وارث بنایا۔[1]

لیکن اگر جنین ماں کے پیٹ سے زندہ پیدا ہوا اور پھر مر جائے تو اس پر کامل دیت لاگو ہو گی۔ اگر لڑکا ہو تو سو اونٹ اور لڑکی ہو تو پچاس اونٹ، اس لیے کہ یقین ہے کہ وہ اسی کے وار ہی کی بنا پر مرا ہے، پس وہ غیر جنین کے مشابہ ہے۔

قسامہ کی تعریف: اگر کسی جگہ کوئی مقتول پایا جائے اور اس کے والی وارث وہاں کے کسی شخص یا جماعت پر اس کے قتل کا دعویٰ کریں جبکہ ظاہری اسباب سے بھی ان لوگوں کے اس قتل میں ملوث ہونے کا شبہ یا امکان موجود ہو، جیسا کہ کوئی جماعت کسی گھر یا جنگل یا صحرا میں اکٹھی تھی، وہ علیحدہ ہوئی اور ان میں ایک مقتول پایا گیا یا جہاں

[1] صحيح البخاري، الديات، باب جنين المرأة، حديث:6909 و 5758، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب دية الجنين، ووجوب الدية في قتل الخطأ وشبه العمد على عاقلة الجاني، حديث :1681.

مقتول پایا گیا وہیں آس پاس کوئی ایسا آدمی دیکھا گیا جو خون آلود ہے یا کوئی ایک عادل آدمی گواہی دے کہ فلاں نے فلاں کو قتل کیا ہے یا کوئی عورتوں کا یا غلاموں کا جتھا کہے، چاہے ملا جلا ہو یا متفرق آئے اور یہ اعتماد بھی ہو کہ ان لوگوں نے آپس میں بات بنانے پر اتفاق نہیں کیا، اس طرح کی کوئی صورت ہو تو مدعی پچاس قسمیں اٹھائے گا اور اپنے دعوے کا مستحق ٹھہرے گا۔

قسامت میں مدعا علیہ کیا کرے؟ مدعا علیہ کو دو باتوں کا اختیار ہوگا: پچاس قسمیں کھا کر اپنی براءت ثابت کرے یا دیت ادا کرے۔ معاملہ مشتبہ ہو تو دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ بشیر بن یسار بیان کرتے ہیں: سہل بن ابی حثمہ نامی ایک انصاری نے بتایا کہ اس کی قوم کے چند آدمی خیبر کی طرف گئے، وہاں پہنچ کر منتشر ہو گئے، پھر ان میں سے ایک کو مقتول پایا گیا۔ انھوں نے وہاں کے ایک مقامی آدمی سے کہا کہ ہمارا آدمی تم لوگوں نے قتل کیا ہے۔ وہ بولا: ہم نے اسے قتل نہیں کیا، نہ ہمیں اس کے قاتل کا کوئی علم ہے۔ وہ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں آ گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم خیبر گئے تھے، وہاں ہمارا ایک آدمی قتل کر دیا گیا۔ آپ نے ان سے فرمایا:

«تَأْتُونَ بِالْبَيِّنَةِ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُ؟» قَالُوا: مَا لَنَا بَيِّنَةٌ، قَالَ: «فَيَحْلِفُونَ»، قَالُوا: لَا نَرْضٰى بِأَيْمَانِ الْيَهُودِ، فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُطَلَّ دَمُهُ، فَوَدَاهُ مِائَةً مِّنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ»

''گواہ لاؤ کہ کس نے قتل کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ہمارے پاس کوئی گواہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تب وہ قسمیں اٹھائیں گے۔'' انصاریوں نے کہا: ہمیں یہودیوں کی قسموں پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔ نبی ﷺ کو ناگوار گزرا کہ اس کا خون رائیگاں جائے، چنانچہ آپ نے ان کو صدقے کے اونٹوں میں سے سو اونٹ بطور دیت ادا فرمائے۔''[1]

دور جاہلیت میں قسامہ: ایک انصاری صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قسامہ کا معاملہ اسی انداز سے قائم رکھا جیسا کہ دور جاہلیت میں ہوتا تھا۔[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: قسامت کا پہلا معاملہ دور جاہلیت میں ہمارے ہاں بنی ہاشم ہی میں ہوا

[1] صحیح البخاري، الديات، باب القسامة، حديث: 6898، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب القسامة، حديث: 1669. [2] صحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب القسامة، حديث: 1670.

تھا۔ بنی ہاشم کے ایک آدمی کو ایک قریشی نے مزدوری کے لیے اپنے ہاں بلایا۔ وہ اس کے ساتھ اس کے اونٹوں کے ریوڑ میں چلا گیا۔ اس (مزدور) کے پاس سے بنی ہاشم کا ایک آدمی گزرا، اس کے توبرے کا ایک کنڈا ٹوٹ گیا تھا، اس نے اس ہاشمی سے کہا کہ مجھے رسی کا ایک ٹکڑا دے دو جس سے میں یہ توبرا باندھ لوں، مبادا میرے اونٹ بھاگ جائیں۔ اس نے رسی کا ایک ٹکڑا اسے دے دیا جس سے اس نے اپنا توبرا باندھ لیا۔ جب یہ لوگ اپنے پڑاؤ پر اترے تو تمام اونٹ باندھ دیے گئے لیکن ایک اونٹ رہ گیا۔ قریشی نے اس ہاشمی سے جسے وہ مزدوری پر لے گیا تھا، پوچھا: اس اونٹ کو کیا ہو گیا کہ دوسرے اونٹوں کے ساتھ اسے باندھا نہیں گیا۔ اس نے جواب دیا کہ اس کی رسی نہیں ہے۔ اس نے پوچھا: اس کی رسی کہاں ہے؟ اور پھر اپنی لاٹھی اس پر پھینک ماری جس کی ضرب سے وہ بالآخر فوت ہو گیا۔ مرنے سے پہلے اس ہاشمی کے پاس سے ایک یمنی گزرا، اس نے اس سے پوچھا: کیا تو حج پر جائے گا؟ وہ بولا: نہیں اور ممکن ہے کہ چلا بھی جاؤں۔ اس نے کہا: کیا تو کبھی کسی وقت میرا ایک پیغام پہنچا سکتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، چنانچہ اس نے کہا: جب تو حج پر جائے، تو پکارنا: اے آل قریش! وہ تجھے جواب دیں، تو آواز دینا: اے آل بنی ہاشم! وہ تجھے جواب دیں تو ابو طالب کا معلوم کرنا، پھر انھیں بتانا کہ فلاں آدمی نے مجھے صرف ایک اونٹ باندھنے کی رسی کے باعث قتل کیا ہے۔ یہ بتا کر وہ مزدور فوت ہو گیا، پھر وہ قریشی جو اسے مزدوری پر لے گیا تھا، واپس آیا تو ابو طالب اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ ہمارے آدمی کا کیا ہوا؟ اس نے کہا: وہ بیمار ہو گیا تھا، میں نے اس کی خوب خدمت کی، لیکن بالآخر وہ فوت ہو گیا اور میں نے اسے دفن کر دیا۔ ابو طالب نے کہا: تم اسی بات کے لائق تھے، یعنی تم سے ایسی ہی توقع تھی۔ کچھ وقت گزرا تو وہ آدمی جسے اس مرنے والے نے اپنا پیغام پہنچانے کی وصیت کی تھی، حج پر آیا، اس نے ندا لگائی: اے آل قریش! لوگوں نے کہا: یہ قریش ہیں، پھر اس نے کہا: اے بنی ہاشم! انھوں نے کہا: یہ رہے بنو ہاشم، اس نے پوچھا: ابو طالب کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ رہے ابو طالب! تو اس نے کہا کہ مجھے فلاں شخص نے وصیت کی تھی کہ میں آپ کو اس کا یہ پیغام پہنچا دوں کہ فلاں آدمی نے اسے محض اونٹ باندھنے کی ایک رسی کی وجہ سے قتل کر دیا ہے۔ ابو طالب اس قاتل کے پاس آئے اور اس سے کہا: ہماری طرف سے تین باتیں ہیں، ان میں سے کوئی ایک قبول کر لو، چاہو تو ایک سو اونٹ ادا کر دو کیونکہ تم نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے، چاہو تو تمھاری قوم میں سے پچاس آدمی قسمیں کھائیں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا ہے، اس سے بھی انکار کرو گے تو ہم تمھیں اس کے بدلے میں قتل کر دیں گے۔ چنانچہ وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا، تو انھوں نے کہا: ہم قسمیں اٹھاتے ہیں، تو ان میں ایک عورت جو بنی ہاشم میں سے تھی اور ان کے ایک

شخص کی زوجیت میں تھی اور اس سے اس کا ایک بیٹا بھی تھا، اس نے کہا: اے ابوطالب! میں چاہتی ہوں کہ آپ میرے اس بیٹے سے قسم نہ اٹھوائیں اور اسے ان پچاس آدمیوں سے الگ کر دیں جو قسم اٹھائیں گے۔ ابو طالب نے اس کی بات مان لی۔ پھر ان لوگوں میں سے ابوطالب کے پاس ایک اور آدمی آیا، اس نے کہا: اے ابوطالب! آپ سو اونٹوں کے بدلے پچاس آدمیوں سے قسمیں اٹھوانا چاہتے ہیں، ہر آدمی کے ذمے دو دو اونٹ آتے ہیں تو یہ رہے دو اونٹ، آپ انھیں میری طرف سے قبول کر لیں اور مجھے قسم کھانے سے بری کر دیں۔ انھوں نے اونٹ قبول کر لیے۔ بقیہ اڑتالیس آدمی آئے، انھوں نے قسمیں اٹھا لیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! سال نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ اڑتالیس کے اڑتالیس فوت ہو گئے۔ [1]

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب القسامة في الجاهلية، حديث :3845.

قضا کے احکام و مسائل

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ○

(النساء4:105)
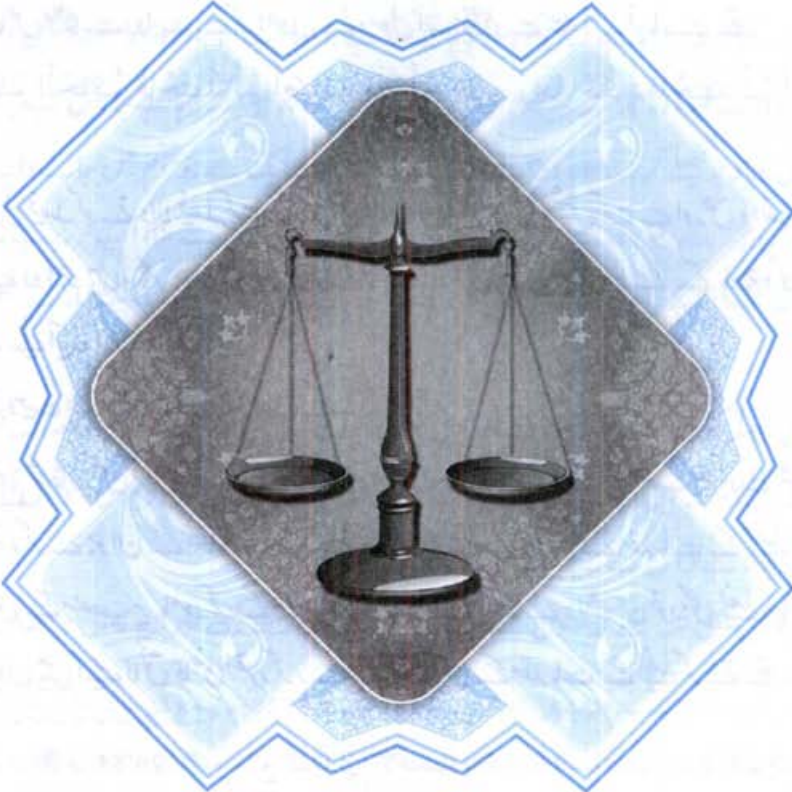
قضا کے لازمی بنیادی اصول

فیصلے کرنے کرانے کی مشروعیت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾

''اور (اے نبی!) آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے (آپ پر) نازل کیا ہے۔''[1]

اور فرمایا: ﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ﴾

''اے داود! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا۔''[2]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ»

''جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرتا ہے اور حتی الامکان اپنی پوری کوشش کرتا ہے اور حق و انصاف کو پہنچتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، پھر جب وہ کوئی فیصلہ کرتا ہے اور اپنی پوری کوشش کرنے کے باوجود کوئی غلطی کر جاتا ہے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔''[3]

قضا کی مشروعیت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

قضا کا حکم: شرعاً یہ عمل فرض کفایہ ہے اور مسلمانوں کے حاکم کا فرض ہے کہ حسب ضرورت شہروں میں ایسے قابل قاضی مقرر کرے جو ان کے معاملات کے فیصلے کیا کریں۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمات کے فیصلے کیے ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قاضی کے منصب پر مامور کر کے یمن روانہ فرمایا تھا۔[4] خلفائے راشدین خود بھی فیصلے کیا کرتے تھے اور انھوں نے شہروں میں ایسے لائق قاضی مقرر کر رکھے تھے جو لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کرتے تھے۔

---

[1] المآئدة 5:49. [2] صٓ 38:26. [3] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، حديث: 7352، وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد، فأصاب أو أخطأ، حديث: 1716. [4] السنن الكبرٰى للبيهقي: 8/111.

قاضی بننے کا اہل کون ہے؟ لوگوں کے مابین فیصلے کرنے کا اہل وہ شخص ہے جو صاحب اجتہاد ہو (صاحب علم ہو، فہم و فراست کا حامل ہو اور جری بھی ہو) لوگوں کے مال و متاع سے پرہیز کرنے والا ہو، فیصلہ کرنے میں عادل ہو اور فیصلہ کرنے میں برابری اور انصاف سے کام لے۔

بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ، فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهِ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ»

"فیصلہ کرنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک جنت میں ہے اور دو دوزخ میں، جنت کا مستحق وہ قاضی ہے جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ مگر جس نے حق کو پہچانا اور فیصلے میں ظلم کیا، وہ آگ میں ہے اور جس نے جاہل ہونے کے باوجود لوگوں کے فیصلے کیے، وہ بھی آگ میں ہے۔"[1]

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حق کو وہی پہچان سکتا ہے جو صاحب اجتہاد ہو اور مقلد تو بس وہی فیصلہ کرے گا جو اس کے امام نے کہا ہو۔ خود اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ خود جو فیصلہ کر رہا ہے، وہ حق ہے یا باطل، پس ایسا آدمی جہالت کی بنیاد پر فیصلے کرنے والا ہوتا ہے اور یہ ان دو میں سے ایک ہے جو جہنم میں جانے والے ہیں۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ»

"جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرتا ہے اور اپنی پوری (پوری) کوشش کرتا ہے اور حق و انصاف کو پہنچتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرتا ہے اور اپنی سی (پوری) کوشش بھی کرتا ہے مگر غلطی کر جاتا ہے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔"[2]

اس حدیث میں یہی نکتہ ہے کہ لوگوں کے معاملات و مقدمات سننے سمجھنے اور ان کا مبنی برانصاف فیصلہ کرنے

[1] [صحیح] سنن أبي داود، القضاء، باب في القاضي يخطئ، حديث: 3573، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء عن رسول الله ﷺ في القاضي، حديث: 1322، وسنن ابن ماجه، الأحكام، باب الحاكم يجتهد فيصيب الحق، حديث: 2315. [2] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أوأخطأ، حديث: 7352، وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد، فأصاب أوأخطأ، حديث: 1716.

والا قاضی جس کا فیصلہ نافذ ہو، وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں اجتہاد کی صلاحیت ہو۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''[1]

قاضی کا منصب مانگنا جائز نہیں: عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«يَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ! لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُوتِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُوتِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا»

''اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! امارت کا سوال نہ کرنا، یہ ذمہ داری اگر تیرے مانگنے پر تجھے دی گئی تو تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر یہ تجھے بن مانگے دی گئی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی۔''[2]

حاکم اعلیٰ کے لیے جج بننے کے حریصوں اور مطالبہ کرنے والوں کو جج بنانا جائز نہیں: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرے دو چچا زاد بھی تھے۔ ان میں سے ایک نے کہہ دیا: اے اللہ کے رسول! جن معاملات کا اللہ نے آپ کو والی اور ذمہ دار بنایا ہے، ان میں سے ہمیں بھی کسی پر امیر بنا دیجیے، پھر دوسرے نے بھی ایسی ہی بات کہی، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّا لَا نُوَلِّي هٰذَا مَنْ سَأَلَهُ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ»

''ہم کسی شخص کو اس منصب کا ذمہ دار نہیں بناتے جس کا وہ طلبگار ہو، نہ اس کو جو اس کا حریص اور لالچی ہو۔''[3]

* منصب کا اہل قاضی بھی خطرے سے دو چار ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ»

''جو شخص قاضی بنا، وہ چھری کے بغیر ہی ذبح کر دیا گیا۔''[4]

عورتوں کو منصب قضا کی ذمہ داری نہیں دی جا سکتی: سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] النسآء 4:58. [2] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قول الله تعالىٰ: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾، حديث: 6622، وصحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينًا فرأى غيرها خيرًا منها أن يأتي الّذي هو خير ويكفر عن يمينه، حديث: 1652. [3] صحيح البخاري، الأحكام، باب مايكره من الحرص على الإمارة، حديث: 7149، وصحيح مسلم، الإمارة، باب النهي عن طلب الإمارة والحرص عليها، حديث: 1733 قبل الحديث: 1825. [4] [صحيح] سنن أبي داود، القضاء، باب في طلب القضاء، حديث: 3571، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء عن رسول الله ﷺ في القاضي، حديث: 1325، وسنن ابن ماجه، الأحكام، باب ذكر القضاة، حديث: 2308.

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾

"مرد عورتوں پر اس وجہ سے حاکم ہیں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔"[1]

اور نبی ﷺ کا فرمان بھی ہے: «لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً»

"وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا۔"[2]

نیز نبی ﷺ کا زندگی بھر یہی دستورِ عمل رہا کہ آپ نے بہت لوگوں کو قضا کی ذمہ داری سونپی مگر کبھی کسی عورت کو قاضی نہیں بنایا۔ یہی طرزِ عمل خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی رہا ہے۔

اور امام ابن حزم رحمہ اللہ نے جو لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے شفاء رضی اللہ عنہا کو والی بنایا تھا تو یہ روایت یہاں دلیل نہیں بن سکتی۔ اولاً اس لیے کہ یہ روایت ثابت نہیں۔ امام صاحب نے اسے بغیر سند کے بیان کیا ہے جو موصول نہیں ہے بلکہ صیغۂ تمریض سے روایت کیا ہے اور اس قسم کے الفاظ حجت یا دلیل نہیں ہوتے۔

پھر اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو اس سے یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قضا اور فیصلے کرنے کی ذمے داری بھی سونپی تھی، بلکہ اس میں صرف اتنی ہی بات مذکور ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے یہ کہا تھا کہ بازار میں عورتیں بعض شرعی خلاف ورزیوں کی مرتکب ہوتی ہیں، ان میں وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"بازار کا کوئی معاملہ اس کے سپرد کرتے تھے۔"

اگر عورت کو قاضی اور والی بنانا صحیح ہوتا تو سلف کا کوئی دور بھی اس سے خالی نہ ہوتا۔

غصے کی حالت میں فیصلہ کرنا ناجائز ہے: جناب ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَا يَحْكُمْ أَحَدٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ»

"کوئی شخص دو افراد کے درمیان فیصلہ نہ کرے، جبکہ وہ غصے میں ہو۔"[3]

قاضی کا فیصلہ حق کو نہیں بدل دیتا: اگر کسی شخص کو اس کے بھائی کا حق دیا جا رہا ہو، وہ اسے ہرگز نہ لے، کیونکہ حاکم اور قاضی کا کوئی فیصلہ کسی حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ کسی حلال کو حرام کر سکتا ہے۔

---

[1] النسآء 4:34. [2] صحيح البخاري، الفتن، باب: 18، حديث: 7099. [3] صحيح البخاري، الأحكام، باب: هل يقضي القاضي أو يفتي وهو غضبان، حديث: 7158، وصحيح مسلم، الأقضية، باب كراهة قضاء القاضي وهو غضبان، حديث: 1717 واللفظ له.

جھگڑے چکانے کے شرعی اصول

مدعی کے ذمے ہے کہ گواہ پیش کرے: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»

”جس شخص نے ایسی قسم اٹھائی کہ اس کے ذریعے سے کسی مسلمان کا مال مار لینا چاہتا ہو اور وہ اس میں جھوٹا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر غضبناک اور ناراض ہوگا۔“

راوی کہتا ہے کہ پھر اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ آئے اور ہم سے پوچھا کہ ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کیا بیان کررہے تھے؟ تو ہم نے ابوعبدالرحمٰن کی بات بتادی، وہ بولے: ابوعبدالرحمٰن نے سچ کہا ہے، یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی تھی، میرے اور ایک دوسرے آدمی کے مابین یمن میں کچھ زمین مشترک تھی، اس میں نزاع پیدا ہوا، میں نے اپنا جھگڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے دریافت فرمایا:

«هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ؟» ”کیا تیرا کوئی گواہ ہے؟“

میں نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: «فَيَمِينُهُ» ”پھر اس کی قسم ہوگی۔“

میں نے عرض کیا: وہ تو قسم اٹھا لے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»

”جس نے کوئی قسم اٹھائی کہ اس کے ذریعے سے کسی مسلمان آدمی کا مال مار لے، جب کہ وہ اس معاملے میں جھوٹا ہو، تو وہ اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ رب ذوالجلال اس پر غضب ناک ہوگا۔“ اور یہ آیت اتری:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾

”بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور قیامت کے روز اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ

انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"[1]

حدیث کے الفاظ میں قسم کے لیے "یمین صبر" کی اضافت والی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ اس کا معنی ہے کہ قسم اٹھانے والا اپنے آپ کو اس حلف کے لیے روکتا ہے۔ اور ایسی جھوٹی قسم کو یمین غموس بھی کہا جاتا ہے۔

قسم اسی پر آتی ہے جو انکار کرتا ہو (مدعا علیہ پر): ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ، لَادَّعَى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَّأَمْوَالَهُمْ، وَلٰكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ»

"اگر لوگوں کو محض ان کے دعووں ہی پر دے دیا جائے تو لوگ دوسروں کے خونوں اور مالوں پر بھی دعویٰ کرنے لگیں گے، البتہ قسم مدعا علیہ پر لازم ہے۔"[2]

جج کو مدعا علیہ کے اقرار و اعتراف پر فیصلہ کر دینا چاہیے: ابوہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«وَاغْدُ، يَا أُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»

"اے انیس! صبح اس آدمی کی بیوی کے پاس جانا، اگر وہ اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دینا۔"[3]

مالی معاملات میں فیصلہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت پر ہونا چاہیے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ ﴾

"اور تم اپنے مسلمان مردوں میں سے دو گواہ بنا لو، پھر اگر دو مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہی دیں) جنھیں تم گواہوں کے طور پر پسند کرو (یہ اس لیے) کہ ان میں سے ایک عورت اگر بھول جائے تو ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے۔"[4]

ایک شخص کی گواہی اور مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ کر دیا جائے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

---

[1] آل عمرٰن 3:77. صحیح البخاري، الشهادات، باب، حدیث:2670,2669، وصحیح مسلم، الإیمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرة بالنار، حدیث: 138 واللفظ له. [2] صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ ﴾ حدیث:4552، وصحیح مسلم، الأقضية، باب الیمین علی المدّعٰی علیه، حدیث: 1711 واللفظ له. [3] صحیح البخاري، الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، حدیث:2696,2695 و 2315,2314، وصحیح مسلم، الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنٰی، حدیث :1698,1697. [4] البقرة2:282.

رسول اللہ ﷺ نے (مدعی کی) قسم اور ایک گواہ کی شہادت پر بھی فیصلہ فرمایا ہے۔[1]

مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ کرنا بھی درست ہے: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضر موت کا ایک شخص اور قبیلۂ کندہ کا ایک آدمی (دونوں) نبی ﷺ کی خدمت میں آئے۔ حضرمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ شخص میری زمین پر قابض ہو گیا ہے جبکہ یہ زمین میرے والد کی تھی۔ کندی نے کہا: یہ زمین میری ہے، میرے قبضے میں ہے، میں ہی اسے کاشت کر رہا ہوں، اس کا اس زمین پر کوئی حق نہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرمی سے دریافت فرمایا:

«أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَلَكَ يَمِينُهُ» قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَّا يُبَالِي عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ. فَقَالَ: «لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذٰلِكَ» فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَمَّا أَدْبَرَ: «أَمَا لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا، لَيَلْقَيَنَّ اللهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ»

''کیا تمھارے گواہ ہیں؟'' حضرمی بولا: جی نہیں، آپ نے فرمایا: ''پھر تیرے لیے اس کی قسم ہے۔'' حضرمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ فاجر آدمی ہے، اسے کچھ پروا نہیں کہ یہ کس بات کی قسم کھا رہا ہے، یہ کسی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا: ''تیرے لیے سوائے اس کی قسم کے اور کچھ نہیں ہے۔'' چنانچہ وہ قسم اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ جب اس نے پیٹھ پھیری تو آپ نے فرمایا: ''اگر اس نے اس کا مال ازراہ ظلم ہڑپ کرنے کے لیے قسم کھائی ہے، تو یہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منہ موڑے ہوئے ہو گا۔''[2]

جو شخص عادل نہ ہو اس کی گواہی مقبول نہیں: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ ''اور تم اپنے میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنا لو۔''[3]

اور کسی شخص کے عادل ہونے کی پہچان اس طرح ہوتی ہے کہ قاضی گواہ کو خود جانتا ہو کہ یہ عادل ہے یا دو عادل افراد اس کا تزکیہ کریں۔ کسی کے عادل ہونے کی تعریف یہ ہے کہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچنے والا ہو، صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو اور ایسے کام بھی نہ کرتا ہو جو مروّت کے خلاف ہوں اور مروّت کا تعلق ان اخلاق و آداب سے ہے جن کا تارک عرف عام میں بے حیا سمجھا جاتا ہے، مثلاً: اچھے مظہر کا حامل ہونا، عمدہ عادات اور پاکیزہ

[1] صحیح مسلم، الأقضیة، باب وجوب الحکم بشاهد ویمین، حدیث: 1712. [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم بیمین فاجرة بالنار، حدیث: 139. [3] الطلاق 65:2.

رکھ رکھاؤ اور اچھے فن و کسب کا حامل ہونا با مروت ہونے کی علامت ہے۔

خائن، دشمن اور متہم کے علاوہ اس آدمی کی گواہی بھی ناقابل قبول ہے جس کی گزر بسر اسی گھرانے پر ہو: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خائن مرد، خائن عورت یا اپنے بھائی سے عداوت رکھنے والے شخص کی گواہی کو مسترد کر دیا ہے اور ایسے آدمی کی گواہی بھی ان لوگوں کے حق میں، جن کے ہاں اس کی گزر بسر ہو، قبول نہیں فرمائی، البتہ دوسروں کے حق میں قبول کی ہے۔ [1]

تہمت لگانے والے کی گواہی مسترد ہے: سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمٰنِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝ ﴾

''اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر (ثبوت میں) چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انھیں اَسّی اَسّی تازیانے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، یہی لوگ فاسق ہیں۔'' [2]

کسی صحرائی شخص کی شہری آدمی کے خلاف گواہی قبول نہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: «لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلٰى صَاحِبِ قَرْيَةٍ»

''کسی صحرائی آدمی کی شہری کے خلاف گواہی قابل قبول نہیں ہے۔'' [3]

ابن رسلان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ بعض اجنبی لوگوں کا عادل ہونا واضح معلوم نہیں ہوتا، اس لیے ان کی گواہی معتبر نہیں مانی جا سکتی۔ [4]

جو شخص اپنے کسی قول و فعل کے ثبوت پر گواہی دے وہ قابل قبول ہے: عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کر لی، بعدازاں ہمارے ہاں ایک کالی سی عورت آئی، کہنے لگی: میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا کہ میں نے فلاں بنت فلاں سے شادی کی ہے، اب ایک کالے رنگ کی عورت ہمارے ہاں آئی ہے، اس نے مجھے کہا ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، یہ عورت جھوٹی ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اپنا منہ پھیر لیا۔ میں آپ کے چہرۂ مبارک کی طرف سے حاضر

[1] سنن أبي داود، القضاء، باب من ترد شهادته، حديث: 3600. [2] النور 24:4. [3] [صحيح] سنن أبي داود، القضاء، باب شهادة البدوي على أهل الأمصار، حديث: 3602، وسنن ابن ماجه، الأحكام، باب من لا تجوز شهادته، حديث: 2367. [4] المغني لابن قدامة: 32/12، رقم: 8359.

ہوا اور عرض کیا: وہ تو جھوٹی ہے، آپ نے فرمایا:

«كَيْفَ بِهَا وَقَدْ زَعَمَتْ أَنَّهَا قَدْ أَرْضَعَتْكُمَا؟ دَعْهَا عَنْكَ»

"تو اس کے ساتھ کیسے رہ سکتا ہے جبکہ اس نے کہہ دیا کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، اس عورت کو اپنے پاس سے دور کر دے۔" [1]

جھوٹی گواہی دینا سب سے بڑا گناہ ہے: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا:

«اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ»

"اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو (ناحق) قتل کر ڈالنا اور جھوٹی گواہی دینا۔" [2]

قسم اٹھا لینے کے بعد گواہی مقبول نہیں: کیونکہ جب مدعا علیہ سے قسم لے لی گئی، جو فیصلہ کرنے کے لیے ایک مؤثر اور قوی دلیل ہے، تو اس کے بعد اس کے خلاف کوئی اور دلیل لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب شهادة المرضعة، حديث : 5104. [2] صحيح البخاري، الشهادات، باب ماقيل في شهادة الزور، حديث:2653، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر و أكبرها، حديث:88.

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ
وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○
(البقرة2:190)
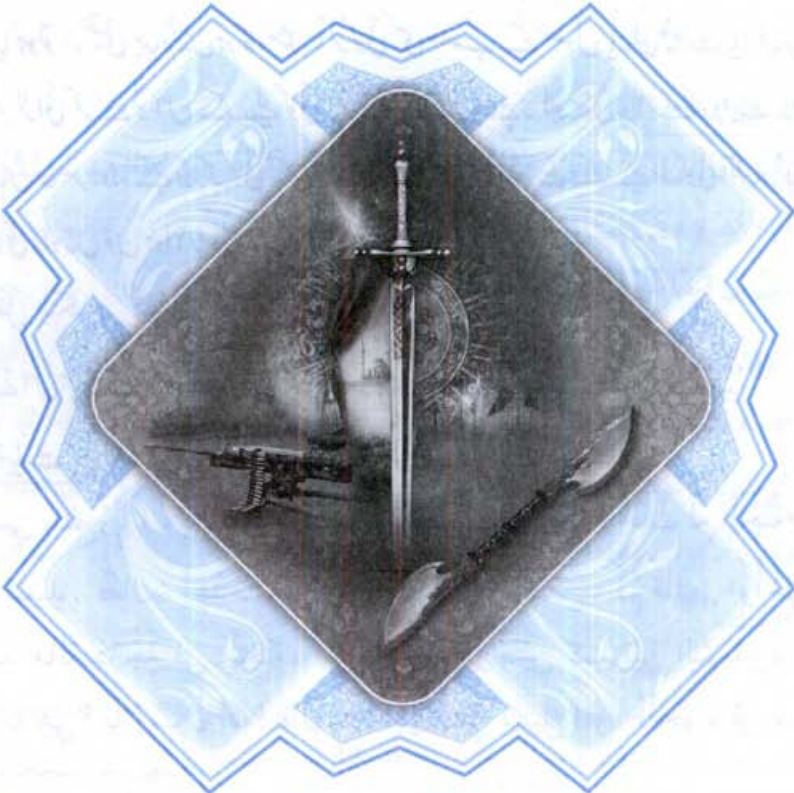
جہاد کے احکام و مسائل

جہاد کی تعریف: «جهاد» کا لفظ «جهد» سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں: طاقت صرف کرنا اور مشقت کرنا۔ جَاهَدَ، يُجَاهِدُ، مُجَاهَدَةً و جِهَادًا، جب کوئی وسعت بھر محنت و مشقت کرے اور طاقت صرف کرے۔ اور اصطلاحاً دشمن سے مقابلے اور اس کے ساتھ لڑائی میں مشقت برداشت کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔

کوئی جہاد اس وقت تک حقیقی جہاد نہیں کہلا سکتا جب تک کہ اس میں اللہ کی رضا، اس کے کلمے کی بلندی اور حق کا جھنڈا بلند کرنے کے ساتھ ساتھ باطل کو ختم کرنے کی نیت نہ کی گئی ہو۔ اس کے علاوہ لذاتِ دنیا میں سے کسی چیز کا ارادہ کیا گیا ہو تو وہ حقیقی جہاد نہیں ہوگا، مثلاً: اگر کوئی کسی منصب کے حصول یا مالِ غنیمت یا اظہارِ شجاعت یا اپنی شہرت کی خاطر لڑائی کرے تو اس کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوا، کہنے لگا کہ کوئی شخص غنیمت کے لیے، کوئی شہرت کے لیے اور کوئی اظہار شجاعت کے لیے لڑتا ہے، تو اللہ کی راہ میں کون ہوا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ»

''جس نے اس نیت سے لڑائی کی کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کی راہ میں (جہاد) ہے۔''[1]

جہاد کی فضیلت: ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ رَّضِيَ بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ» فَعَجِبَ لَهَا أَبُو سَعِيدٍ. فَقَالَ: أَعِدْهَا عَلَيَّ، يَا رَسُولَ اللهِ! فَفَعَلَ. ثُمَّ قَالَ: «وَأُخْرٰى يُرْفَعُ بِهَا الْعَبْدُ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ» قَالَ: وَمَا هِيَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ، اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ»

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، حديث: 2810، وصحيح مسلم، الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله، حديث: 1904.

''جو شخص اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی رہا، اس کے لیے جنت واجب ہوئی۔'' ابوسعید رضی اللہ عنہ کو اس پر تعجب ہوا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرے لیے یہ ارشاد دہرا دیجیے۔ آپ نے یہ بات دوبارہ کہی اور فرمایا: ''ایک اور عمل بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے بندے کے لیے جنت میں سو درجات بلند کر دیے جائیں گے۔ اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو گا جتنا آسمان اور زمین میں ہے۔'' پوچھا کہ وہ کیا عمل ہے، اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔'' [1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:

«إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ» قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: «اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ» قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: «حَجٌّ مَبْرُورٌ»

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔'' کہا گیا: پھر کون سا؟ فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔'' کہا گیا: پھر کون سا؟ فرمایا: ''پاکیزہ حج۔'' [2]

جہاد چھوڑ دینے پر وعید: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○﴾

''اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر ریجھ گئے ہو؟ چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلے میں بہت ہی حقیر ہے۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو وہ (اللہ) تمھیں دردناک عذاب دے گا اور بدل کر تمھارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' [3]

[1] صحيح مسلم، الإمارة، باب بيان ما أعده الله تعالى للمجاهد في الجنة من الدرجات، حديث: 1884، وسنن النسائي، الجهاد، درجة المجاهد في سبيل الله عزوجل، حديث: 3133. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب من قال: إن الإيمان هو العمل، حديث: 26، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، حديث: 83. [3] التوبة 9:38، 39.

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ»

''جو شخص مرگیا اور اللہ کی راہ میں لڑائی نہیں کی، یہاں تک کہ اپنے جی میں اس کی خواہش بھی نہیں کی تو وہ نفاق کے ایک شعبے پر مرا۔''[1]

جہاد کی ترغیب و تشویق: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لیے واجب کیا ہے کہ وہ اس کی راہ میں نکلیں۔ اور اس کام کو بھاری جاننا حرام قرار دیا ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''تم ہلکے (بھی) نکلو اور بوجھل (بھی) اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔''[2]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر ریجھ گئے ہو؟ چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلے میں بہت ہی حقیر ہے۔''[3]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا»

''کسی قدر صبح کے وقت اللہ کی راہ میں نکلنا یا شام کے وقت، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے (سب) سے بڑھ کر ہے۔''[4]

---

[1] صحيح مسلم، الإمارة، باب ذم من مات ولم يغز ولم يحدث نفسه بالغزو، حديث: 1910، وسنن النسائي، الجهاد، التشديد في ترك الجهاد، حديث: 3099. [2] التوبة 9:41. [3] التوبة 9:38. [4] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الغدوة والروحة في سبيل الله، وقابُ قوس أحدكم في الجنة، حديث: 2792، وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الغدوة والروحة في سبيل الله، حديث: 1880.

جہاد فرض کفایہ اور فرض عین کب ہوتا ہے؟ جہاد فرض کفایہ اس وقت ہوگا جب مسلمانوں کی ایک جماعت یہ فریضہ ادا کر رہی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً﴾

''اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سب ہی نکل کھڑے ہوں۔''[1]

لیکن جب امام المسلمین مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کی عام دعوت دے یا دشمن مسلمانوں کے علاقے پر چڑھ دوڑے تو (اس علاقے کے لوگوں پر) جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

''اگر تم نہیں نکلو گے تو وہ (اللہ) تمھیں دردناک عذاب دے گا اور بدل کر تمھارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[2]

جہاد غیر صالح قائد کی قیادت میں بھی جائز ہے: جہاد واجب ہونے کے لیے یہ کوئی شرط نہیں کہ حاکم یا قائد عادل ہو۔ بلکہ جہاد غیر صالح حاکم و قائد کی قیادت میں بھی جائز ہے۔ کتاب و سنت میں جہاد کے وجوب، اس کی فضیلت اور ترغیب میں جتنے بھی بیانات آئے ہیں، ان میں ایسی کوئی قید اور شرط نہیں کہ حاکم اعلیٰ اور قائد عساکر عادل ہو بلکہ جہاد دین کے فرائض میں سے ایک ایسا اساسی فریضہ ہے جو اللہ نے اپنے بندوں پر زمان، مکان یا شخص اور اس کے عادل یا ظالم ہونے کے ساتھ مشروط نہیں ٹھہرایا، نہ علمی آثار میں ایسی کوئی دلیل ہے۔

نفلی جہاد میں والدین سے اجازت لینا ضروری ہے: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے جہاد میں شرکت کے لیے اجازت چاہی، آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

«أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ»

''کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''تو ان دونوں میں جہاد کر۔''[3]

اخلاص کیساتھ جہاد کرنا حقوق العباد کے سوا تمام گناہوں کا کفارہ ہے: عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ، إِلَّا الدَّيْنَ»

[1] التوبة 9:122. [2] التوبة 9:39. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الجهاد بإذن الأبوين، حديث: 3004، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب بر الوالدين، وأيهما أحق به، حديث: 2549.

''شہید کے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں مگر قرضہ (معاف نہیں۔)''[1]

حقوق العباد ادا کرنا لازم ہے بغیر اس امتیاز کے کہ یہ حقوق خون سے متعلق ہوں یا عزت سے یا مال سے، ان میں کوئی فرق نہیں۔

اشد ضرورت کے بغیر جہاد میں مشرکین سے مدد نہیں لی جا سکتی: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف روانہ ہوئے، جب آپ حرۂ وبرہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کو ایک آدمی ملا، اس شخص کی جرأت و شجاعت کا بڑا شہرہ تھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اس کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں تاکہ آپ کی متابعت کروں اور آپ کے ساتھ اس مہم میں شریک ہو جاؤں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

«تُؤْمِنُ بِاللهِ وَرَسُولِهِ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَارْجِعْ، فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ»

''کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟'' اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: ''واپس چلے جاؤ، میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا۔''

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ چلتے رہے حتی کہ جب ہم مقام شجرہ پر پہنچے تو وہ شخص آپ کی خدمت میں آیا اور وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی تو آپ نے بھی پھر یہی ارشاد فرمایا:

«فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ»

''واپس چلے جاؤ، میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا۔''

وہ پھر لوٹ کر آیا، بیداء مقام پر آپ کی خدمت میں پیش ہوا اور اپنی عرض داشت دہرائی، آپ نے پھر پوچھا:

«تُؤْمِنُ بِاللهِ وَرَسُولِهِ؟» ''کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟''

اس نے کہا: جی ہاں، تب آپ نے فرمایا: «فَانْطَلِقْ» ''تو چلو!''[2]

''حرۂ وبرہ'' مدینہ سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر ہے۔

اہل لشکر پر اپنے امیر کی اطاعت لازم ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی والی بات نہ مانی جائے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] صحيح مسلم، الإمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين، حديث: 1886. [2] صحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الاستعانة في الغزو بكافر إلا لحاجة......، حديث: 1817.

«مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصٰى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي»

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔'' [1]

امیر کے لیے اہلِ لشکر سے مشورہ کرنا اور نوازش کا سلوک کرنا اور حرام سے بچائے رکھنا ضروری ہے:

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ ''اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں۔'' [2]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان آرہا ہے تو آپ نے مشورہ کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بات کی، آپ نے اس سے رخ پھیر لیا، عمر رضی اللہ عنہ نے بات کی تو آپ نے اس سے بھی رخ پھیر لیا، تب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بولے: کیا آپ کی مراد ہم ہے؟ اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر آپ حکم دیں کہ ہم اس سمندر میں کود جائیں تو ہم بے دریغ اس میں کود پڑیں گے اور اگر حکم فرمائیں کہ برک الغماد تک ان کا تعاقب کریں، تو ہم ایسا بھی کر گزریں گے۔ [3]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهِ»

''اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنا اور پھر اس نے ان پر مشقت ڈالی تو تو بھی اس پر مشقت ڈال اور جو میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ فرما۔'' [4]

حملے کا ارادہ ہو تو امام کو حکمت و توریہ سے کام لینا چاہیے: کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو توریہ کرتے۔ [5]

[1] صحيح البخاري، الأحكام، باب قول الله تعالى: ﴿ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾، حديث: 7137، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث: 1835. [2] آل عمرٰن 3: 159. [3] صحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة بدر، حديث: 1779. [4] صحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل وعقوبة الجائر......، حديث: 1828. [5] صحيح البخاري، المغازي، باب حديث كعب بن مالك......، حديث: 4418، وصحيح مسلم، التوبة، باب »

حملے سے پہلے مکمل معلومات حاصل کرنی چاہئیں: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفار کے لشکر کی خبریں کون لائے گا؟ زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں تیار ہوں، پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کفار کے لشکر کی خبریں کون لائے گا؟ اس مرتبہ بھی زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ پوچھا کہ کفار کے لشکر کی خبریں کون لائے گا؟ زبیر رضی اللہ عنہ نے اس مرتبہ بھی اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ» ”ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے، میرا حواری زبیر ہے۔“ [1]

لشکر ترتیب دینا اور جھنڈے مہیا کرنا مسنون ہے: براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن پیدل افراد پر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا، ان کی تعداد پچاس تھی، ان سے فرمایا:

«إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلَا تَبْرَحُوا مَكَانَكُمْ هٰذَا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ وَإِنْ رَأَيْتُمُونَا هَزَمْنَا الْقَوْمَ وَأَوْطَأْنَاهُمْ فَلَا تَبْرَحُوا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ»،

”اگر تم ہمیں اس حالت میں دیکھو کہ ہمیں پرندے نوچ رہے ہیں تب بھی تم اپنی یہ جگہ نہ چھوڑنا جب تک کہ میں تمھیں پیغام نہ بھیجوں، اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے اور ان کا لشکر روند ڈالا ہے، تب بھی یہ جگہ نہ چھوڑنا حتی کہ میں پیغام بھیجوں۔“ [2]

جابر رضی اللہ عنہ نے مرفوع حدیث میں بیان کیا کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔ [3]

آداب جہاد: بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو کسی لشکر یا مہم کا امیر بناتے تو اسے بالخصوص شخصی طور پر اپنی ذات میں اور اپنے ساتھیوں کے سلسلے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتے اور فرماتے:

«أُغْزُوا بِاسْمِ اللهِ، فِي سَبِيلِ اللهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، أُغْزُوا فَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ - أَوْ خِلَالٍ -، فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ

« حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه، حديث: 2769. [1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، حديث: 4113، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبير رضي الله عنهما، حديث: 2415. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب مايكره من التنازع والاختلاف في الحرب......، حديث: 3039. [3] [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرايات والألوية، حديث: 2592، وجامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في الألوية، حديث: 1679، وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب الرايات والألوية، حديث: 2817.

ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ، إِنْ فَعَلُوا ذٰلِكَ، فَلَهُمْ مَّا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَعَلَيْهِمْ مَّا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ، إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ»

''جہاد کرو نکلو اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں اور ان لوگوں سے لڑو جو اللہ کا انکار کرتے ہیں، جہاد کرنا، (مال غنیمت میں) خیانت نہیں کرنا، دھوکہ نہ دینا، لاشوں کا مثلہ نہیں کرنا، کسی بچے کو قتل مت کرنا اور جب تم اپنے مشرک دشمن سے ملو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دینا۔ وہ جو بھی قبول کرلیں تو تم بھی قبول کر لینا اور لڑائی سے باز رہنا۔ انھیں اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ قبول کرلیں تو تم بھی قبول کر لینا اور اپنے ہاتھ روک لینا، پھر انھیں دعوت دینا کہ اپنے گھروں سے مہاجرین کے علاقے میں منتقل ہو جائیں، انھیں بتانا کہ اگر وہ ایسا کرلیں گے تو ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں، ان کے فرائض بھی وہی ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں۔ اگر وہ منتقل ہونے سے انکار کریں تو انھیں بتا دینا کہ تمھاری حیثیت دیہی مسلمانوں کی سی ہوگی، ان پر اللہ کا حکم نافذ ہوگا جو اہل ایمان پر جاری ہوتا ہے اور ان کا غنیمت یا فے میں کوئی حصہ نہیں ہوگا الا یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد میں حصہ لیں۔ اگر وہ اسلام سے انکار کر دیں تو انھیں جزیے کی پیش کش کرنا، وہ قبول کرلیں تو تم بھی قبول کر لینا اور اپنے ہاتھ روک لینا، اگر وہ اس سے بھی انکار کر دیں تو ان کے خلاف اللہ سے مدد چاہنا اور ان سے (ڈٹ کر) جنگ کرنا۔''[1]

عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا حرام ہے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی غزوے میں ایک عورت کی لاش پائی گئی، اسے قتل کر دیا گیا تھا، آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت فرما دی۔[2]

[1] صحيح مسلم، الجهاد، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث......، حديث: 1731، وسنن أبي داود، الجهاد، باب في دعاء المشركين، حديث: 2613,2612، وجامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في النهي عن المثلة، حديث: 1408و1617.

[2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب قتل الصبيان في الحرب، حديث: 3015,3014 و صحيح مسلم، الجهاد، باب تحريم قتل النساء والصبيان في الحرب، حديث: 1744.

نعشوں کا مثلہ کرنا اور جلانا حرام ہے: مثلہ کے متعلق اوپر بتایا جا چکا ہے کہ یہ عمل حرام ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر بھیجا اور فرمایا:

«إِنْ وَجَدْتُمْ فُلَانًا وَّفُلَانًا فَأَحْرِقُوهُمَا بِالنَّارِ». ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ أَرَدْنَا الْخُرُوجَ: «إِنِّي أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحْرِقُوا فُلَانًا وَّفُلَانًا، وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللهُ، فَإِنْ وَجَدْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا»

''اگر تم فلاں فلاں کو پاؤ تو انھیں آگ میں جھونک کر جلا ڈالنا۔'' پھر جب ہم نکلنے لگے تو فرمایا: ''میں نے تمھیں فلاں فلاں کے متعلق کہا تھا کہ انھیں جلا ڈالنا، مگر آگ کا عذاب اللہ کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا اگر تم انھیں پاؤ تو قتل کر دینا۔''[1]

میدانِ قتال سے فرار حرام ہے: سورۂ انفال میں ہے:

﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾

''اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا، سوائے اس شخص کے جو لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا ہو یا (اپنے) کسی گروہ کی پناہ لینے والا ہو، تو یقیناً وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''[2]

دشمن پر شب خون مارنا جائز ہے: صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابواء یا ودان مقام پر میرے پاس سے گزرے، آپ سے مشرکین کے ایسے گھروں کے بارے میں پوچھا گیا جن پر شب خون مارا جاتا ہے اور اس کی زد میں ان کی عورتیں اور بچے بھی آ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«هُمْ مِّنْهُمْ». وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: «لَا حِمٰى إِلَّا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ ﷺ»

''وہ انھی میں سے ہیں۔'' صعب رضی اللہ عنہ مزید کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے سنا: ''کسی علاقے کو اپنے لیے خاص اور محفوظ بنانا صرف اللہ اور اس کے رسول ہی کا حق ہے۔''[3]

جنگ میں دشمن کو جھانسہ دیا جا سکتا ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله، حديث: 3016. [2] الأنفال 8:16. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب أهل الدار يُبيَّتون فيُصاب الولدان والذَّراريُّ، حديث: 3012، وصحيح مسلم، الجهاد، باب جواز قتل النساء والصِّبيان في البيات من غير تعمد، حديث: 1745.

«اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ» ”لڑائی دھوکے کا نام ہے۔“[1]

امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ لڑائی میں کفار کو جس طرح بھی ممکن ہو، دھوکا دینا جائز ہے، مگر عہد و پیمان نہ توڑا جائے۔[2]

جنگ میں (دشمن سے) جھوٹ بھی جائز ہے: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ؟» فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ: أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ: فَأْذَنْ لِّي فَأَقُولَ، قَالَ: «قَدْ فَعَلْتُ»

”کون ہے کعب بن اشرف کے لیے (کہ اسے ٹھکانے لگا دے)؟“ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ میں اسے قتل کر دوں؟ فرمایا: ”ہاں۔“ اس نے کہا: پھر مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کے سامنے کوئی بات بنا سکوں، آپ نے فرمایا: ”ہاں اجازت ہے۔“[3]

مال غنیمت کے بارے میں احکام

مال غنیمت کی اہل لشکر اور دوسرے مصارف میں تقسیم کیسے کی جائے؟ مال غنیمت کے پانچ حصے کرنے پر سبھی اہل علم متفق ہیں۔ ان میں سے خمس، یعنی پانچواں حصہ درج ذیل سورۂ انفال کی آیت میں بتائے گئے طریقے کے مطابق خرچ کیا جائے گا اور باقی چار حصے اہل لشکر میں تقسیم کیے جائیں گے۔ سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

”اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دو فوجوں میں ٹکراؤ

[1] صحيح مسلم، الجهاد، باب جواز الخداع في الحرب، حديث: 1740. [2] شرح صحيح مسلم: 12/67، حديث: 1740.

[3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الفتك بأهل الحرب، حديث: 3032، وصحيح مسلم، الجهاد، باب قتل كعب بن الأشرف طاغوت اليهود، حديث: 1801.

ہوا تھا اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔'' [1]

شہسوار کو غنیمت میں سے تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ ملتا ہے: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے موقع پر گھوڑے کے لیے دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا تھا۔ نافع نے اس کی وضاحت یوں کی کہ اگر آدمی کے پاس گھوڑا ہو تو اسے کل تین حصے ملیں گے۔ اگر اس کے پاس گھوڑا نہ ہو تو اس کے لیے صرف ایک حصہ ہے۔ [2]

غنیمت میں سے کن کو حصہ ملے گا؟ جو لوگ جنگ کے لیے نکل چکے ہوں، خواہ وہ قوی ہوں یا ضعیف، لڑائی میں باقاعدہ شرکت کی ہو یا نہ کی ہو، غنیمت میں سب برابر ہیں، مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد سعد رضی اللہ عنہ نے خیال ظاہر کیا کہ انھیں دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ؟» ''تمھیں مدد اور رزق تمھارے کمزوروں ہی کی بنا پر ملتا ہے۔'' [3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کے موقع پر جب لڑائی میں شریک ہونے والوں اور شریک نہ ہونے والوں میں مال غنیمت کے بارے میں بحث و تکرار ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان دونوں فریقوں کے درمیان برابر برابر تقسیم فرمایا۔ [4]

لشکر کے بعض افراد کو خصوصی انعام دینا جائز ہے: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کو کسی مہم پر روانہ کرتے تھے تو انھیں دوسرے اہل لشکر جیسے مال غنیمت کے علاوہ خاص انعام بھی مرحمت فرماتے تھے، البتہ خمس سب میں واجب ہے۔ [5]

امام کو خاص انتخاب کا حق حاصل ہے اور غنیمت کا حصہ بھی: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کے خاص حق انتخاب کے تحت صفی میں سے تھیں۔ [6]

عورتوں اور بچوں کے لیے مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں: یزید بن ہرمز سے روایت ہے کہ نجدہ بن عامر

[1] الأنفال 8:41. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث :4228، وصحيح مسلم، الجهاد، باب كيفية قسمة الغنيمة بين الحاضرين، حديث: 1762. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب، حديث: 2896. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الجهاد، باب في النفل، حديث: 2737، والمستدرك للحاكم: 132,131/2. [5] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب: ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين......، حديث : 3135، وصحيح مسلم، الجهاد، باب الأنفال، حديث : 1750. [6] [حسن] سنن أبي داود، الخراج، باب ماجاء في سهم الصفي، حديث: 2994. امیر کا مال غنیمت میں سے تقسیم سے قبل ہی اپنے لیے انتخاب کردہ شے کو صفی کہتے ہیں۔

حروری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں یہ سوالات بھیجے: غلام اور عورت جب معرکے میں موجود ہوں تو کیا ان کا مال غنیمت میں کوئی حصہ ہے؟ اور بچوں کے قتل کا کیا حکم ہے؟ اور یتیم سے اس کے یتیم ہونے کا حکم کب اٹھتا ہے اور ذوی القربیٰ کون ہیں؟ جواباً انھوں نے یزید سے کہا: اسے لکھ بھیجو اور اگر مجھے یہ امید ہوتی کہ وہ کسی حماقت میں نہیں پڑے گا تو میں اسے کچھ نہ لکھتا، بہر حال اسے لکھ: تم نے پوچھا ہے کہ عورت اور غلام اگر غنیمت کے موقع پر حاضر ہوں تو کیا کچھ دیا جائے گا یا نہیں؟ جان لو! ان کے لیے کچھ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ انھیں قوم کی غنیموں میں سے کچھ عطیہ دے دیا جائے۔[1]

امام کے لیے مؤلفة القلوب کو ترجیح دینا جائز ہے: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حنین کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو مال غنیمت دینے میں ترجیح دی۔ اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیے، عیینہ کو بھی اتنا ہی حصہ دیا، عرب کے شرفاء کو بھی ترجیح دی، اس موقع پر ایک آدمی بول پڑا: اللہ کی قسم! اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا، نہ اللہ کی رضا چاہی گئی، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور بتاؤں گا۔ چنانچہ میں نے یہ بات کہہ دی۔ آپ نے فرمایا:

«فَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللهُ وَرَسُولُهُ، رَحِمَ اللهُ مُوسٰى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ»

”اگر اللہ اور اس کے رسول ہی نے عدل نہ کیا تو کون عدل کرے گا؟ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انھیں اس سے زیادہ ایذا دی گئی، پھر بھی انھوں نے صبر کیا۔“[2]

کفار سے کسی مسلمان کا مال واپس لیا جائے تو وہ اس کے مالک ہی کو دیا جائے گا: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میرا ایک گھوڑا بھاگ گیا، اسے دشمن نے پکڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ عطا فرمایا تو وہ گھوڑا مجھے واپس کر دیا گیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بات ہے، پھر میرا ایک غلام بھاگ گیا اور رومیوں سے جا ملا، مسلمان ان پر غالب آ گئے تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ غلام مجھے واپس کر دیا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد کی بات ہے۔[3]

[1] صحيح مسلم، الجهاد، باب النساء الغازيات يرضخ لهن ولا يسهم......، حديث : 1812. [2] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ما كان النبي يعطي المؤلفة قلوبهم......، حديث : 3150، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام......، حديث : 1062. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب إذا غنم المشركون مال المسلم ثم وجده المسلم، حديث : 3067.

تقسیم سے پہلے مال غنیمت سے کھانے اور چارے کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے: رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَرْكَبْ دَابَّةً مِّنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى إِذَا أَعْجَفَهَا رَدَّهَا فِيهِ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبَسْ ثَوْبًا مِّنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى إِذَا أَخْلَقَهُ رَدَّهُ فِيهِ»

''جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ مسلمانوں کی غنیمت میں سے کسی جانور پر سوار نہ ہوحتی کہ جب وہ اسے کمزور کر دے تو وہ اسے اس میں (مال غنیمت) واپس کر دے، اور جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ مسلمانوں کی غنیمت میں سے کوئی کپڑا نہ پہنے حتی کہ جب وہ اسے بوسیدہ کر دے تو وہ اسے اس میں (مال غنیمت) واپس کر دے۔'' [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم لوگوں کو غزوات میں شہد اور انگور وغیرہ حاصل ہوتے تھے تو ہم وہ کھا لیا کرتے تھے، ایسی چیزوں کو اٹھا کر خزانے میں جمع نہیں کراتے تھے۔ [2]

خیانت کی حرمت اور اس سے ترہیب کا بیان: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی مگر ہمیں مال غنیمت میں کوئی چاندی سونا نہیں ملا بلکہ عام سامان، غذائی اجناس اور کپڑے ملے۔ پھر ہم وادی کی طرف چلے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کا ایک غلام بھی تھا، جسے قبیلۂ جذام کے ایک آدمی نے آپ کو ہبہ کیا تھا، اس کا نام رفاعہ بن زید تھا۔ وہ قبیلۂ ضبیب سے تعلق رکھتا تھا۔ ہم وادی میں اترے، وہ غلام رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کا پالان کھول رہا تھا۔ اچانک اسے ایک تیر لگا، اسی تیر میں اس کی موت لکھی تھی، ہم نے کہا: کیا مبارک ہے اس کے لیے شہادت، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا:

''ہرگز نہیں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ اونی کمبل اس پر آگ کی صورت میں بھڑک رہا ہے جو اس نے خیبر کے دن غنیمتوں کی تقسیم سے پہلے اچک لیا تھا۔'' لوگ ڈر گئے، پھر ایک شخص ایک تسمہ یا دو تسمے لے آیا، پس اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ مجھے خیبر کے دن ملا تھا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ تسمہ آگ سے ہے، یا فرمایا: ''یہ دو تسمے آگ سے ہیں!'' [3]

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرجل ينتفع من الغنيمة بشيء، حديث: 2708، وسنن الدارمي: 152/2، وصحيح ابن حبان (ابن بلبان)، حديث: 4850، ومسند أحمد: 109,108/4. [2] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ما يصيب من الطعام في أرض الحرب، حديث: 3154. [3] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب هل يدخل في الأيمان

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودیوں کے قبیلے بنونضیر اور قریظہ نے جنگ کی تو آپ نے بنونضیر کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا اور قریظہ کو رہنے دیا، یوں ان پر احسان فرمایا، پھر قریظہ نے بھی جنگ کی، تو آپ نے ان کے مردوں کو قتل کرا دیا، ان کی عورتوں، بچوں اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آ ملے، آپ نے ان کو امان دی اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ اور پھر بنوقینقاع اور بنو حارثہ کے سب یہودیوں کو مدینہ سے نکال دیا گیا، بنوقینقاع عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا۔[1]

امام کافر قیدیوں کو قتل کرنے یا فدیہ لے کر آزاد کرنے یا بغیر عوض کے رہا کر دینے کا مجاز ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا﴾

”چنانچہ جب تم (جہاد میں) ان لوگوں سے ملو جنھوں نے کفر کیا تو (ان کی) گردنیں مارو، حتی کہ جب تم انھیں خوب قتل کر چکو تو (قیدیوں کو) بیڑیوں میں مضبوطی سے باندھ دو، پھر یا تو اس کے بعد ان پر احسان کرنا ہے یا فدیہ (تاوان) لینا ہے، حتی کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔“[2]

قیدیوں، جاسوسوں اور صلح کے مسائل

کافروں کو غلام بنایا جا سکتا ہے، خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی: ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے نافع کی خدمت میں ایک دریافت طلب سوال لکھ بھیجا، انھوں نے جواب میں لکھا: نبی ﷺ نے قبیلۂ بنو مصطلق پر شب خون مارا جبکہ وہ لوگ غافل تھے، ان کے جانوروں کو چشمے پر پانی پلایا جا رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے جنگجوؤں کو قتل کیا اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ جویریہ رضی اللہ عنہا اسی موقع پر آپ کے حرم میں آئیں۔ نافع کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتائی تھی، وہ اس جنگ میں شریک تھے۔[3]

» والنذور الأرض......، حديث : 6707، وصحيح مسلم، الإيمان، باب غلظ تحريم الغلول وأنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون، حديث : 115. [1] صحيح البخاري، المغازي، باب حديث بني النضير، و مخرج رسول اللهﷺ إليهم......، حديث :4028، وصحيح مسلم، الجهاد، باب إجلاء اليهود من الحجاز، حديث : 1766. [2] محمد4:47. [3] صحيح البخاري، العتق، باب من ملك من العرب رقيقًا......، حديث :2541، وصحيح مسلم، الجهاد، باب جواز الإغارة على الكفار......، حديث: 1730.

جاسوس جو کافر ہو اسے قتل کرنا جائز ہے: سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین میں سے ایک جاسوس آ گیا، آپ سفر میں تھے، وہ آپ کے صحابہ کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا، پھر اچانک کھسک گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اُطْلُبُوهُ وَاقْتُلُوهُ»، فَقَتَلْتُهُ، فَنَفَّلَهُ سَلَبَهُ»

''اسے ڈھونڈو اور قتل کر دو۔'' چنانچہ میں نے اس کو قتل کر دیا۔ آپ نے اس کا سلب مجھے بطور انعام عنایت فرما دیا۔''[1]

کوئی حربی اپنی خوشی سے مسلمان ہو جائے تو اس سے اس کا مال بھی محفوظ ہو جاتا ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (کافر) لوگوں سے قتال کروں حتی کہ وہ اللہ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیں، نماز قائم کریں، زکاۃ دیں، جب وہ یہ کام کریں گے تو مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لیں گے سوائے اس کے کہ اسلام کا کوئی حق ہو اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔''[2]

اس حدیث میں ''حفاظت'' کا لفظ آیا ہے۔ اس کے مفہوم میں بڑوں کے ساتھ چھوٹے بھی شامل ہیں، کیونکہ اسلام میں اولاد ماں باپ کے تابع ہوتی ہے۔

اور ''حق اسلام'' سے مراد یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی شرعی مخالفت سرزد ہو تو شرعی سزا ان پر لاگو ہو گی چاہے وہ مال کی صورت میں ہو یا بدنی۔ ''اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے'' یعنی ان کے سرّی معاملات اللہ ہی کے علم میں ہیں کہ وہ کیا ظاہر کرتے ہیں اور دل میں کیا چھپاتے ہیں۔

کسی کافر کا غلام مسلمان ہو کر مسلمانوں کی طرف آ جائے تو وہ آزاد ہو گا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن کچھ غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئے، ابھی صلح نہیں ہوئی تھی، غلاموں کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا: اے محمد! اللہ کی قسم! یہ لوگ آپ کے دین کی رغبت میں آپ کے پاس نہیں

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الحربي إذا دخل دار الإسلام بغير أمان، حديث: 3051. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ ......﴾، حديث: 25، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا......، حديث: 22.

آئے ہیں، یہ تو غلامی سے بھاگ کر آئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! انھوں نے سچ لکھا ہے، انھیں واپس کر دیجیے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خفا ہو گئے اور فرمایا:

«مَا أُرَاكُمْ تَنْتَهُونَ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ! حَتّٰى يَبْعَثَ اللهُ عَلَيْكُمْ مَّنْ يَّضْرِبُ رِقَابَكُمْ عَلٰى هٰذَا» وَأَبٰى أَنْ يَّرُدَّهُمْ وَقَالَ: «هُمْ عُتَقَاءُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ»

''اے جماعت قریش! میں سمجھتا ہوں تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی ایسا فرد نہ بھیج دے جو تمھاری اس بات پر تمھاری گردنیں مار دے۔'' آپ نے ان غلاموں کو واپس کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''یہ اللہ کے آزاد کردہ لوگ ہیں۔'' [1]

مفتوحہ زمین کا معاملہ امام کے سپرد ہے، حسب مصلحت جو چاہے کرے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث بیان کیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا قَرْيَةٍ أَتَيْتُمُوهَا، وَأَقَمْتُمْ فِيهَا، فَسَهْمُكُمْ فِيهَا، وَأَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتِ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَإِنَّ خُمُسَهَا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ ﷺ، ثُمَّ هِيَ لَكُمْ»

''جس بستی میں تم بغیر لڑائی کے آؤ اور اس میں اقامت اختیار کرو، تو اس میں تمھارا حصہ عام مسلمانوں جیسا ہے (کیونکہ وہ مال فے ہے) اور جو بستی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے (پھر تم اسے لڑائی کے ذریعے سے فتح کرلو)، تو اس کا خمس اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، پھر یہ تمھاری ہے۔'' [2]

کسی کافر کو کوئی بھی مسلمان پناہ دے دے تو وہ امن میں ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَدْلٌ وَّلَا صَرْفٌ»

''اور مسلمانوں کا ذمہ (اور پناہ) یکساں ہے۔ مسلمانوں کا ادنیٰ آدمی بھی اس کی پاس داری کی کوشش کرے گا۔ جس نے کسی مسلمان کا ذمہ توڑا، اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے فرشتوں کی اور سب لوگوں کی قیامت کے دن اس کی عبادت سے کوئی فرض اور نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔'' [3]

---

[1] [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في عبيد المشركين يلحقون بالمسلمين فيسلمون، حديث: 2700، وجامع الترمذي، المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه......، حديث: 3715. [2] صحيح مسلم، الجهاد، باب حكم الفيء، حديث: 1756. [3] صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة، ودعاء النبي ﷺ فيها بالبركة......، حديث: 1371.

سفیر کو پناہ حاصل ہے: نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے مسیلمہ کذاب کا خط سننے کے بعد اس کے ایلچیوں سے پوچھا:

«مَا تَقُولَانِ أَنْتُمَا؟» قَالَا: نَقُولُ كَمَا قَالَ، قَالَ: «أَمَا وَاللهِ! لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا»

''تم دونوں کیا کہتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ہم بھی وہی کہتے ہیں جو مسیلمہ کہتا ہے، آپ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر یہ دستور نہ ہوتا کہ ایلچیوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تمھاری گردنیں اڑا دیتا۔''[1]

مسلمانوں کی مصلحت کے لیے مسلمانوں کا حاکم کفار سے ایک مدت تک کے لیے صلح کر سکتا ہے: امام المسلمین اور دانشور لوگ مسلمانوں کی مصلحت کے لیے کفار اور ان کے قبائل کے شر سے حفاظت کی ضمانت کے ساتھ دس سال تک بھی صلح کر سکتے ہیں۔ اس بارے میں یہ قول کہ صلح کے لیے مدت دس سال بھی ہو سکتی ہے، قابل اعتماد ہے۔ صاحب طبقات ابن سعد (97/2) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (343/5) میں اسی کو ترجیح دی ہے اور مستدرک حاکم میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

کفار جزیہ دینے پر راضی ہوں تو دائمی صلح جائز ہے: مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ، جو بنی عامر بن لؤی کے حلیف تھے اور غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے، نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین روانہ کیا تاکہ وہاں کا جزیہ لے آئیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اہل بحرین سے مصالحت کر لی تھی اور علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا تھا، چنانچہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لے کر آئے۔ انصار کو ان کی آمد کی خبر ہوئی، وہ سب فجر کی نماز میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، جب آپ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو وہ بھی آپ کے سامنے آ گئے، آپ نے انھیں دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا: ''میرا خیال ہے کہ تم لوگوں نے سن لیا ہے کہ ابوعبیدہ کچھ لائے ہیں۔'' انھوں نے کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا:

«فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ، فَوَاللهِ! لَا الْفَقْرَ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنِّي أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ»

''خوش ہو جاؤ اور اس چیز کی امید رکھو جو تمھیں خوش کر دے، اللہ کی قسم! مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم لوگ فقر زدہ

[1] [حسن] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرسل، حديث:2761، ومسند أحمد:488,487/3.

رہ جاؤ گے، بلکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم پر دنیا اسی طرح کھول دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کھول دی گئی تھی، تم اس میں اسی طرح مگن ہو جاؤ گے جس طرح پہلے لوگ مگن ہو گئے تھے اور پھر دنیا تمھیں اسی طرح ہلاک کر ڈالے گی جس طرح اس نے ماضی کے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا۔‘‘ [1]

مشرکین اور ذمیوں کا جزیرۃ العرب میں رہنا ممنوع ہے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، حَتّٰى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا»

’’میں یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے یقیناً نکال کر رہوں گا اور یہاں مسلمانوں کے سوا اور کسی کو نہیں رہنے دوں گا۔‘‘ [2]

جزیہ بالغ مردوں سے لیا جائے: نافع، اسلم رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے امراء کو لکھا کہ غیر مسلموں کی عورتوں اور بچوں پر جزیہ نہ لگاؤ، صرف ان پر لگاؤ جن پر استرے چل چکے ہیں (جن کے زیر ناف کے بال اُگ آئے ہیں اور وہ انھیں مونڈتے ہیں، یعنی بالغ ہو چکے ہیں۔) [3]

جزیے کی مقدار: معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے یمن روانہ فرمایا تو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کی مالیت کے برابر (معافری) ریشمی کپڑا وصول کیا جائے۔ [4]

جزیہ اس مقدار سے زیادہ بھی لیا جا سکتا ہے جیسا کہ اسلم رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سناروں پر چار دینار اور چاندی والوں پر چالیس درہم جزیہ عائد کیا تھا، ساتھ ہی یہ تاکید بھی کی تھی کہ وہ مسلمانوں کے قافلوں کو کھلائیں پلائیں گے اور تین دن کی ضیافت پیش کیا کریں گے۔ [5]

حاکمِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان معاملات میں وسعت اور تنگدستی کے حالات کو پیش نظر رکھے، ابن ابی نجیح فرماتے ہیں کہ میں نے مجاہد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ اہل شام کے غیر مسلمانوں پر فی کس چار دینار اور اہل یمن کے کافروں پر صرف ایک دینار جزیہ لاگو ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ ان کی وسعت کی بنا پر ہے۔ [6]

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: 12، حديث: 4015، وصحيح مسلم، الزهد، باب الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2961 واللفظ له. [2] صحيح مسلم، الجهاد، باب إخراج اليهود والنصارٰى من جزيرة العرب، حديث: 1767.
[3] [صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي: 195/9، والإرواء، حديث: 1255. [4] [صحيح] سنن أبي داود، الخراج، باب في أخذالجزية، حديث: 3038، وجامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في زكاة البقر، حديث: 623، والإرواء، حديث: 1254.
[5] [صحيح] السنن الكبرٰى للبيهقي: 195/9، والإرواء، حديث: 1261. [6] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب، قبل الحديث: 3156، والإرواء، حديث: 1260.

باغیوں سے قتال کا حکم

حق کی طرف رجوع کرنے تک باغیوں سے قتال واجب ہے: سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا‌ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ‌ ۚ ﴾

''اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے، تو تم اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔'' [1]

باغیوں سے کیا سلوک کیا جائے؟ گرفتار کیے جانے پر باغیوں کو غلام بنایا جائے نہ قتل کیا جائے اور جو بھاگ اٹھے، اس کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمی کو قتل نہ کیا جائے، نہ ان کا مال لوٹا جائے۔ کیونکہ مسلمانوں کے خون اور مال میں اصل حرمت ہے، جب تک کوئی شرعی دلیل نہ ملے، ان کا خون اور مال حلال نہیں ہو سکتا۔

امامت عظمیٰ کے احکام

حاکم کی اطاعت کی جائے مگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والی بات نہ مانی جائے: سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ۚ ﴾

''تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔'' [2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»

''مسلمان پر واجب ہے کہ ہر بات سنے اور اطاعت کرے، چاہے اسے پسند آئے یا نہ آئے جب

[1] الحجرٰت 49:9. [2] النسآء 4:59.

تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے، ہاں جب کسی معصیت کا حکم دیا جائے تو وہ بات سنی جائے نہ مانی جائے۔'' [1]

امام جب تک نماز کا پابند ہو اور اس سے کسی صریح کفر کا اظہار نہ ہو اس کے خلاف خروج (بغاوت) جائز نہیں: عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ» قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: «لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ، قَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ. أَلَا! مَنْ وَّلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ، فَرَآهُ يَأْتِي شَيْئًا مِّنْ مَّعْصِيَةِ اللهِ، فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِي مِنْ مَّعْصِيَةِ اللهِ، وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ»

''تمھارے بہترین امام وہی ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں، تم ان کے لیے دعائیں کرتے ہو اور وہ تمھارے لیے دعائیں کرتے ہوں اور تمھارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم نفرت کرتے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتے ہوں، تم ان کو لعنتیں کرتے ہو اور وہ تمھیں لعنتیں کرتے ہوں۔''
صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس صورت میں ہم انھیں ان کے منصب سے علیحدہ نہ کر دیں؟ فرمایا: ''نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے ہوں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے ہوں، خبردار! جس پر کسی کو والی مقرر کیا گیا ہو، وہ اس میں اللہ کی کوئی نافرمانی دیکھے، تو چاہیے کہ اس کی نافرمانی کو مکروہ جانے مگر اس کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نہ کھینچے۔'' [2]

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم بڑی بری حالت میں تھے، اللہ نے خیر بھیج دی اور اب ہم خیر کی موجودہ حالت میں ہیں، کیا اس خیر کے بعد کوئی شر بھی ہے؟ فرمایا:

«نَعَمْ» قُلْتُ: هَلْ وَرَاءَ ذٰلِكَ الشَّرِّ خَيْرٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ» قُلْتُ: فَهَلْ وَرَاءَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ شَرٌّ؟ قَالَ: «نَعَمْ» قُلْتُ: كَيْفَ؟ قَالَ: «يَكُونُ بَعْدِي أَئِمَّةٌ لَّا يَهْتَدُونَ بِهُدَايَ، وَلَا يَسْتَنُّونَ بِسُنَّتِي، وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ»

[1] صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، حديث: 7144، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية و تحريمها في المعصية، حديث: 1839. [2] صحيح مسلم، الإمارة، باب خيار الأئمة وشرارهم، حديث: 1855.

قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ أَصْنَعُ؟ يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِكَ؟ قَالَ: «تَسْمَعُ وَتُطِيعُ [لِلْأَمِيرِ]، وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ، وَأُخِذَ مَالُكَ، فَاسْمَعْ وَأَطِعْ»

''ہاں۔'' میں نے عرض کیا: تو کیا اس شر کے بعد خیر ہوگی؟ فرمایا:''ہاں۔'' میں نے عرض کیا: تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر بھی ہوگا؟ فرمایا:''ہاں۔''میں نے نے عرض کیا: کیسے؟ فرمایا:

''میرے بعد امام ہوں گے، وہ میری سیرت اور میرے طریقے پر نہیں چلیں گے، نہ میری سنت اپنائیں گے، ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ ان کے دل انسانی جسموں میں شیطانوں کے دل ہوں گے۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے یہ حالات پیش آ جائیں تو کیا کروں؟ فرمایا:''امیر کی بات سننا اور ماننا، چاہے تیری پیٹھ پر مارا جائے اور تیرا مال چھین لیا جائے، پس سننا اور ماننا۔''[1]

حاکم کے ظلم پر صبر ضروری ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَأٰى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ، فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ، فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ»

''جس نے اپنے امیر کی کوئی مکروہ ناپسندیدہ چیز دیکھی، اسے صبر کرنا چاہیے، بلاشبہ جس نے جماعت سے ایک بالشت بھر بھی علیحدگی اختیار کی اور مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔''[2]

ابو حازم کہتے ہیں کہ میری ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانچ سال تک مجلس رہی ہے، میں نے ان سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ» قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: «فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، وَأَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ»

''بنو اسرائیل کی قیادت ان کے انبیاء کرتے تھے، جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آ جاتا تھا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔'' صحابہ نے پوچھا:

[1] صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهورالفتن......، حديث: 1847. [2] صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، حديث: 7143، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن......، حديث: 1849 واللفظ له.

آپ اس سلسلے میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: ''پہلے کی بیعت سے وفا کرنا (پوری کرنا)، پھر اس کے بعد دوسرے کی، ان کا حق انھیں دینا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں جواب طلب کرے گا۔'' [1]

حکام کی خیر خواہی واجب ہے: تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ» قُلْنَا : لِمَنْ؟ قَالَ : «لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»

''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' ہم نے کہا: کس کے لیے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکام کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔'' [2]

حکام پر رعایا کے فرائض: حکام پر واجب ہے کہ مسلمانوں کا ہر طرح سے دفاع کریں، ظالم کا ہاتھ روکیں، ان کی سرحدوں کی کامل حفاظت کریں۔ ان کے معاشرے میں شریعت نافذ کریں، ان کے دین اور ان کے مال کی حفاظت کریں۔ اللہ کے اموال ان کے صحیح مقامات پر خرچ کریں۔ معروف انداز میں کفایت سے زیادہ دینے میں بخیل نہ بنیں۔ ان کے ظاہر اور ان کے باطن کی اصلاح کے لیے خوب محنت اور کوشش سے کام لیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ امیر عبید اللہ بن زیاد نے معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ کی ان کے مرض الموت میں عیادت کی۔ معقل رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری زندگی باقی ہے تو میں تم کو یہ بات نہ سناتا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً، يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِّرَعِيَّتِهِ، إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»

''جس بندے پر اللہ کسی رعیت کی کوئی ذمہ داری ڈال دے اور وہ اس حال میں مرا کہ اپنی رعیت کی خیانت کرنے والا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔'' [3]

[1] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب ماذکر عن بني إسرائیل، حدیث: 3455، وصحیح مسلم، الإمارة، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة الأول فالأول، حدیث: 1842 واللفظ له. [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان أن الدین النصیحة، حدیث: 55. [3] صحیح البخاري، الأحکام، باب من استرعی رعیة فلم ینصح، حدیث: 7150، وصحیح مسلم، الإیمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعیته النار، حدیث: 142 واللفظ له.

ابو الملیح سے روایت ہے کہ امیر عبید اللہ بن زیاد نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بیماری میں ان کی عیادت کی، معقل نے کہا: میں تجھے ایک حدیث سناتا ہوں، اگر میں مر نہ رہا ہوتا تو تجھ سے یہ حدیث بیان نہ کرتا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے:

«مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ»

''جو امیر مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے اور پھر ان کے لیے محنت اور کوشش نہ کرے اور ان کی خیر خواہی نہ کرے، تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' [1]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، حديث: 142.